More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



# پیش لفظ

ماہنامہ کرن ڈائجسٹ میں قسط وار چلنے والا ناول ''ڈھلے چاند دل کے پار'' اب کتابی صورت میں آپ لوگوں کے سامنے ہے معلوم نہیں پڑھتے ہوئے آپ کی ہمدردیاں کن کرداروں کے ساتھ ہوں گی اور کون سے کردار معتوب ٹھہریں گے۔ میں نے ہمیشہ افسانہ، ناول یا ناولٹ لکھتے ہوئے کرداروں کی نفسیات اور ماحول کو مدنظر رکھا ہے۔ اس ناول کا ایک مضبوط کردار کبریٰ خانم جسے نیگیٹو رول بظاہر کہا جاسکتا ہے مگر میری سوچ کے مطابق وہی کہانی کی ہیروئن ہے۔

اگر ہم ناول کو پڑھتے پڑھتے کچھ دیر کے لئے کتاب بند کردیں اور ایمانداری سے اس کردار کے بارے میں سوچیں پھر اس کی جگہ خود کو رکھیں تو میرا خیال ہے پھر ہم اسے حق بجانب پائیں گے۔

محبت اور نفرت کے بیچ بڑی نازک سی لکیر ہوا کرتی ہے اور محبت کرنے والی عورت کے دل کا شیشہ بھی اتنا ہی نازک ہوا کرتا ہے۔ شیشہ ٹوٹے گا تو کرچیاں بدن میں چبھیں گی، تکلیف ہوگی تو بے اختیار ہاتھ تکلیف پہنچانے والے کے گریبان تک پہنچیں گے۔ مگر ہمارے ہاں عورت سے اس کی توقع نہیں کی جاتی اُسے خاموش رہنے اور صبر کرنے کا سبق دیا جاتا ہے جو بغاوت کردے وہ قابل نفرت ٹھہرتی ہے اس کے مرنے کے بعد بھی اس کا کردار خاندان کے لئے باعث شرم ٹھہرتا ہے۔

دوسرا بڑا کردار جمشید شاہ کا ہے جو میرا خیال ہے ہمارے ہاں کے نوے فیصد مردوں کے کرداروں کی عکاسی کرتا ہے۔ اس کردار کو لکھتے ہوئے مجھے زیادہ محنت نہیں کرنا پڑی کہ یہ تو آس پاس بڑی تعداد میں پایا جاتا ہے اور ان کرداروں کو دیکھتے ہوئے گہری نظر سے ان کا مشاہدہ کرتے ہوئے میں نے بارہا سوچا یہ عشق کیا چیز ہے اور یہ مرد کیا واقعی کسی عورت سے عشق کیا کرتے ہیں؟ اگر کرتے ہیں تو پھر عورت کو پاتے ہی یہ عشق پانی کا بلبلہ کیوں ثابت ہوتا ہے؟ بس میں اس نتیجے پر پہنچی ہوں کہ مرد عورت سے عشق نہیں کرتا وہ ضد کرتا ہے۔ جیسے ایک بچہ کسی کھلونے کے لئے مچل اُٹھتا ہے اور کھلونا پانے کے کچھ ہی دیر بعد اس سے غافل ہو جاتا ہے۔ تو میرا آپ سے سوال ہے۔

''کیا عورت واقعی کھلونا ہے......؟''

تیسرا بڑا کردار اردشیر کا ہے اور یہ اس ناول کا سب سے پسندیدہ کردار ٹھہرا ہے۔ ایسا کیوں ہوا وجہ مجھے معلوم نہیں۔ مگر اس کی پسندیدگی ہماری عمومی سوچ کی عکاسی کرتی ہے۔ اب ہمارے ہاں سے نیک و بد کا وہ تصور مٹتا جارہا ہے جو کبھی ہوا کرتا تھا اور برائی ہمیں اٹریکٹ کرنے لگی ہے۔ خاص کر ہم نے مرد کو اس کی اجازت دے دی ہے۔

اس ناول کو میں نے بہت توجہ اور اپنائیت سے لکھا اور مجھے اسے لکھتے ہوئے جس کردار سے محبت ہوئی وہ کردار...... کبریٰ خاتون کا ہی ہے...... یقیناً یہ پڑھ کر آپ کو دھچکا لگے گا اور شاید کچھ دیر کے لئے آپ مجھ سے اُکتاہٹ محسوس کریں۔ مجھے معاشرے کی اقدار سے باغی قرار دیں تو ہاں مجھے اعتراف ہے میں باغی ہوں۔

ثمرہ بخاری

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com


ایک سی عقل وذہانت، ایک سی سوچ، زندگی کے ہر دُکھ سُکھ کی شریک، گرنے لگو تو بڑھ کر تھام لے، کچھ جو سارا زمانہ ساتھ چھوڑ دے تو یہ اپنے آنچل کی چھاؤں میں سمیٹنے کو تیار، تم مسکراہٹ نچھاور کر دو گے تو وہ تن من دھن وار دے گی، تم خفگی کا اظہار کرو گے، وہ پیروں میں بکھر جائے گی۔

بس اُسے اتنا یقین ہونا چاہئے کہ تم اُس کے ہو، سر سے پاؤں تک اُس کے ہو، دل میں بھی وہ ہے اور ذہن بھی اسی کے بارے میں سوچتا ہے...... اور اگر ایسا نہ ہوا تو ابنِ آدم...... اگر تم نے زندگی کے ہر دُکھ سُکھ میں شریک ہونے والی سے منہ موڑ لیا، آنکھوں میں کسی اور کو بسا لیا۔ پھر کبھی سوچا ہے...... کہ وہ کیا کرے گی؟

جس بے چاری کی دُنیا تم سے شروع ہو کر تم پر ہی ختم بھی ہو جاتی ہے، وہ کیسے زندہ رہے گی......؟ رہے گی بھی یا مر جائے گی......؟ اگر زندہ رہ گئی تو کیا پھر بھی وہ تم سے محبت کرے گی، تب بھی اپنا آپ مٹائے گی تمہارے لئے، اس کے دل میں تب بھی تمہیں دیکھ کر گھنگھرو سے بجنے لگیں گے، کیا پھر بھی وہ تمہاری زندگی کی خاطر مرنے کو تیار ہو جائے گی۔؟

ابنِ آدم! کبھی سوچا ہے تم نے......؟ نہیں...... تو ٹھیک ہے، مت سوچو، تم ڈوبے رہو اپنی طاقت کے نشے میں...... تم بنے رہو حاکم اور کرتے رہو عورت پر حکمرانی...... مگر شکست تو عورت نے بھی کبھی تسلیم نہیں کی، وہ اس بے وفائی کا انتقام ضرور لیتی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ یہ انتقام بھی وہ اکثر اپنی ہی ذات سے لیتی ہے...... جب تم دُکھ دیتے ہو اُسے تو وہ اپنے ہونٹ سی لیتی ہے، گرم گرم کھولتے دُکھ ایک دم سے اپنے اندر اُنڈیل لیتی ہے۔ وہ جل جاتی ہے اندر سے، اور یہی کھولتے دُکھ ایک روز اُسے اِس دُنیا سے دُور لے جاتے ہیں، جس پر اس کا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا کہ تمہارا ہے۔ اس خاموشی، احتجاج اور خود کو دی جانے والی سزا کا کسی کو پتا بھی نہیں چلتا۔

اور کچھ ایسی بھی ہیں جو محبت کے لٹنے کا ماتم سرِ عام کرتی ہیں، ناانصافی کے نتیجے میں تند و تیز موج بن جاتی ہیں، زخم خوردہ شیرنی کی مانند جھپٹ پڑتی ہیں اور پہلے ہی حملے میں ڈھیر کر دی جاتی ہیں۔

''مگر میں...... کبریٰ خاتون، میں ان دونوں قسموں میں سے نہیں ہوں، میں نے زمانے کی چالوں کو بہت غور سے دیکھا ہے جمشید شاہ اور ان سے سبق حاصل کیا ہے۔ شاہ! تمہیں اب شاید یہ بھی یاد نہیں ہوگا کہ کبھی کبریٰ تمہاری محبت ہوا کرتی تھی، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا قرار تھی، ساری دُنیا سے چُھپ کر تم اور ہم ملا کرتے تھے اور آنے والے سنہری دور کے سپنے بُنا کرتے تھے...... تم نے تو مجھے فرش سے عرش پر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بٹھا دیا تھا، تمہارے دعوؤں نے مجھے مغرور کر دیا تھا اور تمہاری زبان سے ادا ہونے والی ایک ایک بات میں حفظ کر لیا کرتی تھی اور تمہارے جانے کے بعد سوچا کرتی تھی، کیا واقعی میں دُنیا کی حسین ترین عورت ہوں یا یہ شاہ کی نظروں کا قصور ہے۔

تم کہتے تھے رات بستر پر لیٹ کر مجھے ہی سوچتے ہو اور تمہارے خوابوں میں بھی میں ہی ہوتی ہوں...... اور پھر ایک دن ہزاروں لوگوں کی موجودگی میں تم بڑی چاہ سے مجھے بیاہ کر لائے تھے، شب زفاف بہت سے وعدے ہوئے تھے مجھ سے، جو تم نے وفا نہیں کیے...... اور جمشید شاہ! میں نے جتایا بھی نہیں...... اس لئے کہ میں عورتوں کی اس پہلی اور دُوسری قسم سے نہیں ہوں، میں اندر ہی اندر گھٹ گھٹ کر مروں گی اور نہ تند و تیز موج بنوں گی۔ میں ایک ذہین عورت ہوں، میں جانتی ہوں شاہ کہ جب ایک بار عورت، مرد کے دل سے اُتر جاتی ہے، پھر ہزار ہا جتن کے باوجود پہلے والا مقام حاصل نہیں کر سکتی۔

مرد اور عورت کی محبت دریا کے پانیوں کی طرح ہے، دریا کا پانی رُکتا نہیں چلتا رہتا ہے، ایک موج جو چلی جاتی ہے، پھر نہیں آتی...... میں کیوں یاد دلاؤں......؟ میں کیوں جتاؤں......؟ جب تم بھول چکے ہو، ایک نہیں دو سوکنیں مجھ پر لا چکے ہو، اس جرم میں کہ میں تمہیں بیٹا نہیں دے سکی۔ اُوپر تلے دو بیٹیاں میری گود میں آئی ہیں اور تم...... جمشید شاہ، تم کیا سمجھتے ہو، اس ظلم کے باوجود میں وہ پہلی سی کبریٰ خاتون ہوں...... میرے دل میں آج بھی تمہارے نام سے چراغ جل اُٹھتے ہیں تو یہ تمہاری بھول ہے جو مرد، عورت کو گھر کا سُکھ نہ دے سکے، پوری ایمانداری سے اپنا آپ نہ سونپ سکے، جو شرطوں کے ساتھ محبت کرے، بیٹا ہو تو دُنیا جہاں کی نعمتیں قدموں میں اور بیٹی ہو تو گھر کا ایک کونا...... تو کیا ایسے مرد سے عورت محبت کر سکتی ہے......؟

کم از کم میرے جیسی ذہین عورت ہرگز نہیں......؟

''شاہ! تم تین بیٹیوں کے باپ ہو، دو میری اولاد ہیں...... ایک فاطمہ سے ہے، تم نے کبھی ان تینوں کو پیار کیا......؟ کبھی ان سے پوچھا کہ تمہیں کسی شے کی ضرورت تو نہیں......؟ یہ بھی تمہارا خون ہیں...... اور اردشیر بھی...... مجھے یقین ہے اردشیر کے لئے تم جان بھی دے سکتے ہو اور مجھے نفرت ہے تمہارے لاڈلے بیٹے سے...... مگر میرے انتقام کا طریقہ الگ ہے...... یہ ایک طویل اور صبر آزما طریقہ ہے مگر میں نے یہی طریقہ اپنایا ہے کہ اس میں ناکامی کا خوف نہیں۔''

• • •

جمشید شاہ کے اکلوتے صاحبزادے اردشیر کی ساتویں سالگرہ ہے۔ تقریب شام کو ہے۔ مگر کبریٰ خاتون نے صبح ہی تمام انتظامات ملازموں کے سر پر کھڑے ہو کر یوں مکمل کروائے ہیں، جیسے مہمان بس آیا ہی چاہتے ہیں۔ اس سے پہلے بھی چھ بار یہ دن آیا ہے مگر اس طرح وسیع پیمانے پر انتظام کبھی نہیں ہوا۔ جمشید شاہ غریبوں میں خیرات تقسیم کروا دیتے تھے اور گھر میں...... سب لوگ اردشیر کو تحائف دے دیتے تھے مگر اس بار کبریٰ خاتون نے کہہ دیا تھا کہ تقریب وسیع پیمانے پر ہوگی۔ سب عزیزوں کو بلایا جائے گا اور اردشیر سب کی دُعاؤں کے درمیان اپنی ساتویں سالگرہ کا کیک کاٹے گا۔

''کیا خیال ہے بڑی آپا، اب اردشیر کی رسم بسم اللہ بھی ادا کر دی جائے تو کیسا رہے گا......؟''

راحت تھی تو اردشیر کی حقیقی والدہ مگر کبریٰ خانم کی وہ زیادہ مانتی تھی...... اسی لئے اس نے پوچھا تھا۔



''نہیں نہیں راحت بی بی، یہ کیا غضب کرتی ہو، ابھی ہمارے بیٹے کی عمر ہی کیا ہے، تم ابھی سے اس پر پڑھائی کا بوجھ مت ڈالو......''

''مگر آپا......! تینوں لڑکیوں نے تو ماشاءاللہ آٹھ برس کی عمر میں قرآن پاک ختم کر لیا تھا اور اردشیر اب خیر سے سات برس کا ہونے کو آیا ہے۔ اب سے پڑھنا شروع کرے گا، تب ہی آٹھ برس تک......''

''اوہو راحت بی بی، تم بھی کمال کرتی ہو......'' کبریٰ خاتون نے اُس کی بات کاٹ دی اور کہنے لگیں۔

''لڑکیوں کی بات اور تھی مگر اردشیر جمشید شاہ کا اکلوتا بیٹا ہے...... تمام جائیداد کا وارث...... اور وارث کی تربیت کس طرح کی جاتی ہے، یہ تم نہیں جانتیں......''

اور ان الفاظ کے آگے راحت کے پاس بولنے کے لئے ہمیشہ کی طرح آج بھی کچھ نہیں تھا، وہ سر جھکا کر رہ گئیں...... اور کبریٰ خاتون، اردشیر کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہنے لگیں۔

''ابھی اسے خوب کھیلنے کودنے دو، صحت بنانے دو، کھلی فضاؤں میں دوڑنے دو، اسے بہادر بننا ہے اور مضبوط بھی...... پڑھائی کا کیا ہے، ابھی پڑھنے کے لئے عمر پڑی ہے...... مگر صحت بنانے کی عمر یہی ہے...... ابھی اس پر بوجھ نہ ڈالو...... کیوں شاہ جی، ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں......؟''

اس نے جمشید شاہ کو مخاطب کیا جو ابھی یہاں آئے تھے اور بڑے غور سے کبریٰ خاتون کی باتیں سُن رہے تھے۔ اُن کی آنکھوں میں کبریٰ خاتون کے لئے محبت اور عقیدت کے جذبات تھے جو سوتن کے بیٹے کو اس لئے چاہت کی نظر سے دیکھ رہی تھی، اپنی بیٹیوں پر فوقیت دیتی تھی کہ وہ صرف شاہ کا بیٹا تھا اور شاہ کے لئے کبریٰ کیا کچھ کر سکتی تھی، یہ کوئی ڈھکی چھپی بات تو نہ تھی۔

جمشید شاہ کبریٰ خاتون کی قدر کرتے تھے بلکہ یہ کہنا مناسب ہوگا کہ کرنے لگے تھے۔

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد دو سال تک تو یک جان دو قالب تھے یہ دونوں، مگر اس کے بعد دونوں بیٹیوں ستارہ اور شیریں کی پیدائش نے شاہ کی محبت پر برف کی سِل رکھ دی۔ جس محبت اور چاہت سے وہ اسے اس آنگن میں لائے تھے، جس طرح پچھلے دو برسوں میں انہوں نے حویلی اور شوہر کے دل پر راج کیا تھا، اُنہیں گمان بھی نہیں تھا کہ شاہ یوں بدل جائیں گے۔ وہ تو سمجھتی تھیں اُن کی گود میں دو نہیں چار بھی بیٹیاں آ جاتیں تو شاہ کی محبت کا پھول یونہی تر و تازہ رہے گا اور اُس کی مہک کبریٰ خاتون کو زندگی کی نوید دیتی رہے گی۔

''جمشید اور شادی کی بات کریں...... ناممکن...... وہ دُوسرا بیاہ نہیں کر سکتے...... وہ وعدے قسمیں جو...... شادی سے پہلے اُن کے درمیان ہوئے تھے، وہ شاہ کے پیروں کی زنجیر بن جائیں گے۔ شاہ ان کے ہیں اور اُن کے رہیں گے۔''

مگر شیریں کی پیدائش کے بعد تو حالات بالکل ہی بدل گئے۔ شاہ نے زنان خانے آنا بہت کم کر دیا تھا اور اُن کی والدہ کا رویہ سرد سے سرد تر اور پھر تلخ ہونے لگا تھا۔ پھر ایک روز اماں بیگم نے جمشید شاہ کو اپنے کمرے میں بلایا۔ دیر تک ماں بیٹے میں جانے کیا باتیں ہوتی رہیں۔ کبریٰ نے جاننے کی کوشش بھی نہیں کی۔ یہ تو اسے بعد میں ایک ملازمہ کے ذریعے پتا چلا، اماں بیگم نے اس کے سرتاج کو دُوسری شادی کے لئے کہا ہے اور ستم تو یہ کہ شاہ نے بلا چون و چرا اسر اثبات میں ہلا دیا کہ یہ بات تو اُن کے دل میں پہلے سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھی۔ دو بیٹیاں اُنہیں سینے پر دھرے بوجھ کی طرح محسوس ہوتی تھیں...... لوگ کیا کہتے ہوں گے اتنا بڑا زمیندار اور وارث کوئی بھی نہیں...... ''یہ دو بیٹیوں کا باپ ہے......'' شاہ کو یہ جملہ گالی سے کم نہیں معلوم ہوتا تھا۔

کبریٰ کو ملازمہ کی بات پر یقین نہیں آیا تھا، اس کا خیال تھا اماں بیگم نے یہ بات کہی ہوگی مگر جمشید اس سے اتنی جلدی مایوس نہیں ہوں گے۔ صرف دو ہی بیٹیاں ہیں ناں اور پھر شادی کو کوئی اتنا عرصہ بھی نہیں ہوا آج نہیں تو کل دینے والا بیٹے سے بھی نواز دے گا...... مگر جب ساس نے کمرے میں آ کر کہا......

''میں جمشید کی دُوسری شادی کر رہی ہوں......'' تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ وہ مسہری پر بیٹھی تھی، کھڑی ہوئی تو گوٹے والا سبز دوپٹہ شانوں سے پھسل کر فرش پر آ گرا۔

''محبتوں میں شراکت مجھے منظور نہیں......'' ساس کے کمرے سے جاتے ہی اُس نے مردانے میں پیغام بھجوا کر شاہ کو بلوایا...... جب تک وہ نہیں آئے، بے قراری کے عالم میں کمرے کی ایک دیوار سے دوسری دیوار تک چکر لگاتی رہی اور ہاتھ ملتی رہی...... دروازے پر پڑا بھاری پردہ ہٹا کر شاہ اندر آئے اور کبریٰ رُک کر ایک ٹک اُنہیں دیکھنے لگی...... بظاہر تو کچھ بھی نہیں بدلا۔ وہی آنکھیں ہیں جن میں کبریٰ کی محبت لو دیتی تھی۔ وہی عنابی لب جن پر کبریٰ کا نام ہوا کرتا تھا اور وہی ہاتھ جو اُسے تھام تھام لیتے تھے۔

''تم نے بلایا تھا کبریٰ......'' اُس کے یوں دیکھنے پر وہ کچھ حیران سے ہو کر پوچھ رہے تھے، اُن کی آواز اسے جگانے میں معاون ثابت ہوئی۔

''یہ میں کیا سن رہی ہوں شاہ جی......؟'' لہجے میں آنسوؤں کی گھلاوٹ تھی اور چہرے کا رنگ متغیر تھا۔

''ایسا کیا سن لیا......؟'' وہ سمجھ کر بھی انجان بن گئے تھے۔

''میری محبت پر ڈاکا پڑ رہا ہے...... آپ کسی اور کے ہو رہے ہیں اور پوچھ رہے ہیں، ایسا کیا سن لیا میں نے...... مجھے بتائیں جو کچھ میں نے سنا، کیا واقعی وہ سچ ہے؟'' اب بھی شاید کبریٰ خاتون کو موہوم سی اُمید تھی کہ شاید وہ کہہ دیں، یہ صرف اماں بیگم کا فیصلہ ہے، جس پر عمل کرنا میرے لئے ناممکن ہے۔ مگر وہ کہہ رہے تھے۔

''ہاں یہ سچ ہے کیونکہ مجھے وارث چاہئے۔''

''تو کیا میں آپ کو وارث نہیں دے سکتی......؟'' شاہ کا سپاٹ چہرہ اور ہر جذبے سے یکسر عاری آواز کبریٰ کے دل کی دُنیا لہولہو کر گئی۔

''ہونہہ...... آٹھ سال تو ہو گئے ہیں شادی کو...... یہ دو بیٹیاں، آئندہ چند سالوں میں دو سے چار کر لو گی بیٹا نہیں دے سکو گی۔''

''یہ سب تو اللہ کے کام ہیں شاہ جی......'' اُس کو خود اپنی ہی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

''ہاں، اور یہ یاد رہے کہ دوسری شادی گناہ نہیں ہے، اجازت ہے مرد کو۔''

''میں نے کب انکار کیا ہے اس بات سے مگر...... مگر میں یہ برداشت نہیں کر سکوں گی۔ میں نے آپ کو صرف شوہر ہی نہیں سمجھا، آپ میرے محبوب ہیں، میں نے پوجا ہے، آپ کو......'' آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے مگر مقابل کا دل اس کے لئے پتھر ہو چکا تھا۔ یہ آنسو انہیں صرف کوفت میں مبتلا



کر رہے تھے۔ کہا تو صرف اتنا......

''کبریٰ خاتون...... تمہیں اور تمہاری بیٹیوں کو حق ملتا رہے گا، روپے پیسے کی طرف سے کبھی پریشانی نہیں ہوگی...... چاہو تو اسی حویلی میں رہو اور چاہو تو چھوٹی حویلی میں چلی جاؤ۔''

''واہ...... کیسا حق ملتا رہے گا......! تم ہی اپنے نہیں ہو گے شاہ جی تو پھر یہ سونے چاندی کے زیور گہنے لے کر کیا کروں گی میں......؟''

مگر وہ جا چکے تھے اور کبریٰ کے نصیب کا تارہ ڈوب چکا تھا۔

فاطمہ کبریٰ خاتون کے ماموں کی بیٹی تھی...... اس سے چند برس چھوٹی تھی، نازک سی، پیاری لڑکی اور کبریٰ کو کیا پتا تھا کہ وہی فاطمہ جو اسے آپا آپا کہتے نہیں تھکتی، ایک روز سوکن کے روپ میں اُس کی سیج پر آ بیٹھے گی۔

کبریٰ نے اُس شادی میں شرکت نہیں کی۔ دُنیا دکھاوے کو بھی نہیں آئی...... الگ تھلگ کمرے میں پڑی اپنی قسمت کا ماتم کرتی رہی...... ان دو معصوم بیٹیوں کا خیال نہ ہوتا تو خودکشی کر لیتی اپنا محبوب شوہر فاطمہ کے قریب دیکھنے کا حوصلہ اس میں نہیں تھا۔ اور ساس لوگوں کے سوالوں کے جواب دیتے دیتے تنگ آ گئی تھیں۔ اور خود اس کے کمرے میں چلی آئیں۔ کبریٰ جو اُن کے احترام میں ہمیشہ کھڑی ہو جایا کرتی تھی...... آج کھڑے ہونا تو درکنار، وہ اُٹھ کر بیٹھی بھی نہیں۔

''کیوں ماتم کر رہی ہو......؟ ایسا کیا ظلم ٹوٹ پڑا ہے تم پر......؟ کیا تم دُنیا سے نرالی عورت ہو......؟ آج سے پہلے کسی مرد نے پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی نہیں کی......؟ کیا صرف تم پر ہی سوکن آئی ہے......؟ شکر نہیں کرتیں کہ وارث نہ دے کر بھی تم عزت کے ساتھ اس گھر میں ہو۔ میرے بیٹے نے نہ تو کبھی تم پر ہاتھ اُٹھایا ہے اور نہ تمہیں طلاق دی ہے۔''

''تو دلوا دو طلاق...... یہ دو روٹیوں اور گھر کی چھت کا احسان مت کرے وہ مجھ پر...... میرا تن ڈھانپنے والے، مجھے آسرا دینے والے میرے بھائی موجود ہیں۔ میں عزت دار گھرانے کی بیٹی ہوں، کسی شئے کی کمی نہیں ہے میرے میکے میں...... تم لوگ کیا سمجھتے ہو، اگر مجھے گھر سے نکال دو گے تو میں در در بھیک مانگتی پھروں گی۔ اسے کہو نکال دے مجھے......'' کبریٰ غصے سے پھٹ پڑی۔

''چپ ہو جاؤ بے وقوف لڑکی، اگر کسی نے سن لیا تو برا ہوگا۔ برادری جمع ہے اور لوگ آگ لگا کر تماشا دیکھنے کے شوقین ہوتے ہیں۔ کسی نے تمہاری یہ باتیں سن کر جمشید تک پہنچا دیں تو اچھا نہیں ہوگا۔ مرد کا غصہ چڑھتے طوفان کی طرح ہوتا ہے، جو آن کی آن میں سب کچھ بہا کر لے جاتا ہے اور عورت کے پاس کچھ بھی نہیں رہتا...... تم اسے مت للکارو، مزید بدنصیبی اپنی جھولی میں مت انڈیلو، جو ہوا اُسے قسمت کا لکھا سمجھ کر برداشت کر لو کہ تمہاری اور تمہاری بیٹیوں کی بھلائی اسی میں ہے...... بے شک تمہارا میکہ مضبوط ہے مگر یہ تمہاری بچیوں کے باپ کا گھر ہے...... تم تو اپنے باپ کے گھر چلی جاؤ گی مگر یہ بے گھر ہو جائیں گی۔ ان کے لئے وہاں کبھی کوئی جگہ نہیں ہوگی۔''

ساس کا لہجہ سمجھانے والا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے تجربات سامنے رکھے غم سے نڈھال عورت کو صبر اور صرف صبر کی تلقین کر رہی تھیں۔ اُسے زمانے کی اُونچ نیچ سمجھا رہی تھیں۔

بظاہر کبریٰ خاتون نے ساس کی تمام باتوں کو تسلیم کر کے غصہ تھوک دیا، مگر یہ کوئی نہیں جانتا کہ وہ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جو کل تک اس کا محبوب تھا، آج اس سے بڑھ کر قابلِ نفرت کوئی نہ تھا۔

تم نے دل دکھایا ہے ناں میرا شاہ......! تم بھی خوشی کو ترسو گے......اور میں تمہاری اس پیاس پر قہقہے لگاؤں گی۔ تمہیں دُکھی دیکھنا اب میرے لئے سب سے بڑی خوشی ہوگی۔"

فاطمہ کو دیکھتے ہی کبریٰ کی آنکھوں میں خون اُتر آتا تھا......سوکن سے مخاطب ہونا تو درکنار اُس نے بات کرنے کی کوشش بھی کی تو منہ پھیر کر چل دی۔ فاطمہ دل کی بری نہیں تھی اور اُسے احساس تھا کہ اُس کی آمد کبریٰ کے لئے کس قدر اذیت ناک ہے مگر وہ خود مجبور لڑکی تھی، یہ رشتہ اس کے بزرگوں نے طے کیا تھا، اس بے چاری سے تو کسی نے پوچھا تک نہ تھا۔

پھر وہ وقت بھی آگیا جب فاطمہ کا پاؤں بھاری ہوا اور نیندیں کبریٰ خاتون کی اُڑ گئیں۔ ان دنوں جمشید اور اماں بیگم کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی۔ اُنہوں نے فاطمہ کو ہتھیلی کا چھالا ہی تو بنا ڈالا تھا۔ اور یہ سب کبریٰ کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا۔ غصے کی شدید لہر اس کے جسم میں دوڑ جاتی اور بس نہیں چلتا تھا کہ فاطمہ کا گلا گھونٹ دے۔

بیٹا نہیں ہونا چاہئے......اُس کے اندر ہر وقت یہی تکرار ہوتی رہتی تھی۔

پھر پیر چنن کے مزار کی یاد آئی۔ یہ مزار اس کے میکے اور سسرال کی سرحد پر تھا۔ پیر چنن کے مرید دونوں گاؤں میں رہتے تھے اور کہا جاتا تھا کہ اس مزار پر مانی منت ضرور پوری ہوتی ہے۔ وہ بیٹیوں کو لے کر میکے چلی آئی اور منت مان لی...... کہ مسلسل چالیس روز دیا جلانا ہے اور خیرات کرنی ہے۔ ہر روز صبح سویرے ننگے پاؤں وہ اپنی میکے والی حوالی سے پیر چنن کے مزار تک جاتی اور خیرات کرتی اور پھر شام کو مغرب کے بعد دیا جلانے کے لئے اور دُعا مانگنے کے لئے جاتی۔ ننگے پاؤں اتنا فاصلہ روزانہ طے کر کے اس کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے مگر اس کو فکر تھی تو صرف اس بات کی کہ اگر بیٹا ہو گیا تو پھر کیا ہوگا......؟

اور پھر جس روز بھابھیوں نے پہلی بار اُس کے اتنے دن یہاں رہنے پر دبے دبے لہجے میں اعتراض کیا تو کبریٰ خاتون کو اندازہ ہوا کہ اگر وہ جمشید کے گھر سے نکال دی گئی تو ٹھکانا کہیں پر بھی نہ ہوگا۔ وہ ہمیشہ رہنے کے ارادے سے نہیں آئی تھی مگر بھابھی یہی کہتیں۔

"اب واپس نہیں جائے گی۔"

کبریٰ نے بڑے ضبط اور صبر کے ساتھ یہ دن کاٹے کہ منت پوری کرنا ضروری تھا۔

اور جس روز فاطمہ کے ہاں بیٹی پیدا ہونے کی اطلاع ملی، کبریٰ کا جی چاہتا تھا، اُڑ کر سسرال پہنچ جائے اور اپنی آنکھوں سے ساس، فاطمہ اور شاہ کے شکست خوردہ چہرے دیکھے، بے اختیار مسکراہٹ کبریٰ کے ہونٹوں پر اُمنڈ آئی تھی۔

بیٹی کی اطلاع کے ساتھ ہی واپس جانے کی تیاری شروع کر دی۔

سرِ شام وہ جمشید شاہ کی اُونچی حویلی کے سامنے تھی...... یوں لگتا تھا جیسے اُس...... بیٹی کی آمد پر حویلی کے بے جان در و دیوار بھی شرمندہ ہیں۔ کبریٰ مسکرا دی...... مگر جب وہ زنان خانے میں داخل ہوئی......تو چہرے پر گہری سنجیدگی تھی، دُکھ اور فکرمندی کے آثار تھے۔ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے وہ ساس کے کمرے میں آئی۔ انہیں یقیناً بڑی بہو اور پوتیوں کی آمد کی اطلاع مل چکی تھی مگر یہ خیال نہیں تھا کہ کبریٰ خاتون سیدھی اُن کے کمرے میں آئے گی۔ اُسے یوں اچانک سامنے دیکھ کر وہ نظریں نہیں ملا سکیں۔ جبکہ



اس وقت کبریٰ کی نگاہوں میں انہیں جتانے والے انداز کی ہلکی سی رَمق بھی نہیں تھی۔ اُس نے بڑے ادب سے ساس کو سلام کیا، حال پوچھا اور پھر کہنے لگی......

"میں نے سنا ہے بیٹی ہوئی ہے۔"

اماں بیگم کو جھوٹ تو بولنا نہیں تھا کہ یہ بات کوئی چھپنے والی تو نہ تھی، ہولے سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"چلو...... خدا نصیب اچھے کرے" کبریٰ نے ٹھنڈی سانس بھر کر ہولے سے کہا۔ اماں بیگم بس ہوں، کر کے رہ گئیں۔

"میں فاطمہ بہن سے مل کر آتی ہوں" آج تو وہ بے چین تھی فاطمہ کے شکست خوردہ چہرہ دیکھنے کو۔

فاطمہ اُسے دیکھ کر گھبرا گئی اور سر جھکا لیا تھا۔

"کیا بات ہے بہت کمزور ہو گئی ہو، کچھ کھاتی پیتی نہیں ہو کیا......؟" اُس کے اندر ہی اندر سکون اور خوشی کے چشمے پھوٹ رہے تھے مگر بظاہر وہ بڑی ہمدردی اور اُداسی سے سوکن سے مخاطب تھی، جو گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے ہوئے اُداس اور مضمحل بیٹھی تھی۔

"بچی کہاں ہے......؟"

تب فاطمہ نے جھولے کی طرف اشارہ کر دیا۔ کبریٰ جھولے کے قریب چلی آئی بچی کا چہرہ دیکھا اور بولی......

"بالکل ماں پر گئی ہے...... باپ کا تو ایک نقش بھی نہیں لیا اس نے......"

"نوری...... او نوری، میں چند روز کے لئے گاؤں سے باہر جا رہا ہوں...... میرا سامان......" ملازمہ سے کہتے ہوئے شاہ اندر داخل ہوئے تھے اور کبریٰ کو دیکھ کر ٹھٹک گئے۔ فقرہ مکمل کرنا ہی بھول گئے اور نہ قدم پیچھے ہٹے اور نہ ہی آگے بڑھا سکے۔

"سلام میرے شاہ جی......" وہ یوں اُن کی جانب لپکی جیسے درمیان میں کوئی خلیج آئی ہی نہ تھی۔

"وعلیکم السلام......" جمشید شاہ نظر نہیں ملا سکے۔

"میں ابھی فاطمہ سے کہہ رہی تھی۔ بچی پیاری ہے اور اللہ نے چاہا تو اب کے اس کا بھائی آئے گا......"

شاہ نے آنکھیں اُٹھائیں تو کبریٰ نے دیکھا ان میں حیرت ہی حیرت تھی۔ یقیناً انہیں کبریٰ کی جانب سے اس فقرے کی توقع ہرگز نہیں تھی۔

"ہاں ہاں، میرے شاہ جی، جو بیٹی دیتا ہے، وہ بیٹا بھی تو دیتا ہے ناں" (دِل خدا نہ کرے، کبھی نہ کرے کی تکرار کئے جا رہا تھا اور وہ مسکرا کر یہ الفاظ کہہ رہی تھی)۔

میکے سے واپس آ کر وہ سب کو ایک بدلی ہوئی کبریٰ خاتون لگ رہی تھی...... فاطمہ کی بچی کو یوں گود میں اُٹھائے پھرتی جیسے یہ اُس کی اپنی بچی ہو۔ اماں بیگم کا خیال رکھنے لگی اور جمشید شاہ کو بھی ایسا تاثر دینے لگی جیسے سارے گلے شکوے بھلا دیئے ہیں...... وہ پھر سے پہلے والی کبریٰ خاتون بن گئی۔ شاہ کے چاروں جانب تتلی کی طرح رقص کرنے والی، فاطمہ دل سے اُتر گئی تھی، بیٹی اُس کا بہت بڑا جرم تھا۔ شاہ اس کی صورت دیکھنے کے بھی روادار نہ تھے۔

وہ ایک بار پھر کبریٰ کی جانب جھک گئے۔ مگر کبریٰ بے وقوف نہیں تھی۔ اُس نے مرد کی آنکھوں کے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



رنگ بدلتے دیکھ لئے تھے سو اب اعتبار حماقت ہی تو تھا۔

لفظوں سے بھرپور دلداری کرتی رہی مگر کبھی قریب آنے کی کوشش نہیں کی۔ ایک اَن دیکھی دیوار اُس نے اپنے اور شاہ کے درمیان تعمیر کر لی تھی وہ کمرے میں ہوتے تو کبریٰ کام کے بہانے حویلی کے مختلف حصوں کے چکر لگاتی رہتی۔ کبھی اماں کے پاس جا بیٹھتی تو کبھی ملازماؤں کے سر پر کھڑی ہو کر کام کی نگرانی شروع کر دیتی۔ شاہ نے کئی بار کہا۔

''کبریٰ میں تمہاری ضرورت محسوس کرتا ہوں۔ تم مجھے وقت نہیں دیتیں۔'' (یہ تو شاہ کے گمان میں بھی نہ تھا کہ خیال رکھنے والی بیوی دل میں کیسی جلن لئے پھرتی ہے)۔

''میں تو آپ کے پاس ہوتی ہوں شاہ جی، ہر لمحے، ہر وقت۔''

''کہاں کبریٰ، میں تو بات کرنے کو بھی ترستا ہوں۔'' اُنہوں نے بات کرتے کرتے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''شاہ جی جب آپ گھر پر نہیں ہوتے، تب بھی میرے ساتھ ہوتے ہیں، میرے تصور میں بسے رہتے ہیں۔ میری آنکھوں میں آپ کی ہی تصویر ہے۔ میں ہر دم آپ کو اپنے ساتھ ساتھ محسوس کرتی ہوں شاہ جی......''

بات کرتے کرتے وہ خوبصورتی سے ہاتھ چھڑا لیتی......اور کسی کام کا بہانہ بنا کر اِدھر اُدھر ہو جاتی تھی۔

کبریٰ کے دل میں یہ خیال پکا ہو چکا تھا کہ وہ جمشید شاہ کے بیٹے کی ماں کبھی نہیں بن سکے گی۔ اگر ایک اور نفس اُس کی گود میں آیا تو وہ بھی بیٹی ہی ہوگی اور پھر وہ حویلی کے آخری کونے میں ڈال دی جائے گی۔ شاہ کی دلداری کے لئے اس کے پاس الفاظ ہی نہیں رہیں گے......اور اس کی حیثیت اس سے کہیں زیادہ کمتر ہوگی جو بیٹی پیدا کرنے کے جرم میں فاطمہ کی ہے۔ وہ ستارہ اور شیریں کی ماں تھی اور بس ان ہی دونوں کی ماں رہنا چاہتی تھی۔ اُسے کسی نغمہ، عذرا یا زبیدہ کے تصور سے بھی خوف آتا تھا۔ بس دو بیٹیاں ہی کافی ہیں۔ بیٹا نہیں آئے گا اور مجھے ایک اور بیٹی نہیں چاہئے۔ وہ شاہ جی کی نظروں کی گرمی اور ان میں چھپے پیام سے بچنے کے لئے فاطمہ کے کمرے میں آ جاتی۔

''بیٹی، اتنا بڑا جرم بھی ہو سکتا ہے آپا......؟'' فاطمہ دُکھ کے گہرے احساس تلے کراہ اُٹھتی۔

''بیٹی بہت بڑا جرم ہے فاطمہ...... چاہے یہ امیر کے گھر پیدا ہو یا غریب کے، سر تو جھک جاتا ہے ناں سینہ تان کر چلنے والے مرد کا......''

''شاہ جی، مجھ سے بہت خفا ہیں......'' فاطمہ رو پڑتی۔

''تم نے آس جو توڑ دی۔'' کبریٰ کی نظر جھولے میں ہر طوفان سے بے خبر سوئی ہوئی بچی پر جا کر ٹھہر گئی۔

''یہ تو خدا کی رضا ہے ہم عورتوں کا تو اس میں کوئی قصور نہیں۔'' فاطمہ احتجاج بھی کرتی تو ایک عورت کے سامنے جو خود مجبور تھی اور جس پر فاطمہ سوکن بن کر آئی تھی مگر جب سے یہ بچی دُنیا میں آئی تھی، دونوں کی آپس میں دُشمنی پر پانی پڑ گیا تھا۔ اب ان کے دُکھ ایک ہو گئے تھے۔

''شاید ان مردوں کا خدا کوئی اور ہے۔'' وہ فاطمہ کے پلنگ سے اُٹھ کر بچی کے قریب جھک گئی۔



اسے اس بچی سے نفرت نہیں تھی۔ کبھی سوکن کی بیٹی کی حیثیت سے نہیں دیکھا اس کو...... اُسے یہ بچی بہت معصوم اور مظلوم لگا کرتی تھی۔

''فاطمہ! تم نے کیا نام رکھا ہے بیٹی کا......؟'' بچی کے گال نرم ہاتھ سے چھو کر اُس نے پوچھا۔

''ہونہہ...... اس کا بھلا کیا نام ہو سکتا ہے آپا، باپ کو تو شکل دیکھنا بھی گوارا نہیں ہے۔ اس کی پیدائش پر جیسے حویلی کی ہر شے نے سوگ منایا ہے۔ در و دیوار تک روئے ہیں، بھلا کیا نام ہو سکتا ہے اس کا......؟'' فاطمہ سسکنے لگی۔

''ایسے مت کہو فاطمہ، تم تو ماں ہو اس کی، تم ہی نفرت کرو گی تو پھر دُنیا میں کسی اور سے محبت کی توقع رکھنا ہی فضول ہے۔ میں اس کا نام گل رُخ رکھتی ہوں۔ کہو کیسا نام ہے......؟'' اُس نے بچی کو گود میں اُٹھا لیا۔

''آپ نے رکھا ہے تو اچھا ہی ہوگا۔''

''میں اندر آ سکتی ہوں بڑی آپا جان......'' جب کبریٰ خاتون ننھی بچی کو ہاتھوں پر اُٹھائے اسے گل رُخ کا نام دے رہی تھی۔ تب ہی گاؤں کے پرائمری اسکول کے ماسٹر صاحب کی بیٹی راحت، فاطمہ بیگم کے کمرے کے دروازے پر آ کر کبریٰ خاتون سے اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔

''ہاں آؤ، آؤ راحت......'' وہ فوراً اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''بڑی آپا...... وہ میں یہ کہنے آئی تھی کہ ستارہ تو پڑھائی میں بہت اچھی ہے مگر یہ چھوٹی شیریں ذرا بھی توجہ سے سبق یاد نہیں کرتی، اس کی ساری توجہ کھلونوں کی طرف ہی رہتی ہے۔ آپ ہی سمجھائیں ناں اُسے۔'' راحت نے ڈرتے ڈرتے شیریں کی شکایت کی تھی۔

''میں پوچھتی ہوں شیریں سے، یہ لڑکی روز بروز شریر ہوتی جا رہی ہے اور راحت، تم بھی زیادہ لاڈ مت اُٹھایا کرو، ذرا سختی کر کے دیکھو، میرا خیال ہے سُدھر جائے گی۔''

''نہیں بڑی آپا، یہ کام مجھ سے نہیں ہوتا۔ اب بھلا اتنی سی بچی سے ڈانٹ ڈپٹ کیسے کر سکتی ہوں میں......؟'' وہ اپنی لمبی سیاہ بالوں کی موٹی سی چوٹی ہاتھ پر لپیٹتے اور کھولتے ہوئے کہہ رہی تھی، خوبصورت چہرے پر تھکن کے آثار بہت نمایاں تھے، شاید شیریں نے بہت ستایا تھا آج۔

''تم چلو راحت میں آ رہی ہوں۔'' کبریٰ خاتون نے ہاتھوں پر اُٹھائی ہوئی گل رُخ کو دوبارہ جھولے میں ڈالتے ہوئے کہا۔ راحت اثبات میں سر ہلا کر فاطمہ کے کمرے سے چلی آئی۔

''میں بتا کر آئی ہوں تمہاری ای کو، ابھی آ کر وہ خود پوچھ لیں گی تم سے۔'' وہ یہ کہتے ہوئے بچیوں کے کمرے میں داخل ہوئی تھی مگر سامنے ہی کمرے کے عین وسط میں کھڑے شاہ جی کو دیکھ کر اُس کے پاؤں جیسے زمین نے جکڑ لئے تھے۔ اُس نے سر سے پھسل جانے والی اوڑھنی کو سر پر ڈالنے کی کوشش کی۔ شاہ جی کی نظریں مسلسل راحت کی صبیح چہرے پر تھیں، اور مارے گھبراہٹ کے اس سے اوڑھنی ٹھیک سے سر پر ڈالی ہی نہیں جا رہی تھی۔ جی چاہتا تھا واپس مُڑ جائے مگر نہ جانے کیسی نظر تھی وہ جس نے تمام ہمتیں سلب کر لی تھیں۔ شاہ کا بے باک انداز اُسے سہمائے جا رہا تھا۔

ان ہی لمحوں میں جب راحت بے بس ہرنی کی طرح نظر نہ آنے والے جال کے حصار میں تھی کبریٰ...... اندر چلی آئی...... اور جو کچھ اُس کی آنکھوں نے دیکھا، حیران کن تھا۔ شاہ کی آنکھوں میں یہ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھا، کبریٰ کو پہچاننے میں دیر نہیں لگی۔ مگر وہ مجبور عورت تھی، اپنے مرد پر اتنا اختیار ہی کہاں تھا کہ ٹوک سکتی۔ وہ بس اتنا ہی کر سکی کہ راحت کا ہاتھ پکڑا اور اسے وہاں سے باہر لے آئی۔

راحت، گاؤں کے غریب ماسٹر جی کی بیٹی، سیاہ چادر میں خود کو چھپا کر گھر سے نکلنے والی ڈرپوک لڑکی، جب کبریٰ...... نے پہلی بار بچیوں کو پڑھانے کے لئے حویلی میں بلایا تھا، تو مارے گھبراہٹ کے اُس کا چہرہ بار بار پسینے میں بھیگ جاتا تھا۔ اُسے حویلی کی آن بان اور یہاں کے مکینوں نے خوفزدہ کر رکھا تھا۔ قدم قدم پر یہی خیال رہتا تھا، کہیں کوئی غلطی نہ کر بیٹھوں۔

اسے تین ماہ ہونے کو آئے تھے، صرف بچیوں کے کمرے تک جاتی تھی، اُنہیں پڑھا کر لوٹ آتی، کبھی جمشید شاہ سے سامنا نہیں ہوا تھا مگر آج وہ سامنے آئے تو ایسے وقت میں جب چادر اس کے سر سے پھسل گئی تھی اور شاہ نے جن نظروں سے دیکھا، اس کا بدن، اب تک کانپ رہا تھا اور یہ حالت کبریٰ سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ سمجھ گئی لڑکی بری طرح گھبرا رہی ہے۔ اُس کے مرد کی گہری بے باک نظر نے اُسے اندر تک ہلا ڈالا ہے۔ وہ سر نہیں اُٹھا رہی تھی کبریٰ نے اُسے گھر جانے کی اجازت دے دی اور خود افسردہ سی اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی اور یہ دیکھ کر ٹھٹک گئی...... شاہ جی اس کمرے میں موجود تھے اور شاید اسی کے انتظار میں تھے۔

''کون تھی وہ لڑکی......؟'' انداز میں اشتیاق کی فراوانی تھی۔

''یہ ماسٹر سراج الدین کی بیٹی تھی۔'' ساری ناگواری کو اندر ہی اندر اتار کر بظاہر بڑے آرام اور معقولیت کے ساتھ جواب دیا تھا۔

''یہاں کیا کرنے آتی ہے......؟'' شاہ جی نے پلنگ پر بیٹھ کر دُوسرا سوال کیا...... اور انداز بتا رہے تھے۔ ابھی وہ دیر تک اسی موضوع پر بات کریں گے۔

''میری بیٹیوں کو پڑھانے آتی ہے۔'' کبریٰ خاتون نے بلا ارادہ ہی میری، پر زور دے کر کہا...... اگر جمشید شاہ دھیان میں ہوتے تو شاید غور کرتے مگر ایسے وقت میں ممکن نہیں تھا، وہ سوالوں پر سوال کئے جا رہے تھے مگر نظر بیوی پر نہیں تھی...... آنکھوں میں وہ ایک منظر ٹھہر گیا تھا...... اور، کچھ اور دیکھنے کی فی الحال خواہش نہیں تھی۔

''اماں...... میں شادی کرنا چاہتا ہوں۔'' چند روز بعد اُنہوں نے فیصلہ کن انداز میں کہہ دیا تھا۔

''ٹھیک ہے تمہاری مرضی......'' ماں کے انداز میں گرمجوشی نہ تھی...... شاید اُنہیں بھی ناامیدی ہو چلی تھی کہ بیٹا نہیں آئے گا۔

''آپ ماسٹر سراج الدین کے گھر رشتہ لے کر جائیں۔''

''کیا......؟ ماسٹر سراج الدین......؟ یعنی تم اس مرتبہ برادری سے باہر شادی کرو گے......؟'' ماں کے لہجے میں حیرانی اور افسوس تھا۔

''...... اماں جان، دو بیویاں لا تو چکا ہوں برادری سے، اب تیسری باہر سے آئے گی، آپ ...مر رشتہ ڈال دیں۔''

خود مختار بیٹے کا اٹل فیصلہ تھا، وہ اب مزید کیا کہتیں۔

یہ خبر کبریٰ اور فاطمہ تک بھی پہنچ گئی۔ دونوں کا ردّعمل ایک دُوسرے سے بالکل مختلف تھا۔ فاطمہ تو



شاہ کے قدموں میں آ بیٹھی تھی...... طرح طرح کے واسطے دیئے تھے جبکہ کبریٰ نے یہ سن کر کہا تھا۔

''آپ کا فیصلہ بہت مناسب ہے، میں خود بھی ایسا ہی سوچ رہی تھی۔ خیال تھا مناسب موقع دیکھ کر آپ سے بات کروں گی۔ یہ بات تو میرے بھی دل کی ہے میرے شاہ جی......''

اور جمشید شاہ نے بے حد قدر کی نگاہ سے کبریٰ کی جانب دیکھا تھا۔ بے شک وہ اب بیوی کے اس مقام پر نہیں تھی، جو اُس کے لئے قابل فخر ہوتا لیکن شاہ اسے ہمدرد اور دوست تصور کرتے تھے، یہ کبریٰ کی بہت بڑی جیت تھی۔

اماں بیگم کے ساتھ کبریٰ بھی ماسٹر سراج الدین کے دو کمروں والے چھوٹے سے گھر میں رشتہ لے کر گئی تھی...... اور انکار بھلا ممکن ہی کہاں تھا علاقے کے بڑے زمیندار کی بات ٹالی نہیں جا سکتی تھی۔ پھر ماسٹر کی اس کے علاوہ دو بیٹیاں تھیں، تین چھوٹے بیٹے تھے، کم آمدنی اور فکر ہزار، بڑی کا رشتہ آیا تھا، مناسب تھا کہ ہاں کہہ دیں اور اُنہوں نے دیر نہیں لگائی۔

راحت تیسری بیوی بن کر آئی تھی۔ اس شادی پر زیادہ دُھوم دھڑکا نہیں تھا۔ قریبی رشتہ دار ہی شریک ہوئے تھے۔ برادری سے باہر اور وہ بھی مفلس گھرانے کی لڑکی...... سب نے دلہن کے جذبات کا خیال کئے بغیر خوب باتیں بنائی تھیں۔ کبریٰ دلہن کے قریب ہی موجود تھی اور بظاہر وہ راحت کو تسلیاں دے رہی تھی، مگر ہر بات کے آخر میں۔

''ہمارے اُونچے گھرانوں میں یہ رسم ہے...... بڑے گھرانوں کا یہ رواج ہے...... تم ایسی باتوں سے واقف نہیں...... یہ تمہارے جیسے گھرانوں میں ہوتا ہے...... خیر میں سمجھا دوں گی۔'' جیسے فقروں کی تکرار راحت کو اس کے چھوٹے خاندان اور مفلسی کا احساس دلا رہی تھی، وہ دل ہی دل میں سخت خوفزدہ ہو گئی تھی اور کبھی گھونگھٹ، کبھی ماتھے کا ٹیکہ، جھومر درست کرتی کبریٰ تصور میں جمشید شاہ کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

''تم دس شادیاں بھی کر لو شاہ...... مگر میرا دل کہتا ہے بیٹا نہیں آئے گا، تم نامراد ہو گے۔''

لیکن اس مرتبہ کبریٰ کے دل نے جھوٹ بولا تھا۔ شادی کے ایک سال بعد راحت نے بیٹے کو جنم دیا تھا اور کبریٰ کو لگا تھا حویلی کی یہ اُونچی اُونچی دیواریں ایک دھماکے سے اس پر آن پڑی ہیں۔

یہ کیسے ہو گیا......؟ میں نے تو پیر چمن کے مزار پر منت مانی تھی...... پھر یہ کیسے ممکن ہو گیا...... اُس کے دل کو کسی پل قرار نہیں آ رہا تھا...... کتنی دیر وہ کمرے سے باہر نہیں نکلی...... خود کو سنبھالنے میں کئی گھنٹے لگا دیئے۔ ہاں مگر جب...... باہر آئی تو پھر اسے دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ ابھی کس کیفیت سے دوچار ہوئی ہے۔

''تم کہاں تھیں بڑی بہو......؟'' ساس نے دیکھتے ہی سوال کیا۔

اماں، میں خیرات بانٹنے کے انتظامات دیکھنے میں لگی ہوئی تھی، بس اسی لئے دیر ہو گئی اور پھر نفل بھی تو ادا کرنے تھے ناں۔''

شاہ نے ستائش بھری نگاہ سے کبریٰ کی جانب دیکھا اور راحت کے پہلو سے ننھے بچے کو اُٹھا کر اُس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

''اِس کو جنم تو راحت نے دیا ہے مگر تم بڑی بہو ہو اس حویلی کی، اس کی بڑی ماں ہو اور سب سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بڑھ کر یہ کہ تم میرے لئے قابلِ فخر ہو، یہ بچہ تمہاری گود میں پروان چڑھے گا۔''

''بسم اللہ...... میرا بیٹا...... میرا لال......'' اُنہوں نے بچے کو گود میں لے کر چوم لیا۔

''اِس کا نام اردشیر رکھا ہے میں نے۔'' شاہ نے اعلان کیا۔

• • •

''خالہ...... آپ کچھ دیر بیٹھ جائیں، میرا خیال ہے ناصر آفس سے آتے ہی ہوں گے۔'' جویریہ نے ننھے طلال کو بستر پر لٹاتے ہوئے کہا۔

''نہیں بیٹا...... اب چلتی ہوں...... گھر میں بانو اکیلی ہے...... میں کب سے آئی بیٹھی ہوں، پریشان ہو رہی ہوگی۔'' خالہ میلی سی چادر سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

''کھانا کھا کر جاتیں، اب تو وقت بھی ہو رہا ہے۔''

''ارے بیٹی، جب بھی آتی ہوں، کچھ نہ کچھ کھا کر ہی جاتی ہوں، آج ایسے ہی چلی جاؤں گی تو کیا ہوا بس تم ناصر بیٹے سے کہہ دینا، میرا یہ کام ضرور کروادے، ساری عمر دُعائیں دوں گی۔''

''کیوں نہیں خالہ جی...... ضرور کہہ دوں گی۔'' وہ خالہ کے ساتھ ساتھ چلتی چھوٹے سے آنگن میں آئی اور ان کے جانے کے بعد، دروازے کی کنڈی لگا کر باورچی خانے میں آگئی۔

آٹا گندھا ہوا تھا، خیال تھا ناصر آجائے تو گرم گرم پھلکے اُتارے گی۔ مگر آج ناصر نے آنے میں دیر کردی تھی۔ ڈھائی سالہ طلال بھی باپ کا انتظار کرتے کرتے تھک کر سو گیا تھا۔ جویریہ نے سوچا، اب پھلکے اُتار ہی لئے جائیں تو اچھا ہے۔ چولہا جلا کر توا رکھا اور پیڑے بنانے لگی۔ ابھی پہلی روٹی ہی توے پر ڈالی تھی کہ دروازہ بج اُٹھا۔ یقیناً ناصر آفس سے آگیا تھا۔ وہ روٹی یونہی چھوڑ کر دروازے کی جانب لپکی...... آنے والا واقعی ناصر تھا۔

''آج بہت دیر کردی آپ نے۔'' دُعا سلام کے بعد اُس نے پوچھا۔

''جان بوجھ کے تھوڑی کی ہے دیر، بس ایک کام پڑ گیا تھا اور یقین کرو میں تو گھر سے نکلتے ہی گھر واپسی کے متعلق سوچنا شروع کردیتا ہوں۔''

دونوں ساتھ ساتھ چل رہے تھے اور ناصر کا ہاتھ جویریہ کے شانے پر تھا۔

''بیٹا...... یاد آتا ہوگا......'' وہ جھینپی سی شوخ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ رہی تھی۔

''ہاں بیٹا بھی مگر بیٹے کی ماں زیادہ یاد آتی ہے۔'' وہ اس کی جانب جھک گیا۔

''ہائے اللہ...... میں نے تو روٹی توے پر ڈال رکھی ہے۔'' جلنے کی بو پھیلی تو اُسے یاد آیا اور گھبرا کر باورچی خانے کی جانب لپکی۔

''روٹی جلنے کی بڑی فکر ہے اور تمہارے یوں بھاگنے سے ہمارا دل جو جل کر خاک ہوگیا ہے، اس کی پروا نہیں ہے۔'' وہ بھی پیچھے ہی چلا آیا تھا۔

''آپ چل کر کپڑے بدلیں...... باقی باتیں بعد میں ہوں گی۔''

''کیا واقعی ہوں گی......؟'' وہ شریر ہوا اور جویریہ رُخ موڑ کر ہنس پڑی۔

''آج خالہ آئی تھیں۔'' کھانے کے دوران وہ ناصر کو بتا رہی تھی۔

''وہ تو آتی ہی رہتی ہیں، یہ کون سی نئی بات ہے۔''



''نہیں یہ بات نئی نہیں، میں تو یہ بتانے لگی تھی کہ اُنہوں نے آپ سے ایک کام کروانے کو کہا ہے، کہتی ہیں ناصر بیٹا، سارے محلے کے کام آتا ہے، اُسے کہنا میری مشکل بھی آسان کردے ساری عمر دُعائیں دوں گی۔''

''وہی مالک مکان کے ساتھ جھگڑا ہے۔ ہر دوسرے ماہ کرایہ بڑھانے کے لئے کہنے لگتے ہیں، خالہ بے چاری کہاں سے لائیں اتنے پیسے۔ جوان بچیوں کا ساتھ ہے، گھر میں مرد بھی کوئی نہیں اور مالک مکان کے بیٹے وقت بے وقت دروازے پر آن موجود ہوتے ہیں۔ کرائے میں اضافے کے لئے شور مچاتے ہیں۔''

''ہاں بھئی، کمزور کو دبانے کے لئے ہر کوئی تیار ہوتا ہے حالانکہ یہ بات تو وہ لوگ بھی جانتے ہی ہوں گے کہ خالہ میں اس سے زیادہ رقم کرائے کے نام پر دینے کی استطاعت ہی نہیں ہے۔''

''ہاں، اسی وجہ سے تو خالہ پریشان ہیں۔ کہتی تھیں، ناصر سے کہنا محلے کے معزز افراد کو درمیان میں ڈال کر معاملہ حل کروادے۔''

''ہاں ٹھیک ہے، اب خالہ آئیں تو میری طرف سے کہہ دینا، یہ معاملہ جلد سیٹ ہوجائے گا...... اور اب میرے پاس بھی تو تمہارے لئے ایک خبر ہے۔'' اُس نے جویریہ کے چہرے پر مسکراتی نظر ڈال کر کہا۔

''کیسی خبر......؟''

''اچھی یا بری کے متعلق تو میں کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ تمہارے لئے اہمیت بہت رکھتی ہے۔''

''اوہو...... ایک تو آپ کو سسپنس پھیلانے کی بڑی عادت ہے، اب بتا بھی چکیں۔''

وہ جانتا تھا، جویریہ سے صبر ممکن نہیں، سو زیادہ ستایا نہیں...... جگ سے پانی گلاس میں انڈیلتے ہوئے بیوی سے نظر ملائے بغیر کہنے لگا۔

''آج بھائی جان سے ملاقات ہوئی تھی۔''

''اچھا، کیا واقعی......؟'' جویریہ کی آواز مارے جوش کے خاصی بلند ہوگئی تھی۔

''ہوں۔'' اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''پھر کیا کہنے لگے......؟ میرے بارے میں پوچھا تھا......؟ آپ سے ملے تو ٹھیک سے تھے ناں......؟'' وہ بہت بے صبر ہو رہی تھی۔

''باقاعدہ ملاقات تو نہیں ہوئی، بس سرِ راہ اتفاقاً ہی سامنا ہوگیا۔ میں نے سلام کیا، اُنہوں نے جواب دے دیا۔''

''پھر بھی آپ نے کچھ تو محسوس کیا ہوگا۔ آپ سے ملتے ہوئے ان کے چہرے کے تاثرات کیا تھے، وہ کس انداز سے آپ کو دیکھ رہے تھے اور ہاتھ ملاتے ہوئے اُنہوں نے گرمجوشی کا مظاہرہ کیا تھا یا نہیں۔''

''اوہ جویری...... اگر مجھے معلوم ہوتا تم اس قدر جرح کروگی، تو میں تمہیں بتاتا ہی نہیں۔'' اُس کے انداز پر ناصر کو ہنسی بھی آرہی تھی اور ترس بھی آرہا تھا اس لڑکی پر۔

جب سے ان دونوں کی شادی ہوئی تھی، وہ اپنے بھائی اکبر علی...... سے نہیں ملی تھی کہ یہ اُن کا حکم تھا،

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ناصر سے بیاہ تو دیا مگر کہہ دیا، اب میرے اور تمہارے درمیان کوئی تعلق باقی نہیں رہا مگر بہن۔ کے دل سے بھائی کی محبت بھلا کیونکر جدا ہو سکتی ہے۔ اگر بھابھی عارفہ کا ڈر نہ ہوتا تو وہ خود اکبر علی سے ملنے اُن کے بنگلے پر چلی جاتی مگر بھابھی سے اُسے بہت ڈر لگتا تھا۔ اُس نے کتنی دُعائیں کی تھیں کہ کبھی کہیں آتے جاتے کسی روڈ پر، شاپنگ سینٹر میں بھائی سے ملاقات ہو جائے۔

چار سال ہونے کو آئے تھے اور اُس کی یہ دُعا اب تک قبول نہیں ہوئی تھی۔ آج ناصر نے اکبر علی سے ملاقات کے بارے میں بتایا تو اس کا بے چین ہو جانا فطری سی بات تھی۔ وہ بار بار چھوٹے چھوٹے سوال کر رہی تھی، اندازہ لگانا چاہ رہی تھی کہ گزرے چار برسوں میں بھی بھابھی کے غصے کی وہی حالت ہے، یا کچھ دھیما پڑ گیا ہے۔ مگر ناصر بتا رہا تھا، ملاقات بالکل سرسری انداز میں ہوئی اور دورانیہ بھی بے حد قلیل تھا۔

''آپ ہی روک لیتے اُنہیں، بتاتے تو سہی، بہن کتنا یاد کرتی ہے اُنہیں۔'' وہ اُداسی سے بولی۔

''وہ بہت جلدی میں معلوم ہوتے تھے اس لئے میں نے روکنا مناسب نہیں سمجھا، تم دل چھوٹا کیوں کرتی ہو۔ ہو سکتا ہے پھر کہیں ہم آپس میں ٹکرا جائیں اور تب میں اُنہیں ساری باتیں سنا کر ہی دم لوں گا۔''

''ہونہہ...... پھر کب ملیں گے...... ایک شہر میں رہتے ہوئے چار سال بعد ملے ہیں، اب کیا چار سال تک مزید انتظار کروں۔'' وہ روہانسی ہو گئی۔

''تم کہو تو میں تمہیں اُن کے گھر لے جاؤں، مگر میں اندر نہیں جاؤں گا، تمہیں گیٹ پر چھوڑ کر واپس آ جاؤں گا۔''

''نہیں، میں بھائی جان کے گھر نہیں جا سکتی...... بھائی تو شاید معاف کر ہی دیں مگر بھابھی مرضی کے خلاف چلنے والوں کی صورت دیکھنا بھی پسند نہیں کرتیں۔ کس طرح شادی کے بعد بھائی کو اپنی مٹھی میں لیا۔ سگی بہن کو بھول گئے ہیں وہ، اور میرا جرم کیا تھا، صرف یہ کہ میں نے والدین کے طے کیے ہوئے رشتے کو توڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ میں نے بھابھی کے کزن سے شادی کرنے سے انکار کیا تھا، اور کیوں نہ کرتی، میری منگنی تو بہت پہلے آپ کے ساتھ ہو چکی تھی مگر بھیا بھی بھابھی کے ہم نوا بن گئے۔'' جویریہ کی آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہونے لگیں۔

''چھوڑو بھابھی کو اور جلدی سے اچھی سی چائے بنا کر لاؤ، بہت موڈ ہو رہا ہے۔'' اُسے اُداس دیکھنا ناصر کے لئے ممکن ہی نہ تھا۔ وہ ہر صورت میں اسے بہلانا چاہ رہا تھا۔

''طلال بڑا ہو گا تو میں اسے اس کے ماموں کے بارے میں کیا بتاؤں گی......؟'' آنسو گالوں پر آ گئے۔

''تم یہ کام مجھ پر چھوڑ دو، میں خود ہی بتا دوں گا، جاؤ اب چائے بناؤ، روتے ہوئے بالکل اچھی نہیں لگتیں۔'' ناصر نے اُس کے آنسو اپنی اُنگلیوں کی پوروں پر سمیٹتے ہوئے کہا۔

• • •

''بڑی بیگم صاحبہ...... وہ اُردشیر گھوڑے پر سواری کی ضد کر رہے ہیں۔'' ملازم گھبرائے ہوئے انداز میں کبریٰ خاتون کی خدمت میں حاضر ہو کر کہہ رہا تھا۔

''ہاں تو ٹھیک ہے، تم منع کیوں کرتے ہو......؟'' کچھ سوچ کر کبریٰ کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔



''ابھی تو وہ بہت چھوٹے ہیں جی، اگر گر پڑے تو......؟'' ملازم بعد میں نازل ہونے والے عتاب کے ڈر سے حیل وحجت سے کام لے رہا تھا۔

''وہ ضد کر رہا ہے تو پھر ہم کیسے منع کر سکتے ہیں...... جاؤ گھوڑے پر کاٹھی ڈالو۔''

''بڑی ماں...... بڑی ماں...... یہ جامو مجھے گھوڑے پر نہیں بٹھا رہا۔'' سات سالہ اردشیر ملازم کی شکایت لگانے خود چلا آیا۔

''میں نے کہہ دیا ہے جامو سے، اب وہ تمہیں منع نہیں کرے گا۔'' اس کے ساتھ ہی اُنہوں نے جامو کو اشارہ کیا کہ وہ اردشیر کو یہاں سے لے جائے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد وہ موٹے پایوں والے پلنگ پر آ بیٹھی اور تصور کی آنکھ سے ایک منظر دیکھنے لگی...... شاہ جی کا اکلوتا بیٹا گھوڑے سے گر کر بری طرح زخمی ہو گیا ہے، راحت کی حالت دیکھی نہیں جاتی اور شاہ جی ضبط سے کام لیتے لیتے اب بکھرنے لگے ہیں۔ نذر ونیاز کا سلسلہ جاری ہے مگر یہ سب بھی کام نہیں آتا کہ اردشیر عمر ہی کم لکھوا کر لایا ہے۔ وہ چلا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی کبریٰ کی جیت ہو گئی ہے۔

یہ تصور اس قدر مضبوط تھا کہ وہ آنکھیں ایک ہی نکتے پر مرکوز کیے مسکرائے جا رہی تھی۔

''اردشیر جا چکا ہے۔ اب راحت کو بھی واپس اپنے باپ کے گھر جانا چاہئے۔ اچھا چلو منت کر رہی ہے تو رہنے دیتی ہوں۔ میرا بھلا کیا بگاڑ سکتی ہے۔ ساس کے مرنے کے بعد گھر کی چابیاں میرے پاس ہی ہیں۔ میں بڑی بہو ہوں اور خاندانی ہوں، راحت اور فاطمہ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔''

''بڑی بی بی صاحبہ......'' ملازمہ کی تیز آواز اُنہیں چونکا گئی۔ وہ یوں گھبرا کر اُٹھیں جیسے ملازمہ اُن کے خیال پڑھ چکی ہے۔

''وہ جی...... وہ جی......''

''کیا کہنا چاہتی ہو، جلدی کہو......'' اُنہوں نے بری طرح ڈانٹ دیا۔

''وہ جی اردشیر...... مم...... میرا مطلب ہے چھوٹے شاہ جی گھوڑے سے گر پڑے ہیں۔''

''ہیں......؟ کیا واقعی......؟'' اُنہوں نے سخت بے یقینی کے عالم میں اُس کی طرف دیکھا۔

''ہاں جی...... وہ گر پڑے ہیں۔''

''زیادہ چوٹ تو نہیں آئی......؟'' دل کی دھڑکن تیز ہونے لگی تھی۔

''پتا نہیں، ابھی اندر نہیں آئے...... مجھے میری بیٹی نے بتایا ہے، وہ باہر کھیل رہی تھی۔''

''اچھا اچھا ٹھیک ہے۔''

وہ کمرے سے باہر نکل آئیں۔

''کہاں ہے ارشیر......؟'' اِدھر اُدھر دیکھ کر پکارا۔

''آپا...... بڑی آپا...... میرا بیٹا، میرا لال گھوڑے سے گر پڑا ہے۔'' راحت تک خبر پہنچ گئی تھی۔ وہ کمرے سے نکل کر ننگے پاؤں صحن میں آ گئی تھی اور...... کبریٰ کے لئے یہ منظر نیا نہیں تھا۔ اُنہوں نے خیالوں ہی خیالوں میں کئی بار راحت کو اسی طرح دیکھا تھا۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''بڑی آپا بڑی آپا......'' راحت نے اُنہیں یوں گم صم نظریں دروازے پر جمائے کھڑے دیکھا تو کچھ اور پریشان ہو کر پھاٹک کی طرف جاتے جاتے پلٹ آئی اور کبریٰ کو آوازیں دینے کے ساتھ ساتھ ہاتھوں سے پکڑ کر ہلا ڈالا۔

اِس کے ساتھ ہی کبریٰ کا ترتیب دیا منظر بکھر گیا، وہ جیسے سوتے سے جاگ گئی اور دیکھا تو ابھی جامو اردشیر کو لے کر اندر نہیں آیا تھا۔ یہاں صرف زنان خانے میں کام کرنے والی عورتیں جمع تھیں کہ اردشیر کے گرنے کی اطلاع آگ کی طرح کونے کونے میں پھیل گئی تھی، باورچی خانے میں آٹا گوندھتی بیگاں یونہی آٹے سے سنے ہاتھوں کے ساتھ اور جیراں سر پر جانوروں کے چارے والی ٹوکری اُٹھائے ہوئے تھے۔

''آپا...... بڑی آپا۔''

کبریٰ کا انداز راحت کے دل کو دہلائے جا رہا تھا...... ''یا اللہ خیر کرنا۔'' وہ اُن کے انداز کو اچھا شگون نہیں سمجھ رہی تھی، اسی لئے بار بار آوازیں دینے لگتی تھی۔

''ہوں...... ہاں......'' کبریٰ نے اُس کی جانب عجیب روکھے اور بیگانے انداز میں دیکھا۔

''ایسے مت دیکھو، آپا حوصلہ کرو...... وہ ٹھیک ہوگا...... وہ ٹھیک رہے گا...... اُسے جینا ہے، ہم سب کے لئے، اس حویلی کے لئے، اس خاندان کے نام کے لئے...... اور سب سے بڑھ کر اِس ماں کے لئے، اُسے کچھ ہو گیا بڑی آپا تو میں بھی جی نہ سکوں گی، میری جان اُس میں ہے۔'' راحت اتنا کہہ کر چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

''کیا ہوا اردشیر کو......؟'' الگ تھلگ کمرے میں پڑی رہنے والی فاطمہ بھی اپنی بیٹی گل رُخ کا ہاتھ پکڑے تیز قدموں سے چلی آ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ ان دونوں میں سے یا پھر یہاں موجود سر جھکائے کھڑی ملازماؤں میں سے کوئی کچھ بولتی، جامو اردشیر کے ساتھ ڈرے ڈرے انداز میں اندر داخل ہوا اور کبریٰ کا خواب ایک بار پھر اُدھورا رہ گیا۔ اردشیر کو بالکل معمولی چوٹیں آئی تھیں، وہ جامو کی گود میں نہیں بلکہ اپنے قدموں پر کھڑا تھا اور یقیناً اس کے ساتھ چل کر یہاں حویلی کے زنان خانے تک آیا تھا۔

''کیا یہ میری نظر کا دھوکا ہے؟'' کبریٰ نے دو تین بار پلکیں جھپکیں مگر ہر بار کے بعد اردشیر یونہی پیروں پر کھڑا نظر آیا۔



''میرا بیٹا...... میرا لال......'' راحت نے بھاگ کر بیٹے سے لپٹ جانا چاہا کہ ماما بے چین تھی۔ اُس کی پیشانی سے بہنے والا خون راحت کے دل میں ٹیس جگا گیا مگر کبریٰ نے جھپٹ کر راحت کا بازو پکڑ لیا اور گرفت ایسی سخت کہ راحت جنبش کرنے کے قابل نہیں رہی۔

''بڑی آپا...... میرا بچہ......'' وہ بے بسی کے احساس تلے دب کر صرف اسی قدر کہہ سکی۔

''بیٹے کو سینے سے لگا کر روؤ گی......؟ اُسے چوٹوں کا احساس دلاؤ گی...... ؟ راحت بیگم کیا تم نہیں جانتیں اسے میں نے صرف اور صرف بہادری کا سبق دیا ہے، اسے بتایا ہے، مرد ذرا ذرا سی چوٹوں کی پروا نہیں کرتے، رونا دھونا، معمولی چوٹ پر ہائے وائے کا شور مچانا ہم جیسے خاندانی لوگوں کا شیوہ نہیں، ہمیں یہ بات زیب ہی نہیں دیتی۔

اور تم راحت بیگم، چند لمحوں میں ہمارا اتنی محنت سے دیا گیا سبق بھلانے چلی ہو۔ حیرت ہے۔ افسوس ہے کہ تم اتنے برس اس اعلیٰ خاندان میں رہ کر بھی کچھ نہیں جان سکیں۔

کبریٰ کی آواز اتنی اُونچی تھی کہ یہاں موجود دُور نزدیک کھڑے تمام ملازمین بخوبی سن رہے تھے اور راحت سر جھکائے کھڑی تھی۔

جمشید شاہ کو مردانے میں اردشیر کی چوٹ کی اطلاع ملی تھی اور وہ خبر سنتے ہی اِدھر آئے تھے کہ بتانے والے نے یہی کہا تھا کہ چھوٹے شاہ جی کو اندر لے جایا جا چکا ہے...... اُنہوں نے بھی کبریٰ کے الفاظ سنے تھے اور سن کر قدم رُک گئے تھے۔ فاطمہ اس سارے منظر کا حصہ ہونے کے باوجود خود کو اس کا حصہ محسوس نہیں کر رہی تھی۔ کبریٰ کا تقریر نما انداز شاہ جی کے اُٹھتے اور پھر رُکتے قدم، مارے تکلیف کے اردشیر کا پیلا پڑتا چہرہ، ملازماؤں کے بظاہر بند کان اور آنکھیں...... فاطمہ کا ذہن اس وقت بالکل کورے کاغذ کی طرح ہو رہا تھا۔ وہ گل رُخ کا ہاتھ پکڑے ایک طرف کسی مسافر کی طرح کھڑی تھی جسے راستے میں کچھ دیر کے لئے ایک منظر نے روک لیا تھا۔

''اب کیا ہوگا......؟'' اُسے اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں تھی...... وہ تو راحت کی چیخوں سے گھبرا کر بس یونہی اپنے کمرے سے نکل آئی تھی اور اب واپس جانا چاہ رہی تھی۔

جمشید شاہ نے بیٹے کی طرف دیکھا اور اُس کی جانب بڑھے۔

''جامو...... ہمارے بیٹے کو ڈاکٹر کے پاس لے جاؤ اور مرہم پٹی کرواؤ اس کی۔'' اس سے پہلے کہ وہ بیٹے تک پہنچتے، کبریٰ نے ملازم کو حکم دیا اور ہاتھ سے جانے کا اشارہ بھی کر دیا۔ جامو جو قصوروار نہ ہونے کے باوجود سخت سزا کا منتظر تھا...... (کہ اردشیر کو ساتھ لے جانے کا قصور تو اُسی سے ہوا تھا) اور جیسے مرا جا رہا تھا، پھر سے زندہ ہو گیا۔

''تم ٹھہرو نمک حرام، اردشیر کو اللہ وسایا لے جائے گا۔'' اردشیر کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسو شاہ جی کو بے چین کر رہے تھے اور اُنہوں نے جامو کی جان ایک بار پھر نکال دی تھی۔

''سرکار...... میرا کوئی قصور نہیں......'' جامو زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا...... اور شاہ جی کے سامنے ہاتھ جوڑ دیئے۔

''بکواس بند کرو، تمہیں اس لاپرواہی کی سزا مل کر رہے گی اور میں یہ بھی پسند نہیں کروں گا کہ سزا ملنے میں دیر ہو۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''اس کا قصور نہیں ہے شاہ جی..... بے گناہ کو سزا مت دیں..... آپ اندر چلیں، میں ساری بات بتاتی ہوں آپ کو۔'' کبریٰ نے شاہ کے مارے غصے سے بند ہوتے اور کھلتے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ کر رسان سے کہا۔

''بہت خوب، اب تم مجھے سمجھاؤ گی، ایسے وقت میں جب میرا بیٹا ایک ادنیٰ ملازم کی غلطی کی وجہ سے زخمی ہوا ہے..... تم مجھے سمجھانے کی سوچ رہی ہو اور غلطی کرنے والے کو بچانا چاہتی ہو۔ سب جانتے ہیں، یہ جامو ہی اردشیر کو لے کر گیا تھا اور تم کہتی ہو یہ حرام خور قصوروار نہیں..... مجھے تو لگتا ہے کبریٰ، تم خود اس سازش میں شریک ہو..... کہ آخر ہو تو سوتیلی ماں۔''

''جمشید شاہ.....'' اور کبریٰ اتنی زور سے چلائی کہ شاہ کی آواز اور غصہ اس کے سامنے دب کر رہ گیا۔

راحت کے اشارے پر برکت اردشیر کو لے کر چلا گیا..... باقی کے ملازم بھی آنے والے وقت کی گھن گرج محسوس کر کے کھسک گئے..... اب یہاں صرف جمشید شاہ کبریٰ اور راحت موجود تھے۔

کبریٰ خاتون کو اتنے برسوں میں پہلی بار حویلی کے در و دیوار نے یوں انتہائی شدت کے عالم میں لال ؛ نگارہ ہوتے چہرے کے ساتھ شاہ جی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابل کھڑے دیکھا تھا، اُن کی آنکھوں سے جیسے شرارے نکل رہے تھے اور شاہ سے نظر ملانا دشوار ہو رہا تھا۔

کچھ دیر یونہی آنکھیں آگ برساتی رہیں، پھر دیکھتے ہی دیکھتے پانیوں سے بھر گئیں۔ غصے اور قہر کی جگہ بے یقینی اور شدید دُکھ کی کیفیت نے لے لی..... اس کا وجود کانپنے لگا۔

''آپ کو پتا ہے کیا کہا ہے آپ نے میرے بارے میں.....؟'' آواز جیسے ڈوب رہی تھی۔

''پھر تم بار بار جامو کی طرف داری کیوں کر رہی تھیں کبریٰ.....؟'' اس کے غصے اور ردِ عمل نے شاہ کو اپنے جملے کی غلطی کا شدت سے احساس دلایا تھا۔

''شاہ جی..... آپا تو جان دیتی ہیں اردشیر پر۔'' راحت، شاہ کے غصے سے ڈرتے ہوئے آہستہ سے سوکن کے حق میں بولی تھی۔

''ہاں..... میں جانتا ہوں..... مجھے معلوم ہے، وہ تو بس غصے اور پریشانی کے عالم میں، میں۔'' جمشید شاہ نے تاسف سے پیشانی پر مُکا رسید کیا اور مردانے میں چلے گئے۔

کبریٰ تھکے تھکے انداز میں اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی جبکہ راحت وہیں ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔

''جمشید شاہ.....'' کمرے میں آ کر ضبط کا یارا نہ رہا، آنسو پلکوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرنے لگے اور دِل کی حالت عجیب سی ہونے لگی۔

''ہاں، یہ ٹھیک ہے کہ میں اردشیر سے محبت نہیں کرتی۔ میں اس سے محبت کر ہی نہیں سکتی۔ میں اس کی موت کی منتظر ہوں، مگر شاہ، تم نے ان ہی لوگوں کے درمیان کھڑے ہو کر مجھ پر ایسا شک کیا، جن کے سامنے مجھے عزت دیتے آئے ہو، آج اُن کے سامنے مجھے دو کوڑی کا کر کے رکھ دیا ہے۔ یقیناً جو کچھ تم نے کہا، وہ سچ ہے مگر شاہ، میں یہ سچ تمہارے منہ سے برداشت نہیں کر سکتی۔

میں جو اس برادری کی سب سے عقلمند لڑکی اور پھر عورت کہلائی..... جس کا دل لوگ کہتے ہیں، ہر کسی کے لئے نرم ہے، جو اس خاندان کی واحد لڑکی ہے جس نے مڈل تک اپنے بابا سائیں سے تعلیم حاصل کی



ہے اور پھر امتحان بھی پاس کیا ہے۔ جمشید شاہ! تمہاری نفرت اُسے قاتل بنا دے گی اور اس قتل کے ذمہ دار تم ہو گے۔

میں سوچا کرتی تھی کہ شاید کبھی اردشیر کی بھولی بھالی معصوم صورت میرے دل میں اس کے لئے محبت پیدا کر دے گی مگر اب مجھے لگتا ہے کہ تم اور تمہارے رویے میرے اور اردشیر کے درمیان، ہمیشہ دیوار بنے رہیں گے۔ وہ میرے بڑھے ہاتھوں کو روک دیں گے اور یہ بچہ ہمیشہ میری نفرتوں کا نشانہ بنتا رہے گا۔

اور جمشید شاہ! میرا عہد ہے خود سے، ایک دن ایسا ضرور آئے گا جب میں اس لڑکے کو تمہارے لئے درد بنا دوں گی، تم بیٹے کی پیدائش کے منحوس دن پر روؤ گے، اُس کے وجود پر لعنت بھیجو گے اور ایسا دن تب ہی آ سکتا ہے، جب میں شاہ جی کے اس طنز، اس غصے اور بیگانگی کے زخم کو کھلا چھوڑ دوں، اسے خراب ہونے دوں اور جو درد اُٹھے، اسے خاموشی سے دل میں اُتار لوں اور ہمیشہ کے لئے دل میں بند کر لوں مگر بظاہر سرے سے بھول جاؤں، اُف یہ آنسو، یہ رُکتے کیوں نہیں، بار بار بہنے لگتے ہیں۔''

''اماں..... کیا ہوا آپ کو.....؟'' ستارہ اور شیریں (کبریٰ کی دونوں بیٹیاں) اندر آئیں اور ماں کو یوں اُداس اور ویران سا دیکھ کر گھبرا گئیں۔

''کہاں تھیں تم دونوں.....؟'' کبریٰ بیٹیوں کو دیکھ کر اُٹھ بیٹھیں۔

''اماں جان..... ہم اِدھر لیموں اُتار رہے تھے۔'' ستارہ نے بتایا۔

''ہاں..... بس تم لیموں اُتارتی رہنا۔ کچھ پتا بھی ہے، بھائی گھوڑی سے گر کر زخمی ہو گیا ہے۔''

''ہائے اللہ..... کہاں ہے وہ.....؟'' ہمیں تو کسی نے بتایا تک نہیں۔'' دونوں نے گھبرا کر پوچھا۔

''ابھی ابھی ڈاکٹر کے پاس لے کر گئے ہیں..... ویسے پریشانی کی کوئی بات نہیں..... معمولی چوٹیں آئی ہیں۔''

''کیسے گرا وہ لاڈلا.....؟'' شیریں نے منہ بنایا۔

''گھوڑی پر سواری کی ضد کر رہا تھا.....'' کبریٰ نے مختصراً بتا دیا۔

''اچھا، اب والد صاحب کا کیا حال ہے؟ میرا خیال ہے اردشیر کو چوٹوں سے اتنی تکلیف نہیں ہو رہی ہو گی جتنا درد اس کے گرنے کے خیال سے بابا صاحب کے دل میں اُٹھا ہو گا، اُن کی تو جان سے پیارے بیٹے ہیں..... حویلی کی آن، خاندان کی شان، بابا صاحب کا مان.....'' ستارہ نے منہ بنا کر تلخی سے کہا۔

''بیٹے سے ہی نسل چلتی ہے.....'' کبریٰ نے کہا۔

''اماں..... آپ تو ہم سے ایسی باتیں نہ کیا کریں۔'' دونوں جھلا کر بولیں۔

''میں نہیں چاہتی کہ اردشیر کی نفرت تمہارے چہروں پر لکھی جائے..... میں نے کبھی تمہارے دلوں میں اُس کے خلاف کوئی میل نہیں آنے دیا..... کبھی..... اس کے خلاف نہیں کہا، حالانکہ سب سے زیادہ دُکھ تو مجھے ہونا چاہئے تھا کہ وہ مجھ پر سوکن بن کر آنے والی کی اولاد ہے مگر نفرت تم لوگ کرتی ہو، کیوں.....؟ مجھے آج تک یہ سمجھ نہیں آ سکی۔'' کبریٰ نے ملائمت سے پوچھا۔

''اماں، اردشیر نے پیدا ہونے سے پہلے اور پیدائش کے بعد بھی ہمارا حق چھینا ہے، یہ وہ ہے جس کا انتظار بابا صاحب اور آپ کی شادی کے فوراً بعد سے ہونے لگا تھا۔ ہم تو یونہی آ گئے تھے اور یونہی چلے آنے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کی سزا بھی بہت بھگتی ہے ہم نے ..... باپ نے کبھی ہماری طرف پیار سے نہیں دیکھا ...... کبھی ہماری ننھی ننھی خواہشوں کے بارے میں جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی ...... ہم تو ایک بوجھ ہیں ..... شرمندگی ہیں باپ کے لئے اور وہ اردشیر، اُس نے ہمیشہ محبتیں وصول کی ہیں، ڈاکا ڈالا ہے اُس نے ہمارے حق پر پھر ہم اس سے محبت کس طرح کر سکتے ہیں......؟'' دونوں تلخی سے بولیں۔

''یاد رکھو، کل اسے اِس حویلی میں تمہارے باپ کی جگہ لینی ہے ...... تم سب کا محافظ بننا ہے، اُسے خود سے دور مت کرو ...... بے شک بھائی والی محبت تم اُسے نہیں دے سکتیں، تم دل سے مجبور ہو۔ بہنوں کی طرح ناز نہیں اُٹھا سکتیں مگر اس سے بگاڑو مت نقصان اپنا ہی ہوگا۔'' کبریٰ نے سمجھایا۔

''اماں، ہم تو ہمیشہ نقصان میں رہے ہیں، ایک نقصان اور سہی۔''

راحت پھاٹک کے سامنے کچھ ہی فاصلے پر بنے لمبے سُرخ اینٹوں والے برآمدے کے موٹے سے ستون سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور کان آہٹوں پر تھے کہ کب اردشیر آتا ہے۔ جمشید شاہ مردانے میں تھے اور یقیناً اُنہیں بھی بیٹے کی واپسی کا انتظار تھا۔

راحت کو یہاں کھڑے زیادہ دیر نہیں گزری تھی، جب پھاٹک کھلا اور جمشید شاہ اپنے لاڈلے بیٹے اردشیر کے ساتھ اندر چلے آئے۔ وہ بے تاب ہو کر بیٹے کی جانب لپکی مگر اس سے پہلے کہ بیٹے کو سینے سے لگا کر ماممتا قرار پاتی ..... شاہ نے ہاتھ اُٹھا کر اُسے کچھ فاصلے پر ہی رُک جانے پر مجبور کر دیا، وہ کہہ رہے تھے۔

''راحت بیگم تم بھول گئیں، اُس کی بڑی ماں نے کیا کہا تھا تمہیں، یہ شاہوں کا بیٹا ہے، اس کی تربیت ایک خاص انداز ...... پر ہوگی کہ اسے کل حکمرانی کرنی ہے، مالک ہے یہ اس گاؤں کا اور تم اسے بزدلی کا سبق دینا چاہتی ہو، یہ احساس دلانا چاہتی ہو کہ یہ معمولی چوٹیں بھی اس کے لئے پریشانی کا سبب بن سکتی ہیں ...... شکر ہے اس کی پرورش کا ذمہ میں نے کبریٰ خاتون کو سونپ دیا، وہ ذہین عورت ہے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خاندانی ہے ..... تم ...... راحت بیگم، تم تو اسے کہیں کا نہ چھوڑتیں ...... ہونہہ، کہنے کو کبریٰ خاتون سے زیادہ پڑھی لکھی ہو، مگر تعلیم سے کیا ہوتا ہے، اصل چیز تو عقل ہے اور ...... خاندان ہے ...... تمہیں تو یہ بھی نہیں معلوم کہ بڑے گھروں کے بچے کس انداز میں پرورش پاتے ہیں۔''

اتنا کچھ سننے کے بعد راحت کے بیٹے کی جانب بڑھتے ہوئے ہاتھ پہلو میں گر گئے تھے اور سر بھی جھک گیا تھا۔

''جاؤ بیٹے، اپنی بڑی ماں سے مل کر آؤ، وہ اپنے کمرے میں ہوں گی۔'' شاہ جی نے اردشیر سے کہا اور وہ اثبات میں سر ہلا کر کبریٰ کے کمرے کی جانب چل پڑا۔

''بڑی ماں، آپ کہاں ہیں......؟ بڑی ماں، دیکھیں میں آ گیا ہوں۔'' وہ باہر ہی سے آوازیں دیتا کبریٰ کے کمرے میں داخل ہوا۔

''بڑی ماں میں ڈاکٹر سے پٹی کروا کر آ گیا ہوں۔'' کمرے میں داخل ہو کر اُس نے پھر کہا۔ مگر اُس کی اُمید کے برخلاف کبریٰ اُسے دیکھ کر بھی بستر سے اُٹھی نہیں، گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے، یونہی نیم دراز آنکھوں میں بے گانگی کے رنگ لئے بڑی خاموشی سے اردشیر کی جانب دیکھتی رہی۔ وہ کچھ اور آگے بڑھا اور پھر سے بولا۔



''میں گھوڑی سے گر پڑا تھا ناں ...... بہت چوٹ آئی تھی مجھے ...... خون بھی نکلا تھا میرے ماتھے سے ...... اب ٹھیک ہوں ...... ڈاکٹر نے دوا لگا دی ہے مجھے ...... بہت درد ہوا تھا اور چوٹ گہری بھی بہت تھی......''

''مگر اس چوٹ سے گہری تو ہرگز نہیں ہو سکتی جو آج مجھے لگی ہے۔'' آج کبریٰ کا دُکھ اردشیر کے سامنے بھی بول اُٹھا۔

''آپ کو بھی چوٹ لگی ہے، کب، مجھے کسی نے بتایا ہی نہیں۔'' بہت پریشان ہو کر اُس نے کبریٰ کے بازو پر ہاتھ رکھ دیا اور کہا...... ''آپ بھی ڈاکٹر کے پاس چلیں ...... وہ بہت اچھا ڈاکٹر ہے، آپ کی چوٹ کو بھی آرام آ جائے گا ...... اُٹھیں ...... اُٹھیں ناں ......'' اُس نے ہاتھ پکڑ کر ہلکا سا کھینچتے ہوئے اُسے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لئے منانا چاہا۔

''اردشیر ...... تم کتنے خوبصورت ہو، کتنے پیارے، تمہاری آنکھیں، تمہارے ہونٹ، تمہارے یہ گھنے بال، بہت خوبصورت ہو ...... تمہارا ایک ایک نقش بولتا ہے ...... آہ! کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ تم میرے ہوتے، میرے اپنے ...... تم نے مجھے کیا سے کیا بنا دیا، اُس کبریٰ کو جو سب کے لئے محبت تھی، جسے نفرت کے معنی معلوم ہی نہ تھے۔ جو دُوسروں کو دُکھ دینے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی ...... تم نے اُسے کیا کیا سکھا دیا اردشیر ...... کاش ...... اے کاش......''

کبریٰ کی آنکھیں برسنے لگیں ...... اردشیر یہی سمجھا کہ ماں اُس کے گرنے کی وجہ سے پریشان ہے، اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر وہ اُسے گویا تسلی دینے لگا۔ وہ آنسوؤں کی دُھند میں اس کے چہرے کے نقوش دیکھتی رہی اور روتی رہی۔

جمشید شاہ نے کمرے کے دروازے پر بڑا بھاری پردہ اُٹھایا اور اندر کا منظر دیکھ کر رُک گئے۔

''بڑی ماں ...... میری اچھی ماں، مجھے زیادہ چوٹ نہیں آئی ...... وہ تو میں نے یونہی کہہ دیا تھا، اب چپ کر جاؤ ناں ...... دیکھو، میں تو بالکل ٹھیک ہوں۔''

''کبریٰ ......'' شاہ جی کمرے میں داخل ہو کر ہولے سے بولے۔

کبریٰ خاتون نے جواب میں کچھ نہیں کہا ...... بس آنسو پونچھنے لگی۔ باپ کے اشارے پر، اردشیر کمرے سے باہر چلا گیا، وہ پلنگ کے قریب رکھی رنگین پایوں والی کرسی پر آ بیٹھے اور بولے۔

''مجھے احساس ہے، میں اس وقت پریشانی کے عالم میں تم سے غلط بات کہہ گیا تھا۔''

وہ ابھی ابھی دیکھے جانے والے ماں بیٹے کی محبت کے منظر سے ازحد متاثر ہوئے تھے اور اُن کا ہر انداز بتا رہا تھا کہ واقعی اپنے کہے پر سخت شرمندہ ہیں ...... مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے ...... کمان سے نکلا تیر اور زبان سے نکلی بات کبھی واپس نہیں ہوتی ...... اتنے ملازموں کے سامنے وہ کبریٰ پر شک کا اظہار کر چکے تھے ...... مگر کبریٰ خاتون بھی گہری عورت تھی ...... اُنہوں نے یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ ناراض ہیں یا اس فقرے نے بہت دُکھ دیا ہے ...... آنسو اچھی طرح پونچھنے کے بعد اُن کی جانب متوجہ ہوئی اور بولی۔

''میں آپ کی بہت عزت کرتی ہوں شاہ جی۔''

کبریٰ نے دانستہ محبت کا لفظ استعمال نہیں کیا، وہ یہ لفظ ادا کرنا تب سے چھوڑ چکی تھی ...... جب سے جمشید شاہ نے محبت کا جام توڑا تھا۔ کبریٰ نے دل میں اُٹھتے طوفان کو اندر ہی اندر دبا کر یہ کرچیاں بڑی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



خاموشی سے چن لی تھیں اور پھر کبھی شاہ کے لئے محبت کا لفظ اپنی زبان پر نہ لا سکی۔ وہ جھوٹ موٹ ہی سہی، جمشید شاہ سے محبت کا اظہار کر ہی نہیں سکی۔

"تم بہت اچھی ہو کبریٰ...... مجھے تم پر ہمیشہ فخر رہا ہے...... تم عام عورتوں سے مختلف، ذہین عورت ہو...... ہر قدم پر تم نے میرا ساتھ دیا ہے۔ بس اردشیر کا زخمی ہونا، اُس کا ٹپکتا خون مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔ مجھے یوں لگتا تھا میرے حواس جواب دے گئے ہیں۔ میں ہوش میں رہا ہی نہیں تھا...... اور ایسے میں تم سے بہت غلط بات کہہ گیا، مجھے اپنے کہے پر افسوس ہے، بے حد افسوس۔"

شاہ نے بے حد مغلوب ہو کر ہاتھ اُس کے شانوں پر رکھ دیئے تھے۔ جو کچھ کہا تھا لہجہ اور آنکھیں بتاتی تھیں، یقیناً سچ ہے...... اور انداز کہتا تھا واقعی آج وہ اپنے کہے پر شرمندہ ہو کر اور دل میں خلش لئے ہی آئے ہیں، اُنہیں واقعی شدید پچھتاوا ہے۔

سب سچ تھا...... اس وقت کھل کر سامنے تھا مگر اندر کی عورت بیدار تھی...... وہ کئی برسوں سے مسلسل جاگ رہی تھی...... اور اسی مسلسل جاگنے کے عمل نے اُسے بہت غصہ ور بنا دیا تھا۔

کبریٰ نے بظاہر بے حد نرمی سے اپنا آپ یوں چھڑایا کہ شاہ کو اس عمل میں چھپی ناگواری کا ذرا بھی احساس نہیں ہو سکا...... شاہ جی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اُس نے انہیں ایک بار پھر یہ یقین دلایا کہ
"بہت عزت کرتی ہوں آپ کی اور میں آپ سے ناراض نہیں ہوں۔"

اور شاہ جی مطمئن ہو گئے جیسے سارا بوجھ سر سے اُتر گیا کہ اُنہوں نے بھی تو برسوں پہلے سے اُسے صرف عزت کروانے کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ محبت کے لئے فاطمہ کو لائے پھر اس کے بعد راحت آ گئی اور دل سے پرانی محبتوں کے نقش جو شاید پانی سے بنائے گئے تھے، وقت کی بے رحم دھوپ میں بھاپ بن کر یوں اُڑے کہ نشان بھی باقی نہیں رہا۔

• • •

"اوہو...... ہمارے قتل کا سامان کئے بیٹھی ہیں۔" اندر داخل ہوتا ناصر شوخی سے بولا۔

"اوں ہوں...... بس آرام سے اُدھر بیٹھ جائیں...... تیار ہونے دیں مجھے۔" ناصر کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی جویریہ اک ناز سے مُسکرا کر بولی۔

"ویسے یہ کہاں کی تیاری ہے آج......" وہ چائے کا کپ سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر مُسکراتا ہوا بیڈ پر بیٹھ گیا۔

"ہمارے محلے میں جو خاں صاحب رہتے ہیں ناں، اُن کی بیٹی نسرین کی شادی ہے۔ ابھی کوکب آپا بس مجھے لینے کے لئے آتی ہی ہوں گی۔"

"یہ ہار سنگھار تو میرے لئے ہونے چاہئیں جناب...... اور تم مجھے ہی نظر انداز کر کے نسرین کی شادی میں جا رہی ہو، قریب آنے کی اجازت بھی نہیں، حکم دے دیا کہ اُدھر بیڈ پر بیٹھیں۔"

"توبہ ہے ناصر، بھلا میں نے کب آپ کو نظر انداز کیا ہے اور آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں تقریبات میں بس یونہی سے کپڑے پہن کر، بنا تیار ہوئے ہی چلی جایا کروں...... دیکھ لیجئے گا، لوگ پھر آپ کو ہی الزام دیں گے کہ کیسا شوہر ہے، بیوی کو مناسب کپڑے تک نہیں لا کر دیتا۔"

"لوگوں کی زبان سے ایسا کہلوانا بھی منظور ہے مگر تم یوں سج سنور کر دوسروں کے سامنے جاؤ، یہ



مجھے اچھا نہیں لگتا......" ناصر والہانہ انداز میں اُسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا اور جویریہ دانستہ نظر نہیں ملا رہی تھی، بس جلدی جلدی تیاری میں مصروف تھی۔

"خواتین کی محفل ہے اور سب ہی تیار ہو کر آئیں گی...... اب اتنے تنگ نظر تو نہ بنیں آپ۔"

"تمہارے معاملے میں، میں تنگ نظر بھی ہوں اور شکی بھی۔"

"ہائے اللہ...... شکی بھی۔" وہ ایک دم سے اُس کی جانب بڑھی اور گھبرا کر اُس کی صورت دیکھنے لگی۔

"ہوں، سچ...... جویری دیوانہ ہوں میں تمہارا......" نگاہوں میں محبت کے خزانے لئے وہ ایک جذب کے عالم میں کہہ رہا تھا۔

"جانتی ہوں۔" وہ فخر، طمانیت اور حیا آلود تبسم کے ساتھ یہ کہتی ہوئی بہت پیاری لگ رہی تھی، خود پر قابو پانا مشکل تھا۔

"اب مغرور نہ ہو جانا کہ مجھے کچھ سمجھنا ہی چھوڑ دو۔" ناصر کو احساس تھا کہ اُسے جانا ہے، کوکب اب کسی بھی وقت بس آتی ہی ہوگی۔

"مغرور کیسے ہو سکتی ہوں میں جبکہ میں تو خود کو آپ کے بغیر کچھ بھی نہیں سمجھتی، یہ آپ کی محبت ہی ہے ناصر، جو میں اس روپ میں ہوں ورنہ بھائی اور بھابی کے گھر تو جانے اب تک میرا کیا حشر ہو چکا ہوتا۔ جتنا آپ مجھے چاہتے ہیں، اتنی ہی محبت میں بھی آپ سے کرتی ہوں۔ آپ میری رُوح ہیں، زندگی کی ہر خوشی آپ ہی کے دم سے ہے...... میرے روم روم میں آپ بستے ہیں اور سچ تو یہ کہ زندگی ہی آپ ہیں۔" وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کر ناصر کے قریب آ بیٹھی۔

"جویریہ...... میں سوچتا ہوں، کیا ہر محبت کرنے والے نے یونہی محبت کی ہوگی۔ عاشق اور معشوق کا فرق مٹا کر دونوں رُوح...... کی گہرائیوں میں ایک دوسرے کو محسوس کرتے ہیں، جسم میں لہو بن کر دوڑتے ہیں، دل کی دھڑکن بن جاتے ہیں، چپ کی زبان میں ڈھیروں باتیں کرتے ہیں۔؟" اُس نے جویریہ کو دیکھ کر پوچھا۔

"ناصر...... میں اکثر سوچا کرتی ہوں، زندگی کبھی بھی مکمل طور پر مطمئن نہیں ہوتی...... کہیں نہ کہیں، کوئی نہ کوئی کمی، کوئی ہلکا سا ملال، چھوٹی سی خواہش ضرور حسرت کا روپ دھار لیتی ہے مگر ہماری زندگی تو ہر لحاظ سے مکمل ہے، ہم خوش ہیں، بے حد خوش، کوئی ملال ساتھ نہیں، کوئی خواہش حسرت نہیں بنی...... ہمیں تو بس ایک دُوسرے کا ساتھ چاہئے تھا...... اور قدرت نے ہمیں ملا دیا اور اس ملن کا پیارا سا تحفہ طلال کی صورت میں ہمیں عطا کیا۔" جویریہ نے سادگی سے کہا۔

"ہاں...... جویریہ، تم سچ کہتی ہو، کبھی کبھی تو مجھے یہ سب خواب سا لگنے لگتا ہے۔ کہاں تو وہ وقت تھا جب ہم چند لمحوں کی ملاقات کو بھی ترستے تھے۔ ملن کی خواہش دل میں لئے ہزاروں جتن کرتے تھے اور پھر چند لمحوں کے لئے ایک دُوسرے کی صورت دیکھنا نصیب ہوتی تھی۔ تمہارے بھائی اس رشتے پر سرے سے راضی ہی نہیں تھے۔ اُنہوں نے صاف انکار کر دیا تھا اور اس انکار کے بعد مجھے تو اپنی زندگی سے نفرت ہو گئی تھی مگر وہی زندگی اب پھولوں کی سیج لگتی ہے۔ اب تو ہر شے جیسے مجھ سے محبت کرتی ہے...... تمہارے مل جانے سے میری زندگی میں بہار آ گئی ہے جویریہ۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"اسی لئے تو میں ڈرتی ہوں ناصر...... مجھے زندگی کے اس قدر مکمل پن سے خوف آتا ہے۔ میں وہم کا شکار ہونے لگتی ہوں......" وہ ناصر کے بازو سے چہرہ ٹکائے ہولے ہولے کہہ رہی تھی۔

"تم تو شروع سے ہی ڈرپوک ہو، وہمی ہو......" ناصر نے ہنس کر اُس کے گال کو ہلکا سا چھوتے ہوئے کہا۔

"نہیں ناصر، سوچو تو بھلا اتنی خوشی، اس قدر اطمینان بھی کبھی تم نے کسی کے پاس دیکھا ہے۔؟"

"پتا نہیں یار، مجھے لوگوں کی زندگی میں جھانکنے کی نہ عادت ہے، نہ ہی فرصت...... میں تو بس اپنی دُنیا میں مگن ہوں۔" ناصر نے اس کی بات مذاق میں اُڑائی۔

"مگر میں تو چاہنے کے باوجود اس سوچ سے پیچھا نہیں چھڑا سکتی۔" وہ سنجیدگی سے بولی۔

"کہہ تو رہا ہوں، تم وہمی ہو...... اور غم پالنے کی شوقین بھی، اب اور کچھ نہیں تو یہ سوچ کر ہی دہلنا اور پریشان ہونا شروع کر دیا کہ زندگی اس قدر مطمئن کیوں ہے......؟ واہ بھئی، واہ! جواب نہیں تمہارا بھی۔" ناصر ہنسے جا رہا تھا۔

"اچھا، اب یوں ہنس کر شرمندہ مت کریں مجھے۔" جویریہ کو اس کی باتوں سے اپنی حماقت کا ذرا سا احساس ہوا تھا سو شرمندہ ہو کر پھر سے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آبیٹھی...... اور بال بنانے لگی۔

"طلال کہاں ہے......؟" ناصر نے پوچھا۔

"سو رہا ہے ساتھ کے کمرے میں...... اور ہاں اسے میں گھر میں آپ کے پاس چھوڑے جا رہی ہوں"

"کیا......؟ اور اگر وہ جاگ گیا تو پھر......؟ صاف کہتا ہوں، مجھ سے نہیں سنبھالا جائے گا۔"

"ہوں...... بڑی محبت ہے بیٹے سے، تھوڑی دیر کے لئے سنبھالنا پڑ گیا تو کیسے منہ بنا رہے ہیں۔ جاگ بھی گیا تو کچھ نہیں ہوگا، فیڈر تیار کر لیجئے گا بس۔"

"افوہ...... فیڈر بھی تیار کرنا ہوگا......" اور ناصر کی کوفت زدہ صورت پر جویریہ زور سے ہنس پڑی، پھر بولی۔

"کبھی کبھی منہ کا ذائقہ بدلنے کے لئے ایسے کام بھی کر لینے چاہئیں۔"

"اچھا چلو، فیڈر بھی تیار کر لوں گا مگر صاحب بہادر جب اپنی امی کی طرح ضد پر آجائیں تو پھر بہلنے کا نام نہیں لیتے۔"

"کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ میں اور ضدی......؟ اس بات کا جواب میں واپس آکر دوں گی، ابھی جلدی میں ہوں۔" جویریہ مصنوعی خفگی سے بولی۔

"ہوں، تمہاری واپسی کا انتظار مجھے بھی رہے گا۔" انداز معنی خیز تھا، جویریہ جھینپ گئی۔

"پھر تم لے جا رہی ہو ناں طلال کو......؟" کچھ دیر اُسے خاموشی کے ساتھ مسکراتی نظروں سے دیکھنے کے بعد ناصر نے کہا۔

"اللہ میری توبہ...... نہیں جاگتا اتنی جلدی، کیوں گھبرائے جا رہے ہیں آپ......؟ اب میں سوئے ہوئے بچے کو ساتھ لے جانے کے لئے تیار کروں گی تو اُس کا موڈ ضرور ہی خراب ہوگا۔ پھر وہاں میں سارا وقت اسے ہی بہلاتی رہوں گی اور لوگ بھی بار بار کہیں گے، کیسا باپ ہے، ذرا سی دیر کے لئے اپنے پاس



نہیں رکھ سکا۔"

"یہ تم لوگوں کا ڈراوا مت دیا کرو مجھے، رکھ لیتا ہوں، تم بھی کیا یاد کرو گی...... اور ہاں، وہاں جا کر ہم باپ بیٹے کو بھول نہ جانا...... جلدی آنے کی کوشش کرنا، ہم راہ دیکھتے ہی ملیں گے۔"

"جی...... اور میں بھی روز آپ کو یہی کہہ کر بھیجتی ہوں کہ ناصر، جلدی گھر آجایئے گا، مگر یاد کیجئے، کتنی مرتبہ عمل کیا ہے میری بات پر۔" وہ ان آپس کی باتوں کا مزا لیتے ہوئے بار بار ناصر کو چھیڑ رہی تھی۔

"تو آج تم بدلہ لینا چاہ رہی ہو مجھ سے...... ہوں۔"

"نہیں تو، میں نے کیوں بدلہ لینا ہے آپ سے، میں جلدی آجاؤں گی۔"

"کیوں......؟" ناصر کا انداز اور مسکراہٹ...... جویریہ نے ہیئر برش اس پر اُچھال دیا جسے کیچ کرنے کے بعد وہ جویریہ کو دیکھ کر ہنسے چلا گیا۔

"شاید کوکب آپا آگئیں۔" دروازے پر ہونے والی دستک سنتے ہی جویریہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں، تمہیں تو اب ہر آہٹ پر اپنی کوکب آپا کا گمان گزرے گا...... بیٹھی رہو، میں دیکھتا ہوں، یہ بھی تو ممکن ہے، کوئی میرا ملنے والا ہو۔"

ناصر نے جا کر دروازہ کھولا، آنے والی واقعی کوکب آپا تھیں۔

"آیئے بھابی...... جویریہ تو کب سے آپ کی منتظر بیٹھی ہے۔" ناصر نے دروازے کے سامنے سے ہٹ کر کوکب کو اندر آنے کا راستہ دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں بھائی، بس مجھے دیر ہو گئی، اصل میں ہمارے گھر میں مہمان آگئے تھے اور تھے بھی سسرالی عزیز...... ذرا جو خاطر مدارات میں کمی رہ جاتی تو ساری عمر میرے میاں نے طعنے دیتے رہنا تھا۔ اب وہ لوگ اُٹھ کر گئے تو میں جلدی جلدی تیار ہو کر ادھر آئی ہوں، کہاں ہے جویریہ......؟" وہ جویریہ کو پکارتے ہوئے آگے بڑھ گئیں...... ناصر وہیں کھڑا رہا۔

"اچھا ناصر، میں اور آپا جا رہے ہیں...... طلال اُٹھ جائے تو اس کے رونے کا انتظار کئے بغیر ہی فیڈر بنا لیجئے گا۔" وہ شریری مسکراہٹ کے ساتھ نصیحت کر رہی تھی۔

"اے ہاں، یہ مرد لوگ گھر آکر کوئی کام کرنا توہین سمجھتے ہیں...... ویسے تو بچوں پر بڑا حق جتائیں گے مگر ذرا سا کام نہیں کر سکتے، موڈ خراب ہو جاتا ہے ان کا...... اب میں تمہیں کل کی بات سناتی ہوں۔" کوکب اور جویریہ باتیں کرتی گلی میں نکل گئیں۔

"کس قدر باتونی ہیں یہ کوکب بھابی بھی، اتنا اچھا شوہر ہے مگر دوسروں کے سامنے یوں نقشہ کھینچتی ہیں کہ جلاد لگنے لگتا ہے۔ یہ جویریہ اُن کے ساتھ چلی تو گئی ہے، واپسی پر سر درد کی شکایت ضرور کرے گی......" ناصر کمرے میں چلا آیا اور اخبار لے کر بیٹھ گیا۔

◆ ◆ ◆

اردشیر کے زخم مندمل ہو چکے تھے۔ حویلی کی زندگی ایک بار پھر معمول پر تھی۔ شاہ جی نے جامو کو سزا دی تھی، اس بارے میں کبریٰ کو پتا چل گیا تھا مگر اُس نے نہ تو یہ بتانے والی رازداں ملازمہ کے سامنے سن کر کوئی تاثر دیا اور نہ ہی کسی اور کے سامنے اس سلسلے میں کوئی بات کی۔

جمشید شاہ صبح ناشتے کے بعد قریبی شہر کے لئے روانہ ہو رہے تھے۔ واپسی کے بارے میں راحت

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کے پوچھنے پر اُنہوں نے بتایا کہ شام تک آجاؤں گی۔

''اردشیر پتر...... تمہارے لئے کیا لاؤں شہر سے......؟'' اس وقت ناشتے کے لئے اُن کی تینوں بیٹیاں بھی موجود تھیں، مگر انہیں ہمیشہ کی طرح آج بھی صرف بیٹا ہی نظر آیا تھا۔

ستارہ اور شیریں نے جیسے سنا ہی نہیں، وہ سر جھکائے ناشتا کرتی رہیں مگر اردشیر سے صرف ایک سال اور چند ماہ بڑی گل رُخ اپنا دھیان ناشتے کی طرف نہیں رکھ سکی، وہ پوری توجہ سے اردشیر کی جانب دیکھنے لگی کہ وہ بابا کی بات کا کیا جواب دیتا ہے۔

''میرے لئے بہت اچھی سی گاڑی لے کر آنا بابا سائیں۔'' آخر کچھ سوچ کر اردشیر بول ہی پڑا۔

''ایک گڑیا بھی منگوا لو اردشیر۔'' گل رُخ کی معصوم سی خواہش لبوں پر آ گئی مگر خود سے نہیں کہہ سکتی تھی، سو اردشیر کو گڑیا منگوانے کا مشورہ دینے لگی۔

''کیا کہا، گڑیا......؟ بے وقوف لڑکی، گڑیوں سے تو لڑکیاں کھیلتی ہیں، میں تو لڑکا ہوں۔'' اُس نے منہ بنا کر نہ صرف گل رُخ کی بات کو رَد کیا بلکہ بے وقوف کہہ کر تمسخر بھی اُڑایا...... اور شاہ جی بیٹے کی بات پر مسکراتے رہے۔ گل رُخ نے اتنے لوگوں میں اپنی سبکی محسوس کی، کچھ بول نہیں سکتی تھی، سو خاموش بیٹھی تھی مگر ناشتا نہیں کر رہی تھی۔ اُسے یہ علم نہیں تھا کہ سامنے بیٹھی بڑی ماں بہت غور سے اُس کی ایک ایک حرکت دیکھ رہی ہیں۔

ناشتے کے بعد شاہ جی شہر کے لئے روانہ ہو گئے...... ستارہ اور شیریں راحت سے پڑھنے بیٹھ گئیں اور اردشیر ملازم کے ساتھ باہر نکل گیا۔

راحت نے کئی بار کوشش کی کہ اب وہ پڑھنے کی طرف دھیان دینے لگے کہ وہ چاہتی تھی، چند ماہ بعد جب وہ لفظوں کی پہچان سیکھ لے تو اُسے اسکول میں داخل کرا دیا جائے۔ راحت کی تعلیم میٹرک تھی...... وہ لڑکیوں کو پڑھا رہی تھی، مگر بیٹے پر بس نہیں چلتا تھا۔ وہ اُس کی سنتا نہیں تھا...... کچھ کبریٰ بھی اُس کا ساتھ دیتی تھی۔ جب بھی وہ بیٹے کو پڑھنے کے لئے بٹھانا چاہتی، کبریٰ کہہ دیتی۔

''ابھی اسے کھیلنے کودنے دو، ابھی سے پڑھائی میں لگ گیا تو صحت نہیں بن سکے گی۔''

کبریٰ اپنے کمرے میں چلی آئی اور ملازمہ سے کہا کہ وہ گل رُخ کو بلا لائے۔ کچھ ہی دیر بعد گل رُخ چلی آئی۔

''اِدھر آؤ، میرے پاس آ کر بیٹھو گل رُخ۔''

''جی بڑی ماں۔'' وہ سعادت مندی سے قریب چلی آئی اور پلنگ کے کنارے پر ٹک گئی۔

''تمہیں گڑیا بہت اچھی لگتی ہے......؟'' کبریٰ نے گلابی رنگت اور بڑی بڑی سیاہ آنکھوں والی اس بچی سے بہت پیار سے پوچھا۔

''ہاں بڑی بی بی، اپنی گل بی بی کو گڑیا بہت پسند ہے، اس نے سیانی سے کہہ کر ایک کپڑے کی گڑیا بنوا رکھی ہے۔'' کمرے میں موجود ایک ملازمہ نے گل کے بولنے سے پہلے بتا دیا۔

''مجھ سے کہا ہوتا، میں تمہیں گڑیا منگوا دیتی۔'' کبریٰ نے ننھی گل کے بالوں کو ہاتھ سے سنوارتے ہوئے پیار سے کہا۔

''او گل رُخ...... تم یہاں ہو، میں کب سے تمہیں تلاش کر رہی ہوں۔'' تھکی تھکی، بیمار فاطمہ اُسے



ڈھونڈتی ہوئی چلی آئی۔

''آؤ فاطمہ، اِدھر آ کر بیٹھو...... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے اور بھاگاں، تم اب جاؤ۔'' اُس نے ملازمہ کو باہر بھیج دیا۔

''جی آپا...... آپ کچھ بات کرنا چاہ رہی تھیں......؟'' ملازمہ کے جانے کے بعد فاطمہ نے پوچھا۔

''اپنا خیال رکھا کرو فاطمہ، ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے مگر چہرہ تو دیکھو کیسے مرجھا کر رہ گیا ہے، ذرا سا چلتی ہو تو سانس ہموار نہیں رہتی...... خود پر یوں ظلم نہ توڑو، اپنا خیال رکھا کرو۔''

''کس لئے آپا......؟ کس کے لئے جیوں......؟ کیوں رکھوں اپنا خیال......؟''

''فاطمہ! بے وقوفی کی باتیں مت کرو...... تمہارے سامنے تمہاری بیٹی ہے، اس کی ننھی ننھی خوشیاں ہیں، تم زندگی سے دامن چھڑانے کی تو سوچو بھی نہیں۔'' کبریٰ نے اُسے ڈانٹا۔

''آپا، میں تو اپنی بیٹی کے لئے کسی کام کی نہیں، میں تو وہ بدنصیب ماں ہوں جو اس کی ذرا سی خوشی بھی پوری نہیں کر سکتی...... ستارہ اور شیریں خوش نصیب ہیں کہ اُنہیں آپ جیسی ماں ملی ہے۔ باپ اُنہیں محبت نہ بھی دے تو بھی اُنہیں سر پر مضبوط سائبان کا احساس رہتا ہے مگر گل رُخ، اس کے لئے تو نہ باپ کی شفقت ہے، نہ ماں کی ٹھنڈی چھاؤں...... میں تو خزاں کا درخت ہوں آپا، اسے چھاؤں نہیں دے سکتی۔ پتا نہیں کیا بنے گا میری بچی کا......؟'' فاطمہ نے افسردگی سے کہا۔

''بڑی قسمت والی ہو گی ہماری بیٹی...... تمہیں یاد ہے فاطمہ، اس کا نام میں نے رکھا تھا، اسے گود میں اُٹھا کر پیار کیا تھا، میرے دل میں اس کے لئے محبت نے جوش مارا تھا۔ مجھے یہ اپنی بیٹی لگی تب بھی اور اب بھی......'' یہ کہتے ہوئے کبریٰ خاتون نے گل رُخ کو گود میں اُٹھا لیا، اور بولی۔

''میں اپنی بیٹی کو گڑیا...... منگوا کر دوں گی...... لمبے بالوں والی گڑیاں جس کا رنگ میری بیٹی کی طرح گلابی ہو گا، ہے ناں......؟'' اُس نے بچی کو گدگدایا، وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

''آپا...... آپ انسان نہیں، فرشتہ ہیں، میں اور راحت مجرم ہیں آپ کی، ہم نے آپ کی دُنیا میں آ کر ظلم کیا ہے، آپ کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے...... اور آپ کتنے اعلیٰ ظرف کی مالک ہیں، میرے اور راحت کے بچوں کے لئے آپ کی محبتیں بے مثال ہیں۔'' فاطمہ تشکر سے بولی۔

بس مجھے اتنا کہنا ہے کہ ستارہ ہو، شیریں ہو یا گل رُخ، اس گھر میں کسی بیٹی کے ساتھ ہماری طرف سے زیادتی نہیں ہونی چاہئے، پتا نہیں کس کی قسمت میں کیا لکھا ہے مگر جب تک یہ ہمارے پاس ہیں، ہمیں ان کا خیال رکھنا ہے، اُن کی یہ چھوٹی چھوٹی معصوم خواہشوں کو پورا کرنا ہے۔''

''جی آپا......'' فاطمہ نے ممنونیت کے ساتھ سر ہلایا۔

''تم نے گل کو پڑھائی پر نہیں لگایا۔'' کبریٰ کو یاد آیا تو پوچھنے لگی۔

''آپا، مجھے بھی خیال ہی نہیں آیا۔'' فاطمہ شرمندہ تھی۔

''راحت، شیریں اور ستارہ کو پڑھا رہی ہے، اُسے بھی ساتھ بٹھایا کرو۔''

''آپا، میں آ جاؤں......؟'' راحت نے اندر آنے کی اجازت طلب کی۔

''ہاں بھئی ہاں، رُک کیوں گئیں......؟ ابھی ہم تمہارا ہی ذکر کر رہے تھے۔''

''میرا ذکر......؟'' اُس نے دونوں کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ہاں، میں فاطمہ سے کہہ رہی تھی کہ وہ گل رُخ کو بھی تمہارے پاس پڑھنے کے لئے بٹھایا کرے۔''

''ہاں آپا ضرور، مجھے تو کوئی اعتراض نہیں اور میں اسی سلسلے میں اردشیر کی بات کرنے آئی تھی آپا، وہ پڑھنے کی طرف بالکل دھیان نہیں دیتا، میں فکرمند ہوں اُس کی طرف سے۔''

''تم تو بے وقوف ہو راحت، ارے میری چھوٹی بہن، کئی بار تمہیں کہا ہے اردشیر کے سلسلے میں فکر کرنے کی کوئی بات نہیں، جب مناسب ہوگا، میں خود اُسے پڑھنے کے لئے بٹھا دوں گی، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، اُسے آزاد پھرنے دو..... صحت بنانے دو، ابھی سے پڑھنے لکھنے کے چکر میں مت ڈالو.....''

''آپا، زیادہ نہ سہی مگر تھوڑا بہت پڑھنا لکھنا تو اُسے سکھا دینا چاہئے۔ اگر چند سال اور یونہی ادھر اُدھر پھرتے گزر گئے تو پھر اس کا جی پڑھائی کی طرف سے اُٹھ جائے گا، تب ہم لاکھ کہیں گے تب بھی نہیں مانے گا وہ۔''

''میرا بیٹا ایسا نہیں ہے راحت، وہ بہت اچھا بچہ ہے اور ذہین بھی بہت ہے۔ میرا تو یقین ہے کہ ہمارا اردشیر ایک، ایک سال میں دو، دو جماعتیں پاس کیا کرے گا۔''

''یہ سب تو درست ہے آپا، مگر وہ تھوڑا بہت تو دھیان دے۔'' راحت کا انداز صاف بتا رہا تھا کہ اُسے کبریٰ خاتون سے بالکل بھی اتفاق نہیں ہے مگر ان کے سامنے زور دے کر بات کرنا بھی راحت کے بس میں نہیں تھا۔

اس ذرا سی تکرار میں ہی کبریٰ کا منہ بن گیا تھا..... بولی تو یہ کہ..... ''تم فکر مت کرو، میں اچھی طرح جانتی ہوں کب کیا کرنا ہے اور یہ اس خاندان کا پہلا لڑکا تو نہیں ہے۔ میرے بھائی، شاہ جی کے سگے چچا زاد ہوتے ہیں..... اور چھوٹے کو ہم نے بھی پڑھایا ہے..... مجھے اچھی طرح یاد ہے، گیارہ برس کی عمر میں قاعدہ پکڑایا تھا اُس کو اور اُس نے چند ہی دنوں میں یاد کر لیا تھا..... بی بی یہ سیّد خاندان ہے، خاص رحمت ہے خدا کی اس پر، اُسے پڑھائی پر لگا دوں گی، تم جاؤ لڑکیوں کو دیکھو۔''

راحت خاموشی سے پلٹ آئی۔ دونوں لڑکیاں پڑھائی میں مشغول تھیں..... راحت آ کر بیٹھ گئی، اور دیر تک کچھ سوچتی رہی، چہرے پر چھائی سنجیدگی اور ایک ہی جگہ پر جمی آنکھیں یہ بتا رہی تھیں کہ معاملہ سنجیدہ ہے۔ ایک مرتبہ ستارہ نے کوئی لفظ پوچھنے کے لئے بلایا تو وہ یونہی بیٹھی رہی۔

''چھوٹی امی، کیا سوچ رہی ہیں.....؟'' وہ قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔

''ہوں..... کچھ نہیں.....'' راحت نے اُکتائے ہوئے انداز میں اُس کی جانب دیکھ کر کہا، پھر اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ لڑکیوں کو اس کی یہ بات خاصی عجیب سی لگی تھی، کتابیں سمیٹ کر وہ بھی چلی آئیں۔

شام کو جب جمشید شاہ واپس آئے تو ان کے پاس صرف اردشیر کا مطلوبہ کھونا تھا۔ گل رُخ کو تو ویسے بھی اُمید نہیں تھی البتہ کبریٰ نے پورا دھیان اس بات پر رکھا تھا اور جب صرف اردشیر کے لئے کھلونا دیکھا تو بولی کچھ نہیں، بس سر ہلا کر رہ گئی۔

''یہ راحت کہاں ہے.....؟'' انہوں نے اُس کی غیر موجودگی محسوس کر کے پوچھا۔

''فاطمہ بھی ہے، اپنے کمرے میں ہوگی۔'' کبریٰ کے انداز میں اچانک ہی کچھ تلخی سی آ گئی جیسے



راحت اس کی اور فاطمہ کی مشترکہ حریف ہو۔

''اوہو..... فاطمہ تو ہمیشہ اپنے کمرے میں بند رہتی ہے مگر راحت میرے استقبال کے لئے موجود ہوتی ہے، آج نہیں ہے تو پوچھ لیا۔''

''شاہ سائیں، چھوٹی بیگم کی طبیعت ٹھیک نہیں، وہ اپنے کمرے میں ہیں۔'' راحت کے ساتھ ساتھ رہنے والی ملازمہ بیگاں نے بتایا۔

''کیا ہوا اسے.....؟'' جمشید شاہ نے سر کو ذرا سا اس کی جانب گھما کر عام سے انداز میں پوچھا۔

''پتا نہیں جی، دوپہر کا کھانا بھی نہیں کھایا، کہتی ہیں طبیعت بہت خراب ہے۔''

''تیرا ستیاناس جائے بیگاں، دیکھتی نہیں سائیں ابھی سفر سے لوٹے ہیں اور تو انہیں پریشانی والی بات بتانے لگی ہے۔ اری بے وقوف، تھوڑی دیر آرام تو کرنے دیا ہوتا، ابھی تو روٹی پانی بھی نہیں رکھا ہم نے ان کے سامنے۔''

کبریٰ ملازمہ کو ڈانٹنے کے بعد شاہ جی کی طرف متوجہ ہوئی اور کھانے کے متعلق پوچھنے لگی۔

''نہیں، میں شہر سے کھا کر چلا تھا۔''

''اچھا پھر، چائے بنوا دیتی ہوں، تھکان اُتر جائے گی آپ کی۔''

''اوہو، میں کون سا پیدل سفر کر کے آ رہا ہوں۔'' شاہ جی اُٹھ کھڑے ہوئے۔

''اب کہاں چل دیئے آپ.....؟''

''کہیں نہیں، میں ذرا راحت کو دیکھ لوں۔''

''یہ بیگاں تو ہے ہی بے عقل، آپ اس کی بات پر اعتبار کر کے کیوں پریشان ہوگئے۔ بیٹھیں چائے پانی پئیں، راحت کو میں دیکھتی ہوں، اور اتنا بتا دوں، ہے وہ خیریت کے ساتھ، ابھی دوپہر میں تو میرے اور فاطمہ کے ساتھ باتیں کر رہی تھی۔''

''مجھے کپڑے بدلنے ہیں.....'' وہ اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے۔

راحت بستر پر لیٹی تھی مگر چہرے سے بیمار ہرگز نہیں لگ رہی تھی، اُنہیں آتا دیکھ اُٹھ بیٹھی اور سلام کیا۔

''کیا بات ہے، بیگاں بتا رہی تھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔'' وہ اس کے قریب بیڈ پر آ بیٹھے اور پیر جوتوں سے آزاد کرنے لگے۔

''شاہ جی جسمانی بیماری تو کوئی نہیں ہے بس ایک اُلجھن ہے اگر آپ ساتھ دیں تو وہ بھی سُلجھ جائے۔''

''کہو، کیا بات ہے.....؟'' شاہ جی کا انداز شاہانہ تھا۔

''مجھے اردشیر کی فکر ہے شاہ جی، اب اسے پڑھائی کی طرف ڈال دینا چاہئے، یہی عمر ہے اُس کے پڑھنے کی۔ اگر اب نہیں پڑھے گا تو پھر کب پڑھے گا۔''

''ہاں تو پڑھاؤ اسے، میں نے کب روکا ہے.....؟'' شاہ جی نے کہا۔

''شاہ جی، آپا بہت پیار کرتی ہیں اردشیر سے اور کبھی کبھی زیادہ پیار نقصان دہ ہو جاتا ہے جیسے اب وہ کہتی ہیں کہ اردشیر کو ابھی پڑھائی میں نہیں ڈالنا۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''کیوں بھئی، پڑھائی میں ڈالنے میں کیا برائی ہے......؟'' شاہ جی کو سمجھ نہیں آئی یہ بات۔

''بس کہا ناں، پیار کے بھی انداز ہوتے ہیں مگر بچے کے لئے یہ چیز اچھی نہیں، کل کو لوگوں کے بچوں کو دیکھے گا کہ ہیں تو اس کی عمر کے مگر اس سے اگلی جماعتوں میں ہیں...... تو شرمندگی محسوس کرے گا اور ہمیں الزام دے گا...... میں چاہتی ہوں شاہ جی اُسے شرمندگی نہ اُٹھانی پڑے، وہ اپنی عمر کے لوگوں میں شرمندہ نہ ہو۔'' اس کا انداز سمجھانے والا تھا۔

''ہوں، تم ٹھیک کہہ رہی ہو راحت...... اور اچھا ہوا کہ تم نے مجھ سے بات کر لی۔ میں جلد ہی اس کی پڑھائی کا بندوبست کرتا ہوں، میں اپنے بیٹے کو گاؤں میں نہیں بلکہ شہر کے کسی بہت اچھے سے اسکول میں پڑھاؤں گا۔''

''شاہ جی...... وہ بہت چھوٹا ہے، اکیلا کیسے رہے گا......؟'' راحت گھبرا کر بولی۔

''پریشان کیوں ہوتی ہو......؟ اُسے ہوسٹل میں نہیں ڈالوں گا، اپنی گاڑی پر روز آیا جایا کرے گا۔''

''ہاں، یہ ٹھیک ہے شاہ جی...... پر آپ بڑی آپا کو بھی راضی کریں تب ناں، نہیں تو کچھ بھی نہیں ہو سکے گا۔''

''اوہو...... اس میں کبریٰ سے پوچھنے والی کون سی بات ہے۔ بیٹا میرا ہے اور میں اس کے بارے میں کوئی بھی فیصلہ کر سکتا ہوں۔ ایک دو روز تک تو مجھے کچھ کام ہے مگر اِدھر سے فارغ ہوتے ہیں پہلا کام اردشیر کا اسکول میں داخلہ کروانے کا کروں گا۔'' وہ اتنا کہہ کر کپڑے تبدیل کرنے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے اور راحت گہری سانس کھینچ کر آسودگی سے مسکرا دی۔

اُس نے کبریٰ کی بات کبھی نہیں ٹالی تھی، کبھی اُس کی مرضی کے خلاف کام نہیں کیا تھا مگر اب تو معاملہ بیٹے کے مستقبل کا تھا اور اس کا خیال تھا کہ اپنی محبت میں کبریٰ اردشیر کو خراب کر رہی ہے، سو اُس نے بہت ہمت کر کے اور بہت ڈرتے ڈرتے یہ سب شاہ جی سے کہا تھا اور یہ اُمید تو بالکل نہیں تھی کہ شاہ جی بھی اتنی جلدی راضی ہو جائیں گے۔ وہ خوش تھی اور ایک دھڑکا بھی لگا تھا کہ کبریٰ تک خبر پہنچے تو وہ پھر سے مخالفت نہ کریں۔ اسی ڈر سے اُس نے یہ بات کسی کو بتائی ہی نہیں۔ سب کو پتا تب ہی چلا جب اردشیر باپ کے ساتھ اسکول میں داخلے کے لئے جا رہا تھا۔

''مجھ سے پوچھا تک نہیں، مجھے بتایا تک نہیں۔'' کبریٰ کے [illegible] طوفان اُٹھا تھا، آج پہلی بار راحت نے بیٹے کی ماں ہونے کا احساس دلایا تھا۔



شاہ پر یہ ثابت کرنا ہے کہ تمہارا یہ بیٹا، میری بیٹیوں سے برتر تو کیا ہوگا، یہ تو اُن کے برابر کا بھی نہیں...... اور یہ سب ثابت کرنے کے لئے طویل مدت درکار ہے تو اپنے غم و غصے کو اپنے اندر ہی اُتار لو، ایک بار پھر پی جاؤ اور ٹھنڈے دل سے منصوبہ بندی میں لگ جاؤ۔''

وہ کمرے میں ٹہلتے ہوئے خود کو بہلانے میں لگی ہوئی تھی...... خود سے کہتی تھی...... ''آج اگر شاہ نے راحت کی بات مان لی تو کیا ہوا......؟ تم اپنی ذہانت سے کام لے کر ہر بات کا توڑ کرتی چلی جاؤ...... تم اُونچی ذات کی، تعلیم زیادہ نہ سہی مگر شعور تو ہے ناں...... راحت کے مقابلے میں کہیں زیادہ تمہارا اس حویلی میں حکم چلتا ہے، پھر کیوں ٹوٹنے لگی ہو کبریٰ خاتون......؟ اُٹھو، ہمت پکڑو اور خود کو پھر سے جوڑ لو۔''

اور پھر واقعی کبریٰ نے خود کو دوبارہ سے جوڑ لیا، اُس نے جا کر شاہ جی اور راحت کو بیٹے کے اسکول میں داخل ہونے پر انتہائی خوش دلی سے مبارک باد دی پھر بولی۔

''کوئی صدقہ بھی اُتارا تھا میرے بیٹے کے سر کا یا نہیں......؟ سو جن تو سو حاسد ہیں اُس کے۔''

داخلے والی بات کو سب سے چھپایا تھا کہ خطرہ تھا کبریٰ پھر درمیان میں آ جائے گی اور اس بات کی مخالفت کرے گی...... مگر اب کبریٰ کا برتاؤ اُسے سخت شرمندہ کر رہا تھا...... شاہ جی کے سامنے اُس نے اس سلسلے میں کبریٰ کی شکایت بھی تو کی تھی...... اُن سے کہا تھا، وہ نہیں چاہتیں، اردشیر اسکول جائے اور اب وہ جمشید شاہ کے سامنے سر نہیں اُٹھا پا رہی تھی۔

''کمال کرتی ہو تم بھی راحت بیگم [illegible] ج ہمارے بیٹے نے پہلی بار اسکول میں قدم رکھا ہے۔ وہ پڑھنے کے لئے گھر سے نکلا ہے [illegible]ی ماں ہو، اُس کے سر کا صدقہ بھی نہیں اتارا، حاسدوں کی نظر بڑی خراب ہے اور ہم نے اپنے بیٹے کو ان نظروں سے [illegible] کر رکھنا ہے...... کیوں شاہ جی......؟'' وہ راحت کو سمجھاتے سمجھاتے اب انہیں مخاطب کر بیٹھی۔

''تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، اردشیر گھر آ جائے تو صدقہ دے دینا...... یہ راحت تو ہے ہی بے وقوف، اُسے نہ تو ایسی باتوں کا خیال رہتا ہے اور نہ ہی پروا ہے، یہ تمہارا ہی تو دم ہے جو زنان خانے کے تمام معاملات بخوبی ادا ہو رہے ہیں ورنہ یہ دونوں عورتیں...... ہونہہ، اِن سے تو مجھے کوئی اُمید نہیں۔

راحت کے سامنے شاہ نے نہ صرف اپنی بڑی بیگم کی خوب تعریف کی بلکہ راحت اور فالمہ کو در پردہ بہت سی سنا بھی دیں...... اور اس وجہ سے راحت جو پہلے ہی کبریٰ کے اچھے رویے پر شرمندہ تھی، اب مزید سر جھکائے بیٹھی تھی۔ جبکہ دُوسری طرف کبریٰ نے اپنی اس قدر تعریف کا جیسے نوٹس ہی نہیں لیا، نہ تو اُس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کے چہرے پر فخر کا رنگ اُبھرا اور نہ ہی ممنونیت کا وہ اطمینان، وہ ہر تاثر سے پاک چہرہ لئے بیٹھی تھی...... یوں کہ شاہ جی اور راحت اس کے سامنے ایک پلنگ پر تھے اور وہ خود موڑھے پر بیٹھی کہہ رہی تھی۔

''آج شام کو میٹھے کی دیگ چڑھائیں گے اور گاؤں کے غریب بچوں میں تقسیم کریں گے۔ ہمارے چھوٹے شاہ کو میٹھے چاول اور وہ بھی دیگ کے بہت پسند ہیں، اسکول سے آ کر جب یہ اطلاع ملے گی تو بہت خوش ہوگا۔''

کبریٰ دیکھ چکی تھی، وہ اب اپنی غیر موجودگی میں بھی دیر تک ان دونوں کے درمیان موجود رہے گی، اُن کے حواسوں پر چھائی رہے گی، سو جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''بیٹھو آپا......'' راحت نے کہا......شاہ جی نے بھی روکا کہ اب تنہائی میں راحت کے پاس بیٹھنے کی خواہش اس کی بے عقلی کی وجہ سے ٹھنڈی پڑ گئی تھی، وہ دل میں اس وقت راحت کے لئے اچھے جذبات اُبھرتے محسوس نہیں کر رہے تھے......مگر کبریٰ بچیوں کو دیکھنے کا بہانہ کر کے چلی آئی۔

• • •

صدقے کے لئے کالا بکرا منگوایا گیا اور میٹھے کی دیگ چڑھانے کے لئے بھی نائی کو پیغام بھیج دیا گیا۔

''یہ سب کس لئے امی جان......؟'' ستارہ اور شیریں حیران ہو رہی تھیں۔

''آج تمہارا بھائی پہلے روز اسکول گیا ہے ناں تو اُس کا صدقہ اُتاریں گے......اور خوشی میں میٹھے چاول بانٹیں گے۔''

''مگر ہم دونوں بھی تو اسکول جاتے ہیں، جب پہلے روز گئے تھے، تب بھی نہ تو کوئی دیگ چڑھی تھی اور نہ ہی صدقہ دیا گیا تھا......'' دونوں کے منہ بن گئے۔

''تمہاری بات دوسری تھی، وہ تو بیٹا ہے شاہ جی کا اور پھر وہ شہر کے بہت اعلیٰ اسکول میں پڑھنے کے لئے گیا ہے......تم تو یہیں گاؤں کے اسکول میں پڑھتی ہو۔''

دونوں عدم دلچسپی کا اظہار کر کے مزید کوئی بات کئے اور سنے آگے بڑھ گئیں۔

''بڑی ماں، آج میٹھے کی دیگ چڑھے گی۔'' جب وہ گودام سے چاول نکلوا رہی تھی تو گل رُخ چلی آئی۔

''ہاں، کیا تمہیں بھی میٹھے چاول اچھے لگتے ہیں......؟''

تب گل رُخ نے تھوڑا سا شرما کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے پھر، ہم اپنی بیٹی کو بہت سارے چاول دیں گے۔''

''آپ نے مجھے گڑیا دلانے کا وعدہ بھی تو کیا تھا بڑی ماں۔''

''ہاں ہاں بالکل کیا تھا، مجھے اپنا وعدہ یاد ہے بیٹی، جب بھی کرم دین شہر جائے گا، میں تمہارے لئے گڑیا منگوا دوں گی۔'' کبریٰ نے محبت سے کہا۔

''بڑی ماں......'' کچھ دیر خاموش کھڑی رہنے کے بعد گل رُخ نے پھر اُسے مخاطب کیا۔

''ہاں بیٹی، کہو، کیا بات ہے......؟''

''کیا میں اسکول نہیں جا سکتی......؟'' دل کی خواہش ننھی بچی کے لبوں پر آ گئی تھی اور [illegible]



یوں کھڑی تھی جیسے بہت غلط خواہش کر دی ہو۔

''اوہ'' چاول تلواتی کبریٰ نے اُس کے چہرے کی جانب دیکھا۔

''ہاں واقعی، مجھے یہ خیال پہلے کیوں نہیں آیا......؟ ستارہ اور شیریں بھی تو یہیں گاؤں کے اسکول جاتی ہیں۔''

یہ اور بات تھی کہ ان دونوں لڑکیوں کو پڑھائی میں ذرا بھر بھی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ہفتے میں ایک آدھ بار ہی اسکول جاتی تھیں......اور چونکہ وہ گاؤں کے زمیندار شاہ جی کی بیٹیاں تھیں تو اس وجہ سے ٹیچرز بھی اُن کے ساتھ حد سے زیادہ نرمی برتتی تھیں۔ وہ پڑھتی وڑھتی نہیں تھیں، بس کھیل کود کر واپس آ جاتیں۔ گھر میں کبریٰ کے کہنے پر راحت اُنہیں پڑھایا کرتی تھی اور ماں کے ڈر سے اُنہیں راحت سے پڑھنا پڑتا تھا۔

''واقعی مجھے گل رُخ کو اسکول میں داخل کرا دینا چاہئے۔ شیریں اور ستارہ تو اردشیر سے کافی بڑی ہیں، اُس کے جوان ہونے تک خدا نے چاہا تو دونوں اپنے گھروں کی ہو چکی ہوں گی۔ اصل ٹکراؤ تو گل رُخ کے ساتھ ہی ہوگا اور گل رُخ کو اُس کے مقابلے میں کمزور نہیں ہونا چاہئے ورنہ یہ بے چاری تو ماری ہی جائے گی۔ یہ ذہین بچی ہے، مجھے یقین ہے، دل لگا کر تعلیم حاصل کرے گی۔'' یہ سوچ کبریٰ کو بڑی حد تک مطمئن کر گئی۔

ڈرائیور کرم دین کے ساتھ شاہ جی خود اردشیر کو لینے اس کے اسکول گئے اور گھر میں استقبال کی یوں تیاریاں ہو رہی تھیں جیسے وہ کسی محاذ سے کامیاب لوٹ کر آ رہا ہو۔ راحت کو یہ سب کچھ اچھا تو نہیں لگ رہا تھا مگر کیا کرتی جب شاہ جی خود ایسا چاہتے تھے۔

اردشیر، شاہ جی کے ساتھ زنان خانے میں آیا، تھکا تھکا کچھ ناراض سا......اُس کے گلابی گلابی گال اس وقت مزید گلابی ہو رہے تھے۔ سر پر گھنے بال جن میں صبح راحت نے بڑے پیار سے کنگھا کیا تھا، اب بکھر کر اُس کی پیشانی پر آ گئے تھے۔ بڑی بڑی گھنی پلکوں والی خوبصورت آنکھوں میں خفگی کی جھلک لئے نچلا لب دانتوں تلے دبائے چپ چاپ وہ چلا آ رہا تھا۔

''بسم اللہ......آ گیا میرا پیارا بیٹا......'' راحت اُس کی جانب لپکی مگر جواب میں اُس نے کسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔

''نوری، تم چھوٹے شاہ کے کپڑے بدلواؤ......بہت تھکا ہوا لگ رہا ہے۔'' کبریٰ ملازمہ کو ہدایات جاری کرتے ہوئے اردشیر کی طرف بڑھی۔

''بڑی ماں، میں کل سے اسکول نہیں جاؤں گا......'' وہ یقیناً اسکول بھیجنے پر راحت سے ناراض تھا، اس لئے اُسے مخاطب نہیں کیا، بے اعتنائی کا مظاہرہ کیا اور کبریٰ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔

''آؤ میرے بیٹے، کپڑے بدل لو، کھانا کھاؤ، دیکھو تو آج ہم نے میٹھے چاولوں کی دیگ چڑھائی ہے، صرف تمہارے لئے۔'' کبریٰ نے اُس کی بات کا جواب اس لئے نہیں دیا کہ اس معاملے میں شاہ جی اور راحت نے اسے شامل ہی نہیں کیا تھا۔

''بڑی ماں، میں سچ کہتا ہوں، میں اسکول نہیں جاؤں گا۔''

''کپڑے نکال دیئے ہیں جی۔'' نوری نے آ کر اطلاع دی۔

''ٹھیک ہے، بیٹے کا بستہ اندر رکھو، بوٹ اتارو اور گود میں اُٹھا کر اندر لے جاؤ۔'' کبریٰ نے اُس کی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بات سن کر سنجیدگی سے کہا۔

• • •

''پتا ہے ناصر، کوکب باجی یہاں سے شفٹ ہو رہی ہیں۔'' جویریہ کھانے کے برتن میز سے اُٹھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

''کیوں بھئی، اچھا بھلا تو مکان ہے اُن کا۔'' ناصر نے طلال کو گود میں لیتے ہوئے ایک نظر جویریہ پر ڈال کر پوچھا۔

''ہاں، ہے تو اچھا مگر کرائے پر ہے، اب اُنہوں نے اپنا مکان بنا لیا ہے، وہاں جا رہے ہیں، کوکب باجی تو بہت خوش ہیں۔''

''ظاہر ہے بات ہی خوشی کی ہے...... اپنا گھر بھی بڑی نعمت ہوتا ہے اور جویریہ ایک دن ہم بھی اپنا گھر ضرور بنائیں گے...... اور اس میں تین بیڈ رومز ہوں گے...... ایک ہم دونوں کا، ایک طلال کا اور ایک اس کی بہن کا۔'' وہ شرارت سے بولا۔

''بہن......؟'' جویریہ نے ایک دم سے کہا...... پھر جلدی سے برتن اُٹھا کر کچن کی طرف چل دی۔

''ہاں ہاں، بہت جلد اس کی ایک پیاری سی گڑیا سی بہن کو آنا ہے۔'' اُس کی آواز پیچھے پیچھے تھی اور جویریہ کے لب مسکرا رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد جویریہ بھی کچن کی صفائی کے بعد کمرے میں آ کر اُس کے قریب بیٹھ گئی۔

''ہمارا گھر بہت پیارا سا ہوگا پھولوں اور محبت کی خوشبو سے مہکتا ہوا۔'' ناصر نے اُس کا نازک سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

''اور ناصر، کچن بہت اچھا سا ہونا چاہئے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''کتنا اچھا سا......'' ناصر نے اس کی فرمائش سن کر دلچسپی سے اُسے دیکھتے ہوئے پوچھا اور پھر دونوں ہنس پڑے۔

''زمین خریدنے کے لئے تو رقم ہے نہیں اور ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے...... مگر جویریہ ایک روز ہم بہت اچھا سا گھر بنائیں گے ضرور اور وہاں پر طلال کی بہن بھی ہوگی...... پتا ہے مجھے بیٹیاں بہت اچھی لگتی ہیں اور ہم اس کا نام رکھیں گے 'رائحہ' اچھا نام ہے ناں......؟'' وہ چمکتی آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہوئے بولا۔

''آپ کو اچھا لگتا ہے تو مجھے بھی پسند ہے۔''

''یعنی جو میری پسند، وہی تمہاری پسند......؟'' وہ معنی خیزی سے بولا۔

''ہاں، اس میں کیا شک ہے، میرا سب کچھ آپ ہیں، میں نے آپ کو پا کر دنیا کا ہر سکھ پا لیا ہے۔ آپ ساتھ ہوں تو جھونپڑا بھی میرے لئے محل سے کم نہیں۔ آپ جتنی دیر گھر سے باہر رہتے ہیں ناں، میرا دل اُداس رہتا ہے، میں سارا وقت آپ کی...... خیریت کے ساتھ واپسی کی دُعا مانگتی رہتی ہوں۔ آپ کو آفس سے واپسی پر ذرا سی بھی دیر ہو جائے تو بری طرح پریشان ہونے لگتی ہوں۔''

''یوں پریشان مت ہوا کرو جویری، یہ بات تمہاری صحت کے لئے بھی اچھی نہیں اور پھر خدا پر بھروسہ رکھتے ہیں...... یوں خواہ مخواہ وسوسے نہیں پالتے۔'' ناصر نے سمجھاتے ہوئے کہا۔



''یہ سب میرے اختیار میں کہاں ہے اصل میں، میں ایک عمر خوف کے سائے میں زندہ رہی ہوں، والدین کی وفات کے بعد میں نے بھائی کے گھر میں بھابی کی کی نگرانی میں جو وقت گزارا ہے، اب اس کے بارے میں سوچنا بھی مجھے اذیت دیتا ہے۔ اُن کے سلوک نے میرے اندر اعتماد پیدا ہونے ہی نہیں دیا۔ میں کوئی چھوٹا سا کام کرنے سے پہلے بھی اُن کی طرف دیکھا کرتی تھی کہ انہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔ اُن سے بات کرتے ہوئے گھبراتی تھی کہ وہ خواہ مخواہ میں ڈانٹ کر رکھ دیتی تھیں۔ میرے ہر کام میں مین میخ نکالتی تھیں...... خود بھی برا بھلا کہتی تھیں اور بھیا سے شکایت بھی ضرور کر جاتی تھیں۔

مجھے تو یہ حکم تھا کہ جب بھیا گھر میں آئیں تو مجھے اپنے کمرے میں چلے جانا چاہئے۔ بھیا کے آگے پیچھے پھرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور میں بھابی کے خوف کی وجہ سے بھیا سے بات تک نہیں کرتی تھی، وہ بھی کوئی بات کرتے، کوئی بات پوچھتے تو میں مختصر جواب دینے کی کوشش کرتی...... اور پھر جب بھیا نے بھابی کے بھائی کے ساتھ مل کر کوئی بزنس اسٹارٹ کیا تو راتوں رات امیر ہوتے چلے گئے، پھر تو وہ مجھے بالکل ہی بھول گئے...... اُنہیں یاد ہی نہ رہا کہ اس گھر میں اُن کی چھوٹی بہن بھی رہتی ہے۔'' وہ پرانے وقت کو یاد کر کے حسرت و یاس سے بولی۔

''چھوڑو جویری، بھول جاؤ جیسا بھی وقت تھا، اب گزر گیا ہے۔'' ناصر نے اُس کے ہاتھ پر تھپکی دے کر تلخ یادوں کے حصار سے نکالنا چاہا۔

''ہاں، میں خود بھی وہ سب کچھ بھول جانا چاہتی ہوں مگر برا وقت اپنے نشان ضرور چھوڑ جاتا ہے...... جبکہ اچھا وقت دبے دبے قدم اُٹھاتے ہوئے آتا ہے اور اسی طرح چلا جاتا ہے، پیچھے کچھ نہیں چھوڑتا...... جب بیت جاتا ہے تو بس اک خواب کی طرح معلوم ہوتا ہے اور ہم سوچتے ہیں، حیران ہوتے ہیں کہ کبھی ہم ایسے بھی تھے۔

مگر ناصر اذیت ناک لمحوں کی کسک عمر بھر ساتھ ساتھ رہتی ہے، کوئی کھٹک، کوئی نہ کوئی زخم جو باقی رہ جاتا ہے، رستا رہتا ہے جیسا کہ میرے ساتھ ہے...... میں نے ان تنہا اُداس لمحوں کی منحوس رُت سے وہم اور خوف کا نہ ختم ہونے والا عذاب پایا تھا اور اس وہم اور خوف کے پھلنے پھولنے کے لئے میرا محروم دل اور میرے اندر کی اُداس فضا بے حد سود مند تھے، جب ہی تو یہ بڑھتے بڑھتے تناور درخت بن گیا اور مجھے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔

''مجھے احساس ہے ناصر کہ میری وجہ سے بعض اوقات آپ کو کس قدر پریشانی اُٹھانا پڑتی ہے۔''

''کیسی باتیں کرتی ہو تم......؟'' ناصر نے اسے خود سے قریب کرتے ہوئے یقین دلانا چاہا مگر وہ کہتی چلی گئی۔

''میں شاید نفسیاتی کیس ہوں، کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے، میں پاگل ہو جاؤں گی، میرے وہم مجھے اس قدر پریشان کرتے ہیں کہ میں بے قرار ہو کر رونے لگتی ہوں۔ آپ نے مجھے اتنا پیار دیا ہے، اتنی چاہت دی ہے مگر پھر بھی میں اندر سے خوفزدہ ہی رہتی ہوں۔''

''جب محبتیں بڑھ جائیں تو بھی ایسا ہوتا ہے جویری، تم اسے یوں مت لو، خود کو پریشان کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوگا، تم بالکل ٹھیک ہو، وہم دل سے نکال...... خدا سے دُعا کیا کرو، وہ ہمارے آشیانے کو نظر بد سے بچائے۔'' ناصر نے اسے رسانیت سے سمجھایا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"آپ کی باتیں مجھے حوصلہ دیتی ہیں۔" وہ آنسو پونچھنے لگی۔

"اچھا تو پھر ان باتوں کو یاد بھی رکھا کرو، تم بار بار بھول جاتی ہو اور مجھے نئے سرے سے سب دُہرانا پڑتا ہے، ہاں۔"

"کوشش تو کرتی ہوں مگر کبھی کبھی زیادہ ہی پریشان ہوں تو پھر آپ سے کہنے بیٹھ جاتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے، جو بھی دل میں ہو، کہہ دیا کرو۔ کہنے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے...... اور پھر سننے والا اگر مجھ جیسا ہو تو عقل کی کافی باتیں سمجھا دیتا ہے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"اوہ...... بے وقوف تو میں بھی نہیں۔"

"جی میں نے کب کہا آپ بے وقوف ہیں...... بس ذرا سی پاگل ہیں مگر مجھے اُمید ہے، جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔"

وہ ہنس پڑا...... جویریہ پہلے تو منہ بنا کر اُسے دیکھتی رہی، پھر اس ہنسی میں شریک ہو گئی۔

♦ ♦ ♦

"آج اسکول میں کیا پڑھا میرے بیٹے نے......؟" اردشیر، کبریٰ خاتون کے بستر پر ان کے قریب لیٹا ہوا تھا اور وہ بڑے پیار سے اُس کے بالوں میں اُنگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"بس جو ٹیچر نے پڑھایا، میں نے پڑھ لیا......" اُس نے منہ بنا کر بنا کسی دلچسپی کے بتایا۔

"کرسیوں پر بیٹھتے ہو کلاس میں۔"

"نہیں بڑی ماں، وہاں سب بچوں کے لئے ڈیسک اور بینچ ہیں۔"

"اچھا، تو تم وہاں سب بچوں کے ساتھ بیٹھتے ہو......؟ جبکہ یہاں گاؤں کے اسکول میں ستارہ اور شیریں اُستانی جی کے قریب کرسی پر بیٹھ کر پڑھتی ہیں...... اور باقی سب بچے نیچے زمین پر بیٹھے ہوتے ہیں۔"

"مگر وہاں تو مجھے سب کے ساتھ بٹھا دیا جاتا ہے...... اور کسی کو پتا بھی نہیں تھا کہ میں شاہ جی کا بیٹا ہوں، کسی نے مجھ سے بات تک نہیں کی...... میں سارا دن چپ چاپ اکیلا بیٹھا رہا ہوں بڑی ماں۔"

"اوہ...... یہ تو بہت ہی بری بات ہوئی ہے تمہارے ساتھ...... خیر تمہیں بھی کسی سے بات کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اگر کوئی بچہ تم سے بدتمیزی کرے تو بے شک اُس کی پٹائی کر دینا، میرے بیٹے سے کوئی اُونچی آواز میں بات کرے، یہ بیٹے کی بڑی ماں بھلا کیسے برداشت کر سکتی ہے...... وہاں رعب سے رہا کرو...... آخر تم چھوٹے شاہ جی ہو...... اُن بچوں کی تمہارے مقابلے میں حیثیت ہی کیا ہے۔ پتا نہیں تمہاری ٹیچر نے تمہیں سب کے سامنے کیوں بٹھا دیا، مجھے تو کوئی بے وقوف معلوم ہوتی ہے وہ۔"

"بڑی ماں! امی کہتی ہیں ٹیچر کی عزت کرنی چاہئے اور وہ جو سبق پڑھائے اُسے اچھی طرح یاد کرنا چاہئے۔"

"ہاں...... کر لیا کرو ٹیچر کی عزت......" کبریٰ کے انداز میں تائید نہیں بلکہ لاپروائی کا تاثر تھا۔

اور اردشیر بھی اپنی بڑی ماں کے انداز کو پہچانتا تھا۔

وہ کہنیوں کے بل اُونچا ہو کر اپنے قریب لیٹی کبریٰ خاتون کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا جو اُسے بتا رہی تھی کہ اُس کی خواہش تو یہ تھی، اردشیر یہیں گاؤں کے اسکول میں پڑھنے کے لئے جایا کرے، جہاں



سب بچے یہ جانتے ہیں کہ وہ چھوٹا شاہ جی ہے...... اور بہت عزت کرتے ہیں اس کی مگر تمہاری امی اور بابا نے تمہیں شہر کے اسکول میں داخل کرا دیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو اردشیر......؟" اُسے اپنی جانب نہایت غور سے دیکھتے پا کر کبریٰ نے پوچھا...... اُس نے فوراً جواب دینے کے بجائے سر اُس کے سینے پر رکھ کر بازو اس کی گردن میں حمائل کر دیئے، پھر کچھ دیر کے بعد سر اُوپر اُٹھا کر پیاری سی مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

"آپ مجھے بڑی اچھی لگتی ہیں بڑی ماں...... بہت اچھی...... بہت ہی اچھی کیونکہ آپ میری پیاری بڑی ماں ہیں ناں......؟"

"ہاں ہاں، تم بھی تو میرے بہت اچھے، بہت پیارے بیٹے ہو، چلو شاباش، اب اِدھر آ کر لیٹ جاؤ۔" وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتی تھی......

"تمہاری یہ بانہیں جو تم نے انتہائی پیار اور محبت کے عالم میں میرے گلے میں ڈالی ہیں، مجھے کانٹوں کی طرح چبھ رہی ہیں، تمہاری محبت، مجھے نرم پھوار نہیں لگتی بلکہ اس کی تپش مجھے جھلسائے دے رہی ہے۔"

اُس کے کہنے پر بھی اردشیر الگ ہو کر نہیں لیٹا...... یونہی لاڈ سے سر رکھے، آنکھیں اس کے چہرے پر جمائے مسکراتا رہا...... یہاں تک کہ کبریٰ خاتون نے بڑی نرمی کے ساتھ اُسے خود سے الگ کر: یا او. پھر سے اپنے برابر میں لٹا دیا۔

"بڑی ماں، میں امی کا نہیں، صرف آپ کا بیٹا ہوں......" اُس کی بڑی بڑی چمکدار آنکھوں میں اس وقت اور بھی چمک آ گئی تھی۔

اُس کی گھنی پلکیں، جنہیں وہ بار بار جھپک رہا تھا اور اُس کے لب جو اس وقت مسکرا رہے تھے سر کے گھنے براؤن بال جن میں اس وقت بھی کبریٰ کی انگلیاں سہلانے کے انداز میں رینگ رہی تھیں اور اس کے ہر نقش، ہر انداز میں جیسے کبریٰ ایک ہی پکار سن رہی تھی۔ ایسی پکار جو اردشیر کے کہے کی نفی کر رہی تھی...... ہر نقش پکارتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"میں راحت کا بیٹا ہوں، میں جمشید شاہ کی وہ خواہش ہوں جس نے کبریٰ خاتون کی محبت کے تناور درخت کو شاہ جی کے دل سے ایک لمحے میں اُکھاڑ کر پرے پھینک دیا۔"

کبریٰ خاتون جھٹکے سے پرے ہٹ گئیں اور بے اختیار نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا، پیشانی پر بل پڑ گئے اور اردشیر کے بالوں کو پیار سے سہلانے والا ہاتھ بستر پر آ گیا۔

"بڑی ماں، کیا ہوا آپ کو......؟" ننھے اردشیر نے اس کے انداز کو محسوس کیا اور پوچھا تھا۔

"کک...... کچھ نہیں...... کچھ بھی تو نہیں بچے...... تم لیٹ جاؤ، اسکول سے تھک کر آئے ہو، سو جاؤ، سونے کی کوشش کرو۔"

وہ یونہی اسے تھپکتی رہی...... اُسے تو جمشید شاہ کے آنے کی بھی خبر نہیں ہوئی جو دروازے کا بھاری پردہ اُٹھا کر اندر آ گئے تھے مگر دروازے کے قریب ہی رُک کر کبریٰ کو دیکھ رہے تھے، جو سوئے ہوئے بچے کو تھپکے جا رہی تھی۔

"اب بس کرو کبریٰ، وہ تو سو چکا ہے۔" ہنسی کی آمیزش لئے اُن کی آواز کبریٰ کو خیالات کی دُنیا سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



باہر لے آئی۔

''آپ کب آئے شاہ جی……؟'' وہ احترام میں کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔

''ابھی کچھ ہی دیر پہلے، کس سوچ میں گم تھیں تم جو اردشیر کے سونے کا پتا ہی نہیں چلا……؟'' وہ مسکرا رہے تھے، کبریٰ بھی ہنس پڑی۔

''پتا ہے راحت اسے ساری حویلی میں تلاش کروا رہی ہے، ملازمائیں اسے تلاش کرتی ہر طرف بھاگی پھر رہی ہیں……اور راحت بیگم اس کی کتابیں سامنے رکھے، اس کے انتظار میں بیٹھی ہے۔'' وہ شوخی سے بولے۔

''یہ میرے پاس آیا تھا، باتیں کرتے کرتے میرے پاس ہی لیٹ گیا……اصل میں تھکا ہوا بھی تھا……اور کچھ اُداس بھی۔''

''اُداس……؟ مگر کیوں……؟'' جمشید شاہ نے فکرمندی کے عالم میں بے ساختہ پوچھا۔

''بتا رہا تھا اسکول میں سارا دن ایک چھوٹے سے بینچ پر بیٹھنا پڑا……اور پھر کلاس کے دوسرے بچے اس سے دوستی بھی نہیں کرتے……گاؤں کے لوگوں کو شہر میں لوگ پینڈو جو کہتے ہیں، چاہے کوئی کتنے بھی مربعوں کا مالک کیوں نہ ہو۔ شہر والے تو اُن سے بات کرنا اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ اُن کا خیال ہے گاؤں کے لوگ جاہل اور گنوار ہوتے ہیں، اُنہیں کسی بات کا سلیقہ ہی نہیں ہے۔

بس یہی کچھ ہمارے بیٹے کے ساتھ بھی ہوا……کسی بچے نے بات تک نہیں کی اس کے ساتھ، بہت دُکھ سے بتا رہا تھا، سب سے الگ سارا دن چپ چاپ بیٹھا رہا……بہت محسوس کیا ہے اس نے، حساس بھی تو بہت ہے۔ ذرا ذرا سی بات کو دل پر لے لیتا ہے……یہی سب سناتے سناتے سو گیا ہے۔

میں تو پریشان ہو گئی ہوں……اگر یونہی محسوس کرتا رہا تو کلاس کے بچے کے رویے اسے بیمار نہ کر دیں……ابھی جب آپ کمرے میں آئے تو میں اسی بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسی لئے نہ تو مجھے اس کے سونے کا پتا چلا اور نہ ہی آپ کے آنے کی خبر ہوئی۔'' کبریٰ نے بڑے سلیقے سے بات آگے بڑھائی۔

جمشید شاہ کی پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی، یہ سن کر کہ شہر کے اسکول میں اُن کے لاڈلے بیٹے کے ساتھ اچھا سلوک نہیں ہوا……اُنہیں بے حد غصہ آ گیا تھا اور اس غصے کا اظہار چونکہ اُن کے چہرے سے صاف ہو رہا تھا تو کبریٰ کو یہ سمجھنے میں مشکل پیش نہیں آئی کہ اس کی کہی بات اثر دکھا گئی ہے۔

''اُن کی ایسی کی تیسی، میرا بیٹا کسی سے کم نہیں ہے……وہ جانتے نہیں ہیں، یہ کس کا بیٹا ہے، اس کا باپ کون ہے اور ایسے سلوک پر ان سے کیا کچھ کر سکتا ہے۔ میں چاہوں تو آج ہی اس پورے اسکول کو خرید لوں……میں کسی شہر والے کے رعب میں نہیں آتا۔'' وہ غصے میں بول اُٹھے۔

''ویسے شاہ جی، کیا بہت ہی اچھی پڑھائی ہوتی ہے شہری اسکول میں……؟'' کبریٰ کو اسکول والوں سے تو کوئی دشمنی نہیں تھی کہ اُن کے خلاف شاہ جی کو مزید بھڑکاتی، اُس کا مطلب تو کچھ اور تھا……اور وہ آہستہ آہستہ شاہ جی کو اپنے مطلب کی طرف لا رہی تھی۔

''پتا نہیں……'' شاہ جی نے بند مٹھی بائیں ہاتھ پر رسید کی، پھر بولے۔

''یہ راحت بیگم کے شوق ہیں کہ بچہ شہر میں پڑھے، شہری طور طریقے سیکھے، اُس کا خیال ہے شہری سکول میں پڑھ کر بچے میں زیادہ اعتماد آ جاتا ہے۔''



یہ بات سن کر کبریٰ استہزائیہ انداز میں ہنسی، پھر بولی۔

''اعتماد کی ضرورت اُن کو ہوتی ہے جو قدم قدم پر محرومیوں کا شکار ہوتے ہیں۔ راحت خود بھی ایک عام سے گھرانے کی لڑکی ہے، وہ نہیں سمجھ سکتی کہ دولت مندوں کے بچے کسی محرومی کا شکار نہیں ہوتے۔ شاہ جی، سچ کہتی ہوں، آج پہلی بار میں نے اردشیر کو اُداس اور پریشان دیکھا ہے۔'' آخری جملہ خاص طور پر کہتے ہوئے اُنہوں نے اردشیر کی طرف دیکھا۔

''میرے خیال میں کبریٰ، شہری اسکول صرف فیسیں وصول کرتے ہیں، پڑھائی وہاں خاک نہیں ہوتی……گاؤں کے اسکولوں میں محنت سے پڑھایا جاتا ہے اور پھر یہاں کے ماسٹر تو ہمارے کہنے میں ہیں، سر نہیں اُٹھا سکتے ہمارے آگے……اگر میں اُسے حکم دوں تو وہ گاؤں کے سارے بچوں کو چھوڑ کر صرف ہمارے بیٹے کو پڑھانے پر ہی لگ جائے گا اور کسی کی مجال ہے کہ میرے بیٹے سے بات نہ کرے……اُسے گاؤں کا بچہ جان کر حقارت سے دیکھے……میں آنکھیں نکال دوں اُس کی۔

ہونہہ! رشوت خوروں کی اولادیں، باپ معمولی ملازم ہیں مگر حرام کے مال پر اپنے بیٹوں کو شہر کے اُونچے اسکولوں میں پڑھنے کے لئے بھیج دیتے ہیں، خوب جانتا ہوں، ان شہریوں کو میں……ہم جیسے لوگوں کی بخشش پر ہی تو گزر اوقات ہوتی ہے ان کی۔'' شاہ جی کا غصہ کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا……یوں لگتا تھا اُنہوں نے اسکول والوں سے اور اسکول میں پڑھنے والے بچوں سے انتقام لینے کی ٹھان لی ہے۔

''شاہ جی……آپ نے راحت بیگم کے کہنے پر بچے کو شہر کے اسکول میں داخل کروا دیا، مجھ سے پوچھا تک نہیں اور میں نے بھی دخل دینا مناسب نہیں سمجھا کہ آخر وہ ماں ہے اور آپ باپ ہیں، مرد ہیں، مجھ سے زیادہ دُنیا دیکھ رکھی ہے……یہ فیصلہ سوچ سمجھ کر ہی کیا ہوگا۔

مگر اب میں ایک سوال کرتی ہوں آپ سے، ہمارا اردشیر جسے کل کو سارے گاؤں پر حکمرانی کرنا ہے، جسے کل آپ کا بازو بننا ہے تو کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ وہ عام بچوں کے درمیان بیٹھ کر پڑھے، وہ بھول جائے کہ وہ کس حیثیت کا مالک ہے، شاہ جی اسے حکومت کرنا ہے، اُسے شہر جا کر کوئی نوکری تھوڑا کرنی ہے جو شہری ادب آداب سکھائے جا رہے ہیں۔

حکومت کرنے والے کے لئے کوئی ادب آداب نہیں ہوتے۔ اُس پر اُنگلی اُٹھانے کی بھلا کون جرأت کر سکتا ہے، وہ اپنی مرضی کا آپ مالک ہوتا ہے، اُسے صرف یہ احساس دلانا ضروری ہوتا ہے کہ وہ باقی سب سے بہتر ہے، بس یہی اُس کی تربیت ہوتی ہے۔ اگر یہی سبق نہ دیا جائے تو کام نہیں چل سکتا……کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں ناں میں……؟'' انداز تو شاہ جی کے چہرے کو دیکھ کر ہو گیا تھا مگر پھر بھی پوچھ رہی تھی۔

''ہاں، تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو، اصل میں یہ باتیں راحت کے ذہن میں آ ہی نہیں سکتی تھیں، اُس کی سات پشتوں میں بھی کسی نے حکومت کا مزا چکھا ہو تو سمجھے ناں اس بات کو۔

ملازمہ نوری، اردشیر کی تلاش میں پوری حویلی میں گھومتی پھر رہی تھی، وہ مل کے نہیں دے رہا تھا۔ جب کبریٰ کے کمرے کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اُسے یقین یہی تھا کہ بچہ یہاں نہیں ہوگا۔ وجہ یہ کہ اس وقت کبریٰ آرام کیا کرتی تھی اور کسی کو کمرے میں شاہ جی بھی موجود تھے تو نوری نے بس یہی کہا کہ……''وہ چھوٹے شاہ جی کو دیکھنے آئی تھی۔'' اور مزید کچھ کہے یا بچے کو اُٹھائے بغیر ہی باہر نکل گئی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جا کر اُس نے راحت کو یہ نہیں بتایا کہ ''اردشیر سو رہا ہے۔'' صرف اتنا ہی کہا کہ وہ بڑی بیگم کے کمرے میں موجود ہے۔''

راحت نے یہ سوچ کر کچھ دیر کے بعد وہ خود ہی آ جائے گا، اُس کی کتابیں اور کاپیاں نہیں سمیٹیں بلکہ اُنہیں میز پر رکھے اس کا انتظار کرتی رہی کہ اسے ہوم ورک کروانا تھا۔

وہ نہیں آ رہا تھا..... تنگ آ کر اُس نے دوبارہ ملازمہ کو کبریٰ کے کمرے میں بھیجا۔ شاہ جی اس وقت بھی کمرے میں موجود تھے اور بیڈ پر بیٹے کے قریب نیم دراز تھے۔ ملازمہ نے بتایا کہ ''راحت بیگم بیٹے کو بلا رہی ہیں۔''

''اُن سے کہہ دو، سو رہا ہے۔'' شاہ جی نے اپنے مخصوص بارعب انداز میں کہا۔

''نہیں نوری، تم راحت بیگم کو یہیں بلا لاؤ۔'' کبریٰ کے کہنے پر ملازمہ نے سر اثبات میں ہلایا..... اور واپس چلی گئی۔

شاہ جی سمجھے نہیں کہ کبریٰ نے راحت کو یہاں کیوں بلایا ہے..... اُن کے استفسار سے پہلے ہی کبریٰ اُن کے چہرے سے سوال پڑھ چکی تھی لہٰذا بولی۔

''راحت یہ سمجھتی ہے کہ میں اردشیر کی تعلیم کے حق میں نہیں ہوں..... میں نہیں چاہتی کہ وہ تعلیم حاصل کرے، اب ملازمہ کے ہاتھ پیغام بھیجنے پر بھی اردشیر نہیں گیا، میں نے سوچا، کہیں راحت یہ نہ سمجھ لے کہ میں نے جان بوجھ کر بیٹے کو نہیں بھیجا بلکہ اپنے پاس روک رکھا ہے۔ سونے کا بہانہ بنا دیا ہے۔ اب میں نے اسی لئے بلوایا ہے کہ آ کر دیکھ لے، وہ واقعی یہاں سو رہا ہے اور آپ بھی اپنے بیٹے کے پاس کمرے میں موجود ہیں۔''

''اوہ کبریٰ تم..... تم ان ذرا ذرا سی باتوں کا بھی کس قدر خیال رکھتی ہو..... تمہیں دوسروں کے احساسات کا کتنا خیال رہتا ہے حالانکہ راحت یا فاطمہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں، تم اس گھر کی بڑی بیگم ہو تمہارا ایک مقام ہے..... اس گھر میں بھی اور میری نظر میں بھی۔''

شاہ جی کے ان جملوں کا کبریٰ نے کوئی خاص نوٹس نہیں لیا، وہ بڑی بے چینی سے راحت کا انتظار کرتی دکھائی دیتی تھی۔ آنکھیں دروازے پر ہی نگراں تھیں۔ شاہ جی تو نہیں سمجھ سکے مگر حقیقت یہی تھی، ان جملوں سے بچنے کے لئے اُس نے انتظار کی اداکاری کی تھی۔ اب شاہ جی کے منہ سے اپنی تعریف اُسے خوشی نہیں دیتی تھی بلکہ دل میں ٹیس سی اُٹھنے لگتی تھی۔

راحت نے کمرے میں بے تکلفی سے داخل ہونے کے بعد اب جو یہاں شاہ جی کو بھی موجود دیکھا تو ٹھٹکی اور خفت آمیز لہجے میں کچھ کہنے کے لئے منہ کھولا ہی تھا کہ کبریٰ نے اسے آگے آنے کی دعوت دی۔

''مجھے اس وقت شاید آنا نہیں چاہئے تھا۔'' وہ شرمندہ تھی۔

مگر اُس کی شرمندگی اور اس سوچ کو کبریٰ نے یہ کہہ کر رفع کر دیا..... ''میں تمہارا ہی انتظار کر رہی تھی، آؤ ادھر، میرے قریب بیٹھ جاؤ۔''

''وہ بڑی آپا، اصل میں یہ اردشیر مل نہیں رہا تھا..... کب سے نوری اور کنیزا سے تلاش کرتی پھر رہی تھیں..... میں چاہ رہی تھی، اسے پڑھا دوں مگر یہ تو سو رہا ہے۔'' وہ کبریٰ کے قریب کرسی پر آ کر بیٹھ گئی۔

''ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے ہی سویا ہے، بہت تھک گیا تھا، میرے پاس آ کر لیٹا اور باتیں کر



کرتے سو گیا۔'' کبریٰ نے پیار سے اُس کی طرف دیکھ کر راحت سے کہا۔

''ہاں، اسے ابھی پڑھنے کی عادت جو نہیں ہے مگر اب اسے جگا دینا چاہئے۔ ہوم ورک کرنا بھی تو ضروری ہے۔''

''ایک بات تو بتاؤ راحت بیگم۔'' جمشید شاہ بیڈ پر نیم دراز تھے، راحت کو گہری مگر سرد سی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولے۔

''جی پوچھئے شاہ جی۔'' ہمیشہ کی طرح راحت مؤدب تھی۔

''کیا تم سارا علم ایک ہی دن میں بیٹے کو پڑھا دینے کا ارادہ کئے بیٹھی ہو.....؟'' لہجہ چبھتا ہوا سا تھا۔

''میں سمجھی نہیں شاہ جی.....؟'' راحت، شوہر کے انداز سے یہ تو جان چکی تھی کہ وہ اُس سے متفق نہیں ہے، اُکھڑا اُکھڑا سا ہے، محتاط ہو کر پوچھا تھا۔

''میں یہ کہہ رہا ہوں بے وقوف عورت، اس بچے پر اتنا ہی بوجھ ڈالو جتنا وہ سہار سکے..... ابھی تو یہ اسکول سے پڑھ کر آیا ہے اور تم پھر کتابیں کاپیاں لے کر اس کے سر پر سوار ہونے کو تیار ہو۔''

''نہیں..... نہیں تو شاہ جی، میں تو صرف اس لئے چاہ رہی تھی کہ یہ اسکول کا کام ختم کر لے۔ اس کے علاوہ اور تو کچھ پڑھانے کا ارادہ نہیں ہے میرا..... اور یہ بھی میں صرف اس لئے کہہ رہی تھی۔ ہوم ورک کرنا تو ضروری ہے ورنہ پھر کل اسے کلاس میں کام نہ کرنے پر سزا بھی مل سکتی ہے۔'' راحت نے آہستگی سے کہا۔

''سزا..... کون دے گا میرے بیٹے کو سزا..... راحت خانم، تم نے اسے اپنی ضد کی خاطر شہر کے اسکول میں داخل تو کرا دیا کہ بقول تمہارے تربیت صرف شہری اسکولوں میں ہو سکتی ہے..... مگر یاد رکھو، اگر کسی نے میرے بیٹے کو ہاتھ لگایا تو میں اُس کے ہاتھ توڑ دوں گا۔''

شاہ جی کے غصے سے مغلوب ہو کر راحت نے مدد طلب نظروں سے اپنے قریب بیٹھی کبریٰ کی جانب دیکھا جو اس وقت اس سارے معاملے سے یکسر لاتعلق نظر آ رہی تھی۔

''نہیں چاہئے مجھے ایسا اسکول، میرا بیٹا عوام کے ساتھ مار کھانے اور سزائیں بھگتنے کے لئے اس دُنیا میں نہیں آیا..... اور نہ ہی اُسے ایسی تعلیم کی ضرورت ہے کبریٰ، تم اس نادان عورت کو سمجھاؤ..... اسے بتاؤ کہ ہمارا خاندان کتنا عظیم ہے..... اور اس عظمت کو برقرار رکھنے کے لئے اردشیر کو کس تعلیم کی ضرورت ہے.....؟ اسے کہہ دو، اپنی بے وقوفیوں کا سلسلہ بس اب یہیں روک دے ورنہ پھر نتائج کی ذمہ دار یہ خود ہو گی۔'' وہ سخت غصے میں آ گئے۔

''ہائے شاہ جی، یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ.....؟'' کبریٰ نے بڑھ کر راحت کو اپنے ساتھ لگا لیا اور حیران لہجے میں شاہ جی سے کہنے لگی۔

''اس دُنیا میں اپنے بیٹے سے پیارا مجھے کوئی نہیں، کچھ بھی نہیں۔'' جمشید شاہ نے جھک کر سوئے ہوئے بیٹے کی پیشانی پر بوسہ دیا اور ایک قہر بھری نظر راحت خانم پر ڈال کر کمرے سے نکل گئے۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اردشیر روزانہ اسکول جاتو رہا تھا لیکن نہایت بے دلی کے ساتھ...... اسکول میں اُس کا ذرا بھی دل نہیں لگتا تھا۔ اصل میں نہ صرف وہ گھر بھر کا لاڈلا تھا بلکہ اُس کے ساتھ ساتھ اُسے اہمیت بھی بہت دی جاتی تھی...... کھانے کے اوقات میں اگر وہ کہہ دیتا...... میں ستارہ باجی والی جگہ پر بیٹھ کر کھانا کھاؤں گا...... تو نہ صرف کبریٰ، فوراً ستارہ کو وہ جگہ خالی کرنے کا حکم دے دیتی بلکہ راحت بھی منع نہیں کرتی تھی۔ وہ جو چیز کھانے کی فرمائش کرتا اور جس وقت بھی کرتا، کبریٰ کی کوشش ہوتی کہ اُس کے سامنے پیش کر دی جائے۔ وہ روزانہ لباس بھی اپنی پسند کا ہی پہنتا، ان حالات میں وہ خود کو باقی سب بچوں کے مقابلے میں اہم سمجھنے لگا تھا۔

اسکول میں اُسے سب بچوں کے ساتھ بٹھایا جاتا تھا۔ اکثر جگہ بھی اپنی پسند کے مطابق نہیں ملتی تھی۔ ایک دوبار اُس نے سیٹ کے لئے دُوسرے بچوں سے جھگڑا بھی کیا اور اپنے باپ کی دولت اور طاقت کی شو بھی ماری۔ اس کے نتیجے میں سارے بچے اُس کے خلاف ہو گئے۔ اُنہیں اردشیر کے ساتھ جیسے ضد سی ہو گئی...... ذرا ذرا سی بات پر جھگڑا ہوتا، وہ اسے اپنے ساتھ کسی کھیل میں شریک نہیں کرتے تھے۔ نہ ہی اس سے بات کرتے تھے۔ اکثر اس کا مذاق اُڑاتے اور چند بچے تو ٹیچر سے اُس کی جھوٹی شکایتیں لگا کر سزا بھی دلوانے لگے۔

وہ معصوم سا بچہ تھا، اُس نے صرف محبتیں دیکھیں تھیں۔ بچوں کی ایسی سازشیں اُس کی سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ ایسی باتیں سن کر وہ غصے میں آجاتا اور مار پٹائی پر اُتر آتا۔ ایسی ہی ایک بات پر ایک روز ایک بچے سے اُس کا جھگڑا ہو گیا۔ پھر دُوسری طرف اس کے خلاف ایک پارٹی سی بن گئی۔ وہ اکیلا تھا مگر خوفزدہ نہیں تھا۔

''میرے بابا کے اتنے بہت سے ملازم ہیں، میں تم سب کی ٹانگیں تڑوا دوں گا۔''

بچوں نے یہ بات ٹیچر کو بتا دی اور اُنہوں نے کہا۔

''اردشیر! باپ کی دولت پر اترانا چھوڑ دو، پڑھائی کی طرف دھیان دیا کرو، باپ کے ملازم تمہیں پاس نہیں کروا سکتے۔''

وہ تو ذرا سا بچہ تھا، اگر ایسی بات کہتا تھا تو ضرورت اسے پیار سے سمجھانے کی تھی مگر اس کی کوشش ٹیچر نے نہیں کی۔

اسکول سے آ کر وہ یہ سب باتیں بہت دُکھ کے ساتھ اپنی بڑی ماں کو بتاتا تھا، راحت سے اُس نے



کبھی کچھ نہیں کہا کہ وہ جس طرح روزانہ سختی کے ساتھ ہوم ورک کرواتی اور اُسے اسکول بھیجتی تھی، اُسے اپنی دُشمن لگنے لگی تھی۔

''تم گھبراؤ نہیں اردشیر، تمہارے بابا چند روز کے لئے شہر گئے ہوئے ہیں...... وہ واپس آجائیں گے، میں اُن سے ضرور بات کروں گی۔''

''وہ کب آئیں گے......؟ میرا جی نہیں چاہتا اسکول جانے کو۔'' وہ اُکتا کر کہتا۔

''جلد ہی آجائیں گے اور سنو جب تک اُن سے بات نہیں ہو جاتی، تم روزانہ اسکول جاؤ گے ورنہ تمہاری امی تم سے ناراض ہو جائیں گی۔''

جس روز جمشید شاہ شہر سے واپس آئے، بیٹے نے ملاقات ہونے پر سلام کے بعد پہلی بات یہ ہی کہی کہ ''اب میں اسکول نہیں جاؤں گا۔''

''مگر کیوں بیٹا......؟'' اُسے بازوؤں کے حلقے میں لے کر اُنہوں نے بہت پیار سے پوچھا تھا۔

اور وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ بچہ روزانہ کی روٹین سے گھبرا کر ایسی بات کر رہا ہے۔ جواب میں اُس نے بچوں اور ٹیچر کی طرف سے ہونے والی ہر زیادتی کے بارے میں تفصیل سے بتانا شروع کر دیا۔ راحت اُس وقت بیگاں کے سر پر موجود کھانا تیار کروانے میں مصروف تھی، کبریٰ یہاں شاہ جی کے قریب ہی موجود تھی اور شاہ جی کے بڑھتے ہوئے غصے اور چہرے کے اُتار چڑھاؤ کو غور سے دیکھ رہی تھی۔

''میں ان سب کو دیکھ لوں گا، میرے بیٹے کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں۔ اُنہیں ابھی میرا پتا نہیں ہے...... ایک ایک سے نبٹ لوں گا، سیدھا کر دوں گا سب کو۔''

''آپ جوش سے نہیں، ہوش سے کام لیں...... یہ یاد رکھیں، وہ ہمارے علاقے کا اسکول نہیں ہے، بلکہ شہر کا مہنگا ترین اسکول ہے۔''

''تو کیا اپنے بیٹے کے معاملے میں، میں خاموش ہو کر بیٹھ جاؤں اور اپنے بیٹے کو اُن لوگوں کے درمیان بے بس ہونے کے لئے چھوڑ دوں۔'' وہ جھنجھلا کر بولے۔

''یہ میں نے کب کہا شاہ جی، میں تو اردشیر کی زبانی بہت دنوں سے یہ سب قصے سن رہی ہوں، غصے سے میرا برا حال ہو جاتا ہے مگر مجبور ہوں، کچھ نہیں کر سکتی، میں تو اتنا بھی نہیں کر سکتی کہ اسے ایک روز اسکول نہ جانے دوں، یہ روتا بلکتا رہتا ہے اور راحت اسی حالت میں اسے اسکول بھیجتی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وہاں مجھے بچے مارتے ہیں، ٹیچر میری بات نہیں سنتی مگر راحت کہتی ہے، تم خود ہی شرارتی ہو، تم ضرور دوسرے بچوں کے ساتھ جھگڑا بھی کرتے ہو گے۔''

''راحت تو کم عقل عورت ہے، اُسے میں نے یہ اختیار کبھی نہیں دیا کہ وہ حویلی یا اردشیر کے متعلق فیصلے کرنے لگے، اُسے اتنی جرأت نہیں دی کہ وہ تمہارے سامنے آئے اور تمہاری بات ماننے سے انکار کرے۔'' جمشید شاہ نے تیوری چڑھا کر کہا۔

''مگر شاہ جی، آپ شاید یہ بھول رہے ہیں کہ اردشیر کی ماں ہے وہ، اور اس ناتے وہ اس بچے پر مجھ سے کہیں زیادہ حق رکھتی ہے اور میں نہیں چاہوں گی کہ راحت کے دل میں میری طرف سے کبھی میل آئے۔ وہ یہ سوچنے پر مجبور ہو کہ میں اس کے بچے کی تربیت میں خواہ مخواہ دخل اندازی کرتی ہوں اور اُسے خراب کر رہی ہوں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''کبریٰ! تمہیں یہ حق میں نے دیا ہے کہ جو مناسب سمجھو، وہ کرو۔ کوئی تمہارے آگے بول نہیں سکتا، نہ فاطمہ شاہ اور نہ ہی راحت خانم، تم حویلی کی بڑی مالکن ہو۔''

''مگر میں سوتیلی ماں بھی تو ہوں شاہ جی۔'' اُس نے بھنویں اُچکا کر طنز کے ساتھ شاہ جی کو اُن کا کہا جملہ بڑے موقع پر یاد دلایا تھا…… وہ چونک کر اُس کی طرف دیکھنے لگے پھر آہستگی سے بولے۔

''تم بھولی نہیں اُس بات کو…… میں نے تو یونہی غصے کے عالم میں کہہ دیا تھا۔''

''اور اسی طرح غصے کے عالم میں اگر کبھی راحت خانم نے بھی کہہ دیا تو پھر کیا ہوگا……؟ میں بار بار یہ جملہ سننے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتی۔''

شاہ جی شرمندگی کے احساس کے ساتھ خاموش بیٹھے رہے پھر اُٹھ کر راحت کے کمرے کی طرف چلے گئے۔ ملازمہ سے کہا کہ راحت جہاں کہیں بھی ہو، اُسے کمرے میں بھیج دے۔

ذرا دیر کے بعد راحت کمرے میں اُن کے سامنے تھی اور جمشید شاہ کے گرجنے برسنے کی آواز بہت بلند تھی۔ وہ خود کو حق پر سمجھنے کے باوجود اتنی جرأت خود میں نہیں پاتی تھی کہ اُن کے سامنے کچھ بول سکے، سو سر جھکائے بالکل خاموش کھڑی تھی۔

وہ گرج برس کر مردانے میں چلے گئے۔ راحت آنکھوں میں آنسوؤں کی برسات لئے کبریٰ کے پاس چلی آئی۔ اُس کے کمرے میں آکر دوپٹہ منہ پر رکھ لیا اور سسکیاں بھر کر رونے لگی۔ کبریٰ اُس کے پاس بیٹھ کر ہولے ہولے تھپکتی اور خاموش ہونے کو کہتی رہی۔

''آپا، میں اردشیر کی ماں ہوں جو کچھ بھی کر رہی ہوں، اس کی بھلائی کے لئے کر رہی ہوں۔ میں اپنے ہی بچے سے دُشمنی کرنے سے تو رہی…… مگر شاہ جی پتا نہیں کیوں میری ہر بات سے اختلاف ہے۔ میں بیٹے کو تعلیم دلانا چاہتی ہوں تاکہ وہ اچھا انسان بن سکے۔ مگر پتا نہیں کیوں شاہ جی کو یہ سب گوارا نہیں۔ اُنہوں نے میرے کہنے پر جانے کس موڈ میں آکر اُسے شہر کے اسکول میں داخل کروا تو دیا تھا مگر اب کہہ رہے ہیں کہ بچہ وہاں مطمئن نہیں ہے…… اس کا وہاں پر دل نہیں لگتا، اس لئے میں اسے اس اسکول سے اُٹھا رہا ہوں۔ آپ ہی بتائیں آپا، بھلا بچے کی باتوں میں آکر بھی فیصلے کئے جاتے ہیں۔ لاڈ پیار اپنی جگہ مگر ہمیں اُس کی تعلیم سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔ یہ تو دُشمنی والی بات ہے۔ بچہ تو ذرا سی بات پر گھبرا گیا ہے…… مگر چند روز میں نئے ماحول میں رچ بس جائے گا، سمجھوتا کرلے گا…… اُنہیں اتنی سنجیدگی سے فیصلہ نہیں دینا چاہئے تھا۔'' وہ ہلکا سا شکوہ کر رہی تھی۔

''اردشیر کہتا ہے، وہاں بچے میرا مذاق اُڑاتے ہیں۔'' کبریٰ نے ساری بات سن کر کہا۔

''مگر آپا! وہ بے حد ذہین ہے۔ اگر کوئی بات سمجھائی جائے تو سمجھ بھی جائے گا اور آپا مجھ سے تو کبھی نہیں کہا کہ بچے مجھے مارتے ہیں یا ٹیچر اچھا سلوک نہیں کرتیں۔''

''پتا نہیں اُس نے تم سے ذکر کیوں نہیں کیا جبکہ ابھی میرے سامنے شاہ جی کے گھر آتے ہی سلام کرنے کے فوراً بعد اُس نے اُنہیں بہت دُکھ کے ساتھ یہ سب بتایا ہے۔''

کبریٰ نے راحت کو یہ نہیں بتایا کہ وہ اسے بھی اسکول سے واپسی پر ہر روز یہ سب بتاتا رہا ہے وہ نہیں چاہتی تھی کہ راحت یہ سوچے، اُس کا بیٹا، اُس کی نسبت اپنی سوتیلی ماں کبریٰ خاتون سے زیادہ محبت کرتا ہے۔ وہ راحت کا دل اپنی طرف سے ہمیشہ صاف دیکھنا چاہتی تھی۔ شوہر تو پوری ایمانداری کے ساتھ



اسے سونپ دیا تھا اور بیٹے کے سلسلے میں بھی یہی تاثر دینا چاہتی تھی کہ اُس سے محبت تو بے حد کرتی ہے مگر اس پر قابض ہرگز نہیں۔

''آپا…… شاہ جی میری تو کوئی بات نہیں سنیں گے مگر آپ انہیں سمجھائیں، انہیں کہیں اردشیر کو اسی اسکول میں پڑھنے دیں۔ وہ چند دنوں میں خود ہی بہل جائے گا۔ اُس کا اسکول نہ بدلیں، یہی اس کے حق میں بہتر ہوگا۔ آپ شاہ جی سے کہیں ناں آپا، آپ کی تو وہ بہت سنتے ہیں، بہت مانتے ہیں وہ آپ کو۔''

''کیا سوچنے لگی ہو آپا……؟'' راحت نے گم ہوتی کبریٰ کو آواز دے کر پھر سے متوجہ کیا۔

''ہوں، کچھ نہیں…… تم تو جانتی ہی ہو راحت کہ شاہ جی کا خاندان کتنا وسیع ہے۔ برادری اچھی خاصی ہے، ہماری دو چچازاد اور ایک تایازاد سے مقدمے بازی چل رہی ہے…… اور یہ سب بیٹوں والے ہیں۔ کیا تم یہ چاہو گی راحت خانم کہ کل کو تمہارے بیٹے کے پاس تعلیم تو ہو مگر جائیداد، خاندانی حویلی اور عزت و وقار سے محروم ہو۔''

''نہیں نہیں، خدا نہ کرے۔ بھلا میں ایسا کیوں چاہوں گی……؟ اور یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں…… ذرا کھل کر بات کریں۔'' وہ پریشانی سے اُن کی بات سن کر بولی۔

''میں سچ کہہ رہی ہوں راحت خانم! تم جو تربیت بیٹے کو دے رہی ہو، اسے ایک اچھا مگر مفلس انسان تو بنا سکتی ہے لیکن بڑا جاگیردار ہرگز نہیں…… یہاں زندہ رہنے کے لئے وہ بھیس اپنانا پڑتا ہے، جو یہاں کا ہے ورنہ کچلے جاتے ہیں۔ ہمارا اردشیر اکیلا ہے۔ اس کا تو کوئی بھائی بھی نہیں…… اُسے بہت مضبوط…… دل گردے کا مالک ہونا چاہئے۔ ایسا نڈر اور دلیر کہ دُشمن گھیر لیں تو بھی نہ گھبرائے بلکہ سب کو مار بھگائے۔

''آپ مجھ سے کہیں زیادہ سمجھدار ہیں…… آپ مجھ سے زیادہ حالات کی سمجھ رکھتی ہیں آپا…… مگر میرے خیال میں ان سب باتوں کا اردشیر کے اسکول جانے سے تو کوئی تعلق نہیں بنتا۔''

''تعلق بنتا ہے راحت کہ جس اسکول میں وہ پڑھ رہا ہے وہاں یہ سمجھا جاتا ہے، سب انسان برابر ہیں، دولت کی زیادتی سے کوئی بڑا نہیں بن جاتا، اصل چیز انسانیت ہے…… انسانوں کو ایک دوسرے کا حق نہیں مارنا چاہئے۔ سب کو مل جل کر، آپس میں پیار و محبت کے ساتھ رہنا چاہئے ظالم کو سزا مل کر رہتی ہے۔

یہ سب کچھ مجھے خود اردشیر نے بتایا ہے اور میں دیکھ رہی ہوں کہ وہ ان باتوں کا بہت زیادہ اثر بھی قبول کر رہا ہے، تم خود ہی سوچ لو یہ سب کچھ پڑھنے والا اپنے ہی جیسے انسانوں پر حکمرانی کو کس طرح تیار ہوگا۔

یہ تعلیم اور یہ برابری اور صلح صفائی کی باتیں اُسے کہیں کا نہیں چھوڑیں گی۔ علاقے کو قبضے میں رکھنے کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔ اگر حکمراں کمزور ہو جائے تو رعایا سر اُٹھانے لگتی ہے۔

جو مناسب سمجھیں کریں، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

یقیناً کبریٰ ہی وہ ہستی ہو سکتی تھی جو اُس کے بیٹے کی تربیت اس نہج پر کر سکتی تھی جو اُسے شاہ جی کی طرح باعزت رکھے، سو راحت نے دِل ہی دِل میں یہ تسلیم کر لیا کہ وہ اردشیر کی تربیت کے سلسلے میں نااہل ہے، اِسے تو بیٹے کی فکر لگ گئی تھی۔ وہ ہر طرف سے دُشمنوں میں گھرا ہوا دکھائی دے رہا تھا، اور اُس کا دل کٹ رہا تھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''اماں...... اماں، یہ دیکھیں، اردشیر نے میری کتاب پھاڑ دی ہے۔'' شیریں غصے سے سُرخ چہرہ اور ہاتھ میں پھٹی ہوئی کتاب کے ورق سنبھالے، ماں کے پاس شکایت کرنے آئی تھی۔ کبریٰ سیدھی ہو بیٹھیں، ایک نظر بیٹی پر ڈالی پھر اطمینان سے بولیں۔

''کیا ہوا کتاب ہی تو پھٹی ہے، کوئی سر تو نہیں پھاڑ دیا۔ اُس نے تمہارا، جو یوں شور مچا رہی ہو، میں خوب جانتی ہوں، پڑھائی سے تمہیں کچھ زیادہ دلچسپی نہیں ہے البتہ بھائی کے خلاف بہت غصہ رکھتی ہو تم، اِسی لئے فوراً شکایت لگانے چلی آئی ہو۔ جاؤ نئی کتاب آ جائے گی۔

''مگر امی اسے کیا حق پہنچتا ہے کہ میری چیزیں خراب کرے اور آپ ہمیشہ اُس کی طرفداری کرتی ہیں، کیا ہم کچھ نہیں لگتے آپ کے......؟'' شیریں کا لہجہ ٹوٹ رہا تھا۔

کبریٰ نے لمبا سانس کھینچ کر بیٹی کی طرف دیکھا، اسے اشارے سے قریب بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ماتھے پر بوسہ دیا، پھر بولی۔

''دیکھو، میری بیٹی وہ تمہارے باپ کا لاڈلا بیٹا ہے، اگر ہم اُسے کچھ کہیں گے تو وہ شاہ جی سے شکایت کر دے گا اور شاہ جی، ہمارے خلاف ہو جائیں گے۔ تو کیا یہ بہتر نہیں کہ اُس کی چھوٹی سی زیادتی کو بھول جائیں۔ یہ ہمارے لئے بہتر ہے بیٹی۔''

''نہیں اماں، اُسے سزا ملنی چاہئے۔'' وہ ضدی لہجے میں بولی۔

''اوہو...... دیکھو ناں بیٹی، وہ تمہارا چھوٹا بھائی بھی تو ہوتا ہے ناں اور چھوٹے بھائیوں سے بھی کوئی لڑائی کرتا ہے بس یہ ورق رکھ دو اِدھر ہی...... میں تمہیں نئی کتاب منگوا دوں گی۔''

اردشیر میرا بھائی نہیں ہے، آپ اسے مت کہا کریں ہمارا بھائی، وہ صرف بابا صاحب کا بیٹا ہے، لاڈلا ہے ان کا اور...... اور اماں، آپ بھی اُسے پیار کرتی ہیں، چھوٹی ماں بھی ہر معاملے میں اُس کی طرفداری کرتی ہیں...... ہم تو کسی کے بھی کچھ نہیں لگتے...... وہ جو شیبو ہے ناں، وہی کمہار کی بیٹی، اُس کا بابا روزانہ اسے اسکول چھوڑنے آتا ہے اور دینو کی بیٹی اپنے بات کی محبت کے قصے سناتے نہیں تھکتی۔

اور سب ہی لڑکیاں اپنے گھر کے قصے سناتی ہیں اپنے باپ اور بھائیوں سے لاڈ اُٹھواتی ہیں مگر ہم ایسی کوئی بات نہیں کر سکتے میں اور ستارہ چپ چاپ بیٹھی اُن کی شکلیں دیکھتی رہتی ہیں...... اور باتیں سنتی رہتی ہیں...... اماں جان وہ سب غریب لڑکیاں ہیں...... اُن کے پاس ہماری طرح اچھے کپڑے بھی نہیں ہوتے، اُن کے بستے اور کتابیں پھٹی ہوئی ہوتی ہیں۔

مگر اماں جان، مجھے تو وہ اپنے آپ سے زیادہ امیر لگتی ہیں...... اُن کی باتیں سنتی ہوں اور سوچتی ہوں، اگر میں بھی کسی غریب آدمی کی بیٹی ہوتی تو کتنا اچھا ہوتا...... پھر میرا باپ مجھ سے پیار تو کرتا، مجھے اسکول چھوڑ کر آتا اور میرے لئے شہر سے میٹھی گولیاں لے کر آتا...... سچ اماں جان میں اور ستارہ ایسا ہی سوچتے ہیں۔'' وہ معصومیت سے اپنے اندر کی حسرت باہر نکالتی رہی۔

''تم ایسا کیوں سوچتی ہو، میں جو ہوں شیریں، میری بیٹی میں ہوں ناں، میں تو تم سے پیار کرتی ہوں، تم نہیں جانتیں، تمہاری ذات کو بے قیمت ہوتے دیکھنا میرے بس میں نہیں تھا، اسی لئے تو کبریٰ جیسی صاف دل اور صاف ذہن والی عورت نے ایک طویل سازش کا آغاز کیا ہے۔ میں کیا سے کیا بن گئی ہوں۔



میں تو اُس دن ہار گئی تھی جب شاہ کے دل سے میری محبت اُتری تھی۔ وہ کبریٰ کی موت کا دن تھا مگر اُسی دن عورت اور ماں بیدار ہو گئی تھی اور آج تک بیدار ہے۔ تمہار لئے اور ستارہ کے لئے میری جان، میں تمہارے باپ کو بتا دینا چاہتی ہوں کہ بیٹیاں اتنی بھی بری نہیں...... اور محبت ہر کسی کے بس کا روگ نہیں۔ وہ نہ تو بیٹیوں کا باپ بن سکا اور نہ ہی محبت کے دعویٰ کرنے کے باوجود محبت کے امتحان میں کامیاب ہو سکا۔

کبریٰ بیٹی کے سر پر چہرہ ٹکائے ایک دُکھ کے عالم میں وہ سب کچھ کہتی چلی گئی جو آج سے پہلے اُس نے کبھی نہیں کہا تھا۔

''آپ کیا کہہ رہی ہیں اماں......؟ مجھے آپ کی باتوں کی بالکل سمجھ نہیں آ رہی۔'' شیریں نے حیران انداز لئے ماں سے پوچھا۔

اور تب کبریٰ کو بھی خیال آیا، یہ سب کچھ اُسے کسی سے نہیں کہنا تھا۔ یہ بات تو لبوں تک لانی ہی نہیں تھی۔ یہ راز تا زندگی سینے میں دفن رکھنا تھا مگر آج جذبات کے ریلے میں بہہ کر وہ بھول گئی تھی، اب جو بیٹی نے پوچھا تو گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھی اور تیز مگر دبے قدموں کے ساتھ دروازے کی جانب بڑھی، باہر جھانک کر دیکھا اور اطمینان ہوا یہاں آس پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ راہداری سنسان تھی، جیسے جان میں جان آئی۔ وہ مطمئن ہو کر واپس پلٹی اور بیٹی کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی، ذرا توقف کے بعد بولی۔

''میں نے جو کچھ کہا، اس پر غور کرنے کی ضرورت نہیں، وہ باتیں میں تم سے نہیں خود سے کر رہی تھی۔ ان میں سے کوئی بھی جملہ تمہارے لئے نہیں تھا کیونکہ ابھی تمہاری عمر بہت کم ہے۔ تمہاری سمجھ میں یہ سب نہیں آ سکتا البتہ جب بڑی ہو جاؤ گی تو پھر کسی کے سمجھائے بغیر ہی سمجھ جاؤ گی۔ ابھی تمہارے لئے صرف اتنی سی بات سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ اردشیر تمہارا چھوٹا بھائی ہے۔

''بڑی بیگم صاحبہ، وہ جی ڈریور (ڈرائیور) کرم دین شہر سے آ گیا ہے اور کہتا ہے، آپ نے کچھ سامان منگوایا تھا۔'' ملازمہ نے اندر داخل ہو کر کہا۔

''ہاں ہاں بیگاں، میں نے کچھ چیزیں منگوائی تھیں، جاؤ لے آؤ۔''

''اچھا جی......'' ملازمہ ادب سے سر جھکا کر چلی گئی...... تھوڑی دیر بعد واپس آئی تو دو عدد بنڈل اُٹھا رکھے تھے۔

''ہاں، یہ اِدھر میز پر رکھ دو...... اور کرم دین کو اندر بلاؤ...... میں نے اس سے بات کرنی ہے۔''

ملازمہ بنڈل میز پر رکھ کر واپس چلی گئی اور کبریٰ دروازے کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔

مرد ملازموں کو کمروں میں نہیں بلایا جاتا تھا، نہ ہی انہیں زنانہ حصے میں اجازت کے بغیر آنے کی اجازت تھی۔ اگر کبھی ان تینوں میں سے کسی نے کوئی ضرورت بات کرنی ہوتی تھی تو انہیں اندر آنے کے لئے پیغام بھیج دیا جاتا تھا۔

کرم دین راہداری میں آ کر ہلکا سا کھنکارتا تا کہ اُس کی آمد کی اطلاع بیگم صاحبہ کو بھی ہو جائے۔

''ہاں کرم دین، آ گئے تم......؟''

''جی سلام بیگم صاحبہ......''

''وعلیکم السلام...... اچھا یہ بتاؤ، جو کتابیں میں نے منگوائی تھیں، ساری مل تو گئی ہیں ناں......؟''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ناں جی ...... وہ جو آپ نے کاغذ دیا تھا جی، کتابوں کے نام لکھ کر، میں نے وہ دکاندار کو دیا تھا، اُس نے وہی کتابیں دی ہیں جو آپ نے لکھ کر دی تھیں اور کہہ رہا تھا، دو کتابیں کم ہیں، دو تین روز تک مل سکیں گی اور جی میں نے وہ کاغذ ان کتابوں کے ساتھ رکھا ہے جو نہیں ملیں، اُن کے آگے اُس نے نشان لگا دیا تھا اور باقی کے پیسے بھی کتابوں کے ساتھ ہی ہیں، آپ حساب کر لیں۔''

''حساب کرنے کی مجھے ضرورت نہیں، تم اعتبار کے آدمی ہو ...... یہ پیسے میں تمہیں دے دیتی ہوں اور وہ لسٹ بھی، اب جب بھی شہر جانا تو کتابیں لیتے آنا۔''

''اپنی طرف سے تو سب کچھ لے آیا ہوں ...... ویسے آپ ایک نظر دیکھ لیں ...... ہوسکتا ہے کوئی چیز مجھے یاد نہ رہی ہو۔''

''ٹھیک ہے، میں دیکھ لوں گی، تم اب جاؤ۔''

کچھ عرصے سے کبریٰ نے کتابوں سے دوستی کر لی تھی ...... اور کتاب کی دوستی نے اُسے نئی دُنیا سے روشناس کرایا تھا۔ اگر وہ بیٹیوں کی محرومیوں اور اپنی چاہت کی بے قدری کے دُکھ کو دل سے نہ لگائے بیٹھی ہوتی، اگر یہ زخم اس قدر گہرے نہ ہوتے تو بہت ممکن تھا، کتاب کی دوستی کبریٰ کی سوچ کو بدل دیتی۔ وہ جمشید شاہ کو معاف کر کے اردشیر کو نشانہ بنانا چھوڑ دیتی مگر اب کتابیں اسے یہ تو بتا سکتی تھیں کہ وہ برا کر رہی ہے مگر اسے اپنے منصوبے سے ہرگز نہیں ہٹا سکتی تھیں۔

اُس نے کتابیں دیکھیں اور پھر انہیں بہت توجہ کے ساتھ الماری میں سیٹ کرنے لگی۔

اِس کام سے فارغ ہو کر اُس نے دوسرے پیکٹ سے گڑیا نکالی اور اُسے دیکھ کر مسکرا دی۔

''اوہ کتنی پیاری گڑیا ہے۔'' شیریں نے قریب آ کر گڑیا کو شوق سے دیکھا اور کہے بغیر نہ رہ سکی۔

''ہاں، واقعی بہت اچھی ہے ...... یہ تو میں نے گل رُخ کے لئے منگوائی ہے ...... اگر تمہیں پسند ہے تو تمہارے لئے بھی منگوا لوں گی۔''

''نہیں، مجھے تو گڑیوں سے کھیلنے کا شوق کبھی بھی نہیں رہا۔ یہ اچھی لگی تھی اس لئے تعریف کر دی۔''

''اچھا ٹھیک ہے، جاؤ تم گل رُخ کو بلا کر لاؤ ...... مگر نہیں، تم ٹھہرو میں خود اُسے دے کر آتی ہوں، میرا خیال ہے، وہ فاطمہ کے پاس اُس کے کمرے میں ہی ہوگی۔''

کبریٰ نے شیریں کو روک دیا اور خود گڑیا کو ہاتھ میں لے کر فاطمہ کے کمرے میں آ گئی۔

اُس کا انداز درست تھا۔ گل رُخ کمرے میں موجود تھی اور فاطمہ کا سر دبا رہی تھی۔ کبریٰ اندر آئی تو دونوں ماں بیٹی نے اُس کی طرف دیکھا۔

''اتنی پیاری سی گڑیا ......'' گل رُخ پلنگ سے اُتر کر اک شوق کے عالم میں اُس کی جانب لپکی۔

''تمہیں اچھی لگی یہ گڑیا ......؟'' کبریٰ نے مسکرا کر پوچھا۔ اُس نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ تو بہت اچھی بات ہے کہ تمہیں پسند آ گئی۔ یہ میں نے شہر سے منگوائی ہے، اپنی پیاری سی گڑیا جیسی بیٹی گل کے لئے۔''

اُس نے یہ کہتے ہوئے گڑیا اسے تھما دی اور پھر فاطمہ کی جانب متوجہ ہوئی۔

''کیا بات ہے، تم اس وقت بستر میں لیٹی ہوئی ہو، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری ......؟ یہ گل بھی سر دبا رہی تھی، کیا درد ہو رہا ہے ......؟''



''میری چھوڑیں آپا، میری طبیعت تو بس ایسی ہی ہے، روگی ہوں میں تو، آپ سنائیں آپ کیسی ہیں ......؟'' اُس نے پلنگ پر بیٹھتی کبریٰ کا ہاتھ عقیدت سے اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

''میں ٹھیک ہوں، ابھی ابھی کرم دین شہر سے یہ گڑیا لے کر آیا تھا، میں نے سوچا خود جا کر گل کو دے کر آتی ہوں۔''

''میں تم سے یہ کہنے کا ارادہ لے کر آئی تھی فاطمہ کہ ہمیں گل کو بھی اسکول میں داخل کروا دینا چاہئے۔ یہ بھی اپنی دونوں بہنوں کے ساتھ چلی جایا کرے گی۔''

''آپ جیسا مناسب سمجھیں کریں، آپ کو مکمل اختیار ہے مگر کیا شاہ صاحب مان جائیں گے ......؟''

''جب ستارہ اور شیریں اسکول جاتی ہیں تو گل کے جانے پر انہیں اعتراض کیوں ہوگا ......؟''

''ان کی اور بات ہے آپا ...... وہ تو آپ جیسی ماں کی بیٹیاں ہیں جبکہ اس بے چاری کے لئے تو ماں کا ہونا، نہ ہونا دونوں برابر ہیں۔'' وہ دُکھ سے بولی۔

''اوہو ...... فاطمہ مت کیا کرو ایسی باتیں، بس آج سے فیصلہ ہو گیا ہے، اب گل بھی اسکول جائے گی۔ اردشیر سے سال بھر بڑی ہے، مجھے تو افسوس ہے کہ ہم نے اُس کی پڑھائی کی جانب سے اتنی غفلت کیوں برتی ......؟''

''آپا بیٹیوں کو پڑھانے میں کون دلچسپی لیتا ہے یہاں ......؟''

''ہاں، مگر تعلیم ضروری ہے ...... اس بات کا احساس مجھے اب چند سالوں سے ہوا ہے، ہم اپنی تینوں بیٹیوں کو پڑھائیں گے۔ ستارہ اور شیریں تو شاید زیادہ نہ پڑھ سکیں کیونکہ اُن کا رُجحان اِدھر نہیں ہے۔ ہفتے میں ایک آدھ بار ہی اسکول جاتی ہیں ...... اور گھر میں راحت کے پاس بٹھاتی ہوں تب بھی دھیان سے نہیں پڑھتیں ...... مگر گل رُخ ضرور پڑھے گی۔ کیوں بیٹی، اسکول جاؤ گی ناں ......؟'' وہ بات کرتے کرتے اُس کی جانب منہ موڑ کر پوچھنے لگی۔

''جی بڑی ماں، میں پڑھنے جایا کروں گی۔'' وہ گڑیا کو ساتھ لگائے مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے، پر جوش انداز میں سر اثبات میں ہلانے لگی، پھر بولی۔

''بڑی ماں ...... میں کل ہی دونوں باجیوں کے ساتھ اسکول جایا کروں گی۔''

''اِتنا شوق ہے تمہیں پڑھنے کا ...... میں اپنی بیٹی کو بہت سا پڑھاؤں گی ...... یہ بیٹی ہم سب کے لئے قابل فخر ہوگی فاطمہ ......''

• • •

ناصر کو آفس سے واپسی پر آج دیر ہو گئی تھی۔ پہلے پہل تو جویریہ خود کو یہ کہہ کر تسلی دیتی رہی کہ جب بندہ گھر سے نکلتا ہے تو واپسی میں دیر سویر ہو ہی جاتی ہے ...... آ جائیں گے ممکن ہے کوئی دوست مل گیا ہو، اس کے ساتھ باتوں میں لگ گئے ہوں مگر جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا، دل پریشان ہونے لگا تھا، وسوسے سر اُٹھا رہے تھے۔ وہ بار بار وال کلاک دیکھتی اور پہلے سے زیادہ پریشان ہو جاتی تھی۔

''امی ...... ابو نہیں آئے۔'' طلال نے باپ کی غیر معمولی دیر کو محسوس کر کے ماں سے پوچھا۔

''آ جائیں گے میری جان، ابھی تو آفس سے چھٹی ہوئی ہے۔ بس آتے ہی ہوں گے۔'' وہ بیٹے کو گود میں بھر کر تسلی دینے لگی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آہستہ آہستہ سورج ڈوب گیا۔ پھر اندھیرا بڑھنے لگا۔ اب اس کی ہمت بالکل ہی جواب دے گئی۔ طلال کی اُنگلی پکڑ کر وہ پڑوس میں رہنے والی فریدہ کے پاس چلی آئی اور اسے اپنی پریشانی سے آگاہ کرتے ہوئے آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''آ جائیں گے، اتنا گھبرا کیوں گئی ہو......؟ جویریہ چلو آؤ، میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلتی ہوں اور جب تک ناصر بھائی نہیں آ جاتے، وہیں رہوں گی تمہارے پاس، جلدی سے آ جاؤ، شاباش، اگر ناصر بھائی آ گئے تو خالی گھر دیکھ کر پریشان ہوں گے۔''

فریدہ اور جویریہ گھر آ کر پھر انتظار کرنے لگیں، اندر ہی اندر فریدہ پریشان ہو رہی تھی مگر وہ جویریہ پر اپنی فکر ظاہر نہیں کر رہی تھی، اسے تسلی دیئے جا رہی تھی۔

''اوہ......شاید بیل ہو رہی ہے......میں دیکھتی ہوں۔'' جویریہ تو سراپا کان بنی ہوئی تھی، آواز سنتے ہی اُٹھ کر بھاگی مگر دروازے میں ایک اجنبی صورت کو دیکھ کر ٹھٹک کر رُک گئی۔

''آپ مسز ناصر ہیں......؟'' آنے والے نے پوچھا۔

''جی......اور ناصر تو ابھی افس سے نہیں لوٹے، پلیز آپ ہی پتا کریں، میں بہت پریشان ہو رہی ہوں۔''

''بھابی......میں جو کہنے آیا ہوں اسے حوصلے سے سنیں۔''

''خیریت تو ہے ناں......؟'' جویریہ کو اپنے قدموں تلے سے زمین سرکتی ہوئی محسوس ہوئی۔

''اصل میں بات ہے کہ ناصر کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ وہ اس وقت ہاسپٹل میں ہیں۔''

''یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ......؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟'' جویریہ کو خود پر اختیار نہیں رہا تھا......وہ چیخے جا رہی تھی، آواز سن کر طلال کو گود میں اُٹھائے فریدہ بھی آ گئی۔

''آپ انہیں سنبھالیں......حوصلہ دیں......ناصر صاحب ٹھیک ہو جائیں گے......ہم سب ہاسپٹل میں ان کے پاس ہیں......''

''ہاسپٹل میں، اوہ زیادہ چوٹیں تو نہیں آئیں۔'' فریدہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔ جواب میں آنے والے نے ترحم بھری نگاہ سے جویریہ کو دیکھا اور خاموش رہا۔

جویریہ کی چیخوں اور رونے کی آواز سن کر پڑوس کی دوسری خواتین بھی اُن کے گھر چلی آئی تھیں۔ مرد ہاسپٹل جانے کی تیاریاں کرنے لگے۔ جویریہ ساتھ جانے کی ضد کر رہی تھی مگر اس کی اپنی حالت بہت خراب تھی۔ ہاتھ پاؤں ٹھنڈے اور چہرہ سفید ہو رہا تھا۔ بغیر سہارے کے وہ ایک قدم نہیں اُٹھا پا رہی تھی۔

ماں کو روتا دیکھ کر طلال بھی رونے لگا۔ فریدہ اُسے بہلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ننھا بچہ بہت خوفزدہ دکھائی دیتا تھا۔

• • •



یہ کیسا امتحان ہے......؟

یہ سزا کس جرم کی پاداش میں دی جا رہی ہے......؟

نہیں ...... یہ برداشت سے باہر ہے...... میرے خدا...... اے میرے خدا! میں بہت کمزور ہوں......میں اس آزمائش کے قابل کہاں ہوں......؟''

ہائے ناصر......ہائے میرے ناصر! میرے سر کے سائیں......میری چھاؤں کہاں ہو......؟ آج تنہا کیوں کر رہے ہو مجھے......؟ کیوں میرا ساتھ چھوڑ دیا......؟ کیا تم نہیں جانتے تھے، تم میرے دل کی ہر خوشی ہو، تم سکون ہو، تم کو پا کر میں نے زندگی کا مفہوم سمجھا تھا، ابھی سے تنہا کر دیا......؟ وعدہ کیوں بھلا دیا......؟ کیوں کیا تم نے ایسا......؟

میں نے تو کوئی ایسی بات نہیں کی جو تمہیں ناراض کر دے، پھر خفا کیوں ہو گئے......؟ اپنی جویریہ کو کیوں چھوڑ دیا......؟

لوٹ آؤ......

خدا کے واسطے لوٹ آؤ......

میں اس بھری دُنیا میں اکیلی ہوں......

تم جانتے ہو ناصر میں کتنی بزدل ہوں......میں نہیں رہ سکتی تمہارے بغیر......تمہیں آنا ہو گا میرے لئے اور اپنے طلال کے لئے......

ابھی تو ہمارے بہت سے خواب اُدھورے ہیں......ابھی تو زندگی کھل کر مسکرائی بھی نہیں......تم نے اتنی جلدی رختِ سفر کیوں باندھ لیا ساتھی......

لوٹ آؤ......لوٹ آؤ......مت جاؤ......

جویریہ کی چیخوں، اُس کے آنسوؤں پر ہر آنکھ نم تھی......وہ اُس کی جواں بیوگی پر افسردہ تھے۔ ناصر کی بے وقت موت پر رو رہے تھے مگر تقدیر سے کوئی نہیں لڑ سکا۔ وہ سب کے سب جویریہ کی طرح بے بس تھے۔ زندگی کی بے ثباتی پر چپ چاپ اور سرنگوں تھے۔ فریدہ اور کوکب جویریہ کو سنبھالنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھیں۔ وہ بار بار اس سے پوچھ رہی تھیں۔ ''تمہارے کوئی عزیز رشتہ دار تو ہوں گے، ایڈریس یا فون نمبر بتاؤ تاکہ اطلاع دی جا سکے۔'' مگر جویریہ کی حالت بہت خراب تھی۔ اُس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ اسے ن ں کہی کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ایمبولینس آگئی اور ناصر کا بے جان وجود اُتارا گیا۔ صبح کتنے وعدے کر کے گیا تھا……کیسی شوخ شوخ نظروں سے دیکھا تھا اُس نے……طلال کو سینے سے لگا کر پیار کیا تھا۔ اب وہ پیار ایک بے جان وجود کی صورت میں آیا تھا……تجھے اے زندگی لاؤں کہاں سے……؟

باپ کا لاڈلا……اپنی چھوٹی سی جنت میں پیار کی بانہوں میں جھولنے والا بچہ اب یتیم تھا۔ کون پیار سے گود میں بھر کر ننھی ننھی فرمائشیں سنے گا اور پوری کرنے کا وعدہ کرے گا۔ کون اب سر پر ہاتھ رکھے گا کس پر مان کرے گا یہ بچہ……؟

جانے والا چلا گیا اور اپنے پیچھے ایک کہانی چھوڑ گیا، جس کے دو کردار تھے اور دونوں ہی ننھے پودوں کی طرح کمزور تھے، باغباں چلا گیا اور وقت تو ہمیشہ سے ظالم رہا ہے۔ اس کی آندھیوں میں اُڑتے یہ سوکھے پتے طلال اور جویریہ جیسے لوگ ہی تو ہوتے ہیں۔

جویریہ کو فریدہ اور محلے کی چند دوسری خواتین اندر کمرے میں لے گئی تھیں کہ سب اُس کی حالت سے خوفزدہ تھے۔ انہیں خدشہ تھا، میت دیکھ کر وہ اپنے حواس نہ کھو دے۔ اسے بیڈ پر بٹھا کر فریدہ نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ناصر کی تصویر اُلٹ دی اور رُندھی ہوئی آواز میں اسے حوصلہ دینے لگی۔

”حوصلہ کروں، کیسے اور کیوں کروں……؟ سب کچھ تو لٹ گیا ہے میرا……میں برباد ہو گئی ہوں اور آپ لوگ کہتے ہیں حوصلہ کروں……“ وہ اور بھی بکھرنے لگی تھی۔

”دیکھوں تمہارا بیٹا رو رہا ہے……تمہیں یوں بے حال ہوتے دیکھ کر یہ پریشان ہونے لگا ہے۔ اسے سنبھالو، اب اس کے لئے باپ بھی تم ہو اور ماں بھی……“ کوکب نے دھیان بٹانے کو طلال اس کی گود میں ڈال دیا۔ وہ واقعی روتے روتے ایک دم سے خاموش ہو گئی۔ طلال کی پیشانی پر بوسہ دیا اور پھر اسے سینے سے لگا لیا۔ طلال ماں کی آغوش میں آ کر چپ تو ہو گیا تھا مگر اس کے یوں بھینچنے اور پیار کرنے پر پریشان ہوا جاتا تھا۔

وہ رات قیامت کی رات تھی……ناصر کے بے جان وجود کے قریب جویریہ بیٹھی تھی، وہ جانتی تھی کہ یہ آخری رات ہے……پھر تو یہ ہمدم، ہمراز چہرہ ہمیشہ کے لئے چھپ جائے گا……آج کی رات اور بس……آج کی رات……وہ اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی، اسے دیکھ کر یوں لگتا تھا جیسے اسے یہ احساس ہی نہیں کہ ناصر مر چکا ہے……وہ یوں مخاطب تھی جیسے وہ اسے دیکھ رہا ہے، اُس کی سن رہا ہے اور ابھی بول بھی پڑے گا۔

کوکب، فریدہ اور محلے کی دوسری خواتین نے بہت کوشش کی کہ وہ اب اُٹھ جائے۔ تھوڑا آرام کر لے مگر وہ نہیں اُٹھتی تھی……اُن کی منت کرنے لگتی کہ ان آخری لمحات میں اس پر یہ ظلم نہ کریں۔ اسے ناصر کے قریب بیٹھا رہنے دیں۔

رات دھیرے دھیرے اپنا سفر طے کر رہی تھی……نہ صرف جویریہ کے اندر سناٹے گونج رہے تھے بلکہ موت والے اس گھر میں بھی منحوس خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ بہت سے لوگ جمع تھے مگر پھر بھی چپ تھی……اور یہ چپ بہت کریہہ آواز میں بین کر رہی تھی۔

جویریہ کو لگتا تھا، اس رات کی صبح کبھی نہیں ہوگی۔ اس گھر کے در و دیوار پر آج رات کی تاریکی ہمیشہ کے لئے ٹھہر جائے گی اور یہ احساس غلط نہیں تھا جویریہ کی قسمت کا سورج ہمیشہ کے لئے غروب



ہو گیا تھا۔ اب اس کے نصیب میں تاریک اور کالی رات کے اندھیرے ہی لکھ دیئے گئے تھے۔

”اگر تمہیں اتنی جلدی چلے جانا تھا تو میری دُنیا میں آئے کیوں تھے……؟ مجھے بہاروں سے آشنا کیوں کیا تھا……؟“

اس نے تو بھائی جان کا ایڈریس کسی کو نہیں بتایا تھا……اصل میں ذہنی حالت ہی ایسی ہو رہی تھی کہ اُسے یاد ہی نہیں آ رہا تھا……کئی سال اُن کے گھر میں گزارے تھے مگر اب کوشش کے باوجود بتا نہیں پا رہی تھی۔

ناصر کا ایک کولیگ انہیں جانتا تھا اور اُس نے اکبر علی کو اطلاع دے دی تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ خبر سنتے ہی چلے آتے مگر وہ رات کو نہیں آئے۔ اُن کی بیگم عارفہ اکبر اور وہ خود صبح ہونے پر آئے۔ جویریہ اُنہیں دیکھتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھی اور اُس سے لپٹ گئی۔ وہ پوری شدت سے رونے لگی۔

اُن کے گلے لگ کر بھول ہی گئی کہ یہ وہی بھائی ہیں جنہوں نے کبھی بہن کی خبر ہی نہیں رکھی۔ جب اُن کے گھر میں رہتی تھی، تب بھی پروا نہیں کی……اور جب ناصر سے شادی ہو گئی تب تو تعلق ہی ختم کر لیا……ملنے کا سوال ہی باقی نہ رہا۔ حالانکہ وہ بے قصور تھی……اُس نے ناصر سے شادی کی تھی تو یہ کوئی جرم نہ تھا۔ ناصر سے اس کا رشتہ والدین نے طے کیا تھا……اگر عارفہ کا کزن امتیاز اس میں انٹرسٹڈ نہ ہوتا……تو اکبر علی بھی اس رشتے پر اعتراض نہ کرتے مگر وہ بیوی کے کہنے میں آ کر بہن کی خوشیوں کے دُشمن ہو گئے تھے۔

آج جویریہ اُن کے گلے لگی کھڑی تھی……اکبر علی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور صبر کی تلقین کی……وہاں موجود خواتین حیرت سے اس بھائی کو دیکھ رہی تھیں جو بہن کی بیوگی پر ذرا بھی افسردہ نہیں تھا۔ اُس کا لباس شاہانہ اور انداز روکھا سا تھا۔ عارفہ آگے بڑھ کر ملنے یا افسوس کرنے کے بجائے قیمتی ساری اِک ادا سے سنبھالے کرسی پر جا بیٹھیں، گلے میں سونے کی چین، کانوں میں ٹاپس، بازو میں درجن بھر چوڑیاں وہ نخوت بھرے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہی تھیں۔

”کیا یہ جویریہ کی سگی بھابی ہے……اتنی لاتعلق اور بے حس ایسے موقعوں پر تو غیر بھی گلے لگ جاتے ہیں۔ اُن کی بھی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں……یہ کیسی پتھر دل ہے……؟“ ان سب کو عارفہ اکبر کے انداز اور رویے پر افسوس تھا اور جویریہ سے ہمدردی کی شدت بڑھ گئی تھی۔

”ہائے کیا بنے گا اس بے چاری کا ان سے تو کوئی اُمید نہیں رکھ جا سکتی۔“

بے شک اکبر نے بہن کو گلے لگایا تھا تسلی دی تھی مگر پھر بھی چہرے پر وہ غم کی پرچھائیاں مفقود تھیں جو جوان بہن کی بیوگی پر ایک بھائی کے چہرے پر دیکھی جا سکتی ہیں۔

ناصر کل زندہ حقیقت تھا، آج خواب ہوا، وہ چلا گیا……

اور میت کے اُٹھتے ہی لوگ بھی اپنے گھروں کو جانے لگے۔

”یہ تب چلے جائیں گے……پھر میں اکیلی اس گھر میں کیسے رہوں گی……؟“ وہ سوکھے پتے کی طرح تھی اور ہوائیں بڑی تیز تھیں۔

”تم میرے ساتھ میرے گھر چلو، عدت کی مدت تک وہیں رہنا۔“ فریدہ اس کی تنہائیوں اور اُس کے خوف کو اپنے دل میں دھڑکتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"یہ ہمارے ساتھ جائے گی ہم اسے لینے ہی آئے تھے۔" بیڈ پر نیم دراز عارفہ اکبر نے اطلاع دینے کے انداز میں کہا۔

"چلو...... یہ تو اچھا ہے، اپنے جیسے بھی ہوں، اپنے ہی ہوتے ہیں۔ وہ بھائی کا گھر ہے، سر تو ڈھکا رہے گا ناں۔" یہاں موجود اِکا دُکا عورتوں کو یہ بات سن کر تسلی ہوئی...... جبکہ جویریہ نے جیسے خود کو وقت کے دھارے پر چھوڑ دیا تھا، نہ تو اُس نے فریدہ کی بات کا جواب دیا اور نہ ہی عارفہ اکبر کی بات سن کر کوئی سپانس دیا۔

"جویریہ کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میرا خیال ہے اسے نیند کی دوا دے کر سلا دینا چاہئے۔ کوکب، فریدہ سے کہہ رہی تھی۔

• • •

یہ گھر کتنے پیار سے دونوں نے بنایا تھا، یہاں پر موجود ایک ایک چیز ان دونوں کی مشترکہ پسند تھی۔ چھوٹا سا گھر جس کے در و دیوار پر محبت کی بیلیں چڑھی تھیں...... جہاں آنے والے کل کی اُمید انگڑائی لیتی تھی۔ دو محبت کرنے والے دل ایک ساتھ دھڑکتے تھے۔ آج وہ گھر اس سے چھٹ رہا تھا۔ اسے یہ گھر، جسے وہ اپنا گھ کہا کرتی تھی، آج چھوڑ کر جانا تھا۔

وہ جانا نہیں چاہتی تھی، بار بار پلٹتی تھی مگر یہ بھی جانتی تھی، اسے جانا ہی پڑے گا۔ جب ناصر چلا گیا تو گھر کی یہ بے جان دیواریں کس کام کی......

زندگی رُوٹھ گئی تھی تو یہ سب کچھ بے کار تھا...... مگر یادیں...... یادیں تو نہیں مر سکتیں...... وہ یہ بھی جانتی تھی اس گھر میں اب وہ تنہا رہ بھی نہیں پائے گی۔ یادوں کی آوازیں اسے پاگل کر چھوڑیں گی۔ اگر اسے طلال کا خیال نہ ہوتا تو وہ ناصر کے ساتھ ہی مر جاتی...... فنا کر ڈالتی خود کو مگر اب اس کے سامنے ناصر کی یہ نشانی تھی...... اور وہ اس کے لئے جینا چاہتی تھی، اس کی ڈھال بن جانا چاہتی تھی۔

وہ جو خود اتنی نازک سی تھی......

اب اپنے بیٹے کے لئے چھپر چھاؤں بن جانے کا عزم کئے ہوئے تھی...... اکبر علی نے اسے اور طلال کو گاڑی میں بٹھایا اور مکان کے دروازے پر تالا ڈال کر چابی مالک مکان کے حوالے کر دی اور یوں محبتوں کی یہ کہانی اپنے انجام کو پہنچ گئی...... آخری باب بھی ختم ہوا۔

"اب یادوں کی تیز ہواؤں میں، میں آنسوؤں کے دیپ جلائے گزرے وقت کی تصویریں دیکھا کروں گی۔ ہائے میرے محبوب محبتوں کی یہ کہانی اتنی مختصر کیوں تھی...... تم میرے ساتھ ساتھ کیوں نہ چلتے رہے۔ تمہیں بچھڑنے کی اتنی جلدی کیوں تھی......؟"

وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر سسکنے لگی فرنٹ سیٹ پر شوہر کے برابر بیٹھی عارفہ نے مُڑ کر اُس کی جانب دیکھا اور ٹھنڈے لہجے میں کہا۔

"صبر کرو...... جانے والے تو چلے گئے ہیں...... اب تم خود کو سنبھالو، اس طرح تو بڑی مشکل ہو جائے گی، اپنے لئے نہ سہی مگر اپنے بیٹے کی خاطر ہمت پکڑو...... کوئی کب تک کسی کا سہارا بن سکتا ہے۔ اپنا بوجھ تو آخر خود ہی اُٹھانا ہوتا ہے۔" پھر وہ اپنے ہینڈ بیگ میں کچھ تلاش کرنے لگیں۔

"مما...... مما، ہم کہاں جا رہے ہیں......؟ پپا کہاں چلے گئے ہیں۔ مما آپ کیوں رو رہی



ہیں......؟" طلال نے جویریہ کے چہرے کے دائیں بائیں اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھ رکھ کر یہ سب سوال ایک ساتھ کر دیئے تھے۔

"جویریہ حوصلہ پکڑو...... تمہارے یوں رونے سے بچے پر برا اثر پڑے گا۔" اکبر علی نے بہن کو سمجھایا۔

جویریہ نے آنسو پونچھ ڈالے مگر دل بھر بھر آتا تھا...... اُس نے طلال کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لئے اور اُنہیں دیکھتی ہوئی سوچ رہی تھی۔

"چند سالوں کی تو بات ہے...... پھر یہ ہاتھ، یہ بازو ماں کا سہارا بن جائیں گے...... ناصر کی یہ نشانی ہی میری اُمید ہے ناصر...... میں تمہارے دیئے اس تحفے کو جان سے عزیز رکھوں گی...... یہ اس دُنیا میں تمہارا نشان ہے اور یہ نام و نشان زندہ رہے گا، جگمگائے گا۔" اُس نے بیٹے کے ہاتھ چوم لئے۔

"ہاں، میں بھی جویریہ کو یہی سمجھا رہی تھی، ٹھیک ہے صدمہ بہت بڑا ہے۔ مگر زندگی گزارنے کا بھی ایک ڈھنگ ہوتا ہے، جینا ہے تو پھر زندہ لوگوں کی طرح کیوں نہ جیا جائے۔" عارفہ کو مطلوبہ چیز شاید ملی نہیں، اب وہ ہینڈ بیگ ایک طرف رکھ کر شوہر سے کہہ رہی تھیں۔

"اُن کی باتیں اُن کا انداز جویریہ کا دل کانپ جاتا تھا مگر وہ کہہ نہیں سکتی تھی۔

"پلیز یوں بات مت کرو، میرے ٹوٹے دل پر یہ لہجہ، یہ انداز نمک کی طرف تکلیف دیتا ہے۔"

وہ سر جھکائے بیٹھی رہی...... گاڑی بھائی کی وسیع کوٹھی میں داخل ہو رہی تھی...... وہ نظریں، گود میں رکھے اپنے ہاتھوں پر جمائے بیٹھی تھی...... طلال اُس کے قریب سیٹ پر تھا۔ اُس کا سر ماں کے بازو سے ٹکا ہوا تھا...... گاڑی رُکی تو وہ سیدھا ہو بیٹھا اور بولا۔

"مما...... کیا اب ہم یہاں رہیں گے......؟ ہیں مما...... بولیں ناں، اب ہم یہاں رہیں گے......؟"

"ہاں، اب تم یہاں رہو گے......؟" اکبر علی گاڑی کا دروازہ کھول کر نیچے اُترے اور پھر جویریہ کے لئے دروازہ کھولا اور سہارا دے کر اُسے اُترنے میں مدد دی جبکہ عارف اس عرصے میں ان میں سے کسی کی طرف دیکھے بغیر گاڑی سے اُتر کر آگے بڑھ چکی تھیں۔

"ہم یہاں کیوں رہیں گے......؟ ہم اپنے گھر کیوں نہیں رہیں گے مما......؟" یہ اتنا خوبصورت پھولوں بھرا لان اور یہ گھر بھی طلال کی پسندیدگی کی سند حاصل نہ کر سکا۔ وہ تین سال کا بچہ یہاں رہنے کے خیال سے اُلجھن محسوس کرتے ہوئے ماں سے سوال کر رہا تھا۔

اکبر علی نے ملازم سے سامان اُتارنے کو کہا، پھر جویریہ کو سہارا دیئے اور طلال کو ساتھ آنے کا کہہ کر چل پڑے۔ اسے اندر لا کر صوفے پر بٹھایا کہ وہ چند قدم چل کر ہی تھک گئی تھی۔

"یہ سامان کہاں رکھنا ہے صاحب......؟" ملازم نے پوچھا...... اُنہوں نے خود جواب نہیں دیا۔ بیگم کی طرف دیکھنے لگے۔

اور جو کمرہ جویریہ اور طلال کے لئے عارفہ اکبر نے منتخب کیا تھا، اس پر اکبر علی کو کچھ اعتراض تو تھا مگر انہوں نے کہا کچھ نہیں...... یہ کمرہ ذرا الگ تھلگ سا تھا اور جویریہ کی حالت ان کے پیشِ نظر تھی، وہ اس بات کو مناسب خیال نہیں کرتے تھے کہ ایسی حالت میں اسے دُور رکھا جائے۔ اسے جذباتی سہارے کی بھی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ضرورت تھی اور جسمانی طور پر بھی وہ کمزور ہو رہی تھی۔

مگر وہ بولے کچھ نہیں کہ عارفہ ہمیشہ اُن پر حاوی رہی تھی اور جب سے اُنہوں نے عارفہ کے بھائی کے ساتھ مل کر بزنس اسٹارٹ کیا تھا...... تب سے مزید جھک گئے تھے...... یہ لوگ جویریہ کا صرف ضروری سامان ہی لے کر آئے تھے جس میں پہننے کے کپڑے شامل تھے، جبکہ فرنیچر، کراکری وغیرہ وہیں محلے میں فروخت کر دی تھی۔

اب یہاں جو کمرہ جویریہ کو دیا گیا، اس میں اب فرنیچر کی ضرورت بھی تھی اور عارفہ نے پوری طرح دیکھ بھال کر اس کے کمرے کے لئے وہ فرنیچر منتخب کیا جو اُس کے خیال میں اب پرانا اور بے کار ہو چکا تھا۔ دروازے اور کھڑکیوں پر پردے لگانے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی البتہ بیڈ کے لئے بستر ضرور دے دیا...... اور یہ بھی عارفہ بیگم کی مہربانی ہی تھی۔ ملازمہ نے سامان سیٹ کر دیا اور آ کر اطلاع بھی دے دی۔ اکبر نے اشارہ کیا کہ وہ (ملازمہ) جویریہ اور طلال کو ان کے کمرے میں لے جائے۔

عارفہ اور اکبر علی کی شادی کو کافی عرصہ گزر چکا تھا مگر اولاد نہیں تھی، اتنے بڑے گھر میں وہ دونوں ہی رہتے تھے۔ اب جویریہ اور طلال یہاں آ گئے تو ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ بچے کی آوازوں کو ترستے اس گھر میں اس کی آمد کو بہار کا جھونکا سمجھ کر استقبال کیا جاتا...... اور وہ اس بچے کو وہ پیار دے ڈالتیں جو کب سے دل میں چھپا رکھا تھا...... مگر جانے وہ دل کس طرح کا تھا کہ بچے کو پیار کرنا تو درکنار آنکھ اُٹھا کر دیکھنے کی بھی روادار نہ تھیں۔

انہیں تو جویریہ پر بیتنے والی قیامت کا بھی احساس نہیں تھا۔ ان کے خیال میں وہ اور اکبر، جویریہ کو اپنے گھر لا کر ہی اُس پر بہت بڑا احسان کر چکے تھے۔ اب مزید توجہ کی کوئی ضرورت نہیں رہ گئی تھی۔

اکبر علی بے حد مصروف رہتے تھے۔ جانے کیا بزنس تھا اُن کا...... جب بھی گھر آتے، جلدی میں ہی ہوتے اور عارفہ خود بھی گھر پر کم ہی ہوتی تھیں اور اگر ہوتیں بھی تو اپنے کمرے میں ہی رہتی تھیں۔ اتنا بڑا گھر اور اتنا خوبصورت لان...... یہاں پھول کھلتے تھے اور مرجھا جاتے تھے، انہیں دیکھ کر خوش ہونے والا، اُن کے حسن کی داد دینے والا کوئی نہیں تھا...... عارفہ کئی سوشل تنظیموں کی رُکن تھی اور حلقۂ احباب بھی خاصا وسیع تھا...... کبھی کسی میٹنگ میں جانے کی تیاری ہوتی تو کبھی پارٹی میں۔

گھر کے معاملات سے انہیں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ سب کچھ ملازمین پر چھوڑ رکھا تھا اور وہ بھی مفت کا مال خوب اُڑا رہے تھے...... گوشت سبزی لے کر آتے تھے تو قیمت سے کہیں زیادہ بتاتے، عارفہ نے کبھی اصل ریٹ جاننے کی ضرورت نہیں سمجھی، جو اُنہوں نے بتایا، پکڑا دیا مگر اس کے باوجود جویریہ کے معاملے میں پوری خبر رکھتی تھیں۔ خود اُس کے کمرے میں کبھی قدم نہیں رکھا مگر اس کو تین ٹائم کھانے میں کیا دینا ہے اور کتنی مقدار میں دینا ہے، اس کا خیال ضرور رہتا تھا۔

جویریہ اور طلال دن بھر اس گھر میں اکیلے ہی ہوتے تھے مگر جویریہ نے اپنے اس کمرے سے نکل کر، جو بھابی نے کمال مہربانی سے عنایت کیا تھا، کبھی اِدھر اُدھر جھانکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

چار برس پہلے وہ اس گھر میں رہا کرتی تھی مگر تب یہ عمارت اتنی عالی شان نہ تھی۔ ان دنوں بھائی نے اپنی محنت کی کمائی سے بہت تھوڑا سا حصہ ہی بنایا تھا۔ البتہ اُس کی شادی سے چند ماہ پہلے جب انہوں نے بھابی کے بھائی کے ساتھ مل کر کام شروع کیا تو ترقی کی رفتار حیران کن حد تک زیادہ تھی۔

یہ گھر اس کی شادی کے بعد ہی مکمل ہوا تھا مگر وہ یہ دیکھنے کی غرض سے بھی کبھی اِدھر اُدھر نہیں گئی کہ گھر



کیسا ہے اور یہاں کیا کچھ ہے...... وہ دن بھر کمرے میں رہتی۔ ملازمہ تین وقت کھانا دے جاتی مگر وہ ایک ٹائم ہی کھاتی تھی البتہ طلال کا پورا خیال رکھتی۔ وقت پر کھانا کھلاتی، نہلاتی اور صرف اس کا دل بہلانے کو اس سے اِدھر اُدھر کی چھوٹی چھوٹی باتیں بھی کرتی رہتی۔

وہ نہیں چاہتی تھی کہ بچہ باپ کو یاد کرے اور اس کی کمی کو شدت سے محسوس کر کے رونے لگے۔ وہ خوفزدہ تھی کہ جب طلال باپ کے بارے میں پوچھے گا تو کیا جواب دے گی اور اسے حیرت بھی تھی کہ طلال نے اتنا پیار کرنے والے باپ کو یاد نہیں کیا اور نہ ہی بار بار یہ سوال کیا کہ پیا کہاں چلے گئے......؟ وہ ملنے کیوں نہیں آتے......؟ حالانکہ جب ناصر زندہ تھا، تب یہ دونوں ہی ہر شام اُس کا انتظار کیا کرتے، اگر ناصر کو آفس سے دیر ہو جاتی تو وہ بار بار ماں سے کہتا...... ''پیا کیوں نہیں آئے......؟''

اُسے یہاں آئے پورے بارہ روز ہونے کو تھے، دل کی وہی حالت تھی اور سوچ ایک ہی جگہ پر ٹھہر گئی تھی، آنکھوں سے نیند رُوٹھ گئی تھی مگر آج رات تو اُس کا بیٹا بھی نہیں سو رہا تھا۔ وہ اُسے سلانے کو لپٹاتی مگر وہ بار بار اُٹھ کر بیٹھ جاتا۔

''طلال سو جاؤ بیٹے، دیکھو ناں کتنی رات ہو گئی ہے۔'' اُس نے ایک بار پھر اسے اپنے برابر لٹاتے ہوئے سمجھانا چاہا۔

وہ لیٹ تو گیا مگر اس کے کہنے کے باوجود آنکھیں بند نہیں کیں۔

''کیا دیکھ رہے ہو، ہیں......؟ آج نیند کیوں نہیں آ رہی تمہیں مما کی جان......'' اُس نے بیٹے کے سنہر سنہری براؤن بالوں کو ماتھے سے ہٹا کر پیار سے پوچھا۔

''مما......'' طلال نے اسی طرح نظریں سامنے جمائے اسے پکارا۔

''جی میری جان......'' وہ اس پر جھک کر پیار کرتے ہوئی بولی۔

''مما، پیا دور چلے گئے......؟ کیا وہ اب واپس نہیں آئیں گے۔''

''طلال......'' اُس نے سسکی بھری اور بیٹے کو بازوؤں میں بھر لیا۔

''اوہ...... تو تم جان گئے تھے میرے ننھے بیٹے...... تم اس دُکھ کو محسوس کر چکے ہو......'' آج سے پہلے وہ اکیلی رویا کرتی تھی مگر آج اس سیاہ رات کی تنہائی میں وہ دونوں رو رہے تھے۔

یہ اتنا سا بچہ بھی اس کمی کو بری طرح محسوس کرتا ہے، وہ جانتا ہے باپ ہمیشہ کے لئے جا چکا ہے، اب وہ کبھی واپس نہیں آئے گا...... اسے ماں کی بے بسی کا بھی احساس ہے، جب ہی تو ضد کرنا بھول گیا ہے۔

''میں جو ہوں...... میں ہوں ناں تمہارے پاس میرے لال...... میں اپنے بچے پر جان بھی وار دوں گی۔ مت رو تم مت روؤ، میرا دل ٹکڑے ٹکڑے ہوا جاتا ہے۔ میں تمہارے ساتھ ہوں، تمہارے ساتھ رہوں گی۔'' وہ اُسے چپ کراتے ہوئے خود بھی آنسوؤں کے خزانے لٹائے جا رہی تھی۔

طلال کچھ دیر کے لئے سو گیا مگر جویریہ ہر رات کی طرح آج بھی جاگتی رہی...... یہ چھوٹا سا بچہ اس قدر حساس ہوگا، ہر بات کو اتنی گہرائی سے محسوس کرتا ہوگا۔ اس سے پہلے جویریہ کو کبھی اس بات کا خیال نہیں آیا تھا، اب جبکہ یہ احساس ہوا تو دل میں درد جیسے چکرانے لگا تھا اور وہ سمجھ نہیں پاتی تھی...... ایسی خوشی کہاں سے لائے جو اُس کے بیٹے کے معصوم دل کا ہر غم مٹا دے۔

اب وہ طلال کے سامنے رونے سے گریز کرنے لگی تھی۔ وہ اس کے ساتھ کھیلتی اور کبھی کوئی کہانی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



سنانے لگتی…… جب تک وہ ساتھ ساتھ ہوتا، مسکراتی رہتی مگر جب سو جاتا تو ناصر کی تصویر نکال کر بیٹھ جاتی اور دیر تک اس کے ساتھ باتیں کرتی رہتی۔

صبح وہ طلال کے جاگنے پر اسے تیار کر رہی تھی کہ اکبر علی اُس کے کمرے میں چلے آئے، اُن کی یہاں آمد حیران کن تھی، وہ ہاتھ روک کر اُن کی جانب دیکھنے لگی۔ یہ خیال بھی آیا شاید کسی کام سے آئے ہوں گے مگر مجھ سے بھائی جان کو بھلا کیا کام ہو سکتا ہے۔ وہ ہر آہٹ پر چونکنے لگی تھی۔ ذرا سی بات پر سہم جاتی، اب بھی خاموش کھڑی وسوسوں میں گھری ان کی صورت دیکھے جا رہی تھی۔

"کیا بات ہے جویریہ، تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو……؟" اُس کی حالت کو اکبر علی نے بھی محسوس کر لیا تھا۔

"نہیں بھیا…… میں تو ٹھیک ہوں…… آپ شاید کچھ کہنے آئے ہیں…… آیئے اِدھر بیٹھیے۔" وہ خود پر قابو پا کر اُنہیں کرسی پیش کرنے لگی۔

"ہاں…… میں نے سوچا، آج چھٹی کا دن ہے اور میں بھی بہت دنوں کے بعد گھر پر ہوں تو بہن سے بھی مل لوں۔ اصل میں بہت مصروف رہتا ہوں…… اب تو تم نے بھی دیکھ لیا ہوگا، میں گھر پر رہتا ہی نہیں۔"

"اوہ…… تو یہ بات ہے۔" اُس نے سکون کا سانس لیا ورنہ تو پریشان ہوئی جا رہی تھی کہ بھائی جان کیا کہنے آئے ہیں۔

"تم یہاں ٹھیک تو ہو جویریہ، میرا مطلب ہے تمہیں کوئی پرابلم تو نہیں ہے یہاں۔"

"نہیں بھیا…… میں ٹھیک ہوں…… اور آپ کی بے حد شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہاں اپنے گھر میں رہنے کی اجازت دی ہے…… اس بھری دُنیا میں آپ کے سوا میرا تھا ہی کون……؟ اگر آپ سہارا نہ دیتے بھیا تو پتا نہیں میرا کیا بنتا……؟"

"ہاں جویریہ، تمہیں یہاں اپنے گھر میں جگہ دینا میرے لئے آسان تو نہ تھا، تم جانتی ہی ہو کہ میں جو بزنس کر رہا ہوں، اس میں اصل سرمایہ عارفہ کے بھائی صاحب کا ہے اور تمہیں یہ بھی یاد ہوگا کہ ناصر کی وجہ سے تم نے عارفہ کے کزن کو ٹھکرایا تھا۔ امتیاز صرف عارفہ کا کزن ہوتا تو چلو پھر بھی کوئی بات نہیں تھی مگر وہ نہ صرف عارفہ کا کزن بلکہ اُس کی بڑی بہن نگینہ کا دیور بھی ہوتا ہے۔ ان لوگوں نے امتیاز کی خواہش پر تمہیں مانگا تھا مگر تم نے اس پیغام کو اہمیت ہی نہیں دی۔

نگینہ باجی خود یہ رشتہ لے کر آئی تھیں مگر تم نے صاف انکار کر دیا…… مت پوچھو، تمہارے اس انکار کی وجہ سے مجھے اپنی سسرال میں کس قدر شرمندگی سے دو چار ہونا پڑا۔ صرف تمہاری ضد کی وجہ سے نگینہ آپا اور عارفہ کے باقی سب عزیز مجھ سے ناراض ہوئے۔ میں نے عہد کیا تھا اب تمہاری صورت بھی نہ دیکھوں گا مگر قسمت کی باتیں عجیب ہوتی ہیں…… کون جانتا تھا، تم کو ایک بار جا کر پھر واپس آنا پڑے گا۔"

"بھیا، یوں نہ کہیں…… میں ناصر کو کیسے چھوڑ سکتی تھی، اُن کے ساتھ میرا رشتہ امی، ابا نے اپنی زندگی میں طے کیا تھا اور تب اس رشتے میں آپ کی مرضی بھی شامل تھی۔ پھر میں اس رشتے کو کیسے چھوڑ سکتی تھی اور ناصر میری پسند بھی تھے کہ وہ بہت اَچھے انسان تھے۔" جویریہ دُکھ سے بولی۔

"خیر خیر…… جو ہونا تھا، وہ تو ہو چکا، اب ناصر تو اس دُنیا میں نہیں رہا اور نگینہ آپا کے دیور امتیاز کی بھی شادی ہو چکی ہے…… میرے سسرال والے بھی کسی حد تک مجھے معاف کر ہی چکے تھے البتہ اب دوبارہ



تمہارے یہاں آ جانے کی وجہ سے کچھ کھنچے کھنچے سے رہنے لگے ہیں۔"

"تو پھر بھیا، کیا آپ مجھے اپنے گھر سے نکال دیں گے……؟" اُس نے سہم کر پوچھا۔

"نہیں خیر، تم بہن ہو میری، میں بھلا ایسا کیسے کر سکتا ہوں…… میں بس اتنا چاہوں گا کہ تم عارفہ کے ساتھ اپنا رویہ درست رکھنا، کبھی اس کے کسی کام میں مداخلت کی کوشش مت کرنا۔ عارفہ مرضی سے زندگی گزارنے کی عادی ہے۔ وہ اپنے معاملات میں کسی کو بولنے کی اجازت نہیں دیتی۔ تم کوشش کرنا کہ ایسا نہ ہونے پائے۔"

"بھائی جان…… میں اور طلال تو سارا دن کمرے میں رہتے ہیں…… ہم تو باہر نکلتے ہی نہیں۔" بھائی کی باتوں نے اُسے رنجور کیا تھا اور وہ صفائیاں پیش کرنے لگی تھی۔

"میرا یہ مطلب ہرگز نہیں جویریہ کہ تم اور تمہارا بیٹا سارا دن کمرے میں بند رہ کر گزارو، اِتنا بڑا گھر ہے میرا، اور کہیں نہیں تو لان میں ہی چلی جایا کرو…… میں تو صرف یہ سمجھانا چاہ رہا تھا کہ اپنی بھابی سے بنا کر رکھنے میں تمہارا بھی فائدہ ہے، اس کی ہر بات مانو گی تو تمہارے لئے بھی اچھا ہوگا کہ وہ جینئس عورت ہے، جو کچھ بھی کرے گی تمہاری بھلائی کے لئے ہی کرے گی۔ وہ دل کی بری نہیں ہے۔" بھیا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں جیسا کہیں گے، میں ویسا ہی کروں گی۔" اُسے بھائی کی باتوں سے خوشی تو نہیں ہو سکتی تھی کہ جان گئی تھی بھائی اور بھابی نے صرف دنیا والوں کی باتوں کے خوف سے اسے اپنے گھر میں پناہ دے دی تھی…… ورنہ اُن کے دل میں اس کے لئے کوئی درد نہیں۔

"یہ کچھ رقم ہے رکھ لو، کام آئے گی۔" اُنہوں نے لفافہ بیڈ پر رکھ دیا۔

وہ خاموش رہی البتہ دل پر آنسو گرتے رہے۔

کاش میں اتنی مجبور نہ ہوتی…… یہ رقم بھائی کو واپس کر دیتی…… مگر زندگی کے ساتھ ساتھ زندگی کی ضروریات بھی تھیں۔ اپنے لئے نہ سہی، طلال کے لئے اس رقم کی ضرورت تھی۔

اکبر علی، طلال کی جانب دیکھے بغیر کمرے سے نکل گئے۔ بچہ کسی غیر کا ہو، تب بھی اس کی معصومیت پر بے ساختہ پیار آ جاتا ہے…… یہ تو اُن کا اپنا بھانجا تھا مگر شاید اسے اکبر علی، جویریہ کے بیٹے کی نظر سے نہیں بلکہ ناصر کا بیٹا ہونے کے حوالے سے دیکھتے تھے…… اور اسی بناء پر انہیں اُس کی بھولی بھالی صورت پر پیار نہیں آتا تھا۔

"یہ کون ہوتے ہیں مما……؟" اکبر علی کے جانے کے بعد طلال ماں کی اُتری صورت سے پریشان ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"یہ تمہارے ماموں ہیں میری جان……" بیٹے کی جانب دھیان ہوا تو خود کو سنبھال کر وہ مسکراتے ہوئے کہنے لگی۔

"یہ کیوں آئے تھے……؟ یہ کیا کہتے تھے مما……؟"

"یہ میرے بیٹے کا حال پوچھ رہے تھے، یہ کہہ رہے تھے طلال کیسا ہے……؟ اُس کی کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔"

"ماموں اچھے ہوتے ہیں کیا……؟"

"ہاں بیٹے، ماموں بہت اچھے ہوتے ہیں۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ملازمہ ناشتا لے آئی۔ وہ طلال کو ناشتا کرانے لگی۔ اُس کا اپنا دل نہیں چاہ رہا تھا، وہ اکبر علی کی گفتگو کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

''بھائی نے یہ سب کیوں کہا.... کہیں ایسا تو نہیں کہ بھابی نے ان سے میری کوئی شکایت کی ہو، وہ اب تک مجھ سے ناراض تو ہیں، گھر پر ہوں، تب بھی نہ مجھ سے ملنے آتی ہیں اور نہ ہی کبھی مجھے اُدھر بلایا ہے۔ وہ اگر بھائی سے میرے بارے میں کوئی بات کہہ چکی ہیں تو پھر آنے والا وقت میرے لئے بہت سی مشکلات لے کر آئے گا۔

پھر شاید میرے سر پر یہ چھت بھی نہ رہے، بھائی بھی تو دل میں خفا ہیں اور وہ بھابی کے سامنے بولنے کی جرأت بھی نہیں رکھتے۔ وہ شروع ہی سے بھابی سے دبتے ہیں اور اب تو سسرال والوں کا بھی دباؤ ہے، وہ بیوی سے اختلاف نہیں کر سکیں گے۔ خدایا بھابی کے دل میں میرے لئے رحم ڈال دے، مجھ پر اپنا فضل رکھنا میرے اللہ، مجھے مزید کسی آزمائش میں مت ڈالنا، میں بہت کمزور ہوں، میں کم ہمت ہوں۔''

''مما...... آپ رو رہی ہیں ......؟ آپ کیوں رو رہی ہیں......؟ کس نے مارا ہے آپ کو......؟''

طلال اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے پاس آبیٹھا۔

''بس، میں تو نہیں رو رہی۔'' اُسے پتا ہی نہیں چلا تھا، کب آنسو آنکھ سے گالوں پر پھسل آئے تھے۔

''رونا نہیں مما......'' طلال نے اس کے آنسو اپنے ننھے ہاتھوں میں سمیٹ لئے اور جویریہ نے جھک کر اپنی اُمید کا منہ چوم لیا۔

''مجھے زندگی سے کوئی پیار نہیں مگر میں جینا چاہتی ہوں کہ مجھے تم سے پیار ہے، میں تمہارے راستے کے تمام کانٹے اپنی پلکوں سے چننا چاہوں گی، میری دُعا ہے میرے لال، خدا تمہیں خوش رکھے، تمہیں زندگی کے ہر میدان میں کامیابیوں سے نوازے، تم مٹی کو چھوؤ تو سونا ہو جائے۔'' وہ طلال کو گود میں لئے اس کی کامیابی کے لئے دُعائیں کرتی رہی۔

• • •

شاہ جی نے گاؤں کے واحد اسکول کے ہیڈ ماسٹر صاحب کو اپنی بیٹھک پر بلوایا تھا اور بتا دیا تھا کہ چھوٹے شاہ جی اب یہیں گاؤں کے اسکول میں پڑھیں گے...... ساتھ ہی اسکول کی امداد کے لئے دس ہزار کا چیک لکھ تھا اور ہیڈ ماسٹر صاحب کے لئے بھی چند تحفے تحائف آ چکے تھے۔ اُنہوں نے بھلا کیا کہنا تھا۔ اگر یہ چیک اور تحفے تحائف نہ بھی دیئے جاتے تو بھی اردشیر کی آمد پر خوشی کا اظہار اور اسے ''جی آیاں نوں'' کہنا ان کی مجبوری تھی۔

اردشیر کو کبریٰ نے اپنے کمرے میں بلوایا اور اُسے کہا۔

''میں نے تمہارے بابا سے کہہ دیا ہے، اب میرا بیٹا شہر والے اسکول میں بالکل نہیں جائے گا۔ اگر آپ اسے پڑھانا چاہتے ہیں تو یہیں گاؤں کے اسکول میں داخل کرا دیں جہاں سب جانتے ہیں کہ یہ چھوٹے شاہ جی ہیں اور بہت پیسے والے ہیں۔'' کبریٰ خاتون نے صرف اس لئے کہ اردشیر یہ جان کر کہ بڑی ماں نے اسے شہر کے اسکول سے نجات دلائی ہے، اس کے مزید قریب آ جائے گا، اس کے دل میں بڑی ماں کی محبت دوچند ہو جائے گی...... جمشید شاہ کا نام نہیں لیا...... حالانکہ یہ فیصلہ تو بہر حال شاہ جی کا اپنا ہی تھا۔

''نہیں نہیں بڑی ماں، اب مجھے پڑھنا ہی نہیں، نہ میں شہر کے اسکول میں جاؤں گا اور نہ ہی گاؤں میں



پڑھوں گا۔ میں بابا سائیں کے ساتھ زمینوں پر جایا کروں گا، آخر میں بیٹا جو ہوا اُن کا، ہے ناں بڑی ماں......''

''ارے گاؤں کے اسکول میں پڑھنا تو کوئی مشکل بات ہی نہیں، یہ جو اپنا کرم دین ہے، یہ تمہیں گاڑی پر اسکول چھوڑ کر آیا کرے گا اور پتا ہے یہاں اسکول میں پڑھنے والے کسی بچے کے پاس گاڑی تو کیا سائیکل بھی نہیں ہے، جب ہمارا شہزادہ گاڑی سے اُترے گا تو سب رُک کر اسے دیکھیں گے اور پھر وہاں اُستاد جی کے ساتھ ہی تمہاری کرسی بھی رکھی ہوا کرے گی۔ مرضی ہوئی تو پڑھ لیا کرنا، نہ ہوئی تو نہ سہی۔ ماسٹر صاحب تمہیں سزا تھوڑی دیں گے۔ آخر وہ تمہارے بابا جان کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ انہیں پتا ہے بابا سائیں تو اپنے بیٹے سے بدتمیزی کرنے والے ہاتھ توڑ دیتے ہیں۔ سارے لڑکے بھی تمہاری عزت کریں گے...... کسی کی مجال نہیں ہوگی میرے بیٹے کو کچھ کہہ سکے۔ وہ سب تمہارے آگے پیچھے پھریں گے، احترام کریں گے تمہارا...... تم کسی سے بات نہیں بھی کرو گے ناں تو پھر بھی وہ سب تمہاری ہی طرف دیکھیں گے۔'' کبریٰ نے اُس کو تفصیل سے بتایا۔

''سچ بڑی ماں......؟'' اردشیر کو یقین نہیں آیا مگر اسے یہ سب سن کر خوشی بہت ہو رہی تھی۔ کہاں تو اسکول میں سب بچے اس سے لڑتے تھے اور ٹیچر سے شکایت کرتے تو ٹیچر بھی اُسے ہی ٹوکتی اور سزا دیتی تھی...... اور بڑی ماں کہہ رہی تھیں یہاں اس اسکول میں اسے کوئی بھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ اُس کے لئے ٹیچر کے قریب چیئر رکھی جائے گی۔ واہ اگر ایسا ہو جائے تو پھر کتنا مزا آئے گا۔

''ہاں ہاں، میں سچ کہہ رہی ہوں...... تم کل سے خود اسکول جا کر دیکھ لو گے ...... بالکل ایسا ہی ہوگا۔ پتا ہے شاہ جی کے پاس گاؤں کے سب لوگوں سے زیادہ پیسہ ہے۔ ہمارا گھر بھی سب سے بڑا ہے اور بہت سے ملازم ہیں ہمارے پاس...... یہ سب لوگ تو بہت غریب ہیں...... اُن کے گھر کچی مٹی سے بنے ہوئے ہیں۔ بارش ہوتی ہے تو یہ گھر گر جاتے ہیں، پھر یہ مدد مانگنے تمہارے بابا جان کے پاس ہی تو آتے ہیں۔''

''تو کیا بابا جان سب کی مدد کرتے ہیں......؟'' وہ بہت توجہ سے اُن کی باتیں سن رہا تھا۔

''یہ تو شاہ جی کی مرضی ہے، جس کی چاہیں کر دیں اور جس کو چاہے یونہی واپس بھیج دیں۔''

''جن کی مدد نہیں کرتے، وہ بے چارے تو بہت روتے ہوں گے بڑی ماں، میں بابا جان سے کہوں گا، وہ اپنے اتنے سارے پیسوں میں سے تھوڑے سے ان غریب لوگوں کو بھی دے دیں۔'' وہ ابھی بچہ تھا اور بچے سب کے دوست ہوتے ہیں۔ اُس نے یہ بات پورے خلوص سے کہی تھی۔ اُس کی بات سن کر کبریٰ چند لمحوں کے لئے چپ ہو گئی۔ وہ کیا سمجھانا چاہ رہی تھی اور یہ اردشیر کیا سوچ رہا تھا۔ ذرا توقف کے بعد کہنے لگی۔

''شاہ جی صرف اُن لوگوں کو پیسے دیتے ہیں جو ہمارے لئے اچھا سوچتے ہیں۔ جو لوگ ہمارے خلاف ہیں، ہم بھلا اُن کی مدد کیوں کریں......؟''

''ہاں...... یہ تو ہے، ایسے لوگوں کو تو خوب سزا دینی چاہئے، اُنہیں مار پڑنی چاہئے۔''

''تم بڑے ہو جاؤ، ایک ایک کو ٹھیک کر دینا۔''

''ہاں، میں جلد بڑا ہو جاؤں گا اور جو ہمارے دُشمن ہیں ناں، انہیں بہت سزا دوں گا اور میں اب اسکول بھی جاؤں گا۔'' اب ایک دم سے اُس کی گردن تن گئی تھی اور خود کو بہت کچھ سمجھنے کا رنگ اُس کے بھولے بھالے پیارے سے چہرے پر بھی آ گیا تھا۔

''سنو، صبح اسکول جانے سے پہلے مجھ سے پیسے ضرور لے جانا...... بے شک وہاں خرچ مت کرنا مگر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تمہاری جیب میں پیسے ضرور ہونے چاہئیں...... آخر سب بچوں کو یہ پتا تو ہو کہ چھوٹا شاہ بہت پیسے والا ہے۔ سب بچے چپکے چپکے تمہاری طرف للچائی ہوئی نظروں سے دیکھیں گے۔ اگر تمہارا دل چاہے تو ان پیسوں میں سے تھوڑے سے کسی بچے کو دے بھی سکتے ہو۔''

''نہیں وہ سارے پیسے میرے ہوں گے، میں کسی کو بھی نہیں دوں گا بڑی ماں۔''

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی، میں اپنے بیٹے کو کوئی روک ٹوک تھوڑا کرتی ہوں...... جو میرا بیٹا چاہتا ہے، میں تو وہی کرتی ہوں۔''

''آپ کتنی اچھی ہیں میری پیاری بڑی ماں......'' اُس نے اپنا سر اُن کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

''تم بھی تو بہت اچھے، بہت پیارے ہو...... اپنی بڑی ماں کی ہر بات مانتے ہو اور پتا ہے، اگر کبھی تم نے اپنی بڑی ماں کی بات نہ مانی تو وہ بہت دکھ محسوس کرے گی، بہت روئے گی۔''

''میں وعدہ کرتا ہوں، میں آپ کی ہر بات مانوں گا۔'' اُس کے لہجے میں سچائی اور آنکھوں میں محبت ہی محبت تھی۔

''یہ وعدہ یاد رکھنا بچے۔''

اُس نے پورے زور سے اثبات میں سر ہلایا۔

صبح اردشیر جب تیار ہو کر اسکول جا رہا تھا تو شاہ جی خود ساتھ تھے اور یہ بات کبریٰ خاتون نے ہی اُن سے کہی تھی کہ آج بچے کا یہاں گاؤں کے اسکول میں پہلا دن ہے...... اگر آپ فارغ ہیں اور مناسب خیال کرتے ہیں تو ساتھ چلے جائیں، اس سے اچھا اثر پڑے گا۔''

ایک ملازم اس کا بیگ اُٹھائے، گاڑی میں رکھنے جا رہا تھا جبکہ جامی نام کے ایک لڑکے کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ دوپہر کا کھانا لے کر اسکول جائے گا اور اردشیر کو کھانا کھلائے گا۔

''ہونہہ...... کتنے نخرے ہیں نواب صاحب کے۔'' اسکول جانے کی تیاری کرتیں ستارہ اور شیریں منہ بنا کر اُسے دیکھ رہی تھیں اور جلے کٹے انداز میں اس کے خلاف باتیں بھی کر رہی تھیں۔

''بھائی اسکول جا رہا ہے......؟'' گل رُخ نے اُن کے قریب آ کر پوچھا۔

''اسکول نہیں، یہ تو جنگ پر جا رہا ہے اور ہمیں تو لگتا ہے، زندہ واپس بھی نہیں آئے گا۔ اسی لئے تو سب اس سے یوں مل رہے ہیں۔'' ستارہ کی بات پر شیریں ہنسنے لگی۔

گل رُخ اُن کی بات کا مطلب تو نہیں سمجھی البتہ یہ ضرور جان گئی کہ بھائی کا مذاق اُڑا رہی ہیں، کیوں......؟ یہ وہ نہیں جانتی تھی۔

''تم تینوں کیوں اِدھر کھڑی ہو گئی ہو......؟ کیا آج پھر اسکول سے چھٹی کا ارادہ کر لیا ہے۔'' کبریٰ نے لڑکیوں کے قریب آ کر کہا۔

''جانا ہے، بس جا ہی رہے تھے۔'' شیریں بولی اور گل رُخ اور ستارہ کو آنے کا اشارہ کر کے چل پڑی۔

''آ جاؤ...... آ جاؤ ناں، اکٹھے جائیں گے......'' اردشیر نے بے حد دوستانہ انداز میں ہاتھ ہلا کر ان تینوں کو بلایا مگر وہ آواز سن کر بھی متوجہ نہیں ہوئیں۔

''چلی جاؤ اردشیر کے ساتھ ہی......'' کبریٰ نے کہا۔

''نہیں امی، روزانہ پیدل ہی جاتے ہیں...... اب بھی چلے جائیں گے۔'' شیریں کا انداز محرومیوں



سے پر اور جتانے والا تھا...... کبریٰ خاموش ہو گئی۔

''آپا...... بچیوں کو بھی گاڑی میں بٹھا دیں...... سب اکٹھے چلے جائیں گے۔'' راحت نے شیریں کی بات نہیں سنی تھی...... اب وہ کبریٰ سے کہہ رہی تھی۔

''وہ تو پیدل چلنے کی عادی ہیں، انہیں گاڑی پر جانا اچھا نہیں لگ رہا۔'' بیٹیوں کی محرومیوں پر کبریٰ کا دل جل اُٹھا تھا۔ جب ہی تو نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ ہو گئی تھی۔ مگر بے سود ہی گیا۔ شاہ جی اور راحت دونوں بیٹے کی جانب متوجہ تھے۔ لڑکیاں پیدل اور اردشیر گاڑی میں اسکول چلا گیا۔

''بھائی بلا رہا تھا، یہ تینوں بھی اُس کے ساتھ ہی چلی جاتیں۔'' بچوں کے جانے کے بعد راحت پھر کہہ رہی تھی۔

''وہ تو روز اسی طرح جاتی ہیں، آج بھی چلی جائیں گی۔''

''مگر اب تو ڈرائیور اردشیر کو روزانہ ہی لے کر جائے گا۔ راستہ بھی ایک ہے بلکہ لڑکیاں تو پہلے اُتر جایا کریں گی...... وہ آرام سے جا سکتی ہیں۔''

راحت کی بات کا کبریٰ نے جواب نہیں دیا۔ ملازمہ کو صفائی کے متعلق ہدایات دینے لگی۔

شہر کے اسکول کے مقابلے میں گاؤں کا اسکول اگر دیکھا جائے تو کچھ بھی نہیں تھا...... نہ عمارت، نہ فرنیچر، گندے مندے بچے جن کے کپڑے بستے اور کتابیں پھٹی ہوئی تھیں...... اور وہ سب کے سب شاہ جی کی آمد پر دوڑے چلے آئے تھے۔ ایک ایک اُن کے آگے جھکتا اور سلام کرتا تھا۔ تمام اساتذہ بھی شاہ جی کو ادب سے سلام کرنے کے بعد بڑی محبت سے اردشیر سے ہاتھ ملاتے۔

واقعی یہاں سب کچھ بالکل ویسا تھا جیسا بڑی ماں نے کہا تھا...... گاؤں کے یہ بچے اُسے اپنے درمیان پا کر حیران ہو رہے تھے۔ اُن کے لئے یہ بات بڑی ہی حیران کن تھی کہ اردشیر یہاں اُن کے درمیان بیٹھ کر پڑھے گا۔ اس سے پہلے چوہدری صاحب کے دونوں بیٹے بھی اس اسکول میں پڑھا کرتے تھے مگر انہیں پڑھائی سے دلچسپی کہاں تھی...... وہ کبھی کبھی اسکول کا چکر لگاتے، آ کر کھیلتے رہتے تھے یا آپس میں لڑتے رہتے...... اور وہ اتنے صاف ستھرے بھی نہیں ہوتے تھے۔ نہ ہی اردشیر کی طرح خوبصورت تھے۔

پھر شاہ جی کے گھرانے کی تو بات ہی الگ تھی۔ پورے گاؤں میں انہیں عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ بے شک باقاعدہ پیری مریدی اُن کے خاندان میں نہیں تھی مگر پھر بھی لوگ اُنہیں بہت مانتے تھے اور اکثر عورتیں کبریٰ خاتون، فاطمہ شاہ کے پاس دُعا کی درخواست کے ساتھ آیا کرتی تھیں۔ خاص طور پر کبریٰ خاتون سے تو بے حد عقیدت رکھتی تھیں کہ وہ نہ صرف ان کے لئے دُعا کرنے کا وعدہ کرتی تھی بلکہ مالی امداد بھی کرتی اور اُن کے جھگڑے بھی نبٹایا کرتی تھی۔

کلاس میں اردشیر سب بچوں کے ساتھ نیچے ٹاٹ پر نہیں بیٹھا...... بلکہ اُستاد صاحب کے ساتھ ہی اُس کے لئے گھر سے لائی گئی منقش کرسی رکھی گئی جو اُستاد صاحب کی کرسی سے بھی زیادہ خوبصورت تھی۔

آج کلاس کے بچوں کی توجہ پڑھائی کی جانب کم اور اردشیر کی جانب زیادہ تھی۔ اردشیر کو یہ سب اچھا لگ رہا تھا اور وہ اُستاد صاحب کا پڑھایا ہوا سبق پوری توجہ سے سن رہا تھا، آج اسے پڑھنے کا مزا آ رہا تھا۔

آدھی چھٹی (بریک) کے دوران لڑکے اپنے ساتھ کھیل میں اسے بھی شامل کرنا چاہتے تھے مگر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جھجک رہے تھے۔ وہ خود بھی اُن کے ساتھ کھیلنا چاہتا تھا مگر خود سے کہنا نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ سب اُس کے گرد جمع تھے اور چھوٹے چھوٹے سوال پوچھ رہے تھے۔

''تمہارے بوٹ تو بہت مہنگے ہوں گے چھوٹے شاہ جی، ہے ناں.....؟''

''یہ کرسی تم اپنے گھر سے لے کر آئے ہو.....؟''

''چھوٹے شاہ جی، یہ چاٹ کھاؤ گے.....؟'' ایک بچہ اسکول کے باہر لگی چھابڑیوں میں سے، ایک سے وہ چاٹ پیپل کے پتے پر ڈلوا کر صرف اسی کے لئے لایا تھا کہ اس پیارے سے بچے سے دوستی کرنا چاہتا تھا۔

اردشیر ابھی بچہ تھا..... کیا گندا ہے، کیا اچھا ہے.....؟ اُسے اس بات کی تمیز نہیں تھی۔ بس اُس کا دل بھی یہ چاٹ کھانے کا چاہ رہا تھا۔ اُس نے اس بچے سے تو چاٹ نہیں لی، اپنے بیگ کی جیب سے پچاس کا وہ نوٹ نکال لیا جو صبح بڑی ماں نے اُسے دیا تھا اور چاٹ خریدنے کے ارادے سے اُٹھ کھڑا ہوا، اِتنے سارے پیسے، بچوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ اردشیر فخر کے عالم میں سر اُونچا کئے چھابڑی والے کی طرف چل پڑا..... مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ خریدتا، گھر سے اس کا کھانا لے کر جامی چلا آیا۔

''چھوٹے شاہ جی، یہ تو گندی چیزیں ہیں..... دیکھیں تو ان پر کتنی مکھیاں بیٹھ رہی ہیں۔ یہ تو گندے لڑکے کھاتے ہیں۔ آپ کے لئے تو گھر سے اچھے والا کھانا آیا ہے۔'' جامی کے کہنے پر وہ نہ پلٹتا مگر یہ سن کر یہ چیزیں گندے لڑکے کھاتے ہیں، اُسے پلٹنا پڑا کہ وہ گندا لڑکا نہیں کہلانا چاہتا تھا۔ گھر سے جو کھانا آیا تھا، بہت اچھا تھا مگر اردشیر کا دل پیپل کے پتوں پر ڈال کر دی جانے والی چاٹ میں ہی اٹکا ہوا تھا۔

''بابا جان، وہاں سارے بچے چاٹ کھا رہے تھے مگر جامی نے مجھے نہیں کھانے دی۔'' گھر آتے ہی اُس نے شاہ جی سے جامی کی شکایت لگائی۔

''چاٹ..... کیسی چاٹ.....؟'' وہ سمجھے نہیں۔

''وہی جو اسکول کے دروازے کے باہر ایک بوڑھا آدمی بیچتا ہے..... پیپل کے پتے پر ڈال کر دیتا ہے۔ کیسی ہوتی ہے یہ چاٹ، آپ نے کبھی کھائی ہے.....؟'' اس کے انداز پر شاہ جی کو ہنسی آ گئی۔

جامی نے اچھا کیا جو تمہیں منع کر دیا بیٹا..... وہ تو گندے بچے کھاتے ہیں..... تم نے دیکھا نہیں ان لوگوں کے ہاتھ کتنے میلے ہوتے ہیں..... تم اُن سے لے کر کوئی چیز مت کھانا ورنہ لوگ کیا کہیں گے..... یہ چھوٹے شاہ جی بھی ایسی گندی چیزیں کھاتے ہیں۔''

''نہیں بابا سائیں..... وہ تو بہت اچھی تھی۔''

''وہ دیکھنے میں اچھی لگ رہی تھی مگر جب تم جیسے صاف ستھرے بچے اُسے کھالیں تو بیمار پڑ جاتے ہیں۔'' قریب ہی موجود راحت بھی سمجھانے لگی۔

''وہاں پر میٹھی ٹافیاں بھی مل رہی تھیں۔ میں نے جامی سے کہا، مجھے لے دو، کہنے لگا، ان پر مکھیاں بیٹھی ہیں۔ کھا کر آپ بیمار ہو جائیں گے، بابا میں وہ ٹافیاں اور چاٹ ضرور کھانا چاہتا ہوں۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا۔

''اب جب بچے کو ایسے اسکول میں داخل کرا دیا ہے تو کب تک روکیں گے۔ وہ باقی بچوں کی دیکھا دیکھی ایسی چیزیں تو کھائے گا ہی..... پتا نہیں کیا سوجھی ہے شاہ جی کو۔''

راحت خانم ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئی۔

• • •



اِک اِک پل اذیت بھرا، ہر سانس جیسے سینے میں اٹکتی ہے مگر زندگی کی ڈور ٹوٹتی نہیں ..... اور...... یادیں ہر سو بکھری ہوئی ہیں۔

وہ آخری منظر..... ناصر کی ہمیشہ کے لئے رُخصتی کا منظر جب یاد آتا ہے تو سینے میں جیسے تیز دھار آلہ اُتر جاتا ہے۔ شدید درد اور کرب کا احساس اسے بے اختیار ہونٹ بھینچنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ چند ماہ اُس کے بدن سے سارا لہو نچوڑ کر لے گئے ہیں۔

عدت کی مدت کا آخری دن ہے..... ناصر کی تصویر پر سر رکھے وہ روئے چلی جاتی ہے..... مگر بکھرنے کی اس ساعت میں بھی اِتنا دھیان باقی ہے کہ آواز اتنی بلند نہ ہونے پائے، جس سے بھیا اور بھابی ڈسٹرب ہو جائیں۔ چیخیں دبانے کا منہ پر دوپٹہ رکھ لیا ہے۔

''ناصر..... ہائے ناصر، آج عدت کی مدت پوری ہوگئی ہے۔ یہ مدت جو دُنیا والوں کی نظر میں جانے والے سے ایک تعلق ہی تو تھا..... (یہ تو میں جانتی ہوں تم سے تعلق زندگی کی آخری سانس تک رہے گا)۔ آج یہ ختم ہوا۔ ایک زنجیر جسے میں ہمیشہ کے لئے اپنے وجود کے ساتھ دیکھنا چاہتی تھی، آج ٹوٹ گئی ہے۔ اب دُنیا کی نظر میں، میں آزاد ہوں۔ یہ کیسی آزادی ہے جو مجھے ہراساں کر رہی ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے جیسے میرے سر پر دھری پھٹی ہوئی چادر بھی اب اُترنے کو ہے۔''

ملازمہ کھانا رکھ کر چلی گئی تھی..... اور طلال خاموش بیٹھا کبھی کھانے کو اور کبھی ماں کو دیکھتا تھا۔ وہ منتظر تھا کہ جویریہ روز کی طرح آج بھی اپنے ہاتھ سے کھانا کھلائے گی مگر جویریہ آنکھیں بند کئے فرش پر نڈھال بیٹھی تھی۔

''مما.....'' آخر طلال کو اسے متوجہ کرنا پڑا۔

اُس کی آواز سن کر جویریہ نے آنکھیں کھول دیں۔ بھیگے چہرے کو دوپٹے سے صاف کیا اور بڑھ کر بیٹے کو گود میں لے لیا۔ باوجود کوشش کے وہ منہ سے ایک لفظ بھی ادا نہیں کر سکی اور خاموشی سے اسے کھانا کھلانے لگی۔

طلال کے ذہن میں کئی سوال تھے۔ وہ بہت سی باتیں ماں سے پوچھنا چاہتا تھا مگر پوچھ نہیں پاتا تھا۔ جس روز سے طلال نے اس سے یہ سوال کیا تھا کہ پپا دور چلے گئے ہیں، اب کبھی نہیں آئیں گے.....؟ وہ اس کے سامنے رونے سے اجتناب برتتی تھی مگر آج خاموش رہنا اسے ناصر سے بے وفائی کے مترادف لگا تھا۔ وہ قسمت کے اس وار پر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔ اسے کھانا کھلانے کے بعد بستر پر لٹا کر وہ باتھ روم میں چلی گئی۔ منہ دھو کر واپس آئی تو طلال اُٹھ کر بیٹھا ہوا تھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"کیا بات ہے، میرے بیٹے کو آج نیند نہیں آ رہی.....؟" رونے سے اُس کی آواز کچھ بھاری ہو رہی تھی اور آنکھیں متورم ہو رہی تھیں۔

"مما....." طلال کے معصوم ذہن نے بہت سوچ بچار کے بعد سوال کے لئے مناسب الفاظ ترتیب دیئے تھے۔

"جی، میری جان..... کیا بات ہے.....؟"

"مما..... ہم اب کبھی بھی اپنے گھر نہیں جائیں گے.....؟ ہیں مما، اب ہم یہیں رہ جائیں گے۔"

جویریہ کا دُکھی دل کٹ کے رہ گیا، اسے طلال سے اس سوال کی اُمید نہیں تھی ..... کتنی دیر اس سے بولا نہیں گیا۔ بیٹے کو گود میں بٹھا کر اُس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے وہ کچھ کہنے کی کوشش میں بے حال ہوتی رہی اور جب بولی تو ساتھ ہی آنسوؤں پر اختیار نہیں رہا۔

اُس نے گالوں پر آئے آنسو اپنی اُنگلی کی پور سے صاف کئے کہ انہیں چننے والا تو اب جا چکا تھا، اب سارے غموں کی صلیب کسی سہارے کے بغیر خود ہی اُٹھانا تھی۔

"یہ بھی تو میرے بیٹے کا گھر ہے۔" اُس نے طلال کے نرم نرم گال پر بوسہ دے کر سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"نہیں، یہ گھر اچھا نہیں ہے، اپنے گھر چلو ناں۔" وہ رونے لگا۔

"شاید یہ اندر ہی اندر سہم کر رہ گیا ہے۔ باپ کے جانے کا دُکھ اس کے دل کا بھی بوجھ بن گیا ہے۔ اسے رو لینا چاہئے تھا..... مجھے روکنا نہیں چاہئے۔" اسے ساتھ لگائے تھپکتے ہوئے وہ اپنے پیار اور چاہت کا احساس اُس کے اندر اُتارتی رہی..... مگر چپ ہونے کو نہیں کہا۔

جویریہ نہیں جانتی تھی اُس کے آنسو، اُس کی کمزوری، بچے کو پریشان کر دیتے ہیں..... ماں اور باپ بچوں کے لئے طاقت اور بہادری کا نشان ہوتے ہیں۔ بچے انہیں ہمیشہ مضبوط اور نڈر دیکھنا چاہتے ہیں..... باپ دُور جا چکا ہے۔ اس حقیقت کو اس کے ننھے سے ذہن نے بھی قبول کر لیا تھا مگر جویریہ کے آنسو، اس کی کمزوری ننھے بچے کو ڈراتی تھی۔ وہ خود کو بے حد غیر محفوظ تصور کرتا تھا۔ جویریہ اُس کے سامنے رونے سے پرہیز کرتی تھی، مگر کئی بار ایسا ہوا، وہ کمرے سے باہر کھیلتے کھیلتے اندر آیا تو اُس نے ماں کو روتے دیکھا۔ وہ ڈری ڈری رہتی تھی۔ خیالوں میں اُلجھی ہوئی چپ چاپ، کھانا بھی کم کھاتی تھی۔

وہ بہت چھوٹا تھا مگر جو حادثہ اس پر گزرا تھا، اُس نے اسے چونکا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے حد خوفزدہ تھا اور اس کا جی چاہتا تھا، ماں پہلے کی طرح ہو جائے، ہنستی مسکراتی، اُس کے ساتھ مختلف کھیل کھیلتی ہوئی۔

"بی بی! آپ کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔" ملازمہ جب عارفہ کا پیغام لے کر آئی تو وہ طلال کو نہلا رہی تھی۔

"اُن سے کہہ دو، میں ابھی آ رہی ہوں۔" پیغام سن کر ہی وہ اتنی پریشان ہوئی کہ صابن کی ٹکیہ ہاتھ سے پھسل گئی۔

"خدا خیر کرے..... آج بھابی کو میری یاد کیونکر آ گئی۔ اتنے روز ہو گئے مجھے یہاں آئے ہوئے اس سے پہلے تو کبھی یاد نہیں کیا۔"

نہ سر پر چھت تھی، نہ پیروں تلے زمین، اس کا کوئی سائبان نہیں تھا۔ وہ کڑی دھوپ میں حالت سفر میں تھی اور خوف اُس کے اندر ڈیرہ لگا چکا تھا۔ ذرا سی بات پر ہی سوکھے پتے کی طرح لرزنے لگتی تھی۔



عارفہ سے تو یوں بھی بہت ڈر لگتا تھا اسے۔

طلال کو کپڑے پہنا کر اور یہ کہہ کر "تم یہیں بیٹھو، میں ابھی آتی ہوں۔" وہ تھکے تھکے انداز میں چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ہزار وسوسوں میں گھری عارفہ بیگم کے بیڈروم تک چلی آئی اور ملازمہ سے کہا، "اندر جا کر اطلاع دے دو کہ میں آ گئی ہوں۔"

"آپ چلی جائیں جی، اُنہوں نے خود ہی تو بلایا تھا آپ کو۔" ملازمہ اس کی جھجک اور پریشانی پر حیران ہوتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں پلیز تم پہلے جا کر اطلاع کر دو، میں کچھ لیٹ بھی تو ہو گئی ہوں..... ممکن ہے اب وہ نہ ملنا چاہ رہی ہوں۔"

"اتنا ڈرتی ہیں جی آپ۔" وہ شوخ سی لڑکی مسکرا کر بولی۔ جویریہ خاموش کھڑی رہی۔

"اچھا جی، آپ کہہ رہی ہیں تو بتا دیتے ہیں۔" وہ لاپروا سے انداز میں اندر چلی گئی۔ جویریہ باہر کھڑی اس کا انتظار کرنے لگی۔ اُس نے آنے میں زیادہ دیر نہیں لگائی۔

"آ جائیں جی..... اجازت مل گئی ہے..... اور میں اِدھر ہوں طلال کے پاس..... چھوٹا سا بچہ ہے، آپ اکیلا چھوڑ کے آ گئی ہیں..... وہ تو ڈر جائے گا۔"

اس ہمدردی پر جویریہ نے تشکر بھری نگاہ سے بھائی کے گھر کی ملازمہ کو دیکھا جو گھر کے مکینوں سے زیادہ ہمدردی دکھا کر چلی گئی تھی۔

عارفہ نہا کر آئی تھی اور اب ڈرائر پکڑے آئینے کے سامنے بیٹھی تھی۔ آئینے میں جویریہ کا عکس اُبھرا تو بھی اُس نے مُڑ کر اُس کی جانب نہیں دیکھا۔ بدستور اپنے کام میں مصروف رہی۔ جویریہ بے چاری حکم کی منتظر کھڑی رہی۔

"آپ نے بلایا تھا بھابی۔" آخر جویریہ کو خود ہی یاد دلانا پڑا۔

"ہاں بلایا تھا..... مگر یہ ضروری تو نہیں کہ بات کھڑے کھڑے ہی سنی جائے۔" عارفہ کا لہجہ ہمیشہ کی طرح کڑوا اور کرخت تھا۔ جویریہ جلدی سے کرسی کی طرف بڑھی اور بہت احتیاط سے بالکل کنارے پر ٹک گئی۔ عارفہ نے اسے یوں بیٹھے دیکھ کر بھی نہیں کہا کہ ٹھیک ہو کر بیٹھ جاؤ..... حالانکہ اُس کی گھبراہٹ صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔

"میں نے تمہیں اس لئے بلایا تھا کہ آج شاپنگ کے لئے جانے کا پروگرام ہے میرا، سوچا تمہیں بھی ساتھ لے چلوں۔"

"لیکن بھابی، میں جا کر کیا کروں گی.....؟" بھابی بیگم کی یہ عنایت اُس کی سمجھ سے باہر تھی۔

"دیکھو، یہ ٹھیک ہے کہ تم سارا وقت اپنے کمرے میں گزارتی ہو..... گھر میں کون آتا ہے، کون جاتا ہے، تمہیں اس سے کوئی غرض نہیں مگر ہم لوگوں کے علاوہ اس گھر میں کچھ ملازم بھی ہیں اور وہ سبھی اس بات سے اچھی طرح واقف ہیں کہ تم اُن کے مالک یعنی اکبر صاحب کی بہن ہو۔ اب پچھلے حالات کیا تھے، اتنے سال تم نے اس گھر میں جھانکا تک نہیں تو اس کی کیا وجہ تھی، یہ بات یہ لوگ نہیں جانتے۔ اور یہ جو ملازم پیشہ چھوٹے لوگ ہیں ناں، یہ کوئی بات اپنے تک تو رکھ ہی نہیں سکتے۔ بیماری ہوتی ہے انہیں بات سنتے ہی پھیلا دینے کی، اب یہ آس پاس کی دوسری کوٹھیوں کے ملازمین سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ملتے ہیں اور اپنے مالکوں کی ایک ایک بات انہیں بتاتے ہیں اور پھر وہ اپنے صاحب لوگوں سے ذکر کر دیتے ہیں۔ یوں سی بھی گھر کی کوئی بات چھپی رہ ہی نہیں سکتی۔

اور میرا خیال ہے تمہیں یہاں آئے ابھی چند روز ہی ہوئے تھے جب تمہاری آمد کی خبر اس ایریے کے تقریباً ہر گھر کو ہوگئی تھی۔ بہت سے لوگوں نے تمہارے بارے میں مجھ سے پوچھا۔ کئی خواتین تم سے ملنا چاہتی تھیں مگر میں بہانے سے ٹالتی رہی۔ وجہ یہ کہ تمہارا حلیہ ہمیشہ ہی اتنا خراب ہوتا ہے کہ تمہیں کسی کے سامنے اپنی رشتے دار کی حیثیت سے لاتے مجھے تو شرم آتی ہے۔

پہلے بھی کئی بار سوچا تمہیں کچھ ڈھنگ کے کپڑے ہی دلوا دوں مگر مصروفیت میں پھر بھول گئی۔ آج بازار جا رہی ہوں۔ بہتر ہے تم بھی میرے ساتھ ہی چلی چلو...... اور دو چار سوٹ خرید ہی لو......'' انہوں نے تفصیل سے کہا۔

''آپ کا بہت شکریہ بھابی مگر کپڑے میرے پاس ہیں۔'' جویریہ نے بے حد مؤدب ہو کر کہا۔

''ہونہہ...... جانتی ہوں کیسے کپڑے ہوں گے تمہارے پاس...... ارے وہ معمولی تنخواہ دار بھلا تمہیں دے ہی کیا سکا ہوگا۔'' عارفہ کے لہجے میں ناصر کے لئے طنز تھا...... جویریہ بے حد مجبور سہی، اسے عارفہ کے سامنے بولنے کا حق نہیں تھا مگر اپنے محبوب شوہر کا اس انداز میں ذکر اس کا خون کھولا گیا۔ وہ یہ کہے بغیر نہ رہ سکی۔

''بھابی، میں اپنے گھر میں بہت خوش تھی ناصر ایک آئیڈیل شوہر تھے۔''

''ہاں ہاں بھئی، تم جیسی کا آئیڈیل بھی کیا ہوگا۔ یقیناً تم خوش ہوگی مگر ہمارا اسٹینڈرڈ کچھ اور ہے بی بی، بے دلی سے ہی سہی مگر تمہیں اب یہاں اسی طرح رہنا ہوگا جیسے میں چاہوں گی کیونکہ میں دُنیا والوں کی باتیں سننا قطعاً پسند نہیں کرتی۔ لوگ تو یہی کہیں گے ناں کہ بھابی، بے چاری لڑکی پر ظلم توڑ رہی ہے۔ اتنی دولت ہونے کے باوجود ڈھنگ کا ایک جوڑا نہیں بنوا کر دیا نند کو...... اور میں کس کس کو بتاؤں گی کہ اچھا لباس پہننا تمہیں پسند ہی نہیں۔

اب تم کوئی بے جان گڑیا تو ہو نہیں جسے میں الماری میں رکھ کر لاک لگا دوں اور یوں تم ساری دُنیا سے چھپ جاؤ۔ دُنیا میں رہتے ہوئے دُنیا کے ساتھ ساتھ چلنا پڑتا ہے۔ میرے ساتھ چلو اور نہ صرف اپنے لئے بلکہ اپنے بچے کے لئے بھی کچھ کپڑے خرید لو۔''

اگر یہ سب باتیں عارفہ بیگم ہمدردانہ لہجے میں کہتیں تو جویریہ کو بھی خوشی ہوتی یہ احساس ہوتا کہ بھابی کو اس کا خیال ہے مگر جو انداز عارفہ نے اپنایا لاکھ مجبور اور تنہا ہونے کے باوجود جویریہ اپنی انسلٹ محسوس کئے بنا نہ رہ سکی، جب ہی تو بہانہ بنایا۔

''ابھی میں کیسے جا سکتی ہوں، طلال جاگ رہا ہے، روئے گا۔''

''اوہو، پاگل پن کی بھی کوئی حد ہوتی ہے کیا دُنیا کی ساری مائیں اپنے بچوں کو ہر وقت خود سے چمٹائے رہتی ہیں اور پھر یہ کوئی جنگل بھی نہیں بلکہ گھر ہے اور یہاں نوکر چاکر بھی موجود ہیں، روئے گا تو وہ خود ہی بہلا لیں گے۔''

اب جویریہ چپ ہوگئی۔ اُس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ صاف صاف کہہ دے، ''مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ، مجھے نئے کپڑوں کی کوئی خواہش نہیں ہے۔ میں جس حال میں بھی ہوں، اسی میں رہنے دیں۔ دُنیا [illegible] کے ذریعے مجھ پر یہ احسان نہ ہی کریں تو بہتر [illegible]''



''چلو اُٹھو، میں زلیخا سے کہہ جاتی ہوں، وہ تمہارے بیٹے کا خیال رکھے گی۔'' عارفہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ساتھ ہی جویریہ نے بھی کرسی چھوڑ دی۔

''اگر اس سے بہتر لباس تمہارے پاس موجود ہے تو پہن لو، میں بھی تیار ہوتی ہوں۔''

وہ اثبات میں سر ہلا کر مرے مرے قدم اُٹھاتی باہر آ گئی۔ کپڑے تبدیل کئے، بالوں میں برش کرنے کے بعد انہیں ایک بار پھر سادہ چوٹی کے انداز میں باندھا اور شوز بدل کر جلدی جلدی عارفہ کی طرف آئی کہ یہ خطرہ بھی تو تھا کہ لیٹ ہونے کی صورت میں ڈانٹ بھی سکتی ہیں مگر اسے کافی دیر انتظار کرنا پڑا۔

عارفہ بیگم کی تیاری اس کے مقابلے میں کہیں زیادہ تھی اور اس حساب سے وقت بھی زیادہ لگنا یقینی بات تھی۔

شہر کی مہنگی ترین مارکیٹ تھی، اس سے پہلے جویریہ یہاں کبھی نہیں آئی تھی۔ وہ اور ناصر اکثر اکٹھے شاپنگ کیا کرتے تھے مگر اپنی جیب کے مطابق ناصر تنخواہ دار آدمی تھا، محنت اور حلال کی آمدنی پر یقین رکھتا تھا۔ وہ ایسی جگہیں افورڈ نہیں کر سکتا تھا مگر پھر بھی دونوں کتنے خوش اور مطمئن تھے۔ ایک ایک چیز مشترکہ پسند سے خریدی جاتی اور پھر کھانا بھی باہر کھاتے۔ جب گھر لوٹتے تھے تو کتنے خوش ہوتے اور کیسے تھکن سے چور ہونے کے باوجود بھی اپنی چھوٹی سی جنت میں آ کر خریدی ہوئی اشیاء دوبارہ سے دیکھتے، ایک ایک چیز پر تبصرہ کرتے اور دونوں کتنا ہنسا کرتے تھے۔

آج اتنی چمکتی دمکتی مارکیٹ اس کے سامنے تھی۔ بڑے بڑے اسٹورز...... آنے جانے والوں کے جگمگاتے چہرے، قیمتی لباس اور مہکتے وجود، ہر طرف پیسہ واضح جھلک دکھا رہا تھا۔ اسے یہ سب اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ اُس پر اُکتاہٹ سوار تھی۔ وہ یہی چاہ رہی تھی، بھابی جلدی سے شاپنگ مکمل کریں اور گھر کی راہ لیں۔ ایک تو اسے یہ رونق، یہ گہما گہمی ویسے بھی اچھی نہیں لگ رہی تھی اور دوسرے طلال کا خیال بھی آ رہا تھا۔ ابھی تو زلیخا کے پاس بیٹھا کھیل رہا تھا مگر جلد ہی وہ ماں کی غیر موجودگی کو محسوس کر لے گا اور پریشان ہوگا۔

''جی بھابی، ٹھیک ہے، اچھا ہے۔'' اور کہتی بھی کیا۔

''اوہ نہیں...... میرا خیال ہے یہ مناسب نہیں۔'' اُنہوں نے خود ہی ریجیکٹ کر دیا۔ اُس نے بھی فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔ انہوں نے توجہ نہیں کی، دوسرا دیکھنے لگیں۔

''ہاں، یہ تمہارے لئے ٹھیک رہے گا۔'' اس مرتبہ تو سرے سے رائے ہی نہیں لی...... پھر اپنی پسند سے ہی جویریہ کے لئے چند جوڑے پیک کروا لئے۔

بچوں کی شاپنگ کا انہیں کوئی تجربہ نہیں تھا...... اس لئے طلال کے لئے جویریہ نے اپنی مرضی سے صرف دو سوٹ خریدے۔ اصل میں وہ نہیں چاہتی تھی کہ بھابی اسے اور طلال کو بوجھ تصور کریں۔ بے شک بھیا بہت پیسے والے تھے، وہ نہیں دس لوگوں کو گھر بٹھا کر کھلا سکتے تھے مگر اصل بات تو دل کی ہوتی ہے، وہ دل کے بادشاہ نہیں تھے۔ بہت چھوٹا دل تھا اُن کا اور جویریہ کو یہ احساس بھی دُکھی کئے ہوتے تھا کہ عارفہ یہ سب اُس کی ہمدردی اور محبت میں نہیں کر رہیں، صرف دُنیا دکھاوے کے لئے کر رہی ہیں۔ اگر لوگوں کی فکر انہیں نہ ہوتی تو آنکھ اُٹھا کر دیکھتی بھی نہیں...... کہ دونوں ماں بیٹا جو اتفاق سے بے حد قریبی عزیز بھی ہوتے ہیں، اس بڑی سی کوٹھی کے سب سے چھوٹے اور الگ تھلگ کمرے میں کس حال میں پڑے ہیں۔

جویریہ اور طلال کی خریداری تو بہت جلد ہی مکمل ہوگئی مگر اب بیگم عارفہ اکبر کی خریداری جو شروع

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہوئی تو ختم ہونے میں نہیں آئی۔ انہوں نے اپنے لئے جس قیمت کے لباس خریدے، اس کے مقابلے میں جویریہ کے لئے خریدے گئے کپڑوں کی قیمت تو بے حد معمولی تھی۔

''اتنا پیسہ ہے بھائی جان کے پاس۔'' جویریہ انہیں اتنی بے دردی سے اتنا بہت سارو پیہ لٹاتے ہوئے دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔

عارفہ نے تمام پیکٹس جویریہ کو پکڑوا دیئے تھے اور خود ایک شان بے نیازی سے گردن اکڑائے آگے آگے ایک اسٹور سے دوسرے اسٹور میں گھسی چلی جاتی تھیں۔ دیکھنے والے تو یقیناً یہی سمجھ رہے ہوں کے وہ اُن کی ملازمہ ہے۔

''اب تو ہمیں گھر سے نکلے بہت ٹائم ہونے کو ہے۔ طلال یقیناً پریشان ہو گیا ہوگا۔ شاید رو بھی رہا ہو۔ اسے بھوک بھی لگ رہی ہوگی۔ زلیخا بھی میری پوزیشن کو اچھی طرح سمجھتی ہے۔ وہ کہاں ایک بے کس ماں کے بیٹے پر توجہ دے گی۔ وہ رو رہا ہوگا...... ہائے میرا لال۔'' جویریہ کا دل ڈوب رہا تھا۔

''بھابی پلیز، اب گھر چلیں، میں بہت تھک گئی ہوں۔'' آخر عاجزی کے ساتھ اُس نے درخواست کر ہی دی۔

''ہونہہ...... تھک گئی ہو، جیسے شوہر کے گھر میں تو سارا وقت تم تخت پر بیٹھی رہتی تھیں ناں...... جو ذرا سا سامان اُٹھا لینے سے تمہیں تھکن ہونے لگی ہے، صاف کہہ دو، یوں سامان اُٹھا کر چلنا اچھا نہیں لگ رہا...... ورنہ اتنے سے وزن سے تھکن کا کیا سوال ہو سکتا ہے بھلا۔''

''نہیں بھابی جان نہیں، ایسی بات نہیں ہے...... میرا یہ مطلب تو ہرگز نہیں تھا، اصل میں، میں طلال کے لئے سوچنے لگی تھی، اسے بھوک لگی ہوگی۔''

''خبردار جو میرے معاملے میں بولیں۔ میں جب تک چاہوں گی، شاپنگ کروں گی۔''

اتنے کڑے تیور، ایسا آگ برساتا لہجہ...... اس انداز پر جویریہ میں مزید کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں رہی۔ جھکا ہوا سر مزید جھک گیا۔ اک آہ لبوں سے خارج ہوئی...... واہ قسمت تو بھی کیا کیا رنگ دکھاتی ہے۔

آخر خدا خدا کر کے عارفہ بیگم کی خریداری مکمل ہوئی اور انہوں نے واپسی کا ارادہ باندھا...... جویریہ نے تو سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور دل میں یہ دُعا بھی کی کہ اب کہیں پھر بھابی کا ارادہ تبدیل نہ ہو جائے۔ قسمت کے سنگین مذاق نے اس کی صحت پر خاصا برا اثر ڈالا تھا...... وہ بہت تھک گئی تھی مگر کون تھا جس سے کہتی...... گاڑی میں بیٹھی شیشے کے پار سے بظاہر وہ روڈ کی رونق دیکھ رہی تھی...... مگر ذہن کہیں دُور تھا...... وہ یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی نہیں دیکھ رہی تھی۔

گاڑی پورچ میں رُکی تو وہ فوراً دروازہ کھول کر اپنے کمرے کی جانب بھاگی۔ طلال اسے کمرے سے باہر ہی زلیخا کی گود میں مل گیا...... اور اسے دیکھتے ہی دونوں بانہیں اُس کی جانب وا کر کے پکارنے لگا۔ جویریہ نے اسے ملازمہ کی گود سے لے کر سینے سے لگا لیا پھر ماتھا چوما اور بولی۔

''کھانا کھا لیا ہے میرے بیٹے نے...... ؟'' اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''یہ رویا تو نہیں تھا زلیخا......'' وہ قریب کھڑی الھڑ سی لڑکی سے مخاطب تھی جو ماں بیٹے کی محبت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''پہلے تو کھیلتا رہا پھر تھوڑا پریشان ہو کر رونے لگا۔ آپ کو بار بار پوچھ رہا تھا مگر میں نے بہلائے



رکھا، ویسے بی بی، آپ کا بیٹا ہے بڑا پیارا اور اس نے مجھے تنگ بھی بالکل نہیں کیا۔''

بیٹے کی تعریف پر فخر کے احساس میں گھر کر وہ دلکشی سے مسکرائی اور بچے کو سینے سے لگا لیا۔

''آپ کہاں گئی تھیں بیگم صاحبہ کے ساتھ......؟'' زلیخا بے تکلفی سے پوچھ رہی تھی جواباً اُس نے بھی بتا دیا۔

''صاحب واقعی آپ کے سگے بھائی ہیں......؟''

تب وہ اثبات میں سر ہلا کر نظر نہیں ملا سکی۔

''حیرت ہے، ایسی بھی کیا زن مریدی (بیوی کی غلامی)'' زلیخا نے افسوس کیا کہ جویریہ کے ساتھ ہونے والا سلوک اُس کے سامنے تھا۔

''ویسے آج کچھ نئی بات نہیں ہوگئی کہ بیگم صاحبہ آپ کو اپنے ساتھ بازار لے گئیں ہیں...... اتنے دنوں سے آپ یہاں ہیں...... کبھی اِدھر جھانکا نہیں، آج خیال کس طرح آ گیا......؟''

جویریہ نے گھبرا کر آنکھوں ہی آنکھوں میں خاموش رہنے کی التجا کی۔

''توبہ ہے، آپ تو بہت ہی ڈرتی ہیں بی بی، میں تو کہتی ہوں بندے کو بہادر ہونا چاہئے، جیسے میں بہادر ہوں، دیکھ لو کسی سے نہیں ڈرتی...... اور تو اور بیگم صاحبہ کو بھی صاف اور سیدھی بات کہہ دیتی ہوں۔ ٹھیک ہی تو کرتی ہوں ناں، روزی دینے والا تو اللہ ہے پھر یہ بندے کس بات پر اکڑتے ہیں...... کیا کر لیں گی میرا......؟ زیادہ سے زیادہ نوکری سے جواب دیں گی تو دے دیں، میرے لئے نوکریوں کی کمی تھوڑی ہے۔ بڑا ستھرا کام کرتی ہوں، کہیں بھی ملازم ہو جاؤں گی۔''

''تم ایسا کر سکتی ہو مگر میرے لئے اس گھر سے باہر کچھ بھی نہیں ہے...... اب یہی میری پناہ ہے، بری یا بھلی جیسی بھی گزرنی ہے، اب یہیں گزرنی ہے۔'' وہ سوچ کے رہ گئی۔

''چپ کیوں ہو گئیں بی بی، کیا میری بات غلط ہے......؟''

اس سے پہلے کہ جویریہ کچھ کہتی، مالی اس پیغام کے ساتھ چلا آیا کہ بی بی کو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔''

''جاؤ جی سن آؤ بات۔'' اُس نے کہے بغیر ہی آگے بڑھ کر طلال کو جویریہ کی گود میں سے لے لیا اور وہ ایک بار پھر بھابی کے سامنے حاضر ہو گئی۔

''تم بھی عجیب ہو، اچھی طرح جانتی تھیں کہ یہ کپڑے میں نے تمہارے لئے ہی خریدے ہیں مگر اس کے باوجود تم انہیں لئے بغیر ہی چلی گئیں۔ اب کیا یہ ضروری تھا کہ میں انہیں خود تمہاری خدمت میں پیش کروں اور قبول کرنے کی درخواست کروں، تب ہی مجھ پر احسان کر کے تم یہ سب لینے پر رضامند ہو گی......؟''

عارفہ کا انداز دیکھ کر جویریہ کی تو جان ہی نکل گئی...... زبان پھیر کر خشک ہونٹوں کو تر کیا اور لجاجت بھرے انداز میں بولی۔

''نہیں بھابی جان، ایسی تو کوئی بات نہیں، وہ میں تو بس طلال کی وجہ سے پریشان تھی، بس اسی لئے۔''

''کیا پریشانی تھی تمہیں......؟'' انہوں نے ہاتھ میں پکڑا گلاس سائیڈ ٹیبل پر تقریباً پٹختے ہوئے کہا اور سیدھی ہو بیٹھیں۔ جویریہ خاموش ہی رہی تو بولیں۔

''مجھے بتاؤ کیا گھر میں وہ اکیلا تھا......؟ اُس کے پاس اور کوئی موجود نہیں تھا، تمہارے سامنے میں نے زلیخا کو سمجھایا تھا...... مگر تمہاری عقل میں کوئی بات آتی ہی نہیں ہے اور ہاں آئندہ ایسے بے تکے بہانے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



میرے سامنے مت بنانا، بھئی بچہ نہ ہوا، مصیبت ہوگئی...... ایسی دُنیا سے نرالی، انوکھی ماں نہ ہم نے کبھی دیکھی نہ سنی...... اُٹھاؤ اپنے اور بچے کے کپڑوں والے پیکٹس اور آئندہ جب کبھی میں تمہیں بلواؤں تو یہی پہن کر آنا۔ میرے ملنے جلنے والوں میں ایک مقام ہے میرا...... کہیں ایسا نہ ہو کہ تم میری انسلٹ کراؤ اُن کے سامنے۔'' عارفہ کا لہجہ تیز سے تیز تر ہوتا جا رہا تھا۔

جویریہ کا جی تو یہی چاہ رہا تھا کپڑے لئے بغیر ہی پلٹ جائے مگر سوچ اور عمل میں بہت فرق ہوتا ہے۔ وہ ایسی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ اپنی پوزیشن کو خوب اچھی طرح سمجھتی تھی۔ پیکٹس اُٹھا کر چلی آئی۔

اپنے کمرے میں آتے ہی تمام کے تمام پیکٹس فرش پر دے مارے اور بیڈ پر گر کر رونے لگی۔

''مجھ سے تو زلیخا اچھی ہے، اُسے کسی کی پروا نہیں...... اُس کے لئے ایک در بند ہوتا ہے تو سو کھل بھی جاتے ہیں، وہ بھابی کے غصے سے نہیں ڈرتی...... ان کے منہ پر سچ بات کہنے کا حوصلہ رکھتی ہے مگر میں کتنی مجبور، کس قدر بے بس ہوں...... میرے لئے اس چار دیواری کے باہر بھی جہنم ہے اور چار دیواری کے اندر بھی...... میں جاؤں تو جاؤں کہاں......؟ خدایا! تو بھائی اور بھابی کے دل میں میرے اور میرے معصوم بچے کے لئے رحم ڈال دے۔''

• • •

جب راحت کی شادی ہوئی، تب اس کے والدین اسی گاؤں میں رہائش رکھتے تھے مگر اب تین سال سے وہ اس گاؤں سے جا چکے تھے۔ راحت میکے کم ہی جاتی تھی کہ ارد شیر کا دل نانا کے چھوٹے سے گھر میں نہیں لگتا تھا۔ نانی، نانا، خالائیں اور ماموں اُسے بہت پیار کرتے تھے مگر وہ پھر بھی وہاں جاتے ہی واپسی کے لئے ضد شروع کر دیتا تھا۔ اس کی وجہ سے راحت نے میکے جانا ہی کم کر دیا تھا۔

اُس کے والدین اور بھائی بہن بہت کم حویلی اس سے ملنے آتے تھے اور اس کی وجہ شاہ جی کا رویہ ہی تھا۔ اُنہوں نے کبھی اُن لوگوں کو اہمیت نہیں دی۔ راحت کے والد سے تو سرسری انداز میں ملتے اور وہ داماد کے ہاتھوں اپنی اس سبکی پر شرمندہ تو ہوتے مگر اتنے بڑے زمیندار کو کچھ کہنے کا حوصلہ ان میں نہیں تھا۔ وہ لوگ کبھی کبھار ہی چکر لگاتے۔ البتہ خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ جب ارد شیر شہر کے اسکول میں داخل ہوا تب بھی راحت نے خط میں اپنے باپ سے ذکر کیا تھا...... اور جب شہر کا اسکول چھوڑ کر شاہ جی نے اُسے گاؤں کے اسکول میں ڈال دیا۔ تب بھی اُس نے یہ بات انہیں لکھ دی تھی۔

راحت نہیں جانتی تھی کہ شاہ جی نے یہ سب کبریٰ خاتون کے کہنے پر کیا ہے اور نہ ہی اسے یہ علم تھا کہ کبریٰ کی نیت کیا ہے۔ اُس نے صرف یہی لکھا تھا کہ شاہ جی نے اسے گاؤں کے اسکول میں داخل کروا دیا اور یہ بھی لکھا تھا کہ ارد شیر اس اسکول میں خوش ہے۔

ارد شیر کے نانا کو شاہ کے اس فیصلے پر اُلجھن ہوئی تھی مگر اُنہوں نے صاف طور پر بیٹی کو لکھا نہیں، جانتے تھے وہ شوہر کے سامنے بولنے کی جرأت نہیں کر سکتی۔ دل ہی دل میں کڑھتی رہے گی سو بہتر ہے اُسے یہ نہ کہا جائے کہ یہ اُس کے ننھے بیٹے کے ساتھ زیادتی ہوئی ہے۔ اُنہوں نے اتنا ہی لکھا کہ:

''جو ہونا تھا، وہ ہو گیا...... تم اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف نہیں چل سکتیں۔ مگر اتنا ضرور کرنا کہ بیٹے کی پڑھائی کی طرف سے خود بھی غافل مت ہونا، اسکول میں کیا پڑھایا جاتا ہے، اس کی پوری رپورٹ روزانہ لو اور اسے گھر پر بھی پڑھاؤ۔ بے شک میرا نواسا



پیسے والے باپ کا لاڈلا بیٹا ہے مگر پیسہ ہی سب کچھ نہیں ہوتا، اصل چیز انسانیت اور شرافت ہے۔ اب وہ اس عمر میں ہے کہ اُسے اچھی اور بری باتوں کی پہچان کروائی جا سکتی ہے۔ تم اس کی تربیت کی طرف سے غفلت مت کرنا۔''

ارد شیر اسکول سے آنے کے بعد اب کبریٰ کے کمرے میں موجود تھا اور انہیں سارے دن کی رپورٹ پیش کر رہا تھا۔

''پتا ہے بڑی ماں، یہاں اسکول کے سارے بچے میرے رعب میں ہیں...... مجھ سے ڈرتے ہیں، سارے کے سارے اور جو ماسٹر صاحب ہیں ناں، وہ بھی بڑا پیار کرتے ہیں مجھ سے، وہ مجھے چھوٹے شاہ جی کہہ کر بلاتے ہیں، پر ایک بات ہے بڑی ماں۔''

''وہ کیا......؟'' کبریٰ نے اُس کی پیشانی سے بال ہٹا کر پوچھا۔

''وہ یہ ہے کہ جو ماسٹر صاحب ہیں ناں، وہ سارے بچوں سے روزانہ سبق سنتے ہیں، مجھ سے نہیں سنتے۔ میں تو روز یاد بھی کر کے جاتا ہوں۔''

''چلو یہ تو اچھی بات ہے، جب وہ تم سے نہیں سنتے تو پھر تم یاد بھی نہ کیا کرو۔ یہ مزے کی بات ہوگی۔ یوں تمہیں کھیلنے کو بہت سا وقت بھی مل جایا کرے گا۔ تمہاری شیریں اور ستارہ آپی سے بھی ان کی ٹیچر سبق نہیں سنتیں۔ دیکھ لو وہ دونوں سارا دن مزے سے کھیلتی رہتی ہیں۔'' کبریٰ بظاہر بڑے پیار سے کہہ رہی تھیں۔

''نہیں، امی...... بھلا یوں چھوڑیں گی مجھے، وہ تو ضرور ہی پڑھائیں گی...... اور مجھے بھی مجھے سبق پڑھ کر اسکول جانا اچھا لگتا ہے۔ مجھے سارے سوال امی کروا کر بھیجتی ہیں۔ دوسرے بچے تو اتنے نالائق ہیں، ماسٹر صاحب بار بار سوال کرواتے ہیں، اتنا سمجھاتے ہیں پھر بھی اُن کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا...... ماسٹر صاحب سے خوب مار پڑتی ہے اُنہیں...... میں تو بہت اچھا بچہ ہوں، روز اپنا ہوم ورک کر کے جاتا ہوں اور پتا ہے بڑی ماں، سب سے زیادہ پیسے بھی تو میرے ہی پاس ہوتے ہوئیں۔ میرے کپڑے، میرے جوتے اور میرا بستہ سب سے اچھا ہے۔ جب سارے لڑکے بڑی بے چاری سی شکل بنا کر میری چیزوں کو دیکھتے ہیں تو مجھے بڑا مزا آتا ہے، آتا ہے ناں بڑی ماں۔''

''ہاں بھئی، بالکل آتا ہے...... اور میرے لال تم سے اچھے کپڑے کسی اور کے کیسے ہو سکتے ہیں، تم تو شاہ جی کے بیٹے ہو...... شاہ جی کے پاس سارے گاؤں والوں سے زیادہ پیسہ ہے۔''

''ہم بہت امیر ہیں ناں بڑی ماں۔'' ارد شیر کی آنکھوں میں غرور در آیا اور غریب لوگوں کے لئے حقارت کا ذبہ دل میں اُبھرا۔

''ہاں ہاں، ہم امیر ہیں جو کھانا ہم کھاتے ہیں، ایسے کھانے تو ان لوگوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں کھائے ہوں گے۔''

''اگر بابا جان، اُنہیں روٹی کے لئے پیسے نہ دیں تو یہ بھوکے مر جائیں...... ہے ناں بڑی ماں......؟'' ارد شیر نے غریب لوگوں کا مذاق اڑایا...... پھر بولا۔ ''بہت سے لڑکے مجھ سے دوستی کرنا چاہتے ہیں مگر اب تو میں کسی سے دوستی نہیں کروں گا۔''

''تمہیں کرنی بھی نہیں چاہئے، دیکھو کہاں وہ غریب پھٹے پرانے کپڑے پہننے والے لڑکے اور کہاں ہمارا راجہ بیٹا......''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''مگر میں سارا دن اکیلا بھی تو بیٹھا رہتا ہوں ناں۔'' وہ چہرے کے دائیں بائیں ہاتھ رکھ کر بھولپن سے اپنی مشکل بیان کرنے لگا۔

''تو بھلا، اکیلے کیوں بیٹھے رہتے ہو......؟ جب جی چاہے ان سے بات کر لیا کرو اور جب نہ چاہے تو وہ بلا لیں تب بھی جواب نہ دیا کرو۔''

''بڑی ماں، وہ جو ماسٹر صاحب ہیں، وہ آج ہمیں پڑھا رہے تھے کہ.....''

''میں آ سکتی ہوں آپا۔'' راحت دروازے پر دستک دے کر بھاری پردے کے دوسری طرف کھڑی اجازت طلب کر رہی تھی۔ ماں کی آواز اردشیر نے بھی سن لی تھی ......اور سمجھ گیا یقیناً اُسے ہی ڈھونڈتی ہوئی اُدھر آئی ہوں گی کسی نئے حکم کے ساتھ اور اس خیال کے ساتھ ہی موڈ خراب ہو گیا۔ خود کو سویا ہوا ظاہر کرنے کے لئے جھٹ سے آنکھیں بند کر کے کبریٰ کے قریب لیٹ گیا۔

''آؤ راحت، بیٹھو...... کہو کیسے آنا ہوا......؟'' کبریٰ خاتون نے ہمیشہ کی طرح اخلاق برتا۔

''نہیں آپا، بیٹھوں گی نہیں، میں تو اسے دیکھنے آئی تھی اور خوب جانتی ہوں، میری آواز سن کر سوتا بن گیا ہے۔''

یہ بات سن کر اردشیر نے آنکھیں کھول دیں اور بولا۔

''نیند تو مجھے اصل میں بھی آ رہی ہے ناں۔''

''کوئی نیند ویند نہیں آ رہی تمہیں، میں نے نماز پڑھنے کے لئے کہا تھا اور تم اِدھر آ گئے ہو...... وقت نکلا جا رہا ہے، فوراً اُٹھ جاؤ۔''

''میں بس ابھی ہی آیا تھا۔'' اردشیر نے مَری مَری آواز میں جھوٹ بولا۔

''جب بھی آئے تھے، نماز تو نہیں پڑھی تم نے۔'' اب وہ راحت کی بات کے جواب میں کیا کہتا...... وہ سچ ہی کہہ رہی تھیں۔

''بہت بگڑ گئے ہو تم، میری بات سننا تو بالکل ہی چھوڑ دیا ہے۔''

''یوں مت کہو راحت، ہر بات تو مانتا ہے تمہاری......'' کبریٰ نے اردشیر کی سائیڈ لی۔

''اب اُٹھو گے یا میں خود تمہیں بستر سے اُتاروں......؟'' راحت نے کڑے تیوروں کے ساتھ بیٹے کی طرف دیکھا۔

''بڑی ماں بچائیں مجھے امی سے۔'' وہ اس سے لپٹ گیا۔

''اردشیر...... کوئی رعایت نہیں برتوں گی۔'' راحت نے سخت لہجے میں کہا۔

''ہاں بیٹے، ماں کی بات مانتے ہیں...... دیکھو وہ خود تمہیں بلانے آئی ہیں۔ جاؤ شاباش جو کہیں، ویسا ہی کرو۔''

اردشیر نے منہ بنایا اور ڈھیلے سے انداز میں کبریٰ سے الگ ہو کر پاؤں میں چپل ڈالنے لگا۔ اتنی دیر اُس کی سستی سے تنگ آ کر راحت نے ایک دم سے جھپٹنے کے انداز میں آگے بڑھ کر اُس کا بازو پکڑ لیا اور اس کے چیخنے کی پروا نہ کرتے ہوئے، یونہی کھینچ کر کھڑا کر دیا۔

''چلو جلدی سے جوتے پہنو اور میرے آگے آگے چلو۔''

''بڑی ماں......'' اُس نے ایک بار پھر کبریٰ سے مدد چاہی مگر اُنہوں نے پھر راحت کے کہے کی



تائید کی۔ تب اُسے جانا ہی پڑا...... مگر پیر پٹخ کر چلتا وہ اپنے غصے کا برابر اظہار کرتا جا رہا تھا۔

• • •

عارفہ بیگم صبح سے ہی تیاریوں میں مصروف تھیں۔ دن کے تین بجے وہ بیوٹی پارلر گئی تھیں ...... اور جب شام کو اُن کی واپسی ہوئی تو اس وقت تک اکبر علی بھی گھر آ چکے تھے۔ اکبر علی نے گھر آ کر کھانا نہیں کھایا۔ صرف چائے کے لئے زلیخا سے کہا تھا اور چائے پیتے ہی وہ بھی تیار ہونے لگے تھے۔ زلیخا نے آ کر جویریہ کو بتایا اور بولی۔

''معلوم ہوتا ہے آج اپنے صاحب اور بیگم صاحبہ پھر کسی پارٹی میں جا رہے ہیں، اب اُن کی واپسی تو رات گئے ہی ہو گی۔'' زلیخا زندہ دل اور بے فکری سی لڑکی تھی۔ جویریہ کے بارے میں اب تو سب جان چکی تھی کہ صاحب کی اکلوتی بہن ہے اور جو سلوک اس گھر میں بہن کے ساتھ ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس کے سامنے تھا، اسی لئے اسے مالک کی بہن کے ساتھ ہمدردی ہو گئی تھی۔

اور سبک ناک نقشے والی گلابی سی رنگت کی مالک جویریہ اسے پیاری بھی بہت لگتی تھی۔ وہ اکثر کام کاج نبٹا کر اس کے پاس آ کر بیٹھنے لگی تھی۔ کبھی طلال سے اور کبھی جویریہ سے باتیں کرتی رہتی۔ اس کی وجہ سے جویریہ کا دل بھی کچھ بہل جاتا اور طلال بھی اس کے ساتھ کھیل کر خوش ہوتا تھا۔ زلیخا نے جویریہ سے کہا تھا۔ ''اِن دونوں کے جانے کے بعد ہم لان میں بیٹھیں گے اور خوب باتیں کریں گے۔''

جویریہ نے بھی مسکرا کر سر اثبات میں ہلا دیا۔

جویریہ کا کمرہ الگ تھلگ تھا، کون کب آیا، کب گیا اسے تو خبر ہی نہیں ہو سکتی تھی البتہ زلیخا نے پورا خیال رکھا، اِدھر وہ دونوں گھر سے نکلے اُدھر یہ پہنچ گئی۔ جویریہ کے پاس آتے ہی طلال کو گود میں اُٹھا لیا اور بولی۔

''چلیں جی، جلدی سے آ جائیں، وہ دونوں چلے گئے ہیں، اب دیر سے ہی واپس آئیں گے اور اتنی دیر میں ہم خوب مزے کریں گے۔ میں اور طلال گھاس پر دوڑ لگائیں گے اور تھوڑے سے پھول بھی توڑیں گے۔'' اُس کے انداز پر جویریہ بھی مسکرا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''ذرا دیکھیں جی، کتنے پھول کھلے ہیں، کیسے کیسے پیارے رنگ ہیں ان کے مگر کوئی ان بے چاروں کی طرف دیکھتا تک نہیں، میرا چھوٹا سا گھر ہے اور میں نے اپنے اتنے ذرا سے صحن میں بھی کیاری بنا کر اس میں ایک پودا لگایا ہوا ہے اور میں صبح کام پر آنے سے پہلے اُسے دیکھتی ہوں۔ اگر پھول کھلے تو مجھے اتنی خوشی ہوتی ہے کہ بتا نہیں سکتی مگر یہ کوٹھیوں والے، پتا نہیں کیسے دل ہوتے ہیں ان کے...... انہیں کوئی چیز خوشی نہیں دیتی۔ یہ جو آپ کی بھابی جی ہیں ان کے پاس اتنا زیور، اتنا کپڑا ہے مگر پھر بھی میں نے اکثر انہیں یہ کہتے سنا ہے، شام کو پارٹی ہے اور میرے پاس کوئی ڈھنگ کا کپڑا بھی نہیں ہے۔ پریشان ہو رہی ہوں کہ کیا پہن کر جاؤں گی۔ سچ بڑے ناشکرے ہوتے ہیں یہ سارے پیسے والے اور وہاں اپنے اوپر تو اتنا اتنا خرچ کر لیتے ہیں مگر ہم غریبوں کو اگر دس روپے بھی تنخواہ کے علاوہ دینے پڑ جائیں تو مصیبت ہی آ جاتی ہے اِن کی جان پر......''

جویریہ کو اس کی ہر بات سے اتفاق تھا مگر مجبوری کی انتہا تھی کہ وہ ہاں میں ہاں ملانے کی جرأت بھی خود میں نہیں پاتی تھی۔ یہ سب کہہ کر زلیخا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''تم اب کہاں چل دیں، کیا کوئی کام یاد آ گیا ہے۔''

''او چھوڑو جی، بی بی کام اگر یاد آ بھی جائے گا تو نہیں کروں گی ...... ہم لوگ کام تب ہی کرتے ہیں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جب صاحب لوگ گھر پر ہوں۔ بعد میں چاہے کتنا بھی ضروری کیوں نہ ہو، ہاتھ نہیں لگاتے اور کیوں لگائیں، یہ کون سا ہمارا خیال کرتے ہیں جو ہم کریں اور آپ بیٹھو، میں چائے لینے جا رہی ہوں۔ بھلا پیارے لان میں بیٹھ کر چائے بھی نہ پئیں۔ آپ کے لئے اور اپنے لئے بڑی اچھی سی چائے لے کر آؤں گی اور اپنے طلال کے لئے بسکٹ…… کھاؤ گے ناں بسکٹ۔'' اُس نے جھک کر پیار سے پوچھا۔

''نہیں نہیں زلیخا، یہ سب کچھ تم رہنے دو، دیکھو اگر میری بھابی کو پتا چل گیا تو وہ تمہیں تو شاید کچھ بھی کہیں مگر میری تو شامت ہی آ جائے گی۔ پلیز تم اِدھر آ کر بیٹھ جاؤ، ویسے بھی مجھے چائے پینے کی خواہش نہیں ہو رہی۔'' وہ گھبرا کر بولی۔

''او چھوڑو جی…… اس گھر کے ملازم روزانہ پتا نہیں کتنے بسکٹ کھاتے ہیں اور کتنے کپ چائے پی جاتے ہیں، اگر صاحب کو پتا چلنا ہوتا تو اب تک چل چکا ہوتا۔ آپ کیوں گھبراتی ہیں……؟ یہ بسکٹ اور چائے تو میں لے کر آ رہی ہوں، آپ پر تو کسی طرح سے کوئی الزام نہیں آ سکتا اور جی اگر آپ کو یہ خیال ہے کہ آپ کے بھائی کا نقصان ہوگا تو بھی فکر نہ کریں، بڑا پیسہ ہے آپ کے بھائی اور بھابی کے پاس ایسے چھوٹے موٹے نقصان کچھ نہیں بگاڑ سکتے اُن کا۔'' زلیخا بڑی تفصیل سے تسلی دینے کے بعد اندر چلی گئی۔

طلال لان میں اِدھر اُدھر بھاگ رہا تھا، وہ کچھ دیر کرسی پر بیٹھی اس کی بھاگ دوڑ دیکھتی رہی پھر خود بھی اُٹھ کر پھولوں کو دیکھنے لگی۔ گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ کون ہو سکتا ہے……؟ وہ ان دونوں کے ملنے والوں سے نہ تو واقف تھی اور نہ ہی پہچانتی تھی مگر تجسس نے سر اُبھارا اور وہ آنے والے کو دیکھنے کے لئے آگے آ گئی۔

آنے والے نے بھرپور نظر لیمن کلر کے سادہ لباس میں ملبوس اس سادہ سی لڑکی پر ڈالی جس نے لمبے بالوں کو سیدھے سادے انداز میں باندھ رکھا تھا اور جس کے چہرے پر اُداسی کی گہری چھاپ پہلی ہی نظر میں دکھائی دے جاتی تھی۔

''کس سے ملنا ہے آپ کو……؟'' آواز میں ملائمیت مگر لہجے میں واضح بے گانگی اور ہلکی سی بے زاری بھی تھی۔

''بیگم عارفہ اکبر سے، کیا وہ موجود ہیں……؟'' کبیر حسن نے آج سے پہلے شاید کبھی کسی سے اتنے نرم اور دھیمے لہجے میں بات نہیں کی تھی …… وہ رعونت اور کھردرا پن جو اُن کی شخصیت کا حصہ تھا، آج جانے کہاں گم ہو گیا تھا۔

''نہیں وہ گھر پر نہیں ہیں اور واپسی میں دیر ہوگی، آپ پھر تشریف لائیے گا۔'' اُس نے مروّت میں بھی بیٹھنے کو نہیں کہا۔

''اچھی بات ہے۔'' اُنہوں نے بھی اسے حسن کی ادا جانا اور برا نہیں مانا۔

اُن کے جانے کے بعد وہ گیٹ تک آئی اور باہر بھی جھانکا۔ گیٹ مین کا کہیں پتا نہیں تھا۔

''مالکوں کے جاتے ہی ملازم بھی چھٹی کر جاتے ہیں۔'' وہ یہ سوچتی ہوئی دوبارہ چلی آئی۔ مگر تھوڑی دیر بعد اسے پھر کسی مہمان کو بھائی اور بھابی کی غیر حاضری کی اطلاع دینے کے لئے جانا پڑا کہ جانتی تھی' اب پھر گیٹ پر کوئی موجود نہیں ہوگا۔''

''امتیاز……'' گاڑی سے برآمد ہونے والی شخصیت کو دیکھ کر اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ خوفزدہ ہرنی کی مانند چاروں طرف دیکھا اور چھپنے کی جگہ تلاش کی۔ اس سے پہلے کہ وہ واپسی ہوتی اور اس کی



نظروں میں آئے بغیر چھپ جاتی، وہ نہ صرف اُسے بلکہ اس کی سراسیمگی کو بھی دیکھ چکا تھا۔ امتیاز نے سیٹی سے اپنی خوشی اور حیرانی کا بیک وقت اظہار کیا اور اس کی جانب بڑھتے ہوئے بولا۔

''یہ تو سوچا بھی نہیں تھا کہ آج یہاں تم سے ملاقات ہو جائے گی۔ اگر پتا ہوتا تو ذرا اہتمام سے تیار ہو کر آتے۔'' وہ جتنا بچنا چاہ رہی تھی، وہ اسی قدر قریب آ رہا تھا اور جویریہ پر اس کی باتیں، اس کا انداز خوف طاری کر رہا تھا۔

''اُف، یہ شخص اتنے سالوں میں بھی اتنا ہی گھٹیا ہے، ذرا بھی نہیں سنبھلا۔''

''کیسی ہو، سنا تھا جن کی خاطر آپ نے ہمیں ٹھکرایا تھا، اپنے بھائی اور بھابی کی بات رد کی تھی، وہی وفا نہ کر سکے، زندگی دغا دے گئی اُن کی چچ چچ …… بڑا افسوس ہوا تھا سن کر۔'' امتیاز کے انداز میں افسوس نہیں طنز ہی طنز تھا۔

جویریہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا…… وہ امتیاز کی طرف دیکھنے کی روادار نہ تھی…… مگر پھر بھی محسوس کر رہی تھی کہ اس وقت وہ کن نظروں سے اسے گھور رہا ہے……اور گھبرائے ہوئے انداز میں دوپٹہ اپنے گرد اچھی طرح لپیٹے پریشان، بے بس کھڑی تھی۔

''تم تو پہلے سے بھی حسین ہو گئی ہو…… حالانکہ سنا تھا، ایک بیٹے کی ماں بن گئی ہو مگر سچ کہتا ہوں، حسن کا رنگ ہے کہ پہلے سے بھی نکھرا پڑتا ہے۔ یاد ہے پہلے بھی تمہیں دیکھتے ہی چھونے کو بے تاب ہونے لگتا تھا اور آج بھی دیکھتے ہی بے چین ہو گیا ہوں۔''

اُس کی بات سن کر بت بنی کھڑی جویریہ جیسے ہوش میں آ گئی۔ نفرت سے اس کی طرف دیکھا اور بجلی کی تیزی سے پلٹ کر جانے لگی…… وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا اور بولا۔

''آہ…… تیری ہر ادا آج بھی ظالم ہے اور دیکھ تو میرا دل بھی وہی ہے، تیرے لئے میرے پاس پیار ہی پیار ہے…… محبت ہے…… عشق ہے…… جنون ہے…… مگر یہ کیسا ظلم ہے کہ تم میری محبت کی قدر نہیں کرتیں…… تم مجھے ایک بار ٹھکرا چکی ہو، مگر اب ایسا نہ کرنا، ورنہ میں جی نہیں پاؤں گا…… مجھے پہچانو، مجھے سمجھنے کی کوشش کرو میری جان……اور مجھے یقین ہے، اس بار تم دھوکا نہیں کھاؤ گی، مجھے سمجھ لو گی، میرا پیار تمہارے دل میں ہلچل مچا دے گا، کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔'' وہ ازحد بے باکی سے کہہ رہا تھا۔

''دُور رہو مجھ سے……'' اس کی آنکھوں کی بے باکی، لہجے کی آوارگی، جویریہ پر دہشت سوار تھی، اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح اس آوارہ مزاج شخص سے پیچھا چھڑائے۔

''تم شاید خوفزدہ ہو مجھ سے…… حالانکہ میں برا آدمی نہ پہلے کبھی تھا اور نہ اب ہوں…… تم بہت بھولی ہو، تم سمجھ ہی نہیں سکیں زندگی کے تقاضوں کو، آؤ میں سمجھاتا ہوں تمہیں۔'' اُس نے ہاتھ جویریہ کی طرف بڑھایا۔

''میں نے تم سے کہا ہے کہ دُور رہو مجھ سے۔'' وہ خطرے کو محسوس کر رہی تھی ……اور ساتھ ہی سوچ رہی تھی، ابھی تو امتیاز کو یہ علم نہیں کہ بھائی اور بھابی گھر پر نہیں تو بے باکی کا یہ عالم ہے، جب اُسے پتا چلے گا کہ میں گھر پر اکیلی ہوں تو پھر کیا ہوگا……؟''

وہ بھاگ کر کہیں چھپ جانا چاہتی تھی اور برابر اسی کوشش میں تھی مگر امتیاز بھی خوب سمجھ رہا تھا اور وہ اسے ایسا کوئی موقع دینا نہیں چاہتا تھا۔

◆ ◆ ◆

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"گزرے وقت میں تم نے تو کبھی مجھے یاد بھی نہیں کیا ہوگا......اور ہمارا یہ حال کہ ہم کبھی آپ کو بھول ہی نہیں سکے سرکار۔"

امتیاز کا جملہ تو عامیانہ تھا ہی مگر اس سے کہیں زیادہ گھٹیا بولنے کا انداز تھا......جویریہ کو جھرجھری سی آ گئی۔ وہ اب یہ تو سمجھ ہی چکی تھی کہ امتیاز جیسے شاطر کو چکمہ دے کر نکل جانا اس کے لئے ممکن نہیں۔ لہٰذا اب ایک ہی جگہ قدم مضبوطی سے جمائے کھڑی تھی اور چہرے کا رُخ امتیاز کی جانب سے پھیر رکھا تھا۔

"یقین مانو تمہارے شوہر کی وفات کا سن کر ہمیں تو دُکھ ہوا ہی تھا مگر ہم سے کہیں زیادہ صدمہ ہماری بیگم کو تھا......" وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"جویریہ کمزور اور بے بس تھی، وہ اس بات پر اپنے غصے کا اظہار نہ تو لفظوں میں کر سکتی تھی اور نہ ہی طمانچوں سے اس کا منہ لال کرنے کی جرأت خود میں پاتی تھی مگر دلی نفرت اور خفگی کا رنگ چہرے پر واضح طور پر دیکھا جا سکتا تھا۔ امتیاز بھی ایک ہی ڈھیٹ تھا۔ اس کی ناراضگی اور بیزاری کے باوجود وہ بلا کی طرح اُس کے سر پر موجود تھا اور ٹلنے کے ابھی کوئی آثار نہیں تھے۔

"مما......یہ دیکھیں۔" طلال ہاتھ میں ایک پھول پکڑے جویریہ کے پاس چلا آیا۔

"اوہ......یہ بیٹا ہے تمہارا......؟ تم پر ہی گیا ہے، اس لئے مجھے اچھا لگ رہا ہے۔"

"یہ کون ہیں مما......؟" طلال نے امتیاز کی جانب اشارہ کیا۔

"آہ......ہمارا کیا پوچھتے ہو لعل بوائے، بڑی ٹریجڈی ہوئی ہے ہمارے ساتھ......بھئی ہونا تو ہمیں تمہارا ڈیڈی تھا مگر ہائے قسمت کے کھیل، ڈیڈی بنتے بنتے ہم تمہارے انکل بن گئے۔" جویریہ نے جھک کر بیٹے کو اُٹھایا اور قدم آگے بڑھانا چاہے۔

"لو جی، بی بی! چائے آ گئی اور ساتھ میں بسکٹ بھی......میں جلدی آ جاتی پر ہوا یہ کہ اُدھر کچن میں......" زلیخا اپنی رو میں بولتے بولتے اِدھر آ رہی تھی......پھر اچانک نظر امتیاز پر پڑی تو بات درمیان میں چھوڑ دی۔

"صاحب......تم کب آئے......؟ سالا مالیکم......" امتیاز کو دیکھتے ہی جھٹ سے سلام جھاڑ دیا مگر اس کے انداز میں وہ ادب نہیں تھا جو ملازم، مالک اور مالک کے ملنے والوں کا کرتے ہیں۔

"وعلیکم السلام......لاؤ بھئی، چائے لاؤ جلدی سے، ہمیں بھی طلب ہو رہی تھی اور جب ساتھ میں ان جیسے ہوں تو پھر تو لطف ہی دوبالا ہو جاتا ہے۔" اُس نے جویریہ پر جھکنا چاہا مگر وہ تیزی سے پیچھے ہٹ



گئی۔

"زلیخا، تم میں ایک خوبی یہ بھی ہے کہ تم بغیر کہے ہی دل کا حال جان لیتی ہو اور اس لئے آج میں تمہیں انعام دینا چاہتا ہوں......جاؤ پہلے یہ دیکھ کر آؤ کہ فرج میں کیا کچھ موجود ہے......اصل میں آج کھانا بھی اِدھر ہی کھانے کا موڈ ہو رہا ہے ناں......" وہ زلیخا کو یہاں سے ٹالنا چاہ رہا تھا حالانکہ آج سے پہلے جب بھی عارفہ بیگم کی طرف آتا تو توجہ اس نوجوان ملازمہ پر ہی رہتی۔

جویریہ کے چہرے پر چھائے بے بسی اور خوف کے سائے، امتیاز سے گریز اور آنکھوں میں زلیخا سے یہ التجا کہ یہیں رُک جاؤ، مجھے اکیلا چھوڑ کر دوبارہ کچن میں مت جاؤ......یہ سب زلیخا کے سامنے ہی تو تھا۔ وہ کوئی دودھ پیتی بچی تو نہیں تھی......خوب سمجھ رہی تھی اور اسے ترس بھی آ رہا تھا اُس پر......اُس نے چائے کے برتن لان میں لگی ٹیبل پر رکھ دیئے اور امتیاز سے بولی۔

"صاحب، آپ وہی ہیں ناں جن کی بیگم کچھ موٹی سی ہیں۔"

"ہاں ہاں مگر کیوں......؟ تمہیں اس وقت وہ کہاں سے یاد آ گئی......؟" بیوی کا ذکر سن کر امتیاز نے تیوری چڑھا کر پوچھا۔

"وہ جی، کوئی خاص بات نہیں، آپ چائے پی لیں آرام سے، اگر میں نے پہلے بات بتا دی تو پھر آپ چائے نہیں پی سکیں گے۔"

"ہیں، ایسی کیا بات ہے......؟" شوگر پاٹ دوبارہ میز پر رکھ کر وہ پوری طرح اُس کی جانب متوجہ تھا۔

"بات یوں ہے کہ جی ابھی ابھی جب میں اندر تھی تو فون آیا تھا آپ کی بیگم کا، آپ کا پوچھ رہی تھیں۔ اب مجھے تو اس وقت تک یہ پتا نہیں تھا کہ آپ اِدھر ہی موجود ہیں تو میں نے یہ کہہ دیا کہ اِدھر تو آئے ہی نہیں۔"

"ہاں، یہ تم نے اچھا کیا شاباش......" امتیاز کے چہرے پر اطمینان اور مسکراہٹ دوڑ گئی۔

"آگے بھی تو سنیں جی، اُنہیں یقین ہی نہیں آیا، ایک دم سے اتنے غصے میں آ گئیں......مجھے بھی بڑا ڈانٹا کہنے لگیں، مجھے کسی پر اعتبار نہیں، میں خود اِدھر آ کر دیکھتی ہوں۔"

"ایں......اچھا، یہ کہا اُس نے......؟ مگر اسے یہ پتا کیسے چلا کہ میں اِدھر آیا ہوں۔" اُس نے زیرِ لب کہا پھر دل میں سوچا۔

"ضرور......چند روز پہلے جب میں نے عارفہ آپا سے فون پر بات کی تھی اور ہماری گفتگو کے دوران بار بار جویریہ کا ذکر ہوا تھا، فرحانہ نے سن لیا ہوگا۔ عجیب گھمنڈی اور خبطی عورت ہے، اس کا بس چلے تو میرے پاؤں میں زنجیر ڈال کر اپنے پلنگ کے پائے کے ساتھ باندھ لے......اُف! یہ زمیندار ٹائپ لوگ بھی کس قدر جاہل گنوار ہوتے ہیں، بات بات پر باپ بھائیوں سے پٹائی اور قتل کی دھمکیاں، اپنی زمینوں اور جائیدادوں کی شو......سوچا تھا دولت میں کھیلوں گا مگر یہاں تو شادی کروا کے جان عذاب میں آ گئی ہے۔"

"ویسے جی، آپ کی بیگم ہیں بڑی چیز......بڑا رعب ہے جی آپ پر ان کا، جب وہ آپ کے ساتھ اِدھر آتی ہیں تو آپ صاحب نہیں، کچھ اور ہی چیز لگتے ہو جی......" زلیخا نے عجیب الہڑ پن سے بھرپور مذاق

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُڑایا اور ہنسنے لگی۔

امتیاز دل پھینک اور ہلکی شخصیت کا مالک تھا، ہر حسین، جوان، عورت چاہے وہ گھر کی معمولی ملازمہ ہی کیوں نہ ہو..... اُس کی نظر کو بھا جاتی تھی ... عارفہ کے ہاں آتا تو اُس کی جوان اور نمکین حسن کی مالک الہڑسی نوکرانی پر خاص عنایت ہوتی..... زلیخا کا بچپن ان ہی کوٹھیوں میں کام کرتے گزرا، یہیں جوان ہوئی، وہ ان نظروں کو اچھی طرح پہچانتی تھی اور غربت کہتی تھی، اگر تھوڑی بہت آمدنی ہوسکتی ہے تو چلو ہمارا کیا جاتا ہے، ہاں البتہ عزت، آبرو کے معاملے میں بڑی پکی تھی، اُس کے آگے بڑی سے بڑی دولت کو بھی ٹھکرا سکتی تھی۔

جویریہ کی موجودگی میں زلیخا نے بیوی کے حوالے سے جس طرح مذاق اُڑایا، امتیاز کو سُبکی محسوس ہوئی اور اُس نے زلیخا کی طرف آج پہلی بار پیار بھری نظروں کے بجائے کھا جانے والے انداز میں دیکھا۔

''بیوی پر تو جی آپ کا زور چلتا نہیں اور اُس کا غصہ مجھ پر اُتار رہے ہیں، سچ ہے جی غریب پر سب کا بس چلتا ہے، پر جی کچھ غلط میں نے بھی نہیں کہا، اسی کوٹھی میں کام کرتی ہوں، جو دیکھتی ہوں، سنتی ہوں، وہی کہتی ہوں۔ جب بھی بیگمات یہاں اکٹھی ہوتی ہیں، آپ کا مذاق اُڑاتی ہیں۔ بڑے عجیب و غریب سے تو نام رکھے ہوئے ہیں اُنہوں نے آپ کے، میں تو سن کر بڑا ہنستی ہوں، اس وقت یاد نہیں آرہے ہیں ورنہ ضرور آپ کو بھی بتاتی۔''

''بہت بولنے لگی ہو تم، لگتا ہے گھر والوں نے زیادہ سر چڑھا رکھا ہے۔ میں شکایت کروں گا آپا سے تمہاری، اب جاؤ اور آپا کو بتاؤ کہ میں آیا ہوا ہوں......'' شرمندگی میں اسے فاصلے پر کھڑی جویریہ اب بالکل ہی نظر نہیں آرہی تھی......اور نہ ہی وہ طلال کو دیکھ رہا تھا جو ماں کی گود سے اُتر کر ایک بار پھر لان میں بھاگنے لگا تھا اور جویریہ بیٹے کی وجہ سے ہی جاتے جاتے رُک گئی تھی۔

''آپ کی آپا تو گھر پر نہیں ہیں۔'' زلیخا نے بتایا۔

''بھائی جان تو ہوں گے۔''

''نہیں، وہ بھی گھر پر نہیں ہیں، دونوں اکٹھے ہی صبح سویرے نکلے تھے، اب تک تو واپس آنے والے ہوں گے۔ اصل میں جی اب یہ صاحب کی بہن اِدھر آ گئی ہیں تو صاحب کو ان کا بڑا خیال رہتا ہے۔ وہ اب رات کو دیر تک گھر سے باہر نہیں رہتے، جلدی گھر آجاتے ہیں۔''

مگر وہ تو کچھ اور ہی کہہ رہی تھی اور بھلا ملازمہ کو خواہ مخواہ جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے۔ عارفہ تیز عورت ہے، ضرور کوئی چال ہوگی جبھی غلط بیانی سے کام لیا۔ صورت حال مایوس کن تھی اور زلیخا بھی بتا رہی تھی کہ...... ''صاحب اور بیگم صاحبہ گھر لوٹنے ہی والے ہیں۔'' اُس نے بے مزہ ہو کر چائے کپ میں چھوڑ دی اور اُٹھ کھڑا ہوا...... یہ کہتا ہوا کہ ''پھر کسی روز آؤں گا۔''

''ہاں جی، چلنا ہی چاہئے آپ کو، کوئی پتا نہیں آپ کی بیگم واقعی اِدھر پہنچ جائیں۔'' زلیخا نے جس انداز میں یہ بات کی، امتیاز کے پاس اسے سمجھنے کے لئے وقت نہیں تھا بلکہ خیال آرہا تھا، ایسا ہونا ناممکن بھی نہیں۔

''ہونہہ......'' اس کے جانے کے بعد زلیخا کی نفرت سے منہ سکیڑا، پھر بولی۔ ''رب سائیں کی رب



ہی جانے، اب اس کو دیکھ لو، دو ٹکے کا بھی نہیں مگر پیسہ بہت ہے اس کے پاس...... ہیں بی بی، تمہیں کیا ہوا، اتنی پیلی کیوں ہو رہی ہو......؟'' اُس نے اب جا کر جویریہ کی جانب دیکھا اور پریشانی سے اس کی جانب لپکی، سہارا دے کر کرسی تک لائی اور اسے بٹھا کر خود نیچے بیٹھ گئی۔

بس ابھی چائے پی کر میں اس کی بیگم کو فون کرتی ہوں، اسے بتاؤں گی کہ ابھی ابھی تمہارا صاحب اِدھر آیا تھا اور خواہ مخواہ میں جویریہ بی بی سے باتیں کرنے کی کوشش میں لگا رہا، بس پھر گھر جاتے ہی شامت آجائے گی اس کی، سنا ہے کسی وڈے زمیندار کی بیٹی ہے، پانچ بھائی ہیں، اور سارے کے سارے لڑاکو، غصے والے، امتیاز صاحب کا تو خون ہی خشک رہتا ہے۔ میں چائے بناتی ہوں آپ پریشان نہ ہوں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ اوہ، میں طلال کو بسکٹ دینا بھی بھول گئی......'' اُس نے پلیٹ طلال کی جانب بڑھائی، پھر چائے بنانے لگی۔ اس کی باتوں سے جویریہ کو خاصا حوصلہ ہوا تھا اور وہ بھی اب سنبھل چکی تھی۔

''زلیخا تم بہت اچھی ہو......'' چائے پینے کے دوران وہ بے حد ممنونیت کے ساتھ اس لڑکی سے کہہ رہی تھی جو تھی تو اس گھر کی ادنیٰ ملازمہ مگر اسے خود سے کہیں زیادہ بااختیار محسوس ہو رہی تھی۔

''رہنے دو چھوٹی بی بی، بھلا ہم کہاں کے اچھے ہیں...... بڑی گناہ گار ہوں جی میں، اس پیٹ کی خاطر بڑی بڑی مصیبتیں اُٹھائی ہیں جی، ذرا ذرا سے پیسے کی خاطر کیا کیا جھوٹ بولے ہیں۔

''اب جلدی جلدی چائے پیو، پھر اِدھر ٹیلی فون کے پاس جو کاپی پڑی ہے، اس میں سے امتیاز صاحب کا فون نمبر تلاش کرو اور نمبر ملا دو پھر میں اُس کی بیگم کو فون کروں گی۔''

''چھوڑو بھی زلیخا، اب کیوں بات بڑھاتی ہو، دیکھو ناں، بلا تو ٹل گئی ہے، اب ہمیں اسے قصے کو بھول جانا چاہئے۔''

''وہ بڑا خراب آدمی ہے، بار بار اِدھر آئے گا، تنگ کرے گا آپ کو، سوچ رہی ہوں، پکا بندوبست ہو جائے تاکہ اسے پھر دوبارہ سے اِدھر آنے کی ہمت ہی نہ پڑے، اب تدبیر نکل رہی ہے تو کر لینی چاہئے......ایسا موقع بار بار ہاتھ نہیں آئے گا۔''

''ٹھیک ہے، پھر جیسے تمہاری مرضی۔'' جویریہ نے اس کی بات مان لی کہ یوں بھی آج کل خود سے کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل نہیں رہی تھی، اسے خود پر اعتماد ہی نہیں تھا۔

چائے پینے کے بعد اُس نے نمبر ملا دیا اور زلیخا نے فون پر امتیاز کی بیوی فرحانہ سے کہہ دیا کہ ابھی ابھی صاحب یہاں سے گئے ہیں۔

♦ ♦ ♦

جویریہ کو نگینہ نے بلوایا تھا اور مارے گھبراہٹ کے اس کا برا حال ہو رہا تھا۔ کیوں بلایا ہے انہوں نے، جانے کیا کہیں گی...... کس طرح بات کریں گی......؟'' وہ سہمے سہمے انداز میں قدم اُٹھاتی کمرے میں آئی تھی اور دروازے سے ذرا آگے آکر رُک گئی تھی۔

''آؤ آؤ، رُک کیوں گئیں......؟'' چیئر پر ایک شان سے بیٹھی نگینہ نے انگوٹھیوں سے سجا ہاتھ اُٹھا کر کھردرے لہجے میں کہا...... وہ اپنی گھبراہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتی آگے آئی اور ہاتھ اُٹھا کر انہیں سلام کیا، اُنہوں نے جواب دینے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ بہت گہری نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد معنی خیز مسکراہٹ کے سات اپنی چھوٹی بہن عارفہ کی جانب دیکھا اور بولیں۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"تم تو کہتی تھیں، ایک بیٹا بھی ہے اس کا، مجھے تو یہ پہلے سے کہیں زیادہ ینگ اور اسمارٹ دکھائی دیتی ہے۔"

ہاں آپا، کہتی تو میں بھی سچ ہوں، واقعی ایک بچہ تو ہے اس کا۔"

"مگر میں ہی کیا اس بات کا تو کوئی بھی یقین نہیں کرے گا عارفہ۔" وہ سر سے پاؤں تک بغور دیکھ رہی تھیں اور ذہن بھی تیزی سے کام کر رہا تھا۔

"آپا...... اب تو یہ شادی شدہ زندگی بھی گزار چکی ہے مگر پھر بھی انداز وہی ہیں، چار لوگوں میں بیٹھ نہیں سکتی، بات کرتے ہوئے بھی گھبراتی ہے، اَٹکنے لگتی ہے، اسی وجہ سے میں تو اُسے اپنے ملنے والوں کے سامنے لاتی ہی نہیں ہوں۔"

"اوہو...... عارفہ...... عارفہ کیسی بات کرتی ہو بھئی، تم دیکھو تو یہ بھلا کیسے بدل سکتی ہے...... مڈل کلاس کے بندے سے بیاہ رچایا تھا اِس سندری نے، میں تو شکر کرتی ہوں فِکر ٹھیک ٹھاک رہا اس کا ورنہ مڈل کلاس کی عورتیں تو بہ...... بچہ تو دُور کی بات، شادی ہوتے ہی آٹے کی بوری ہو جاتی ہیں...... ہونہہ، نان سینس۔" ہاتھ میں پکڑا میگزین سینٹر ٹیبل پر اُچھال کر اُنہوں نے ہونٹ سکیڑے پھر کچھ دیر بعد عارفہ سے بولیں۔

"تم اسے اپنے ساتھ ساتھ رکھا کرو...... آنے جانے والوں سے ملوایا کرو...... آخر تمہارے شوہر کی بہن ہوتی ہیں محترمہ...... لوگ تو اس حوالے کو ہمیشہ یاد رکھیں گے، ایٹی کیٹس سکھاؤ اسے ورنہ بڑی ہنسی اُڑوائے گی تمہاری ہائی سوسائٹی میں...... لوگ سمجھ جائیں گے کہ اکبر صاحب جدی پشتی رئیس نہیں، نو دو لیتے ہیں۔"

"اوہ آپا...... میں اس کے ساتھ سر نہیں کھپا سکتی...... اس کو انسان بنانا کچھ آسان نہیں ہے، اس سے بہتر یہی ہے کہ لوگوں کے سامنے لاؤں ہی نہیں۔"

"تم جاؤ جویریہ......" نگینہ نے تحکم بھرے انداز میں کہا، وہ جو ہاتھ باندھے، مؤدب سے انداز میں کھڑی خود پر ہونے والے تبصرے بڑے ضبط سے سن رہی تھی، فوراً واپس ہوگئی۔

"تم سے مجھے اس قدر حماقت کی توقع ہرگز نہیں تھی عارفی۔" اس کے جانے کے بعد نگینہ نے کہا۔

"کیا مطلب، میں سمجھی نہیں۔"

"دیکھو، سیدھی سی بات ہے، پیسہ کتنا بھی ہو مگر کسی دوسرے پر خرچ کرنا کچھ آسان نہیں اور یہاں تو معاملہ ایک کا نہیں، دو کا ہے، آج اس کا بچہ چھوٹا ہے مگر کل...... اُس کا بڑا بھی تو ہونا ہے، تمہارا اپنا کوئی بچہ نہیں ہے، اکبر بھائی اِس بچے پر ہی خرچ کریں گے۔ سوچو کیا یہ سب کچھ تمہارے لئے قابل قبول ہوگا عارفی۔"

"نہیں، ہرگز نہیں...... اور اسی لئے میں نے دونوں کو الگ تھلگ کمرہ دیا ہے۔ ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی دنوں تک آمنا سامنا نہیں ہوتا بہن بھائی کا۔"

"مگر اس سے مسئلہ حل نہیں ہوتا...... وہ جوان ہے اور بہت حسین بھی، میں تو کہتی ہوں چلتا کرو کسی کے ساتھ۔"

"بات تو آپ کی ٹھیک ہے آپا، مگر کس کے ساتھ، وہ ایک امتیاز ہی تھا مگر اس کی شادی تو جنات کی



فیملی میں ہوگئی ہے۔ سچ فرحانہ بیگم ذرا بھی ڈھیلی ہوتی تو میں فوراً امتیاز سے نکاح پڑھوا دیتی جویریہ کا مگر اب تو وہ سنتے ہی کانوں کو ہاتھ لگائے گا اور صاف انکار کر دے گا۔"

"چھوڑو تم امتیاز کو، ہمیں اور بہت سے مل جائیں گے۔ حسن میں بڑی طاقت ہوتی ہے سمجھیں، اور یہ مرد لوگ، ان کا کوئی دین ایمان نہیں ہوتا، پھسلتے دیر نہیں لگاتے، کسی بھی عمر رسیدہ کو اس کی ایک جھلک دکھا دو اور اس کی شادی کا ارادہ بھی ظاہر کر دو، اپنی عمر اور بچوں کی تعداد بھول جائے گا۔ یاد رہے گا تو صرف اتنا کہ مذہب نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ میں دعویٰ کرتی ہوں کہ کھنچا چلا آئے گا۔" نگینہ بیگم نے عجیب سے انداز میں کہا۔

"بس پھر آپا، آج سے میں یہ کام آپ کے ذمہ لگاتی ہوں...... اس کی شادی آپ نے کروانی ہے سچ میں نے تو اس طرح سوچا ہی نہیں تھا، اچھا ہوا آج آپ آگئیں اور اس کا مسئلہ بھی حل ہوا۔"

"ٹھیک ہے، اب یہ میرا مسئلہ ہے، تمہیں وہی کرنا ہوگا جو میں کہوں گی۔"

"میں تیار ہوں، آپ کہیں۔" عارفہ قریب کھسک آئی۔

"دیکھو، یہ تو سامنے کی بات ہے کہ جویریہ آسانی سے دُوسری شادی کے لئے راضی نہیں ہوگی۔"

"ارے ہاں، اس طرف تو میں نے سوچا ہی نہیں۔" عارفہ کچھ فکر مند نظر آنے لگی۔

"پریشان کیوں ہوتی ہو، سارے بندوبست کروں گی، تمہیں اب ہر معاملے میں اس سے سختی برتنا ہے، اتنی کہ وہ اس گھر سے فرار کے بارے میں سوچنے لگے۔ جبکہ تمہارے مقابلے میں میرا رویہ اب اس کے ساتھ بہت پیار بھرا اور ہمدردانہ ہوگا۔ یوں وہ میری ہر بات کو اپنے لئے درست سمجھنے لگے گی اور ہم دونوں مل کر اسے چاروں طرف سے گھیر لیں گے۔"

"آپا...... میں تو صرف اتنا جانتی ہوں کہ آپ جو بھی فیصلہ کریں گی، وہ درست ہوگا مجھے آپ پر پورا بھروسہ ہے۔"

"ٹھیک ہے پھر تم یوں کرنا کہ پرسوں میرے ہاں باربی کیو پارٹی پر اپنے ساتھ اُسے بھی لیتی آنا اور سنو، اس کا بیٹا ساتھ نہیں ہونا چاہئے۔ لباس میک اپ بہت اچھا ہونا چاہئے۔"

"اِن باتوں کی فکر مت کریں۔ میں سب سمجھتی ہوں باقی بیٹے کا یہ ہے کہ اُسے تو یہ اکیلا چھوڑتی ہی نہیں، ذرا سی دیر کے لئے بھی الگ ہو جائے تو گھبراتی ہے مگر خیر میرے آگے بول نہیں سکے گی۔ ساتھ لے آؤں گی۔"

"اچھا ٹھیک ہے، میں ذرا اس سے مل کر آتی ہوں، تم یہیں بیٹھو۔" نگینہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جب وہ جویریہ کے کمرے میں آئی تو وہ طلال کو سلا رہی تھی۔ اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر اتنی حیران ہوئی کہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"یہ تمہارا بیٹا ہے......؟ بہت پیارا ہے، نام کیا ہے اس کا......؟" [illegible] کا لہجہ اور انداز حیران کن حد تک نرم اور دوستانہ تھا۔ وہ اس نگینہ سے بالکل مختلف دکھائی دیتی تھی جو [illegible] کچھ دیر پہلے عارفہ کے کمرے میں اس سے ملی تھی۔

"اِس کا نام طلال ہے......" جویریہ کی آواز اٹک رہی تھی۔

"جویریہ، مجھے ناصر کی موت کا بے حد افسوس ہے...... میں بھی بیوہ ہوں اور تمہارے اب دُکھ کو

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



عارفہ سے کہیں زیادہ محسوس کر سکتی ہوں..... عارفہ کے سامنے میرا جو بھی رویہ تھا، وہ جھوٹ تھا..... اصل میں میری بہن تمہیں پسند نہیں کرتی..... اپنے گھر میں رکھنے کو تیار نہیں ہے۔ میں نے بہت سمجھایا، نہیں مانی، اُلٹا مجھ پر بگڑنے لگی، جب ہی میں اُس کے سامنے تم سے کوئی بات نہ کر سکی۔''

اتنی سی ہمدردی پا کر تنہا لق و دق صحرا میں کھڑی جویریہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اُس نے اس فریب کو سچ سمجھ لیا اور دِل پگھلنے لگا۔

نگینہ دیر تک بیٹھی اسے تسلیاں دیتی رہی اور جویریہ کو یہ احساس نہیں ہوا کہ ہمدردی کی چادر میں لپٹ کر وہ ایسے فقرے اس کے کانوں میں انڈیل رہی ہے، جو تنہائی کے احساس کو مٹانے کے بجائے اس کو مزید بڑھا رہے ہیں جو خوف میں اضافہ کر رہے ہیں اور اسے مزید ہراساں کر رہے ہیں۔ جاتے جاتے وہ کہہ گئی کہ عارفہ اور اکبر کے ساتھ میرے ہاں پارٹی پر ضرور آنا، اتنے پیار سے کہنے پر جویریہ انکار نہ کر سکی اور دل نہ چاہنے کے باوجود اُس نے نگینہ کے ہاں آنے کا وعدہ کر لیا۔

نگینہ کی آمد کے دو روز بعد جب عارفہ نے دوپہر کے وقت اسے بلا بھیجا تو اسے بالکل یاد نہیں تھا کہ آج اُسے عارفہ کے ساتھ اُن کی بڑی بہن کے ہاں پارٹی پر جانا ہے۔ مجھے اس وقت کیوں بلا لیا.....؟ یہ ٹائم تو ان کے آرام کا ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ کی طرح بھابی کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

''کہہ رہی تھیں جویریہ سے کہنا جلدی آئے۔'' زلیخا نے باقی کا پیغام بھی دے دیا۔

''اچھا..... کیا بھائی جان بھی گھر پر ہیں.....؟'' اُس نے بے دلی سے دوپٹہ برابر کرتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں جی، وہ تو ابھی نہیں آئے۔''

''کیا کوئی ملنے والا آیا ہے.....؟ میرا مطلب نگینہ آپا یا کوئی اور.....''

''اس وقت تو بیگم صاحبہ اکیلی ہیں۔''

''اچھا پھر میں جاتی ہوں، تم طلال کا خیال رکھنا، سو رہا ہے، سوتے میں ڈر جاتا ہے..... میں زیادہ دیر نہیں لگاؤں گی۔''

''میں بیٹھ جاتی ہوں..... جب تک آپ آ نہیں جائیں گی، یہیں بیٹھوں گی۔'' جویریہ اس کا شکریہ ادا کر کے جب عارفہ کے پاس پہنچی تو عارفہ..... ہلکے سے گولڈن کام والی سیاہ ساری سامنے پھیلائے تنقیدی نگاہ سے دیکھ رہی تھی۔

''بھابی، بلایا تھا آپ نے.....؟''

''ہاں، وہ ایسا ہے کہ آج شام کو آپا کے یہاں پارٹی ہے..... ابھی کچھ دیر پہلے فون آیا تھا ان کا، کہہ رہی تھیں جویریہ سے بھی آنے کو کہا تھا۔''

''جی بھابی، اُنہوں نے کہا تو تھا لیکن میں سوچ رہی ہوں گھر پر ہی رُک جاؤں۔''

''کیوں.....؟ گھر پر کیوں رُک جاؤ..... اُنہوں نے اگر بلایا ہے تو تمہیں جانا چاہئے..... لوگوں میں اُٹھو بیٹھو گی تو دُنیا میں رہنے کا سلیقہ بھی آئے گا ورنہ اس طرح ہم کب تک تمہیں سنبھال کر رکھیں گے، اب تم بچی تو ہو نہیں، خود بھی سمجھ دار ہو مگر جانے کیوں اس طرح بی ہیو کرتی ہو، میں نے کہہ دیا ہے، تم شام کو ضرور ہم دونوں کے ساتھ جاؤ گی، یہ ساری دیکھو، کیسی ہے.....؟''



''اچھی ہے، کیا میں طلال کو ساتھ لے جا سکتی ہوں.....؟''

''نہیں، ہرگز نہیں..... کمال کرتی ہو تم بھی۔'' عارفہ نے غصے کے عالم میں ساری ایک طرف پھینکتے ہوئے اُونچی آواز میں کہا۔

جس وقت وہ اکبر علی اور عارفہ بیگم کے ساتھ نگینہ کے ہاں پہنچی، شام رات میں پوری طرح ڈھل چکی تھی۔ نگینہ کے ہاں اس کے اندازے سے کہیں زیادہ لوگ موجود تھے۔ جویریہ کا دل تیزی سے دھڑک رہا تھا..... اور وہ خاصی گھبرائی ہوئی تھی۔

ستم یہ کہ سب سے پہلے ملاقات بھی امتیاز سے ہو گئی بلکہ وہ خود ہی ان لوگوں کو ان کی طرف بڑھتے دیکھ کر تیزی سے اُن کی جانب آیا تھا۔ اکبر سے ہاتھ ملاتے اور..... عارفہ سے باتیں کرتے ہوئے اس کی بے باک نگاہیں جویریہ پر ہی جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے جویریہ کو ہمیشہ سادہ لباس اور میک اپ سے بے نیاز چہرے کے ساتھ ہی دیکھا تھا مگر آج اُس کی اتنی سج دھج تھی۔

اِس وقت وہ حور معلوم ہو رہی تھی..... سیاہ ساری میں اُس کی سفید رنگت مزید اُمڈ آئی تھی، لمبے بال سادہ چوٹی کی شکل میں پشت پر لہرا رہے تھے..... اور کانوں میں جھولتے ہوئے آویزے..... وہ جویریہ کے قریب آ کر کھلے لفظوں میں تعریف کرنا چاہ رہا تھا مگر اس کی بیگم فرحانہ بھی اس پارٹی میں انوائیٹ تھی۔ اس وقت نظر تو نہیں آ رہی تھی مگر تھی کہیں آس پاس ہی اور وہ جویریہ کو مخاطب کرنے کا رِسک نہیں لے سکتا تھا۔ نگینہ آج بھی بہت محبت سے ملیں اور اس کی سج دھج کی تعریف بھی بہت کی۔

''تم تو محل میں ٹھاٹ سے رہنے کے قابل ہو جویریہ قسمت نے کیسا دھوکا کیا ہے تمہارے ساتھ..... مگر اُمید کا دامن ہاتھ سے مت چھوڑو..... ممکن ہے آنے والا وقت تمہاری سوچ سے بڑھ کر خوشیاں لائے۔'' وہ اس کا گال تھپک کر کسی اور مہمان کی جانب بڑھ گئیں۔

یہاں اکبر اور عارفہ کے بہت جاننے والے تھے اور ان سے ملنے کے بعد اگلا سوال جویریہ کے بارے میں ہی ہوتا تھا۔ تعریفی جملے، ناصر کی بے وقت موت کے بارے میں جو لوگ جاننا چاہتے تھے، ان کا مصنوعی سا افسوس کا انداز اور پھر اس کی کم عمری، خوبصورتی اور بیوگی پر تبصرے، اس کا تو دم گھٹنے لگا تھا۔

''کیسے ہیں یہ سب لوگ..... ایک خول میں بند ہر بات بناوٹ سے پُر، ہر انداز سپاٹ اور بے رحم سا.....'' وہ بھابی سے آنکھ بچا کر ذرا پرے ہٹ گئی اور کچھ دیر بعد خاصے فاصلے پر جا بیٹھی۔ اِدھر لوگوں کی ایک محدود سی تعداد تھی۔ جو تھے وہ آپس کی گفتگو میں اُلجھے ہوئے اور بے حد سنجیدہ محسوس ہوتے تھے۔ اُس نے سوچا وہ یہیں بیٹھی رہے گی اور دوبارہ بھائی بھابی کے پاس نہیں جائے گی۔

جب وہ اِدھر بیٹھی گھبرائی نظروں سے لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت اُس سے کچھ ہی فاصلے پر بیٹھے گروپ میں موجود کبیر حسن نے مل اونر شاہد ملک کی بات بغور سنتے ہوئے جب سگریٹ سُلگانے کے بعد نگاہ اُٹھائی تو وہ نظر کے سامنے تھی، پہلی ملاقات بہت مختصر رہی تھی اور اُس روز جب وہ اکبر علی کے ہاں اس سے ملے تھے، تب وہ بے حد سادہ سے لباس میں تھی جبکہ آج پارٹی میک اپ اور سجے سجائے لباس نے اسے خاصی حد تک بدل کر رکھ دیا تھا مگر پھر بھی انہوں نے پہچاننے میں دیر نہیں لگائی۔

اور دل نے بے اختیار کہا، چاہے لیمن کلر کے سادہ سے لباس میں ہو چاہے بلیک کلر کی چمکتے دمکتے کام والی ساڑی میں، تم ہر روپ میں ہی اچھی لگتی ہو۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



موتیے کے سفید پھولوں کے عین سامنے وہ بیٹھی تھی اور آج بھی انہیں اُس کے چہرے پر اُداسی کی چھاپ صاف محسوس ہو رہی تھی، وہ اس سارے ماحول کا حصہ ہو کر بھی اس سے الگ تھلگ دکھائی دے رہی تھی، کچھ دیر ایک ہی پوزیشن میں بیٹھے رہنے کے بعد اُس نے رُخ بدلا۔ گہری سانس لے کر دایاں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے رکھا اور ذرا آگے کو جھکی تو لمبی چوٹی بائیں شانے سے ہوتی ہوئی اُس کی گود میں آ گری۔

جانے کیا بات تھی، اُس لڑکی کے انداز میں وہ پہلی بار اسے دیکھ کر ہی متاثر ہوئے تھے اور آج پھر جیسے ان پر اس کا طلسم چھا رہا تھا...... ہاتھ پر چہرہ ٹکائے وہ موی مجسمہ معلوم ہوتی تھی۔ اب کبیر حسن کی توجہ شاہد ملک کی باتوں کی جانب نہیں تھی جبکہ شاہد ملک اپنی رو میں اب بھی پوری تفصیل کے ساتھ انہیں اپنی کاروباری اُلجھنوں کے بارے میں بتائے چلے جا رہے تھے۔

کبیر حسن کا تو جی چاہ رہا تھا کہ سامنے بیٹھے اس شاہکار کو ایک ٹک دیکھیں مگر وہ شاہد ملک کو اپنی غیر حاضر دماغی کا ثبوت بھی دینا نہیں چاہتے تھے۔ رُک رُک کر، ٹھہر ٹھہر کر گاہے گاہے وہ ایک لمحے کے لئے اُس کی طرف دیکھ لیتے اور پھر دوبارہ سے اپنے ساتھیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔

اِس وقت اُن کی ٹیبل پر چار لوگ موجود تھے، پھر تین رہ گئے، ایک ساتھی کسی اور شناسا کی آمد پر معذرت کر کے اُٹھ گیا۔ پھر دُوسرا بھی چلا گیا مگر یہ شاہد ملک صاحب شاید ساری کہانی آج ہی سنا دینا چاہتے تھے۔

"اچھا ملک صاحب، میں دیکھوں گا، کہاں کہاں آپ کی ہیلپ کر سکتا ہوں۔ ڈونٹ وری، کچھ نہ کچھ تو حل نکل ہی آئے گا۔" اُنہوں نے خود ہی اُسے ٹالا اور ساتھ ہی اُٹھ کھڑے ہوئے مگر اس سے پہلے کہ اس لڑکی کی جانب بڑھتے، اُنہیں آج کی اس پارٹی کی میزبان نگینہ مل گئی۔

نگینہ بے حد باتونی عورت تھی اور بے حد تیز طرار بھی، وہ ذاتی طور پر اسے پسند نہیں کرتے تھے مگر ان کے چند دوستوں کے نگینہ کے ساتھ بہت اچھے تعلقات تھے اور نگینہ کی کوشش یہی رہتی تھی کہ کبیر حسن بھی اس کے حلقہ احباب میں شامل ہو جائیں۔ اصل میں جس قسم کے بزنس میں عارفہ کے خاندان کی اکثریت ملوث تھی، اس میں اعلیٰ سرکاری آفیسرز سے دوستی کچھ ضروری سی چیز بن جاتی ہے۔ نگینہ سے زیادہ وہ اس کی چھوٹی بہن عارفہ کو پسند کرتے تھے اور اکبر اور عارفہ سے زیادہ قریب تھے۔ آج بھی نگینہ کے اصرار کے باوجود یہاں آنے کا ارادہ نہیں تھا مگر چند دوستوں کے مجبور کرنے پر آ گئے تھے اور اب یہاں آ کر سوچا تھا، اچھا ہی کیا۔

نگینہ آج بھی ہمیشہ کی طرح نان اسٹاپ بول رہی تھی اور بات بے بات قہقہے لگا رہی تھی اور کبیر حسن سوچ رہے تھے، کیا میڈم نگینہ سے اس لڑکی کے بارے میں پوچھا جا سکتا ہے اور آخر کار اُنہوں نے پوچھنے کا فیصلہ کر ہی لیا۔

"میڈم، آپ کے اکثر مہمانوں کو میں ذاتی طور پر جانتا ہوں اور کچھ ایسے بھی ہیں جن سے آج تعارف ہو رہا ہے، لیکن ایک چہرہ...... میرے لئے بالکل اجنبی ہے اور سچ تو یہ ہے کہ یہ اس محفل میں فٹ بھی نہیں بیٹھ رہا۔" اُنہوں نے مزاح کے رنگ میں اپنی بے چینی کو چھپایا۔

"اوہ، آپ اس کی بات کر رہے ہیں، وہ جو بلیک ساڑی میں ہے، ہے ناں......؟"



"جی، بالکل وہی۔"

"وہ میری چھوٹی بہن عارفہ اکبر علی کی نند ہے۔"

"کیا اکبر علی اور عارفہ بیگم بھی انوائیٹ ہیں......؟"

"ہاں ہاں، میں ابھی ملواتی ہوں آپ سے، اُن کے ساتھ ہی آئی ہے۔ بہت اچھی نیچر کی مالک ہے۔ بے حد پیاری سی لڑکی ہے، سچ میں تو کہتی ہوں، میرا کوئی بھائی ہوتا تو اسے اپنی بھابی بنا لیتی۔ آج کل اکبر اور عارفہ اس کے لئے رشتے کی تلاش میں ہیں۔ ویسے تو بہت سے لوگ خواہش مند ہیں مگر جویریہ کو ذاتی طور پر سوبر شخصیت اٹریکٹ کرتی ہے۔ کہتی ہے کسی ہاؤ ہو کرنے والے لڑکے سے تو ہرگز شادی نہیں کروں گی۔ اصل میں پہلے بھی ایک ٹریجڈی ہو چکی ہے اس کے ساتھ۔"

"کیسی ٹریجڈی......؟" اُنہوں نے پوچھا۔

"بہت چھوٹی عمر میں شادی ہوئی تھی اس کی مگر بعد میں ہم بہت پچھتائے۔ اصل میں وہ لڑکا اس کے قابل ہی نہیں تھا۔ پھر وہ دُنیا میں ہی نہیں رہا۔ جیسا بھی تھا، شوہر تو تھا اس کا...... ہم سب کو دُکھ ہونا ایک لازمی سی بات ہے مگر خدا کی یہی مرضی تھی...... اور اب لوگ پھر سے رشتے لے کر آ رہے ہیں۔ ہم تو سب کو صاف بتا دیتے ہیں، دیکھیں ناں، اگر اب ہم یہ کہہ کر شادی کر دیں کہ لڑکی کنواری ہے اور شادی کے بعد جب شوہر کو پتا چلے تو کھٹ پٹ ہو، اس سے بہتر ہے، پہلے ہی بات کلیئر کر دی جائے اور آج کل کون کہہ سکتا ہے جو شادی شدہ نہیں ہے وہ......"

نگینہ کا ارادہ ابھی بہت بولنے کا اور انہیں یہ سوچنے پر مجبور کرنے کا تھا کہ جویریہ کی پہلی شادی ایک معمولی سی بات ہے مگر اس سے پہلے کچھ لوگ اِدھر چلے آئے اور بات اُدھوری رہ گئی۔ کبیر حسن نے تو ایک معمولی سی بات پوچھی تھی کہ یہ لڑکی کون ہے......؟ مگر اُن کے پوچھنے کی دیر تھی نگینہ کا ذہن پوری طرح کام کرنے لگا تھا۔ کبیر حسن سے اچھے مراسم کی کوشش ایک عرصے سے کر رہی تھی، سوچا اگر وہ اس طرح دام میں آ جائیں تو اس سے بہتر بات اور کیا ہو سکتی ہے......؟

"اب تو مجھے یہاں آئے ہوئے بہت دیر ہو گئی ہے، میرا بیٹا پریشان ہو رہا ہوگا، زلیخا نے بھی اپنے گھر جانا ہوگا...... بھابی کو کسی کا احساس ہی کب ہوتا ہے، بس حکم چلانا جانتی ہیں...... امتیاز بھی یہاں موجود ہے، اگر اُسے میری تلاش کا خیال آ گیا تو بہت برا ہوگا۔" ہاتھ میں کب سے مشروب کا گلاس تھامے، وہ اپنی سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی۔ بار بار ٹائم دیکھتی اور جی چاہتا چپکے سے اُٹھ کر بھاگ جائے۔ یہ گھما گھمی سجے سنورے لوگ اور ان کی بے مزا گفتگو مختلف مشروبات اور کھانوں کی خوشبو اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

پھر اُس نے جوس کا ایک بھی سِپ لئے بغیر گلاس ایک جانب رکھ دیا اور بیزاری کی پوری شدت کے ساتھ پلکیں اُٹھا کر آس پاس نگاہ دوڑائی اور یہ دیکھ کر جھرجھری سی آ گئی کہ سامنے کھڑے دو عمر رسیدہ مگر خبیث چہروں والے مردوں کی گفتگو کا موضوع وہی تھی۔ جوں ہی اُس نے اُن کی جانب دیکھا، اُن کے چہروں پر مکروہ مسکراہٹ دوڑ گئی، جویریہ اُن کے انداز پر اپنا غصہ اور نفرت چھپا نہیں سکی۔ اُس نے بے اختیار ہونٹ سکیڑے اور ایک جھٹکے سے چہرہ دُوسری جانب موڑ لیا۔

"ہونہہ...... یہ ہیں بھابی کی اعلیٰ سوسائٹی کے شرفاء جن کے چہرے ان کی خباثتوں کی کہانی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



برسرِ عام کہہ رہے ہیں۔ یہ قیمتی سے قیمتی لباس پہن کر بھی عریاں نظر آنے والی خواتین اور یہ پھٹی پھٹی آنکھوں والے مرد۔'' وہ اس قدر اُکتائی کہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

اسی وقت کھانا شروع ہو گیا اور مہذب لوگ خاصے بے صبرے دکھائی دینے لگے۔ اب کسی کی توجہ اس کی جانب نہیں تھی۔ بھوک تو اسے بھی محسوس ہو رہی تھی مگر کچھ بھی کھانے کو اس کا دل نہیں مان رہا تھا، کچھ دیر وہ ان لوگوں کو بے حد مصروف دیکھتی رہی۔ پھر دوبارہ سے اپنی پہلی والی جگہ پر آ کر بیٹھ گئی۔

''خدایا...... بھابی اور بھائی کے دل میں گھر جلد واپسی کا خیال ڈال دے۔''

''ارے جویری ڈارلنگ...... تم یہاں بیٹھی ہو اور کچھ کھا بھی نہیں رہیں۔'' پلیٹ میں ایک مینار سا بنائے امتیاز جانے کہاں سے ٹپک پڑا تھا۔ وہ گھبرا کر فرار کی راہ تلاش کرنے لگی۔

''ہا، کاش چند سال پہلے تم نے ہماری چاہت پر اعتبار کر لیا ہوتا تو ہم دونوں کی زندگی سنور جاتی...... میں کب سے تمہیں تلاش کر رہا تھا اور دیکھ لو آخر کار ڈھونڈ ہی لیا۔'' وہ پیچھا چھوڑنے والوں میں سے نہیں تھا اور جویریہ کی نگاہیں برابر بھائی اور بھابی کی تلاش میں لگی ہوئی تھیں۔

''جویری، اِن سے ملو...... یہ کبیر حسن ہیں۔'' کچھ دیر بعد نگینہ بیگم ایک شائستہ سے مرد کے ساتھ اس کے قریب کھڑی کہہ رہی تھیں۔

''کبیر حسن......'' اُس نے پلکیں اُٹھائیں...... یہ چہرہ پہلے بھی دیکھا ہوا لگا مگر کہاں یہ یاد نہیں آیا۔

''میں کب سے آپ کو ماحول سے کٹ کر کسی گہری سوچ میں گم بیٹھے دیکھ رہا ہوں، کوئی پرابلم ہے آپ کے ساتھ......؟''

''پرابلم کوئی نہیں...... اس کی عادت ہی ایسی ہے، زیادہ گھلنا ملنا پسند نہیں کرتی۔'' جواب نگینہ نے دیا اور پھر دُور سے آتی عارفہ کو اشارے سے اِدھر بلایا، وہ اسے بتانا چاہتی تھی کہ کام بنتا دکھائی دے رہا ہے۔

● ● ●



قیمتی ڈنر سوٹ میں ملبوس چالیس، پینتالیس سالہ کبیر حسن جن سے نگینہ نے جویریہ کا تعارف بڑے پیار سے کروایا تھا، کوئی بہت خوبرو مرد نہیں تھے مگر شائستہ اور باوقار ضرور دکھائی دیتے تھے۔ کبیر حسن کی اصل طاقت اور...... خوبروئی اُن کا عہدہ تھا۔

کبیر حسن کا تعلق کسی رئیس فیملی سے نہیں تھا، وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتے تھے اور آج جس مقام پر تھے، یہ اُن کی ذاتی محنت کا نتیجہ تھا۔ اُنہیں اس بات کا احساس بھی بہت تھا کہ آج وہ جو کچھ بھی ہیں، اپنی لیاقت اور ہمت کی بدولت ہیں، اُنہیں خود پر فخر تھا...... اور یہ فخر بڑھتے بڑھتے اب گھمنڈ کی صورت اختیار کر گیا تھا۔ بات کرنے کا اسٹائل، اُٹھنے بیٹھنے کا انداز سب اس بات کو نمایاں کرتے تھے۔

جویریہ دُنیا کی حسین ترین عورت تو نہ تھی مگر جو دل کو بھائے وہی حسین ترین دکھائی دیتی ہے۔ لمبے چوڑے افیئر کے وہ قائل ہی نہ تھے۔ انہیں جویریہ اچھی لگی اور اُنہوں نے سیدھے طریقے سے نگینہ بیگم سے بات کی...... اور وہ تو تھیں ہی منتظر، بات کرنے کی دیر تھی، جھٹ ہاں کر دی۔

''آپ مس جویریہ کے بھائی اور بھابی سے تو بات کر لیں۔'' اُنہیں خود بھی ایک دم سے یوں ہاں کی توقع نہیں تھی اور وہ خود نگینہ کو سمجھا رہے تھے۔

''آپ سے اچھا رشتہ بھلا انہیں کوئی اور ملے گا......؟ اور ویسے بھی عارفہ اکبر نے یہ کام مجھ پر چھوڑ رکھا ہے...... اور میں دل سے راضی ہوں۔ خدا آپ دونوں کا ساتھ ہم سب کے لئے مبارک کرے۔''

کبیر حسن کے جاتے ہی نگینہ نے لباس تبدیل کیا اور گاڑی نکال کر عارفہ کی طرف چلی آئی۔ عارفہ اکبر عام طور اس وقت گھر پر نہیں ہوتی تھی اور نگینہ کچھ اتنی زیادہ ایکسائیٹڈ تھی کہ یہ خیال ہی نہیں رہا تھا مگر آج عارفہ گھر پر ہی تھی۔ نگینہ نے جاتے ہی کبیر حسن کے پرپوزل کے بارے میں بتا دیا۔

''بڑی اچھی قسمت ہے اس لڑکی کی، دیکھو تو ایک عدم کو سدھارا تو جھٹ سے دُوسرا ہاتھ تھامنے کو سامنے آ گیا اور اُس پر مزید یہ کہ پہلا بھی عاشق تھا جویریہ بی بی کا اور یہ صاحب بھی حسن پر ہی فریفتہ ہوئے ہیں۔'' عارفہ خاصی جل کر بول رہی تھی۔

''چلو ہمیں کیا، تمہارے سر سے تو بلا ٹل جائے گی ناں۔'' نگینہ نے تسلی دی۔

''نگینہ آپا، وہ تو تب ہو گا جب شہزادی صاحبہ مان جائیں گی، مجھے تو ایک فیصد بھی اُمید نہیں کہ وہ یہ رشتہ قبول کرے گی، ساری عمر ناصر کو رونے کے ارادے سے بیٹھی ہے وہ احمق تو......''

''ہاں، یہ تو میں بھی جانتی ہوں، قبول کرنے میں پس و پیش سے کام لے گی مگر قبول کروانا ہمیں بھی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آتا ہے، یہ تو تم خیال ہی دل سے نکال دو کہ ہمیں کبیر حسن سے معذرت کرنا پڑے گی، جویریہ کے تو اچھے بھی مانیں گے۔'' پھر نگینہ اپنی چھوٹی بہن کے قریب آبیٹھی اور اسے اپنے منصوبے سے آگاہ کرنے لگی۔

''یہ تو کچھ زیادہ ہی ظلم نہیں ہو جائے گا......؟'' عارفہ جیسی سنگدل عورت بھی پوچھ رہی تھی۔

''مگر دیکھ لو، بھلا بھی تو ہم اُسی کا کر رہے ہیں، ہمیں کیا مل جائے گا، اتنے ٹھاٹھ باٹ والے افسر کے گھر بیٹھ کر عیش تو وہی کرے گی۔''

''ہاں، یہ بھی ٹھیک ہی کہہ رہی ہیں آپ، پھر میں آج سے اپنا کام شروع کرتی ہوں۔''

''ٹھیک ہے، میں بھی تمہارے ساتھ ہی شروع کرتی ہوں، ابھی جاتی ہوں اُس کی طرف۔'' نگینہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جب وہ جویریہ کی طرف آئی تو زلیخا بھی وہیں موجود تھی اور دونوں میں باتیں ہو رہی تھیں۔ زلیخا کی نظر جونہی اُس پر پڑی، مالکن کی بہن کو سلام کیا اور اُٹھ کر چلی گئی۔

''کیسی ہو جویری اور بیٹا کیسا ہے تمہارا......؟'' نگینہ کا انداز آج بھی دوستانہ تھا۔

''میں تو ٹھیک ہوں نگینہ آپا لیکن طلال کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ بہت نزلہ ہو رہا ہے اسے، میں سوچ رہی ہوں، زلیخا کام سے فارغ ہو جائے تو پھر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں طلال کو۔''

''زلیخا کو ساتھ لے جانے کا کیا فائدہ، میں خود تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔''

''نہیں نہیں آپا...... آپ کیوں تکلیف کرتی ہیں......؟ بہت بہت شکریہ آپ کا، میں چلی جاؤں گی۔'' وہ بے حد ممنونیت سے کہہ رہی تھی۔

''تکلیف کیسی بھئی......؟ گاڑی ہے میرے پاس، کوئی پیدل تھوڑی جانا پڑے گا۔ تم غیروں والی باتیں مت کیا کرو میری چھوٹی بہن۔''

''آپا...... میں آپ کی بے حد شکر گزار ہوں، آپ کی محبت مجھے یہ احساس دلاتی ہے کہ میں اس بھری دُنیا میں تنہا نہیں ہوں، کوئی تو ہے میرے ساتھ۔''

''ہاں جویری، تمہاری قسمت مجھے بہت دُکھی کر دیتی ہے، عورت کے سر پر اپنے مرد کا سایا نہ ہو تو سمجھ لو کہ سوکھے پتے سے بھی ہلکی ہے، وقت کی آندھیاں اُسے اُڑائے پھرتی ہیں۔ لوگ تمہارا تماشا تو دیکھ سکتے ہیں، تم پر افسوس تو کر سکتے ہیں مگر ہیلپ کبھی نہیں کریں گے۔ سارے رشتے بودے ثابت ہوتے ہیں۔

ابھی میں عارفہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، وہ ہے تو میری بہن مگر مجھے بہت دُکھ سے کہنا پڑتا ہے کہ بہت سخت مزاج کی عورت ہے، تمہارا ذکر اتنی حقارت سے کرتی ہے کہ مجھ سے سنا نہیں جاتا...... بار بار یہی رونا روتی رہی کہ تم پر اور تمہارے بچے پر اُس کا بہت خرچہ اُٹھ رہا ہے۔ جب سے تم آئی ہو، اس کے بجٹ میں گڑبڑ ہو گئی ہے۔ حالانکہ میں جانتی ہوں، وہ کبھی سوچ سمجھ کر خرچ کرتی ہی نہیں۔ نہایت فضول خرچ واقع ہوئی ہے۔'' نگینہ نے تاسف سے کہا۔

''آپا...... میں نے تو کبھی اُن سے کچھ نہیں مانگا۔'' جویریہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''میں جانتی ہوں تم بہت صابر لڑکی ہو مگر بی بی، دل تنگ ہوں تو پھر یہ تین وقت کی روٹی بھی تو بھاری لگتی ہے۔ عارفہ کے یہاں اولاد بھی کوئی نہیں۔ اُسے خدشہ ہے کہ کل کو اکبر بھائی کی ساری توجہ



تمہارے اور تمہارے بیٹے کی جانب ہو جائے گی، وہ اپنی دولت اس بچے پر لٹایا کریں گے اور اس کے سینے پر ابھی سے سانپ لوٹ رہے ہیں۔''

''نہیں نہیں آپا...... میں بھیا سے کچھ بھی نہیں کہوں گی...... کچھ بھی نہیں مانگوں گی۔ آپ بھابی کو سمجھائیں۔ اُن کے یہ خدشے بے بنیاد ہیں۔ میں تو خود کہیں سروس کا سوچ رہی ہوں، سروس مل جائے تو پھر میں بھیا سے ایک پیسہ بھی نہیں لوں گی، کھانا پینا بھی الگ کر لوں گی۔'' جویریہ گھبرا کر بولی۔

''اس موضوع پر بھی بات کی تھی میں نے، عارفہ نے سنتے ہی انکار کر دیا کہ ہم جویریہ کو سروس نہیں کرنے دیں گے، لوگ باتیں بنائیں گے کہ کیسا بھائی ہے، بیوہ بہن اور اُس کے بچے کو دو وقت کی روٹی اور تن کے کپڑے بھی نہ دے سکا جو بہن کو چند روپوں کی خاطر باہر نکلنا پڑا۔''

''اُف آپا...... پھر میں کیا کروں، کہاں جاؤں......؟'' وہ بے بسی سے بولی۔

''بس بی بی، یہ سچ ہی کہا ہے سیانوں نے، عورت کے لئے مرد کا ساتھ بہت ہی ضروری ہے۔ چند سال پیشتر جب میرے شوہر کا انتقال ہوا تو مت پوچھو میں نے کیسے کیسے پتھر اپنی جانب آتے نہیں دیکھے۔ حالانکہ میری جوانی تو ڈھل چکی تھی اور میں خاصی دولت مند تھی۔ بھائی کے ساتھ مل کر بزنس کر رہی تھی مگر دیکھ لو پھر بھی نہیں بخشا...... مجھے جان کیسے کیسے نام دیئے...... دُنیا کسی کو معاف نہیں کرتی بی بی۔

''پھر میں کیا کروں آپا......؟'' وہ اسے ہی سب کچھ جان کر مشورہ طلب کر رہی تھی۔

''میرا مشورہ تو یہی ہے ڈیئر کہ تم طلال کو ایک گھر دے دو۔ ایسا گھر جو اس کا اپنا ہو جہاں اُسے کوئی روک ٹوک کرنے والا نہ ہو اور کوئی اسے اپنے احسانوں کا طعنہ نہ دے۔''

''میں اسے گھر کیسے دے سکتی ہوں آپا...... میں تو اتنی مجبور ہوں کہ ایک وقت کی روٹی نہیں کھلا سکتی اپنے بیٹے کو۔''

''تم اسے ایک باپ تو دے سکتی ہو۔'' نگینہ نے نپے تلے انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب......؟ میں سمجھی نہیں۔'' اُس کی بات پر وہ چونکی اور کچھ ہراساں ہو کر اُس کی جانب دیکھنے لگی۔

''تم میری بات سمجھ تو گئی ہو جویریہ مگر سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتیں۔ میں صاف لفظوں میں کہے دیتی ہوں کہ تم صرف اور صرف اپنے بیٹے کی خاطر دوسری شادی کر لو۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے...... یہ بھلا کیونکر ممکن ہے......؟ میں ناصر سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔''

''اور بیٹے کو بھول رہی ہو، کیا ان حالات میں وہ زندہ رہ جائے گا۔ سوچو، کل کو اگر یہ بیمار ہو جاتا ہے اور تمہارے پاس علاج کے لئے پیسے بھی نہیں ہیں تو کیا کرو گی......؟ اسے اسکول میں داخل کرانا چاہتی ہو مگر بھابی راضی نہیں ہیں، پھر کیا ہوگا......؟ تمہارے بیٹے سے کوئی معمولی چیز ٹوٹ جاتی ہے، بھابی اسے بے دردی سے تمہارے سامنے مارتی ہیں اور تم روک بھی نہیں سکتی ہو...... اس گھر کے نوکر کوئی چیز چرا لیتے ہیں اور الزام طلال پر لگتا ہے، تمہارے اپنے بھائی بھی اسے چور سمجھ کر سزا دیتے ہیں اور تم تو اتنی مجبور ہو کہ اس کی ڈھال بھی نہیں بن سکتیں۔''

''آپا...... آپا پلیز بس کریں...... ایسا مت کہیں۔'' وہ ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''جویری! میں تمہیں حقیقتوں سے آگاہ کر رہی ہوں...... کل ایسا ہی ہوگا، تم خود کو اور اپنے بیٹے آنے والے کل کی اذیتوں سے بچا سکتی ہو...... بیٹے کو ایک اچھی زندگی دے سکتی ہو اور خود بھی باعزت زندگی گزار سکتی ہو...... آج وقت تمہارے ہاتھ میں ہے، تمہیں جو بھی فیصلہ کرنا ہے، ابھی کرنا ہے۔

ابھی وہ وقت ہے کہ...... کوئی بھی مخلص شخص پورے خلوص سے تمہیں اپنا سکتا ہے، ہم اس پوزیشن میں ہیں کہ اس سے ہر شرط منوالیں مگر کل، آج سے مختلف ہوگا، تب کوئی تمہاری جانب نہیں بڑھے گا۔ حالات کی دلدل میں پھنس کر سوچو گی کہ کاش میں نے وقت پر صحیح فیصلہ کر لیا ہوتا مگر پچھتاوؤں کی فصل کاٹنے کے سوا کچھ بھی نہیں کر سکو گی۔ تمہارا اپنا بچہ تم سے حساب مانگے گا۔ پھر تم کیا کرو گی...... سوچو جویریہ، پھر تمہارے پاس کیا رہ جائے گا......؟''

''آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں آپا مگر میں ناصر سے بے وفائی نہیں کر سکتی، میں اُن کی تھی، اُن کی رہوں گی، کسی اور کے بارے میں سوچنا بھی میرے لئے ممکن نہیں۔''

''اوہو...... تو مت سوچو کسی اور کے لئے مگر کاغذوں کی حد تک شادی ہو سکتی ہے...... محبت کا جہاں تو دل میں آباد ہوتا ہے، محبت تو رُوح ہوتی ہے جویریہ اور تم یہ دل اور رُوح کسی دوسرے کو مت سونپنا اس میں ہمیشہ ناصر کو آباد رکھنا مگر اتنی خود غرضی مت دکھاؤ...... اولاد کی خاطر تو مائیں کانٹوں پر ننگے پاؤں چل پڑتی ہیں...... آگ پر سے گزر جاتی ہیں...... یہ شادی تم اپنے لئے نہیں ناصر کے بیٹے کے لئے ہی تو کرو گی۔

کبیر حسن سے تو تم ملی ہی تھیں، وہ بہت اچھے بے حد مخلص انسان ہیں، ابھی تک شادی نہیں کی اُنہوں نے...... شاید آئیڈیل کی تلاش میں رہے ہوں گے۔ تمہیں دیکھا تو چونک اُٹھے...... مجھ سے رشتہ مانگا تھا، میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ سچ سچ بتا دیا ہے۔ یہ بھی کہہ دیا ہے کہ جویری کی محبت تب ہی حاصل کر سکیں گے جب اُس کے بیٹے کو باپ بن کر چاہیں گے۔ اُنہوں نے میری بات مان لی ہے۔ وعدہ کیا ہے کہ کبھی شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔

اب جویریہ تم خود کو ایک جانب رکھ کر صرف اور صرف طلال کے لئے سوچو۔'' اُنہوں نے نپے تلے انداز میں کہا۔

''نہیں آپا، میں یہ نہیں کر سکوں گی۔''

''اوہو...... پھر وہی جذباتیت...... کوئی جلدی نہیں، تم آرام سے سوچ کر جواب دو۔ اپنے ذہن میں اس بات کو بھی رکھو کہ آج تمہاری ضروریات محدود ہیں مگر کل طلال بڑا ہوگا تو یہ ہر سہولت مانگے گا اور تم اکیلی تو اسے کچھ بھی نہیں دے سکو گی۔''

نگینہ اتنا کہہ کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور آ کر عارفہ کے پاس بیٹھ گئی۔

''کیا صاف صاف بات کر دی جویریہ سے......؟''

''ہاں کبیر حسن کے پروپوزل کے بارے میں بتا دیا ہے میں نے......؟''

''اچھا...... پھر کیا کہا اُس نے......؟'' عارفہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''اتنی جلدی نہیں مان رہی، تم اپنی سختی برقرار رکھو، میں بھی سمجھاتی رہوں گی۔ یقین سے کہتی ہوں زیادہ دن نہیں ٹھہر سکے گی۔''

''مگر یہ سب جلدی ہو جانا چاہئے، اکبر آج کل کچھ پریشان ہیں۔''



''ہاں ہاں، میں تم سے زیادہ سمجھتی ہوں ہمارا اور اکبر کا بزنس ایک ہی تو ہے اور صرف اکبر بھائی ہی نہیں، میں اور بھائی بھی فکرمند ہیں۔''

''اسی لئے تو کہہ رہی ہوں جتنی جلدی کبیر حسن سے رشتہ داری ہو جائے، ہمارے لئے بہتر ہے۔''

''میری طرف سے تو بے فکر ہی رہو آپا...... ویسے یہ جویریہ بھی کتنی پاگل ہے، اُس کی بھلائی کے لئے ہی ہمیں اس پر سختی کرنا پڑ رہی ہے۔''

''اُوں ہوں، اُس کی نہیں اپنی بھلائی کے لئے ہم یہ سب کچھ کر رہے ہیں عارفی...... اور اسی لئے تو میں نے اپنا رویہ اتنا دوستانہ رکھا ہے تاکہ کل کو یہ شوہر کو ہمارے کام کے لئے راضی تو کر سکے، بھائی کے لئے تو دل موم ہو جائے گا...... تمہیں معاف کرے نہ کرے، کام تو ضرور کروائے گی مگر میرا دوستانہ انداز بے حد ضروری تھا ورنہ اگر مسئلہ شادی کروانا ہی ہوتا تو کچھ مشکل نہ تھی، کسی بھی دھمکی سے یہ کام بآسانی کروایا جا سکتا تھا۔''

''دھمکی سے مجھے خیال آیا، کیوں نہ ہم امتیاز کو یہاں بلالیں...... جویریہ بہت چڑتی ہے اُس سے، میرا خیال ہے کبیر حسن کے بارے میں پھر فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگائے گی، فوراً ہاں کر دے گی۔''

''ہاں واقعی عارفی، تجویز تو تمہاری معقول ہے، اس طرف تو میرا دھیان ہی نہیں گیا تھا...... تم فوراً اُس کو فون کرواور کہو کہ اپنی بیوی سے تین چار روز کے لئے کسی دوسرے شہر جانے کا بہانہ کر کے اِدھر ہماری طرف آ جائے۔''

''بیوی سے بہانہ بھلا کہاں بنا پائے گا وہ بزدل، ایسی بات تو سن کر ہی صاف انکار کر دے گا۔''

''نہیں انکار نہیں کرے گا، تم اسے بتانا جویریہ بھی یہیں ہوگی...... اکبر بھائی شہر سے باہر ہیں اور ہماری طرف سے جویریہ کے سلسلے میں اُس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں، میں لکھ کر دے سکتی ہوں، دوڑا چلا آئے گا، جویریہ کا تو اب بھی عاشق ہے وہ......''

''ہائے وہ بے چارہ ناکام عاشق......'' عارفہ ہنسنے لگی۔

''سنو، تمہاری وہ ملازمہ اب تو نہیں جاتی جویریہ کی طرف......؟''

''نہیں، میں نے سختی سے منع کیا ہے اُسے...... اور دن میں کئی بار میں خود بھی جویریہ کے کمرے کا چکر لگا لیتی ہوں، مجھے وہ کبھی وہاں دکھائی نہیں دی۔ بس دونوں ماں بیٹا حیرت کی تصویر بنے بیٹھے ہوتے ہیں۔'' دونوں قہقہہ لگا کر ہنس پڑیں۔

• • •

صبح اُن کی آنکھ کھلی تو فاطمہ کے کمرے سے تلاوت کی آواز کھلی کھڑکی کے ذریعے اُن کے کمرے تک آ رہی تھی۔ وہ بستر سے اُٹھ بیٹھے اور آج سارے دن کے پروگرام کے بارے میں سوچنے لگے۔

جب وہ تیار ہو کر ناشتے کے لئے کمرے سے نکلے تھے تو فاطمہ کے کمرے کے باہر گاؤں کی چند عورتوں کو بیٹھے دیکھا تھا۔ ان سب کے ہاتھوں میں برتن تھے اور ہر برتن میں پانی تھا۔ شاہ جی کو دیکھ کر وہ سب اُٹھ کھڑی ہوئیں اور سلام کرنے لگیں۔ اشارے سے جواب دے کر وہ کبریٰ کے کمرے میں آ گئے مگر یہ کمرہ اب بھی خالی ہی تھا۔

کبریٰ سے ملاقات کھانے کے کمرے میں ہی ہو سکی جہاں وہ اکیلی نہیں بلکہ تینوں بچے بھی موجود

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھے۔ سب سے پہلے اردشیر ان کی جانب متوجہ ہوا، مسکرا کر سلام کیا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر اُن کے قریب آبیٹھا۔

''بات تو تمہاری بالکل ٹھیک ہے کبریٰ، تم میرا سامان تیار کردو، میں ذرا بیٹھک تک جاؤں گا۔ پھر دوپہر کے کھانے کے بعد شجاع آباد کے لئے روانہ ہو جاؤں گا۔ اندازاً تین چار روز ہی لگیں گے، مجھے وہاں، تم اس کے مطابق ہی سامان رکھنا۔''

''بڑی ماں، میں اندر آجاؤں......؟'' دروازے پر کھڑی گل رُخ پوچھ رہی تھی۔

''آجاؤ، بھئی آجاؤ......'' کبریٰ اُس کی جانب دیکھ کر مسکرا کر بولیں۔

''یہ گل مجھے کبھی بھی اچھی نہیں لگی......'' اردشیر نے ناک چڑھا کر اپنی ناپسندیدگی کا برملا اظہار کیا......اور گل کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ وہ گھبرائے ہوئے انداز میں بھائی کی طرف دیکھنے لگی۔

''تمہیں گل کیوں اچھی نہیں لگتی، بیٹا یہ تو بڑی پیاری معصوم سی بچی ہے......؟'' کبریٰ کے پوچھا۔

''آپ اس سے اتنا پیار جو کرتی ہیں، اس لئے یہ مجھے اچھی نہیں لگتی۔''

''پیار تو سب سے زیادہ تم سے کرتی ہوں، تم تو ہم سب کے لاڈلے ہو۔''

''مگر پھر بھی بس یہ مجھے اچھی نہیں لگتی......'' شاہ جی بیٹے کی بات سن کر مسکراتے رہے۔ اسے روکا نہیں اور نہ ہی گھبرائے ہوئے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر کھڑی بیٹی کو تسلی دی۔ کبریٰ نے اسے قریب بلایا اور ناشتا کرنے کے لئے کہا۔

''بڑی ماں، مجھے ناشتا نہیں کرنا۔'' وہ اسی جگہ کھڑی رہی جہاں اردشیر کی بات سن کر رُک گئی تھی۔

''مگر کیوں......؟''

''مجھے بھوک نہیں ہے بڑی ماں......'' وہ آئی تو یقیناً ناشتا کرنے ہی تھی مگر اردشیر کی بات سن کر اب واپس جانا چاہ رہی تھی۔

''اچھا...... اگر ناشتا نہیں کرنا تھا تو پھر یہاں آئی کیوں تھیں......؟'' وہ اس پر ہنس رہا تھا۔ گل کے اندر اُس کے لئے نفرت کا طوفان اُٹھا مگر مجبور تھی وہ اسے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی اس طوفان کو اپنے دل میں چھپائے وہ کمرے سے نکل گئی۔

• • •

وقت بہت ظالم ہے...... بے رحم...... وہ فیصلے بھی کروالیتا ہے، جن کے بارے میں کبھی یقین سے کہا تھا، جان دے سکتے ہیں مگر ایسا نہیں کرسکتے۔

جویریہ ہار گئی تھی، اُس نے نگینہ کی بات مان لی تھی اور اب اُس کے گلے لگ کر زور زور سے رو رہی تھی، بار بار کہتی۔

''اگر میری عزت پر نہ بن آتی تو کبھی یہ بات گوارا نہ کرتی مگر امتیاز کے انداز نے مجھے مجبور کردیا تھا اور بھابی کو میری قسموں پر بھی اعتبار نہیں تھا۔ وہ مجھے ہی قصوروار ٹھہرا رہی تھیں۔ میں نے بہت مشکل سے خود کو اس شیطان سے بچایا ہے اور اگر دوبارہ وہ آن دھمکا تو شاید میں اپنا دفاع نہیں کر پاؤں گی۔''

''اچھا اچھا...... جو کچھ ہوا اُسے بھول جاؤ، خود کو سنبھالو، یقین کرو یہ فیصلہ تمہارے اور تمہارے بچے کے حق میں بہت اچھا ثابت ہوگا...... اب اسے ایسا گھر تو میسر ہوگا جہاں وہ اپنی مرضی سے کھیل کود سکے



گا۔ تم اسے اچھے اسکول میں پڑھاؤ گی، اس کی چھوٹی چھوٹی آرزوئیں پوری کروگی...... اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم خود بھی محفوظ ہو جاؤ گی ورنہ یہاں بے آسرا پڑی رہتیں تو جانے کیسے کیسے الزام آتے تمہاری ذات پر اور اگر کل کو اپنا ہی بیٹا متنفر ہو جاتا تو کہیں کی نہ رہتیں، آج تم نے خود پر جبر کرکے یہ فیصلہ کیا ہے، مگر کل اسے سراہو گی...... شاباش اب چپ ہو جاؤ، ہم نے کبیر حسن کو شادی کی تاریخ دے دی ہے۔ اب تمہیں بھی کچھ تیاری کرنی ہے، اس لئے خود کو سنبھالو۔''

''آپا...... اتنی جلدی......؟'' وہ گھبرا کر نگینہ کی شکل دیکھنے لگی۔

''یہ سب کچھ جلدی ہو جانا ہی بہتر ہے...... ہم امتیاز کو روک نہیں سکتے اور اس سے پہلے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان پہنچائے، تمہیں اپنے مضبوط گھر میں ہونا چاہئے...... اب یہ رونا دھونا بند کرو اور نئی زندگی کے بارے میں سوچو۔'' اُنہوں نے اس کے گال تھپتھپا کر کہا۔

''آپا...... آپ نے اُن سے بات تو کی ہے ناں......'' وہ طلال کو اپنا بیٹا تو سمجھیں گے ناں......؟ ایسا نہ ہو کہ جس کی خاطر میں دل پر جبر کرکے یہ سب کچھ کر رہی ہوں، وہی تنہا رہ جائے۔''

''نہیں نہیں جویریہ، وہ تو بہت اچھے انسان ہیں، بچوں سے تو بے حد پیار کرتے ہیں، اُنہیں جب میں نے طلال کے بارے میں بتایا کہ کس قدر سہم کر رہ گیا ہے اور اتنا چھوٹا ہونے کے باوجود ہر بات کو شدت سے محسوس کر رہا ہے تو بہت متاثر ہوئے تھے، وعدہ کیا ہے، اسے اپنا بیٹا سمجھیں گے۔''

''آپا...... مجھے لگتا ہے میں کوئی جرم کر رہی ہوں۔''

''ایں جرم...... نہیں یہ جرم نہیں ہے ہاں اگر امتیاز کچھ کر بیٹھتا تو بے قصور ہونے کے باوجود تم بھی اُس کے جرم میں برابر کی شریک سمجھی جاؤ گی۔''

''خدا نہ کرے...... خدا نہ کرے......'' جویریہ سوچ کر ہی کانپ گئی۔

نگینہ، عارفہ کے پاس چلی آئی اور بولی...... ''میں نے کبیر حسن کی شادی کی ڈیٹ دے کر غلطی نہیں کی۔ امتیاز بڑے کام آیا ہے، وہ اتنی خوفزدہ ہے، مان گئی ہے۔''

''تھینک گاڈ...... اکبر تو اب خاصے پریشان رہنے لگے ہیں...... اور اُن کا بھی یہی کہنا تھا کہ جویریہ کو کبیر سے شادی پر راضی ہو جانا چاہئے...... صبح ہی کراچی گئے ہیں۔ میں ابھی انہیں فون پر یہ خوشخبری سناتی ہوں......'' عارفہ نے شکر ادا کیا۔

''اور سنو، عارفی! میں نے کبیر کو ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ جویریہ بیگم خیر سے ایک بیٹے کی والدہ بھی ہوتی ہیں اور اب سوچ رہی ہوں، یہ بات تب تک پوشیدہ ہی رکھی جائے، جب تک ہم کبیر حسن سے اپنا یہ پہلا کام نہ نکلوالیں...... دیکھو ناں، اب اگر شادی کے فوراً بعد ہم انہیں یہ بات بتا دیں گے تو انہیں خاصا دھچکہ لگے گا، ممکن ہے غصے میں آکر وہ ہمارے کسی بھی کام آنے سے ہی انکار کردیں۔ اس لئے اگر کچھ عرصے بعد بتایا جائے تو بہتر رہے گا۔ تب تک جویریہ بھی شوہر پر پوری طرح چھا چکی ہوگی اور ہم بھی مراسم بڑھا لیں...... اور پھر طریقے سے یہ بات اُنہیں بتائیں گے، کہہ دیں گے، شروع میں اس لئے ذکر نہیں کیا کہ ہم خوفزدہ تھے، آپ پتا نہیں بچے کو قبول کریں نہ کریں اور اب چونکہ آپ کی عادات کا پوری طرح اندازہ ہو چکا ہے، ہم جان گئے ہیں، آپ بے حد ہمدرد دل رکھتے ہیں تو اس حقیقت سے آگاہ کردیا ہے۔'' نگینہ نے تفصیل سے کہا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''جیسا آپ مناسب سمجھیں کریں ویسے مجھے یہ خطرہ ہے کہ کہیں وہ بچے کو قبول کرنے سے انکار نہ کر دیں اور یہ ڈھول ہمارے گلے پڑ جائے۔'' وہ بے زار انداز سے بولی۔

''اوہ نہیں...... جویریہ کے معصوم حسن میں بڑی طاقت ہے کبیر صاحب چند دنوں میں ایسے اسیر ہوں گے کہ سر نہیں اُٹھا سکیں گے اس کے سامنے۔''

''پھر کیا بچہ ان کی شادی کے بعد اتنے دنوں تک یہیں رہے گا، دیکھیں ناں شادی کے بعد جویریہ اور کبیر یہاں آئیں گے، اگر بچہ موجود ہوا تو بات بگڑ سکتی ہے۔'' عارفہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ سب کچھ میں تمہارے سوچنے سے پہلے ہی سوچ چکی ہوں عارفی، اور نہ صرف سوچا ہے بلکہ حل بھی نکال لیا ہے۔ میرے گھر میں ایک عورت آتی ہے کبھی کبھی، بیوہ ہے وہ، ایک ہی بچا تھا اس کا...... پچھلے دنوں وہ بھی مر گیا۔ بہت دُکھی اور غریب سی عورت ہے۔ میں نے اس سے بات کی تھی۔ چند پیسوں کے عوض وہ طلال کو بیس پچیس روز اپنے پاس رکھنے کو تیار ہے...... اور اگر بعد میں زیادہ دن تک رکھنے کی ضرورت پڑی تو وہ اس پر بھی راضی ہو جائے گی، میری بات نہیں ٹالتی۔''

''یہ تو بہت ہی اچھا ہو گیا نگینہ آپا......''

''ہاں، اب تم اکبر بھائی کو فون کر کے ساری صورت حال سمجھا دو۔''

''ٹھیک ہے، میں بات کر لوں گی اُن سے مگر ایک خیال ابھی ابھی میرے ذہن میں آیا ہے، کیا جویریہ مان جائے گی، وہ تو اپنے بچے کی گھنٹوں کی جدائی برداشت کرنے پر بھی راضی نہیں ہوتی۔''

''بھئی یہ بات ابھی جویریہ سے نہیں کرنی، اکبر بھائی کے آنے کا انتظار کرو اور انہیں کہو کہ وہی اس سلسلے میں اپنی بہن کو سمجھائیں...... چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی یوں رونا شروع کرتی ہے کہ مجھے غصہ آنے لگتا ہے، جی چاہتا ہے ساری ہمدردی و خوش اخلاقی ایک طرف رکھ کر بری طرح جھاڑ دوں اس کو، اکبر بھائی سمجھائیں گے تو آگے سے بحث کی ہمت نہیں کرے گی۔ چپ چاپ ساری بات مان لے گی۔''

عارفہ نے فون پر اکبر علی کو جلد آنے کی تاکید کی تھی مگر وہ اپنے بزنس کی اُلجھنوں میں بری طرح گرفتار تھے۔ جلد آ نہیں سکے۔ جب آئے تو بھی بے حد اُلجھے ہوئے تھے۔ عارفہ کو بات کرنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ عارفہ کے بھائی اور اپنے بزنس پارٹنر کی طرف چلے آئے۔ نگینہ کو بھی بلا لیا کہ ان کے بزنس میں وہ بھی شامل تھی۔ دیر تک میٹنگ کے بعد بھی کوئی تسلی بخش صورت حال نہیں تھی...... دونوں حضرات کی نسبت نگینہ بہت مطمئن تھی اور انہیں بھی تسلی دے رہی تھی۔

اگلے روز نگینہ، بہن کی طرف آئی اور دونوں بہنیں مل کر اکبر کو جویریہ کے بارے میں بتانے لگیں۔ کبیر حسن سے انہیں بھی بہت توقعات تھیں اور واقعی کبیر انہیں پوری کرنے کی پوزیشن میں بھی تھے۔ جو کچھ دونوں خواتین نے کہا۔ اُنہوں نے توجہ سے سنا اور اختلاف نہیں کیا۔ شادی کی شاپنگ عارفہ اور نگینہ نے خود ہی کی۔ اگر کبھی جویریہ سے ساتھ چلنے کو کہا بھی تو اُس نے سنتے ہی انکار کر دیا۔

شادی سے ایک روز پہلے نگینہ کی لائی ہوئی عورت جس کا نام زیتون بی بی تھا جویریہ کے کمرے کے باہر کھڑی تھی جبکہ اکبر، عارفہ اور نگینہ اُس کے پاس اندر چلے آئے تھے۔

''جویریہ...... تم بچے کا سامان تیار کر دو، یہ چند روز کے لئے زیتون بی بی کے پاس رہے گا۔''

''کون زیتون بی بی......؟ اور طلال اُس کے پاس کیوں رہے گا......؟'' جویریہ گھبرا کر کہہ رہی تھی،



''شادی کے شروع دنوں میں بچے کو ساتھ رکھنا مناسب نہیں......'' اکبر بھائی کا انداز اٹل اور سپاٹ تھا۔

''یہ میرے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' خشک لبوں پر زبان پھیر کر جویریہ نے سمجھانا چاہا۔

''رہ لے گا، زیتون بہت محبت کرنے والی عورت ہے۔'' نگینہ نے آگے آ کر پیار سے سمجھایا۔

''ہاں بیٹے کی تو تم فکر ہی نہ کرو، زیتون پیار کرنے والی عورت ہے۔'' آج عارفہ کا انداز بھی بدلا بدلا، دوستانہ سا تھا۔

''زیتون بی بی، اندر آ جاؤ۔'' اکبر نے اُس کی کیفیت کو سِرے سے نظر انداز کرتے ہوئے اُس عورت کو آواز دے کر اندر بلا لیا...... اب ایک سانولی سی رنگت والی عورت جس کا چہرہ نہ صرف اُس کی غربت بلکہ شرافت اور مسکینی کی کہانی سنا رہا تھا اُن کے سامنے تھی۔

''بچے کو لے جاؤ۔''

زیتون نے لمحہ بھر کو اُس عورت کی طرف دیکھا۔ کیسی ماں تھی دوسری شادی کے شوق میں بچے کو خود سے جدا کر رہی تھی مگر اس کے چہرے پر دُکھ اور بے بسی کے سائے کیوں......؟

''اُٹھا لو بچے کو۔'' نگینہ کی آواز نے اُسے زیادہ دیر تک سوچنے اور نتیجہ قائم کرنے سے روک دیا۔

طلال سہمے ہوئے انداز میں ٹکر ٹکر ماں کی صورت دیکھ رہا تھا۔ اس وقت یہاں عارفہ اور سپاٹ چہرے والے اکبر موجود تھے، وہ اِن دونوں سے بہت ڈرتا تھا۔ آنسو اندر ہی اندر گر رہے تھے۔ آنکھیں خشک تھیں، اس کا ننھا سا دل بری طرح سہا ہوا تھا۔ زیتون نے اسے گود میں اُٹھا لیا اور کمرے سے باہر لے چلی...... وہ مُڑ مُڑ کر ماں کی طرف دیکھتا اور اس کی خوفزدہ آنکھیں ماں ماں پکارتی تھیں جبکہ جویریہ سر جھکائے کھڑی تھی۔ اس میں بیٹے کو یوں جاتے ہوئے دیکھنے کی ہمت نہ تھی مگر جونہی وہ کمرے سے نکلا، ضبط نہ کر سکی۔

''طلال'' اُس نے پوری آواز میں پکارا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ رونے کی آواز پر زیتون کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ اُس نے پلٹ کر دیکھنا چاہا مگر نگینہ کمرے سے باہر آ چکی تھی...... اور اسے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

''زیتون خود بھی ایک بیوہ عورت ہے اور اس کا اکلوتا بچہ اب اس دُنیا میں نہیں ہے۔ وہ بچوں سے پیار رتی ہے تمہارے بیٹے کو سینے سے لگا کر رکھے گا۔'' جویریہ کی ویرانی اور بے بسی عارفہ کو تسلی دینے پر مجبور کر رہی تھی۔

اگلے روز اُسے ایک بار پھر دُلہن بنایا گیا مگر اب کی بار دل جیسے بین کر رہا تھا، نہ آنکھ میں کوئی خواب ...... پر شرمگیں مسکراہٹ...... وہ ہراساں تھی اور کسی حسین مجسمے کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔

''جویریہ، ہمیں تم سے ایک بات کرنا تھی۔'' رُخصتی سے پہلے اکبر علی اور عارفہ اُس کے پاس چلے آئے، اُس نے پلکیں اُٹھا کر سوالیہ انداز میں اُن کی جانب دیکھا۔ پھر دوبارہ پلکیں گرا لیں۔

اکبر اس کے سامنے کرسی پر آ بیٹھے اور بولے۔

''کبیر حسن اچھا آدمی ہے...... پوسٹ بھی اچھی ہے اور خاندانی بھی ہے۔ ہاں مزاج کا ذرا گرم مشہور ہے مگر خیر یہ ضروری نہیں کہ گھر میں بھی وہ اس مزاج کے ساتھ رہتا ہو، بعض لوگ گھر سے باہر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بہت ..... سخت گیر اور جھگڑالو دکھائی دیتے ہیں مگر گھر میں اُن کی ایک بالکل ہی مختلف شخصیت دکھائی دی ہے اور ویسے بھی کبیر نے تمہیں خود پسند کیا ہے یقیناً وہ تم سے محبت کرے گا۔"

"اوہو ..... اکبر آپ بھی کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہیں ..... اصل بات کی طرف آیئے، زیادہ وقت نہیں ہے ہمارے پاس۔" عارفہ نے ٹوک دیا کہ وہ اس لمبی تمہید سے بور ہو رہی تھی۔

"ہاں ہاں، میں اسی طرف آ رہا تھا، بات یہ ہے جویریہ کہ ہم نے تمہاری یہ شادی سراسر تمہاری بہتری کے خیال سے کروائی ہے۔ ایک بیوہ اور وہ بھی ایسی جو بچے کی ماں بھی ہو، اس کی شادی کسی اچھی جگہ پر ہو جانا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔ جب کبیر حسن نے تمہارا رشتہ مانگا تو ہم نے یہ بتا دیا تھا کہ تم پہلے سے شادی شدہ ہو مگر یہ نہیں بتایا کہ تم ایک بیٹے کی ماں بھی ہو۔"

"بھائی جان ....." مجسمہ تڑپ کر پکار اُٹھا تھا۔

"سنو، میری بات سنو جویریہ، ہم نے کچھ غلط نہیں کیا۔ دیکھو اگر ہم یہ بات پہلے بتا دیتے تو ممکن تھا وہ تم سے شادی کرنے سے ہی انکار کر دیتا مگر اب جبکہ تم اس کے نکاح میں آ چکی ہو۔"

"مگر اب بھی تم جاتے ہی اسے بچے کے بارے میں مت بتا دینا۔" عارفہ نے درمیان میں مداخلت کی۔

"ہاں بیگم ٹھیک کہہ رہی ہیں، ایسا کر کے تم اپنا ہی نقصان کرو گی، تم پہلے اُس کے مزاج کو سمجھو، پھر اس وقت یہ بات کرنا جب یہ محسوس کرو کہ اب وہ پوری طرح تمہارے حصار میں ہے، دوسری صورت میں یہ بھی ممکن ہے کہ تم اپنی جلد بازی میں معاملہ خراب کر لو، وہ برہم ہو جائے اور پھر بچے کو اپنانے سے ہی انکار کر دے۔"

"بھائی جان، مجھے صرف اتنا بتا دیجئے کہ میں نے آپ کا کیا بگاڑا تھا .....؟ آپ لوگوں نے میرے ساتھ یہ دُشمنی کیوں کی .....؟ اگر میرا وجود اتنا ہی بھاری تھا تو مجھے کہہ دیا ہوتا، میں آپ کا گھر چھوڑ کر چلی جاتی مگر آپ لوگوں نے جانے کس بات کا بدلہ لیا ہے، ظلم کیا ہے مجھ پر اور مجھ سے کہیں زیادہ میرے معصوم بچے پر ..... پہلے تو وہ صرف باپ کے سائے سے محروم تھا مگر آپ نے تو ماں کو بھی اس سے چھین لیا ہے۔ ناصر کو تو موت نے جدا کیا، وہ خدا کا فیصلہ تھا اور اُس کی رضا کے آگے میں نے اور میرے بچے نے سر جھکا دیا تھا مگر مجھے تو جیتے جی آپ نے اُس کے لئے مار دیا ہے، اُسے تنہا کر دیا ہے آپ لوگوں نے۔" وہ روئے جا رہی تھی اور کہتی جا رہی تھی۔

"خدا نہ کرے، کیسی باتیں کرتی ہو .....؟ نکاح معمولی بندھن نہیں ..... اب جب تم کبیر کی بیوی بن چکی ہو تو اُسے طلال کو تو قبول کرنا ہی پڑے گا۔" عارفہ نہ سمجھایا۔

"اگر وہ قبول کر بھی لے تو بھی میرا بیٹا ساری عمر سوتیلے باپ کی نفرت کا شکار رہے گا، وہ بڑا ہو کر مجھے اپنا مجرم سمجھے گا ..... وہ نہیں جانتا، میں نے آگ کے اس سمندر میں چھلانگ صرف اسی کے لئے لگائی تھی۔ مگر وائے ری قسمت، میری یہ قربانی بھی رائیگاں گئی۔ آپ لوگوں نے بہت برا کیا ہے ہم دونوں کے ساتھ ..... میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔"

"اب تو جو ہونا تھا ہو چکا، یہ مت بھولو کہ اس وقت تم صرف طلال کی ماں ہی نہیں، کبیر حسن کی بیوی بھی ہو، آنسو پونچھ لو اور چلنے کی تیاری کرو ..... تمہیں سمجھانا ہمارا فرض تھا، باقی اب تمہاری مرضی۔" اکبر اتنا



کہہ کر چلے گئے۔

ہوٹل سے کبیر حسن کے گھر کا فاصلہ اُس نے جیسے نیم بے ہوشی کی حالت میں طے کیا تھا۔

آگے کیا ہو گا .....؟

اُس کے پیارے بیٹے کا کیا بنے گا .....؟

یہ سوال اُسے اس قدر پریشان کر رہے تھے کہ وہ ہوش کھو رہی تھی ..... جانے کس نے سہارا دے کر اُتارا، کیا کیا رسمیں ادا ہوئیں، اور کب اُسے ایک سادہ مگر قیمتی فرنیچر سے سجے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔

سرکاری کوٹھی کا یہ کمرہ جو کشادہ اور صاف ستھرا تو تھا مگر یہاں کوئی بھی ایسی آرائش نہیں تھی جس سے وہ دُلہن کا کمرہ نظر آ سکے۔ جویریہ میں اِدھر اُدھر دیکھنے اور جائزہ لینے کی سکت نہ تھی اور نہ ہی خواہش ..... لانے والوں نے جہاں لا کر بٹھا دیا، وہ سر جھکا کر وہیں بیٹھ گئی۔

"دُلہن آنٹی تو بہت پیاری ہیں۔" اس کے گرد بچوں کی آوازیں اُبھر رہی تھیں۔ وہ بار بار اسے دیکھتے تھے اور پھر ایک دوسرے سے کہتے تھے۔

"میں تمہاری بڑی نند ہوتی ہوں ..... میرا نام دلشاد ہے اور مجھ سے چھوٹی بہن کا نام واجدہ ہے ..... ہم دونوں کو پتا ہی نہیں تھا، اچانک ہی اطلاع ملی کہ کبیر شادی کر رہا ہے ..... بڑے حیران ہوئے ہم، مگر پھر سوچا کہ چلو اچھا ہی کیا اُس نے، گھر بس گیا ہے، تنہا زندگی گزارنا کوئی آسان تو نہیں ہوتا مرد کے لئے ..... اور میرے بھائی کے لئے تو رشتوں کی، تم یوں سمجھو کہ قطاریں ہی لگی ہوئی تھیں، اپنے ہی خاندان میں کئی گھر ایسے تھے جو رشتے کے خواہاں تھے مگر کبیر مانتا ہی نہیں تھا۔

خیر ہمیں کیا پتا تھا ..... کیا بات ہے .....؟

خاتون کو یقیناً بولنے کا خبط تھا، ایک سے دوسری بات نکال کر بولے چلی جا رہی تھیں۔ اُنہیں اس سے دلچسپی نہیں تھی کہ مخاطب ان کی بات کس حد تک سن رہا ہے، اُنہیں صرف بولنے سے غرض تھی۔

"اوہو آپا ..... آپ اِدھر بیٹھی ہیں ..... میں سارے گھر میں آپ کو ڈھونڈ رہی تھی ....." ایک اور خاتون نے دروازہ کھول کر کمرے میں جھانکا، دلشاد کو موجود پایا تو دروازے سے ہی بولنا شروع ہو گئی اور بولتے بولتے قریب آ گئی۔

"ہاں بھئی، میں تو ادھر دلہن کے پاس بیٹھ گئی تھی اور ساری فیملی کا تعارف کرا رہی تھی ..... دُلہن، میں نے بتایا تھا ناں، مجھ سے چھوٹی واجدہ ہے تو یہی ہے وہ واجدہ بیگم، بڑی پیاری بہن ہے ہماری ..... اس کے تین بچے ہیں ..... بڑی بیٹی کا نام نزہت ہے ..... اے نزہی سلام کر آنٹی کو۔" اُنہوں نے ایک بچی کو پکڑ کر اس کے سامنے کیا۔

"دُلہن سو گئی ہو ....." واجدہ جو کب سے بہن کی باتیں سن کر ہاں میں ہاں ملائے چلی جا رہی تھی۔ اب ذرا آگے ہوئی اور جھک کر اس کا شانہ ہلاتے ہوئے بولی ..... جویریہ نے بہت ہمت سے کام لے کر آنکھیں کھولیں اور چکراتے سر کو نفی میں ہلا کر ذرا سا مسکرانے کی ناکام کوشش کر ڈالی۔

کیسے ہوتے ہیں یہ نکاح کے لفظ ..... عورت جب ان لفظوں کے حصار میں آ جاتی ہے تو خود بخود ہی سمجھوتے کر لیتی ہے۔ کل تک اُس نے کبیر حسن کو بھی اس قابل نہیں سمجھا تھا کہ انہیں اپنی سوچ میں تھوڑی سی بھی جگہ دے دیتی مگر آج جب اس رشتے میں بندھ چکی تھی تو نندوں کی خوشنودی کی خاطر چہرے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



پر مسکراہٹ سجانے کے جتن کر رہی تھی۔ اُس نے نہ چاہتے ہوئے بھی ان تمام رشتوں کو قبول کر لیا تھا۔

''میرا خیال ہے آپا، اب ہم لوگوں کو کمرے سے چلنا چاہئے۔ کبیر کے موڈ کا بھی پتا نہیں چلتا، کہیں ہم پر ناراض ہی نہ ہونے لگیں...... دیکھو ناں، دیر بھی کافی ہوگئی ہے۔'' واجدہ کو خیال آیا اور وہ اُٹھ کھڑی ہوئی پھر دونوں بہنوں نے بچوں کو کچھ ڈانٹ ڈپٹ کر، کچھ سمجھا بجھا کر کمرے سے نکالا ورنہ وہ تو دُلہن آنٹی کے پاس ہی بیٹھے رہنا چاہتے تھے۔

اور جویریہ پر آپ ہی آپ انتظار کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اب آ کیوں نہیں جاتے، یہ لمحے بہت مشکل ہیں، یوں لگتا ہے تختۂ دار پر کھڑی ہوں۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور درد کی شدید ٹیسیں جویریہ نے اپنے سارے جسم میں محسوس کیں۔

''آؤ آؤ، اندر آ جاؤ۔'' آنے والا یقیناً اکیلا نہیں تھا۔

دبیز قالین پر چلتے چلتے وہ اس کے قریب آ کر رُک گئے...... خوبصورت بریسلٹ اُس کے قریب رکھا...... اور اس کے قریب بیٹھ گئے۔

اور اُس کا گھونگھٹ اُلٹ کر اپنی بھاری اور بارعب آواز میں بولے۔

''اِس سے ملو جویریہ، یہ میرا بیٹا ہے۔ مزیب حسن۔''

• • •



''مزیب دو برس کا تھا جب اس کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا، میں نے دوسری شادی نہیں کی، اپنی مصروفیات کی وجہ سے، شاید میں نے اس طرف دھیان نہیں دیا یا پھر یہ کہ قسمت میں شاید تم لکھی تھیں، تو جب نظر آئیں، تب ہی شادی ممکن ہو سکی...... مجھے امید ہے جویریہ، تم مزیب کو صرف میرا ہی نہیں، اپنا بھی بیٹا سمجھو گی۔''

یہ سب کچھ کہتے ہوئے کسی بھی جگہ کبیر حسن کے لہجے میں کھردراہٹ کم نہیں ہوئی...... مگر جویریہ نے یہ بات محسوس ہی نہیں کی کہ اُن کا انداز کیسا ہے، وہ یہ بات دوستانہ نہیں، حکمیہ...... لہجے میں کر رہے ہیں۔ وہ سر اُٹھا کر مزیب حسن کی جانب دیکھ رہی تھی۔ وہ پانچ، چھ سال کا ہوگا۔ صحت مند اور بلا کا اعتماد اس کے چہرے پر دکھائی دیتا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر شریری دوستانہ مسکراہٹ تھی اور سیاہ چمکدار آنکھوں میں جگنوؤں کی سی چمک، سیاہ سوٹ میں سلیقے سے بال بنائے، وہ بہت شوق بھرے انداز میں جویریہ کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''یہ دو برس کا تھا جب اس کی والدہ کا انتقال ہوا۔''

جویریہ کو کبیر حسن کے ادا کئے گئے جملوں میں سے بس یہی یاد رہ گیا تھا، اُس نے بے اختیار دونوں بانہیں مزیب کے لئے پھیلا دیں...... اور وہ ان میں آ سمایا۔

اُسے وہ طلال کی طرح ہی لگا۔

اور اِک بے خودی کے عالم میں وہ اس کا منہ بے تحاشا چومتے ہوئے طلال کے لئے تڑپ اُٹھی تھی۔ اگر کبیر حسن خود آگے بڑھ کر بیٹے کا بازو تھام کر اسے باہر جانے کو نہ کہتے تو شاید وہ ساری رات اسے یونہی خود سے لپٹائے ہوئے گزار دیتی۔

صبح اُس کا دل خالی تھا...... وہ سہاگن تھی مگر اس کے احساسات پر برف جمی ہوئی تھی، خاموش اُلجھی اُلجھی سی، اگر کبیر حسن کو ذرا بھی گہرائی میں اُترنے کی عادت ہوتی تو وہ ضرور اُس چپ کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرتے۔

کبیر کی بہن واجدہ صبح ناشتا دینے کے لئے کمرے میں آئیں اور جب ناشتے کے بعد کبیر کمرے سے باہر نکل گئے تو اچانک ہی بچوں نے کمرے پر جیسے دھاوا بول دیا۔ شاید وہ کبیر کے کمرے سے باہر آنے کے ہی منتظر تھے۔

''دُلہن آنٹی، آپ کتنی پیاری ہیں۔'' ایک بچی بہت شوق سے اس کے بیڈ پر آ بیٹھی اور اس کے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



چہرے کو بغور دیکھ کر سچائی سے کہنے لگی۔ اس کی دیکھا دیکھی باقی بچے بھی بیڈ پر چڑھنے لگے۔

''اُترو...... فوراً نیچے اُترو......'' مزیب نے آتے ہی بڑی سنجیدگی سے سب بچوں کو ڈانٹنے کے انداز میں کہا۔

''کیوں اُتروں......؟ میں تو یہیں بیٹھوں گی، اپنی دُلہن آنٹی کے پاس۔'' وہ بچی جویریہ کے اور بھی قریب ہوگئی۔

''واہ...... ایسے ہی بیٹھو گی...... تمہیں پتا نہیں یہ میری مما ہوتی ہیں۔'' مزیب نے اِک فخر کے عالم میں جویریہ کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھ کر سب بچوں کو بتایا۔

''جھوٹ......'' کوئی بچہ اس کی بات ماننے کو تیار نہیں تھا۔

''جھوٹے ہوگے تم سب کے سب، میں تو جھوٹ نہیں بولتا اور اب نکل جاؤ کمرے سے، مما کو تنگ مت کرو۔''

''مزیب چاند، بہن بھائی ہیں یہ آپ کے...... اور کوئی بہن بھائیوں سے بھی یوں بات کرتا ہے۔'' جویریہ کو خود ہی مزیب سے اپنائیت سے ہوگئی تھی۔ وہ بہت پیار سے اسے سمجھا رہی تھی۔

''بہن بھائی......'' اُس نے پلکیں اُٹھائیں، پھر ذرا توقف کے بعد بولا۔ ''آپ انہیں نہیں جانتی مما، یہ سب بہت برے ہیں۔ اب میری مما آئی ہیں تو یہاں اکٹھے ہوگئے ہیں اور جب آپ نہیں تھیں اور میں بھی جب ان کی مما کے پاس جاتا تھا تو یہ مجھ سے لڑا کرتے تھے۔ قریب نہیں آنے دیتے تھے...... اگر کبھی مجھے پھوپھو پیار کرلیتیں تو انہیں اچھا نہیں لگتا تھا...... مجھے کہتے تھے، ہماری مما کے پاس کیا کرنے ... تم جاؤ اپنی مما کے پاس۔''

مزیب کی بات یقیناً سچی تھی، جب ہی تو سارے بچے خاموش ہوگئے تھے۔ جویریہ کو مزیب پر بہت ترس آیا...... ماں کے پیار کو ترستا یہ بچہ کتنا حساس تھا...... اُس نے پیار سے اُس کے بال سہلائے اور بولی۔

''اب تو میں آگئی ہوں ناں اپنے بیٹے کے پاس، آپ کو اب کسی کی مما کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔''

''آپ مجھ سے وعدہ کریں مما، آپ مجھ سے یونہی پیار کریں گی اور آپ مجھے کبھی چھوڑ کر نہیں جائیں گی۔''

''ہاں بھئی، کیوں پیار نہیں کروں گی...... مائیں تو اپنے بچوں سے ہمیشہ پیار کرتی ہیں اور میں بھی آپ کو چھوڑ کر بھی نہیں جاؤں گی۔''

شادی کا دوسرا روز تھا کبیر حسن نے اس سے کوئی مشورہ نہیں لیا، بس خود ہی پروگرام سیٹ کرلیا کہ اگلی صبح انہیں اپنے آبائی گاؤں جانا ہے جہاں ان کے بزرگوں کی قبریں ہیں۔ وہاں سے حاضری کے بعد انہیں شمالی علاقہ جات کو نکلنا تھا۔ جویریہ کو کسی سیر و تفریح کا کوئی ارمان نہیں ہو رہا تھا...... مگر وہ ایسی بات ان سے کہہ تو نہیں سکتی تھی۔ جب مزیب کو یہ پتا چلا کہ وہ پندرہ بیس روز کے لئے جا رہی ہے تو اسے بہت دُکھ ہوا۔

''آپ نہ جائیں، یہیں رہیں میرے پاس۔'' وہ اسے کہہ رہا تھا۔



''میں تھوڑے دنوں کے بعد واپس آجاؤں گی، پھر یہیں رہوں گی، آپ کے پاس۔'' اُس نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''سارے بچوں کو ان کی مما ساتھ لے کر جاتی ہیں، پھر آپ مجھے چھوڑ کر کیوں جا رہی ہیں......؟''

''نہیں...... سارے بچے ساتھ تھوڑی جاتے ہیں، کچھ تو بہت چھوٹے ہوتے ہیں مگر جُدا ماؤں سے جدا کردیئے جاتے ہیں۔'' طلال کو یاد کر کے اس کا جی بھر آیا۔

''پتا نہیں کیسا ہوگا...... بہت اُداس ہوگا میرے بغیر، گھُٹ گھُٹ کر روتا بھی ہوگا۔ بہت حساس ہے میرا بچہ اور جانے کیسی کیسی آزمائش لکھ دی گئی ہے اُس کے لئے...... کبیر صاحب کو جب میں یہ بتاؤں گی کہ میں ایک بیٹے کی ماں ہوں تو اُن کا ردِعمل کیا ہوگا......؟ ان چند روز میں جہاں تک میں ہیں سمجھ سکی ہوں، یہی اندازہ ہوا ہے کہ وہ بہت سخت مزاج کے مالک ہیں اور اپنے موڈ کے مطابق چلنے والوں میں سے ہیں۔ میں نے تو اُنہیں کبھی مزیب کے ساتھ بھی بہت پیار سے بات کرتے نہیں دیکھا اور طلال سے تو ان کا کوئی رشتہ بھی نہیں بنتا، کیا وہ اسے قبول کرلیں گے۔''

♦ ♦ ♦

حالات اچانک ہی اُن کے حق میں بہت خراب ہوگئے تھے۔ عارفہ بیگم یہی مشورہ دے رہی تھیں کہ آپ کبیر حسن سے بات کریں، آخر اب وہ بہنوئی ہیں آپ کے، رشتہ داری بنتی ہے۔ اُنہیں ہماری مدد کرنا ہوگی جبکہ اکبر علی کچھ کچھ ہچکچاہٹ کا شکار تھے...... اصل میں ابھی رشتہ داری نئی نئی تھی اور یہ بھی نہیں سمجھتے تھے، کبیر حسن کس مزاج کے آدمی ہیں مگر خیر اب کچھ مجبوری بھی تھی کہ مسئلہ ہی ایسا آن پڑا تھا۔

انہوں نے کبیر کے ہاں فون کیا تو پتا چلا کہ وہ اور جویریہ شہر میں نہیں ہیں...... ملازم سے بات ہوئی تھی، وہ کب تک شہر سے واپس آئیں گے ملازم کو کچھ پتا نہیں تھا اور وقت تھا کہ تنگ سے تنگ ہوا جاتا تھا۔ انہیں اب ملک سے فرار ہونے میں ہی اپنی عافیت دکھائی دیتی تھی۔ نگینہ سے رابطہ کیا تاکہ اسے اطلاع دی جاسکے۔ (کہ بزنس سانجھا ہی تو تھا) مگر وہ بھی شہر میں نہیں تھی اور انہیں یونہی جانا پڑا۔

نگینہ کو اطلاع تب ملی جب انہیں پلین میں بیٹھے بھی کئی گھنٹے گزر چکے تھے، نگینہ کے پاس تو اب ایئرپورٹ تک بھی جانے کا ٹائم نہیں تھا اور وہ ایسا رسک لے بھی نہیں سکتی تھی۔ اُس نے صرف ضروری اشیاء ہی اکٹھی کیں، ملازموں کی چھٹی کی اور یہی فیصلہ کیا کہ فی الحال یہیں کہیں روپوش ہو جائے گی اور پھر مناسب موقع دیکھتے ہی نکل جائے گی۔ اُس کی گاڑی ابھی گھر کا گیٹ کراس نہیں کر پائی تھی کہ طلال کو گود میں اُٹھائے زیتون سامنے آگئی۔

''سلام بی بی......''

''وعلیکم......'' نگینہ پر عجلت اور گھبراہٹ سوار تھی۔

''میں جی یہ بچہ واپس کرنے آئی ہوں، آپ نے اتنے دنوں کے لئے ہی کہا تھا ناں جی۔''

''اوہو زیتون......'' اُس نے زِچ ہو کر اپنے ماتھے پر ہاتھ مارا، پھر بولی۔ ''ایسا کرو اسے تم ہی رکھ لو...... تمہیں بھی تو بڑھاپے کے لئے سہارا چاہئے۔''

''مگر بیگم جی، یہ تو اُس بی بی کا بیٹا ہے، وہ اس کے بغیر کیسے رہے گی......؟''

''ہونہہ...... اُس کی کیا بات کرتی ہو، تم نے دیکھا نہیں، اُس نے دوسری شادی رچالی ہے بہت

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



یر آدمی ے ساتھ اور اس کے شوہر کو تو پتا ہی نہیں کہ محترمہ ایک عدد بچے کی والدہ بھی ہوتی ہیں۔ اسے بر
م ہی رہنے۔'' نگینہ نے حتمی انداز میں کہہ کر گاڑی آگے بڑھا دی۔

عجیب عورت ہے اُس کی ماں بھی، اپنے دل کا ٹکڑا یوں دوسروں کو دے دیا...... اگر میرا عمر زندہ ہوتا تو میں تو اسے کلیجے سے لگا کر رکھتی...... ہا کیسی ہوتی ہیں یہ امیر مائیں، اولاد کی محبت ہی نہیں ہوتی، ان کے دل میں، بس اپنے ارمانوں کی پڑی رہتی ہے...... میں بھی تو بیوہ ہوئی تھی مگر دوسری شادی کا تو خیال بھی نہیں آیا دل میں۔''

اسے رہ رہ کر جویریہ پر غصہ آ رہا تھا جس نے اتنے پیارے بچے کو یوں خود سے الگ کر دیا تھا۔ بلکہ ایک طرح سے بوجھ سمجھ کر پھینک ہی دیا تھا...... وہ طلال کو یونہی گود میں اُٹھائے دوبارہ اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر میں چلی آئی...... اسے بستر پر لٹا کر وہ بغور اُس کی صورت دیکھنے لگی، سویا ہوا طلال بھی ویسا ہی معصوم تھا جیسا اُس کا عمر......

وہ طلال سے بہت پیار کرتی تھی...... اُس کے آنے سے اس کے ویران گھر میں رونق سی آ گئی تھی......

کیا یہ اب میرا بیٹا ہے......؟ یہ میرا عمر ہے......؟ اس کا دل خوشی سے ہمکنے لگا۔

جس روز وہ طلال کو اپنے گھر لے کر آئی تھی، اُسی روز سے اسے اپنا عمر بہت یاد آنے لگا تھا...... وہ طلال سے...... بہت پیار کرتی تھی مگر یہ خیال کہ یہ بچہ صرف چند روز کے لئے اس کے پاس آیا ہے۔ پھر واپس اپنی ماں کے پاس چلا جائے گا...... زیتون بی بی کو اُداس کر دیتا تھا، وہ سوچتی، کیسی قسمت ہے زیتون، تیری خوشی چند روز کے لئے تیرے پاس آتی ہے، پھر ان ہی قدموں پر واپس لوٹ جاتی ہے۔

تیرے میرے گھروں میں کام نمٹا کر جب رات کو وہ گھر واپس آتی تو باوجود شدید تھکن کے اسے نیند نہیں آتی تھی۔ یادوں کی بارات پورے جوش وخروش کے ساتھ اس ویران گھر میں اُتر آتی تھی اور اسے خون کے آنسو رُلاتی تھی مگر جب سے طلال آیا تھا جیسے زندگی سانس لینے لگی تھی۔ اب نگینہ نے کہا تھا وہ اس بچے کو ہمیشہ کے لئے اپنے پاس رکھ سکتی ہے۔ اُس نے خوشی سے بے قابو ہو کر طلال کا ماتھا چوم لیا۔

شروع شروع میں طلال بہت اُداس اور پریشان رہا تھا، وہ گھُٹ گھُٹ کر رویا کرتا تھا...... اور ڈری ڈری آواز میں ماں کو پکارتا تھا...... مگر اب زیتون کی محبت نے اسے کسی حد تک بہلا لیا تھا...... وہ اس سے مانوس ہو گیا تھا۔ وہ بانہیں پھیلاتی تو دوڑ کر ان میں سما جاتا۔

آج زیتون سوچ رہی تھی ''جب چند دنوں میں اس حد تک بہل سکتا ہے تو پھر تھوڑی سی مدت اور گزر جانے کے بعد تو یہ سر سے پاؤں تک میرا ہوگا...... سگی ماں کو تو بالکل ہی بھول جائے گا۔ مجھے ہی اپنی ماں سمجھا کرے گا اور اب میں اسے عمر کہہ کر بلاؤں گی۔ اس کی ماں نے تو قدر نہیں کی اس کی، مگر میں اسے شہزادہ بنا کر رکھوں گی، خود رُوکھی سُوکھی کھا لوں گی مگر عمر کی خواہش ضرور پوری کروں گی، اسے پڑھا لکھا کر بڑا افسر بناؤں گی۔''

آنے والے تین چار روز تک تو مکمل طور پر اسی سرشاری کے زیر اثر رہی کہ اللہ سائیں کو اس کی اُداس زندگی پر رحم آ گیا ہے اور اُنہوں نے طلال کی صورت میں اُسے پھر سے نواز دیا ہے...... مگر پھر ایک رات جب طلال اُس کے پہلو میں سو رہا تھا، اُس نے اپنی خوشی کو ایک جانب رکھ کر جویریہ کے بارے میں



سوچا۔

کیا وہ واقعی ایسی ماں تھی جو اپنے چاند سے بیٹے کو چھوڑ کر نئی شادی رچانے چل پڑی......؟

نہیں...... وہ ایسی لگتی تو نہیں تھی، اس کے چہرے پر تو دُکھ اور بے بسی کے سائے تھے۔ وہ بہت اُداس اور چپ چپ سی تھی...... پھر جب میں بچے کو لے کر کمرے سے نکلی تھی، تب وہ کتنا رونے لگی تھی......

نہیں...... اُس نے بچے کو اپنی مرضی سے نہیں چھوڑا، وہ ضرور مجبور تھی۔

مگر کیا مجبوری تھی اُس کے ساتھ...... بیگم نے بتایا تھا، وہ اپنے بھائی کے گھر میں رہتی تھی۔ پھر اس کے ساتھ ایسا کیا ہوا کہ بچے کو الگ کرنا پڑا......؟

سوچ سوچ کر وہ صرف اسی نتیجے پر پہنچ سکی کہ جویریہ نے بچے کو اپنی خوشی سے خود سے الگ نہیں کیا۔ باقی یہ کہ ایسا کیا ہوا تھا اس کے ساتھ جو دل پر جبر کر کے جگر کا ٹکڑا اسے سونپ دیا۔ بہت سوچنے کے بعد بھی وہ کڑی سے کڑی ملانے میں ناکام رہی۔ ہاں اس کے سادہ اور نرم وگداز دل میں یہ بات ضرور آ گئی کہ جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہوا سو ہوا، وہ اُس عورت پر جو اس بچے کی اصل ماں ہے، ظلم نہیں کرے گی...... اُس کے گھر کا چراغ چھین کر اپنے گھر میں اُجالا نہیں کرے گی۔

''میں اُس کا بچہ اسے واپس کر دوں گی، میں یہ سمجھ لوں گی، عمر ایک بار پھر آ کر چلا گیا اور یہ بچہ بے چارہ دل میں یاد تو کرتا ہی ہوگا...... ماں تو ماں ہی ہوتی ہے۔''

زیتون طلال کے واپس چلے جانے کے خیال سے ہی رونے لگی مگر ارادہ متزلزل نہیں ہوا۔

صبح کام پر جانے سے پہلے اُس نے طلال کو ساتھ لیا اور ایک بار پھر نگینہ کی کوٹھی پر چلی آئی مگر وہاں تالا پڑا ہوا تھا۔

اب کیا کروں......؟ وہ کچھ دیر وہیں کھڑی سوچتی رہی، ذہن میں یہ خیال اُبھرا کہ اسے اس کوٹھی پر جانا چاہیئے جو اس بچے کے ماموں کی ہے...... وہ علی اکبر کے ہاں ایک بار طلال کو لینے ہی گئی تھی۔ راستوں سے اچھی طرح واقف نہیں تھی مگر اندازہ تو کچھ نہ کچھ تھا ہی اور آخر وہ پہنچ ہی گئی مگر وہاں آ کر بھی مایوسی ہوئی، کہ یہاں پر بھی گیٹ پر تالا تھا۔

اب کیا کیا جائے......؟ وہ خاصی تھک گئی تھی...... کچھ دیر بند گیٹ کے سامنے فرش پر بیٹھی رہی۔ پھر یہ سوچ کر اُٹھ کھڑی ہوئی کہ چلو پھر کبھی دوبارہ چکر لگا لوں گی...... طلال کو گود میں اُٹھایا اور واپس چل پڑی۔

• • •

اکبر علی اور نگینہ تو گرفتاری سے بچ گئے مگر عارفہ کا بھائی جس کے ساتھ مل کر اکبر علی نے یہ بزنس شروع کیا تھا، وہ گرفتار ہو چکا تھا اور پولیس کی تحویل میں تھا...... اخبارات میں ساری کہانی خاصی تفصیل کے ساتھ شائع ہو رہی تھی...... اس کہانی میں اکبر اور نگینہ کا نام بھی شامل تھا۔

''اوہ...... تو یہ ہے تمہاری فیملی...... بظاہر تو بڑے معزز بنتے ہو تم لوگ......'' اخبار پڑھ کر کبیر حسن نے حقارت سے جویریہ کی جانب دیکھا اور تمسخرانہ انداز میں کہہ کر اخبار اُس کی جانب اُچھال دیا...... وہ ان کی بات سمجھی نہیں، اخبار اُٹھا کر دیکھا اور جیسے زمین میں گڑ گئی۔

''اگر پہلے یہ بات میرے علم میں آ جاتی تو تم سے ہرگز شادی نہیں کرتا...... ہونہہ، متمول طرحدار

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



فیملی ......'' ان کا انداز ہتک آمیز تھا ...... جویریہ سر جھکائے یہ سب سننے پر مجبور تھی ...... اپنی صفائی میں کچھ کہنا بات گنوانے کے مترادف تھا ...... اتنا تو انہیں اب وہ جاننے ہی لگی تھی، وہ رائے قائم کرنے اور پھر اس پر ڈٹ جانے کے عادی تھے۔

بھائی کا بزنس کیا ہے، یہ بات تو اسے خود بھی آج کا اخبار دیکھنے کے بعد ہی معلوم ہوئی تھی مگر ایسے مرد سے کیا کہنا جو رائے قائم کرنے میں بہت جلدی کرتا تھا۔

وہ یہ بھی جان چکی تھی کہ اس کا یہ شوہر کسی کو زیادہ دیر تک اہمیت دینے کا قائل بھی نہیں، اسے اپنی ذات سے بے حد لگاؤ ہے اور خود پر خطرناک حد تک مان ہے، وہ خود کو بے حد ذہین اور باخبر تصور کرتا ہے۔ باقی کے لوگ اس کے لئے ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

جویریہ اور کبیر حسن آج ہی شہر سے واپس آئے تھے۔ جویریہ طلال کے لئے بہت اُداس ہو رہی تھی، وہ سوچ رہی تھی کہ جیسے ہی کبیر آفس جائیں گے، وہ گاڑی لے کر نگینہ آپا کی طرف چلی جائے گی، طلال سے مل کر آئے گی اور آپا سے مشورہ لے گی کہ اُسے کن الفاظ میں اور کس طریقے سے یہ سب کچھ کبیر کو بتانا چاہئے، بے شک وہ ان سب لوگوں سے دل ہی دل میں ناراض تھی کہ انہوں نے کبیر سے شادی کر کے اور بچے کے بارے میں اسے کچھ نہ بتا کر جویریہ کے ساتھ بہت زیادتی کی تھی مگر ان چند دنوں میں جو اُس نے کبیر کے ساتھ گزارے اسے احساس ہو گیا تھا کہ یہ مرد دل کی جگہ سینے میں پتھر رکھتا ہے۔

اور وہ کبیر حسن سے کچھ خوفزدہ بھی ہو گئی تھی۔ اب وہ کسی ہمدرد اور غمگسار دوست کی آرزو رکھتی تھی۔ بھابی سے اُسے کسی ہمدردی کی توقع نہیں تھی ہاں البتہ نگینہ شاید کچھ رہنمائی کر سکے۔ اسے یہ خیال بھی تھا کہ ممکن ہے وہ عورت طلال کو نگینہ یا بھائی جان کی طرف چھوڑ کر چلی گئی ہو کہ دن بھی تو بہت ہو گئے تھے مگر اب ناشتے کی ٹیبل پر اخبار ایک پریشان کن خبر کے ساتھ موجود تھا اور وہ سوچ رہی تھی، طلال اب کہاں ہوگا اور کس حال میں ہوگا ......؟

کبیر حسن بڑبڑاتے رہے اور ناشتا کرتے رہے جبکہ وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے خاموش بیٹھی رہی۔

ناشتے کے بعد وہ آفس کے لئے روانہ ہوئے تو وہ بھی عجلت ...... میں باہر آ گئی۔ ڈرائیور کو بھائی کے گھر کا ایڈریس (جس سے وہ خود بھی پوری طرح واقف نہ تھی) سمجھانے لگی۔ خاصی دیر کے بعد جا کر وہ مطلوبہ مقام تک پہنچ سکے، یہاں تالا تھا۔ جبکہ وہ اس خیال سے آئی تھی کہ شاید ملازم موجود ہوں گے، اب اُس نے ڈرائیور سے نگینہ کے ہاں چلنے کو کہا ...... ایڈریس وہ نہیں جانتی تھی مگر ڈرائیور خود نگینہ بیگم کی کوٹھی سے واقف تھا۔

شاید وہاں کوئی موجود ہو ...... ممکن ہے طلال سے وہاں ملاقات ہو جائے، وہ دعا بھی مانگ رہی تھی اور اُمید بھی کر رہی تھی مگر اس کے باوجود دل گھبرا رہا تھا اور وہ اگر طلال وہاں نہ ہوا تو، کی گردان سے سخت پریشان بھی ہو رہی تھی، یہاں بھی گیٹ پر تالا تھا۔ اس کا دل دھک سے رہ گیا۔

''میرا بچہ ...... اگر یہ لوگ واقعی ملک سے فرار ہو گئے ہیں تو پھر میں اس عورت کو کیسے تلاش کروں گی ......؟'' اس کا ذہن تاریکیوں میں ڈوبنے کو تھا اور آنکھوں میں پانیوں کا سمندر تھا ...... گھر آتے ہی وہ بیڈ پر گر پڑی ...... اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ بے قراری کے عالم میں زور زور سے رو رہی



تھی ...... مزیب اس کی حالت سے پریشان ہو کر بار بار وجہ پوچھتا تھا، کبھی پانی پلانے کی کوشش کرتا تو کبھی پیشانی پر آئے بال ہٹا کر آنسو پونچھتا۔

''مما ...... کسی نے مارا ہے آپ کو ......؟ پپا نے کچھ کہہ دیا کیا ......؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر جویریہ جواب دینے سے قاصر تھی۔ مسلسل رونے اور پریشانی نے اس کی حالت خراب کر دی تھی۔

''میں ڈاکٹر انکل کو فون کرتا ہوں۔''

• • •

وقت کب رُکتا ہے، اس کا چکر اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ چلتا رہتا ہے ...... کیسے کیسے ارادے، کیا کیا خواب اور کیسی کیسی اُمیدیں اس کے پاؤں تلے آ کر کچلی جاتی ہیں ...... رفتار تو بہت تیز ہے اس کی مگر پاؤں بہت ہی دبا کر رکھتا ہے، یوں کہ کسی کو آہٹ بھی محسوس نہیں ہوتی ...... ہاں نشان چھوڑ جاتا ہے، چہروں پر، یادوں پر اور آنکھوں میں۔

کل جس آنگن میں ننھے قدموں کے نشان تھے، آج وہاں شہنائی کی گونج ہے۔ ستارہ کی شادی ہے، کبریٰ نے یہ رشتہ اپنی مرضی سے کیا ہے، اپنے سگے بھانجے کے ساتھ ...... شاہ جی نے اعتراض بھی نہیں کیا اور کبریٰ نے بیٹی کی ڈولی ایک شان سے رُخصت کی ہے۔

ستارہ کی شادی تو شاید صرف اور صرف کبریٰ خاتون کے لئے اہم رہی ہوگی مگر اردشیر کا مڈل کے امتحان میں پاس ہو جانا تو سب کے لئے اہم ہے۔ راحت کہتی ہے سارے گاؤں میں مٹھائی بانٹوں گی، پھر اپنے بیٹے کی نظر اُتاروں گی، صدقے خیرات کروں گی ...... اردشیر کرسی پر ایک شان سے براجمان ماں کی خوشی کو مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔

راحت نے قریب آ کر اُس کی پیشانی پر ایک بار پھر بوسہ دیا ...... اور بولی۔

''کل ہی کی تو بات لگتی ہے، جب ہم نے تمہیں اسکول میں داخل کروایا تھا ...... وقت کیسے گزر گیا۔ پتا بھی نہیں چلا اور میرا بیٹا جوان ہو کر میرا مان، میرا فخر اور میری ڈھال بن گیا ہے۔''

پندرہ سالہ اردشیر ہنس پڑا اور بولا ......''آپ کو کس سے خطرہ ہے جو ڈھال کی ضرورت ہے۔''

''خطرے تو ہوتے ہیں بیٹا مگر خیر تم چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ آج کھانے پر کیا بناؤں اپنے بیٹے کے لئے ......؟''

''چھوٹے سرکار، مجھے آم کا مربہ بنانا آتا ہے بناؤں آپ کے لئے ......؟'' ایک نوجوان تیز سی ملازمہ بڑی شوخی سے پوچھ رہی تھی۔

وہ تھا تو ابھی صرف پندرہ سال کا لیکن صحت اور قد کاٹھ کی وجہ سے اپنی عمر سے خاصا بڑا اور بھرپور دکھائی دیتا تھا اور اسی وجہ سے اب کچھ نوجوان ملازماؤں کے دل حویلی میں زیادہ لگنے لگے تھے حالانکہ وہ ڈانٹ ڈپٹ کر ہی بات کرتا تھا، ان نیچ ذات کے لوگوں کو منہ نہیں لگاتا تھا مگر وہ منتظر تھیں کہ ابھی چھوٹا بھی تو تھا مگر وہ دن دُور نہیں تھے۔ جب اسے کورس کی کتابوں کے علاوہ آنکھوں کے سوال اور چہرے پر لکھی اَن کہی کہانیاں بھی پڑھنی آ جانی تھیں۔

گل رُخ نے بھی مڈل کا امتحان اردشیر کے ساتھ ہی دیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ نمبر لے کر کامیابی حاصل کی تھی۔ مگر اس بات کی خبر کسی کو بھی نہیں تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"میں کچھ کہنا چاہتا تھا آپ سے بابا جان۔"

"ہاں ہاں، کہو پتر......" اُن کی آنکھوں میں، اُن کے چہرے پر، اُس کے لئے شفقت ہی شفقت تھی۔

"میں اب شہر کے کسی اچھے اسکول میں ایڈمیشن لوں گا...... گاؤں کے اسکول سے میٹرک کرنے کو جی نہیں چاہتا۔" اُس کا انداز اطلاع دینے والا تھا، اجازت طلب کرنے والا ہرگز نہیں تھا۔

"جیسے میرے شہزادے کی مرضی...... شہر میں بھی رہائش کا کوئی مسئلہ نہیں، تین کوٹھیاں ہیں وہاں اپنی، اور تینوں ہی میں نے تمہارے نام کی ہوئی ہیں۔"

"اچھا بابا، یہ تو آپ نے کبھی مجھے بتایا ہی نہیں۔"

"بتانے والی کیا بات ہے پتر، ساری جائیداد ہی تمہاری ہے۔"

"مگر وہ کوٹھیاں آپ نے میرے نام کیوں کردیں۔"

"بس ایسے ہی...... جب بنوائی تھیں، تب ہی اس ارادے سے بنوائی تھیں...... تم شہر کے اسکول میں ضرور داخلہ لے لو...... ہاسٹل میں نہیں رہنا پڑے گا۔ جس کوٹھی کو پسند کرو گے، میں وہیں رہائش کا پورا بندوبست کروادوں گا...... جتنے چاہو نوکر چاکر یہاں گاؤں سے اپنے ساتھ لے جانا۔"

"ٹھیک ہے بابا جان...... اور ذرا چابی دیجئے گا، اُنہوں نے چابی اسے تھمادی، اس ہدایت کے ساتھ کہ گاڑی تیز نہ چلانا...... وہ ہمیشہ ایسا ہی کہتے تھے۔ باقی بات ماننا یا نہ ماننا، یہ تو اردشیر کی اپنی مرضی پر تھا۔

اردشیر چابی ہاتھ میں پکڑے زنانہ حصہ کراس کرکے باہر کے احاطے میں آیا...... اور سامنے سے آتی مہراں کی آنکھیں، اس پر نظر پڑتے ہی جگمگانے لگیں۔ سانولی رنگت میں چمک آگئی...... سر پر رکھا گٹھڑا اُس نے نیچے پھینک دیا اور بظاہر دوپٹہ درست کرتی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔

"سلام چھوٹے شاہ جی۔" ماتھے تک ہاتھ لے کر اُس نے کھنکتے ہوئے لہجے میں سلام کیا۔

"وعلیکم......" اردشیر نے خاص نوٹس نہیں لیا۔

"میں نے سنا ہے سرکار امتحانوں میں پاس ہوگئے ہیں جی۔"

"ہاں......" اردشیر اب چلتے چلتے رُک گیا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر پیسے نکالنے لگا۔ وہ مہراں کی بات سمجھ گیا تھا...... پیسے نکال کر اس کی جانب بڑھائے...... اُس نے جھٹ پکڑ لئے، پھر بولی۔

"میرے سرکار، میں نے اس لئے تو مبارکباد نہیں دی تھی۔ میڈا سوہنا چن داٹوٹا ہے (میرا سوہنا چاند کا ٹکڑا ہے) ایسا گھبرو ہوگا کوئی پورے پنڈ میں۔"

اردشیر اس خوشامدانہ انداز سے کیا پگھلتا کہ یہ سب بچپن سے سنتا آرہا تھا...... اب تو عادی ہوگیا تھا اور یقین بھی تھا کہ ہاں میں واقعی اس قابل ہوں کہ یہ سب کہلاسکوں۔ اب تو کوئی اگر سراہے بغیر گزر جاتا تو حیرت ہوسکتی تھی۔

وہ اپنے مخصوص انداز میں سر کو بائیں شانے کی جانب تھوڑا سا خم دیئے پاؤں زمین پر پوری طاقت سے جما کر رکھتا گاڑی تک آگیا۔

مہراں نے گٹھڑا ایک بار پھر سر پر رکھا اور زنانے کی طرف چل دی۔ وہ بیس اکیس برس کی بڑی تیز



لڑکی تھی اور گُر بھی خوب جانتی تھی۔ بے شک اردشیر ابھی چھوٹا تھا مگر بچہ تو نہیں تھا اور پھر کبریٰ تو اردشیر کے اکثر کام نوجوان ملازماؤں سے ہی کرواتی تھیں، یہاں تک کہ سر میں تیل ڈالنا ہوتا تو بھی مہراں...... یا شاداں کو ہی آواز دیتی تھیں۔

جبکہ راحت بیگم نوجوان ملازماؤں کو اردشیر کے قریب دیکھ کر جھڑک دیتی تھیں اور ان کی کوشش ہوتی تھی کہ یہ لڑکیاں زیادہ تر باورچی خانے کا کام ہی نبٹائیں۔ اِدھر اُدھر چٹکتی مٹکتی، مسکراتی شرماتی...... اور اردشیر کو غیرارادی طور پر ہی دیکھتی ہوئی نہ نظر آئیں۔

• • •

وہ بے وفا نہیں تھی، اسے زمانے نے ستایا تھا...... اُس کے بُت کو کسی اور کے حوالے کردیا تھا مگر دل جہاں تھا، وہیں رہ گیا۔ کتنے جگ بیتے، کیسے کیسے موسم آئے مگر دل میں ایک ہی موسم ٹھہرا...... یاد کا موسم...... وہ ناصر کو کبھی نہیں بھول سکی۔ جب کبیر حسن قریب ہوتے تب بھی وہ ناصر کو محسوس کرتی اور ایسا کرتے اُسے کبھی یہ خیال نہیں آیا کہ وہ کبیر حسن کے ساتھ بددیانتی کررہی ہے، وہ خود کو حق بجانب سمجھتی تھی۔

اگر یہاں اس کے گھر میں یہ بچہ مزیب نہ ہوتا تو جویریہ کے لئے ایک ایک دن کاٹنا پہاڑ کے برابر ہوجاتا۔

اور جب شادی کے ایک برس بعد لیڈی ڈاکٹر نے ایک نئے وجود کی آمد کی خبر دی تھی...... تو اُس کی پلکوں پر ستارے چمکنے لگے تھے۔ اسے ناصر سے انتہا یاد آیا۔ اس کے کہے الفاظ کانوں میں گونجنے لگے۔ جیسے کل ہی تو ناصر نے کہا تھا، ہم اپنی بیٹی کا نام رائحہ رکھیں گے۔

اور جب بیٹی ہوئی تو اُس نے واقعی اس کا نام رائحہ رکھ دیا...... وہ ناصر کی بیٹی تو نہیں تھی مگر پھر بھی جویریہ نے اسے یہ نام دے دیا اور بازو آنکھوں پر رکھے بے آواز روتی چلی گئی۔

مزیب ننھی سی بہن پا کر بہت خوش تھا، جبکہ جویریہ خاموش اور اُداس، آج بھی اپنی سوچوں میں اُلجھی ہوئی تھی، دل کا ایک ٹکڑا تو اس کے برابر میں پڑا تھا مگر دوسرا کہاں ہوگا اور کس حال میں ہوگا...... طلال، میرے لال، میرے چاند......

جب رائحہ تین سال کی تھی، تب کبیر کی بہن واجدہ اپنی فیملی کے ساتھ مستقل قیام کے لئے اُن کے ہاں آگئیں کہ ان کے شوہر نے اس شہر میں ایک ٹھیکہ لیا تھا۔ جویریہ کو ان کی آمد پر خوشی ہوئی کہ چلو کوئی بات کرنے والا تو ہوگا۔ اُس نے خود اپنی نگرانی میں ملازموں سے اُوپر والا پورشن سیٹ کروایا۔ مگر واجدہ کی آمد کے چند روز بعد ہی اسے اندازہ ہوگیا تھا، واجدہ صرف روایتی نند تھیں۔ جویریہ کے ساتھ کبھی زیادہ بات نہیں کرتی تھیں۔ اگر وہ اوپر اُن کے پاس آتی تو اِدھر اُدھر کی فضول کاموں میں اُلجھی خود کو بہت مصروف ظاہر کرتی تھیں، وہ بھی سمجھ گئی اور ان کے پاس جانا کم کردیا۔

ہاں اپنے بھائی کے ساتھ واجدہ خوب باتیں کرتی تھیں۔ اگر وہ گھر پر ہوتے تو نیچے آتیں، رائحہ سے پیار کرتیں اور جویریہ سے بھی خوب ہنس ہنس کر باتیں ہوتیں...... وہ ان کی دوغلی پالیسی پر حیران تھیں مگر کچھ کہنے سے قاصر تھی کہ کبیر بہن کے ساتھ کافی نرم اور سادہ رویے سے مخاطب ہوتے تھے۔ واجدہ کے متعلق مزیب بتاتا تھا کہ وہ اس سے بالکل پیار نہیں کیا کرتیں۔ جویریہ کی شادی سے پہلے دونوں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



پھوپھیوں کا رویہ اس بچے کے ساتھ اچھا نہیں تھا مگر اب وہ مزیب سے بہت پیار جتاتی تھیں۔ جب اُوپر جاتا، اسے پیار سے پاس بٹھا لیتیں اور جویریہ کے متعلق کرید کرید کر سوال کرتیں اور اسے جویریہ کے خلاف بھڑکانے کی بھی کوشش کرتیں۔

ایک تو یہ کہ مزیب نے ماں کی وفات کے بعد پھوپھیوں کا جو رویہ اپنے ساتھ دیکھا تھا، اس سے وہ انہیں ناپسند کرتا تھا اور دوسری بات جو جویریہ کے حق میں جاتی تھی، وہ یہ تھی کہ واجدہ شادی کے شروع دن سے ان کے ساتھ نہیں رہیں بلکہ چار سال بعد آئی تھیں۔ تب تک مزیب جویریہ کے بہت قریب آ چکا تھا اور سمجھدار بھی ہوگیا تھا۔ ایسی باتیں اسے ماں سے بدظن نہیں کرسکتی تھیں۔ واجدہ پھوپھو جو باتیں کرتیں وہ سب آ کر جویریہ کو بتا دیتا۔

”تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو، میں کوئی ایسی ہوں بھلا۔“ وہ گھبرا کر مزیب سے کہتی۔

”آپ تو میری مما ہیں...... بھلا بچے دوسروں کی باتوں میں آ کر اپنی مما کو چھوڑ سکتے ہیں......؟“ وہ سر اس کے بازو پر ٹکا کر برابر میں بیٹھ جاتا۔

”تم ان کی باتوں میں کبھی نہ آنا......“ وہ پھر کہتی۔

تب مزیب جلدی سے اثبات میں سر ہلا دیتا۔

اور واقعی اُس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا تھا...... اب عمر کے پندرھویں برس میں وہ میٹرک کا اسٹوڈنٹ تھا اور ماں اور بہن سے پیار کا وہی عالم آج بھی تھا۔ جبکہ واجدہ نے روزِ اوّل والا فاصلہ اب بھی برقرار رکھا تھا۔ رائحہ کہتی......

”میرا کتنا دل چاہتا ہے، میری بھی کوئی بہن ہوتی...... گھر میں مہناز باجی ہیں، نزہت باجی ہیں مگر وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کرتیں۔“ وہ واجدہ کی دونوں بیٹیوں کی بات کرتی۔

”وہ تم سے بڑی ہیں، تم سے کیا بات کریں......؟“ جویریہ سمجھاتی۔

”چلیں نزہت آپی تو بہت بڑی ہیں مجھ سے، وہ تو بھائی سے بھی بہت بڑی ہیں مگر مہناز باجی تو کچھ زیادہ بڑی نہیں مجھ سے اور بھائی سے تو بہت دوستی ہے ان کی، بس مجھ سے بات کرنا پسند نہیں۔“

”اچھا...... اب سمجھا، اصل تکلیف تو یہ ہے کہ مجھ سے اتنی دوستی کیوں ہے......؟“ مزیب کتاب بند کر کے بظاہر لڑنے کے انداز میں بولا۔

”دیکھ لیں مما، اب بھائی خود لڑائی کرنا چاہ رہے ہیں، میں کچھ کہوں گی تو آپ ڈانٹیں گی کہ بڑا بھائی ہے، ادب سے بات کیا کرو۔“

”ہاں بھئی بڑے بھائی، تمہیں خود اپنی بزرگی کا خیال کرنا چاہئے۔“ جویریہ ہنس کر مزیب سے کہنے لگی۔

”مما...... آپ بھی بھیا کی سائیڈ لے رہی ہیں۔“ رائحہ نے شور مچایا۔

”ہاں لے رہی ہیں میری سائیڈ...... چلو تم جا کر نماز پڑھو۔“ پھر جویریہ سے بولا۔ ”اسے تو آپ نے پکی مُلانی بنا دیا ہے، نماز، قرآن، روزے وغیرہ وغیرہ۔“

”اور آپ کو تو یہ بھی نہیں پتا کہ اس وقت کوئی نماز نہیں پڑھی جاتی۔“

”ہیں...... تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو، گئی نہیں...... اگر نماز کا وقت نہیں ہے تو گڑیوں سے کھیلو،



تمہیں یہی تو کام ہیں بس۔“

”اکیلی کھیلوں......؟“ وہ منہ بنا کر بولی۔

”اس سے پہلے بھی تو اکیلی ہی کھیلتی رہی ہو، آج زیادہ احساس کیوں ہو رہا ہے......؟ چلو میں تمہارے ساتھ کھیلتا ہوں۔“

”آپ سے۔“ وہ کھلکھلائی۔

”پاگل لڑکی، اس میں اتنا ہنسنے کی کیا بات ہے......؟“ وہ خود بھی مسکرا دیا۔

”آپ تو لڑکے ہیں اور مجھ سے اتنے بڑے بھی ہیں...... آپ کے ساتھ میں بھلا کیا کھیلوں گی......؟“

”میں تمہاری خاطر بور سے بور کھیلنے کو بھی تیار ہوں...... ہاں بس ایک درخواست ہے گڑیا کے کپڑے مت سلوانے لگنا، یہ کام مجھے نہیں آتا۔“

”تمہیں کچھ بھی نہیں آتا سوائے باتیں بنانے کے۔“ جویریہ نے چھیڑا۔

”ہاں تو کوئی شک ہے۔“ جویریہ نے ہنسی دبائی۔

”وہ جی چھوٹے صاحب، آپ کو پھوپھو بیگم صاحبہ بلا رہی ہیں۔“ ملازمہ نے آ کر پیغام دیا (مزیب اور رائحہ کی دیکھا دیکھی گھر کے ملازم بھی انہیں پھوپھو کہنے لگے تھے۔)

”ہوں...... اب کوئی نہ روکے، اس لڑکے کو پیاری پھوپھو نے بلایا ہے۔“

”صرف پیاری نہیں، راج دُلاری بھی کہیں۔“ اس نے جاتے جاتے مُڑ کر جویریہ کی طرف دیکھا۔

”پتا نہیں تمہاری پھوپھو کو تم سے کیا باتیں کرنی ہوتی ہیں جو دن میں کئی کئی بار بلاتی ہیں اور تم بھی دوڑے دوڑے جاتے ہو۔“ اب وہ سنجیدہ ہوگئیں۔

”میں پھوپھو سے ملنے تھوڑی جاتا ہوں...... میری دوستی تو ان کی ساس سے ہے۔“

”جھوٹ مما، بھائی جھوٹ بول رہے ہیں، دادی تو اپنے کمرے میں ہوتی ہیں، یہ پھوپھو اور ان کے بچوں کے پاس بیٹھے رہتے ہیں۔“ رائحہ بول اُٹھی۔

”ہا...... کاش جتنا ٹائم تم ہماری جاسوسی پر ضائع کرتی ہو، اتنا اپنی پڑھائی کو دیا کرو تو پتا نہیں کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ، کیوں مما، ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں میں۔“

”میرا خیال ہے تم نے آج تک کبھی کوئی غلط بات نہیں کی۔“

”شکریہ شکریہ، ذرّہ نوازی ہے آپ کی...... اچھا اب میں چلوں...... وہ بے چاری راہوں میں پلکیں بچھائے بیٹھی ہوں گی۔“

وہ دروازے تک گیا پھر رُک کر ماں کی طرف دیکھا اور وہیں سے بولا۔

”انتظار کرنا، واپسی پر جھولی بھر کر مزے مزے کی خبریں لے کر آؤں گا۔“

”اگر جو تمہاری پھوپھو کو علم ہو جائے کہ تم ایک ایک بات نیچے آ کر مجھے بتاتے ہو تو سوچو ذرا، کیا حال [illegible]گا اُن کا۔“

ماں کی بات پر وہ قہقہہ لگا کر ہنسا اور بولا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ہاں سچویشن تو شاندار ہوگی......'' پھر وہ ہاتھ ہلا کر چلا گیا، جویریہ بعد میں بھی بیٹھی اُس کی باتوں پر ہنستی رہی۔

اُسے گئے ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ کبیر حسن گھر آ گئے۔ جویریہ ان کے آتے ہی پوری طرح الرٹ دکھائی دینے لگی۔ پہلے بریف کیس اور کوٹ لے کر رکھا پھر ادب کے ساتھ چائے پانی کے بارے میں پوچھا۔

''مزیب کہاں ہے......؟'' اُس کی بات نظر انداز کر کے بیٹے کے بارے میں پوچھا۔

''ابھی ابھی آپا جان کی طرف گیا ہے، بلوایا تھا اُنہوں نے، آپ کہیں تو بلا لیتی ہوں۔''

''نہیں رہنے دو۔''

''چائے منگواؤں آپ کے لئے......؟'' جویریہ نے دوبارہ پوچھا۔

''ہوں......'' مختصراً کہہ کر وہ صوفے پر آ بیٹھے۔

رائحہ اب تک خاموش بیٹھی باپ کو دیکھ رہی تھی......اُنہوں نے بیٹی کی طرف دیکھا اور جانے کیسے شفقت سے مسکرا دیئے۔

''کیا حال ہے بیٹی کا......؟'' رائحہ کے حصے میں ان کی اتنی توجہ کم ہی آتی تھی، انہیں متوجہ پا کر کھل سی گئی۔

''آ گئے کبیر تم، میں نے اوپر سے گاڑی دیکھ لی تھی۔'' وہ مسکراتی ہوئی بھائی سے مخاطب تھیں۔

''آؤ آپا، بیٹھو۔'' اپنے موڈ پر قابو پا کر وہ بولے۔

''اے بھائی، ہمیں بھی چائے پلوا دو، عنایت ہوگی۔'' واجدہ کی ہمیشہ سے یہ کوشش رہی تھی کہ جب وہ بھائی کے پاس بیٹھی ہوں تو جویریہ وہاں موجود نہ ہو، جویریہ بھی سمجھتی تو تھی مگر پھر بھی خاموشی سے ہٹ جاتی اور کبھی جتاتی بھی نہیں تھی۔

''کیا بات ہے، طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری بہت تھکے تھکے سے لگ رہے ہو......؟''

''ہاں بس ٹھیک ہی ہوں۔''

''ایسے نہیں، اپنی صحت کا خیال رکھا کرو، بیوی کو فکر ہو یا نہ ہو، ہم بہنوں کو تو ہر دم خیال رہتا ہے تمہارا، دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتی ہوں تو سچی بات ہے، اپنے بچوں اور میاں کے لئے بعد میں، پہلے تمہارے لئے دُعا کرتی ہوں، تم ہم بہنوں کے لئے ٹھنڈی چھاؤں ہو، تمہیں دیکھ دیکھ کر جیتی ہیں ہم تو۔''

''میں سمجھتا ہوں آپا......'' اتنی محبت کا اظہار انہیں ممنون کر رہا تھا اور لہجہ بے حد نرم اور محبت بھرا تھا۔

''بڑی دیر ہوگئی ہماری بھابی صاحبہ چائے لے کر نہیں آئیں شاید ہمیشہ کی طرح بھول گئی ہوں گی، خیر کوئی بات نہیں......'' آواز میں اچانک ہی مظلومیت گھل گئی......کبیر حسن تو پہلے ہی بغیر کسی وجہ کے جویریہ سے ناراض بیٹھے تھے، اب تو ایک معقول وجہ بن گئی تھی۔ غصے کے عالم میں دروازے کی جانب دیکھا اور شکر ہوا کہ اُسی وقت ملازمہ ٹرے میں چائے کے برتن سجائے ہلکا سا ناک کرنے کے بعد اندر آ گئی۔

''بیگم صاحبہ کہاں ہیں تمہاری......؟'' کبیر نے پوچھا۔

''وہ بے بی (رائحہ) کے بیڈروم میں ہیں جی۔''



''ہاں ہمارے پاس تو کم ہی بیٹھنا پسند کرتی ہیں بھابی بیگم، چلو کوئی بات نہیں، اللہ خوش رکھے، سدا سہاگن رکھے۔'' واجدہ نے جتا کر بھی جیسے کچھ بھی نہیں جتایا۔

''وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔'' ملازم لوگ بھی گھر کے افراد کو پہچانتے ہیں۔ جویریہ کی عادات و اخلاق سے سب ہی متاثر تھے، ملازمہ سچی بات کہہ کر چلی گئی۔

کچھ دیر دونوں خاموشی سے چائے پیتے رہے پھر واجدہ بولیں۔

''میں تمہارے پاس ایک کام سے آئی تھی کبیر۔''

''جی حکم کریں آپا۔''

''کیسا حکم بھائی، میں تو تم سے سخت شرمندہ ہوں۔ بیاہ ہونے کے باوجود تم پر بوجھ ہوں مگر کیا کہوں، کس سے کہوں......؟ ایک تم ہی تو ہو ماں بھی، باپ بھی اور بھائی بھی، میر امیکہ تمہارے ہی دم سے آباد ہے، فریاد لے کر یہیں تو آؤں گی میں، سچ تو یہ کہ میرے بچوں کو ان کا باپ نہیں پال رہا، تم پال رہے ہو۔''

''آپا......آپ کہیں تو......'' واجدہ کی محبتوں کا اظہار، اس کے احسانوں کا اتنی دردمندی سے ذکر، وہ تو بہن اور اس کے بچوں کے لئے جیسے سب کچھ لٹانے پر تیار ہو گئے تھے۔

''پانچ ہزار روپے کی ضرورت آن پڑی ہے......اچانک ہی، تمہارے لئے تو معمولی رقم ہے مگر غریب بہن کے لئے کسی بڑے خزانے سے کم نہیں......سخت مشکل ہے، کئی دن سوچتی رہی ٹالتی رہی کہ تم سے مانگنا بھی تو اچھا نہیں لگتا تھا مگر بہت ہی مجبوری کے عالم میں آج آ ہی گئی ہوں۔''

''اوہو......آپا، آپ کا حق بنتا ہے مجھ پر، جب بھی ضرورت ہو بلا جھجک کہا کریں مجھ سے۔'' وہ اُٹھے اور رقم نکال کر انہیں تھما دی۔ پھر بولے۔

''آپ کی ساس صاحبہ کا کیا حال ہے......؟ مزیب بتا رہا تھا چند روز پہلے کہ ریحان کی دادی بیمار ہیں، میں مصروفیت میں گھرا رہا، حال پوچھنے نہیں آ سکا۔''

''ارے چھوڑو کبیر، اُن کی کیا پوچھتے ہو، اچھی بھلی صحت مند ہیں، اس بڑھاپے میں بھی ہم سے زیادہ طاقت ہے، ان کے جسم میں۔ بس ذرا بخار کیا ہوا، شور مچا مچا کر گھر سر پر اُٹھا لیا بڑی بی نے اور دیکھ لو، یہ صحت مندی ہی تو ہے کہ دو روز میں بخار کو مار بھگایا اور تیسرے روز بھلی چنگی ہو گئیں بڑی بی......

اور وہ جو ہمارے میاں صاحب ہیں، بس بھائی قسمت ہی کی خرابی کہوں گی میں اِسے، انہیں نہ تو میری کوئی پروا......ہے اور نہ ہی اپنے بچوں کی فکر ہے۔ بس ہر دم ماں کا خیال ہی رہتا ہے، ان میں ہی دم اٹکا رہتا ہے، بیوی بچے چاہے بھوکوں مریں، بس ماں کو پھل فروٹ سب ملنا چاہئے۔ میں تو کہتی ہوں، یہ تمہارا دم ہی ہے جو میرے بچے پل رہے ہیں ورنہ ان معصوموں کو تو کوئی پوچھنے والا نہیں تھا۔ میں تو بچوں کو یہی سمجھاتی ہوں، ماموں کی ہمیشہ عزت کرنا، ان کے اِس احسان کو کبھی نہ بھلانا۔''

''اوہو......آپا احسان کیسا، وہ آپ کے بچے ہیں، اس تعلق کی بناء پر میرا بہت قریبی رشتہ ہے، ان کا حق ہے میرے گھر پر۔''

''اچھا بھائی، میں چلتی ہوں......تم بھی آرام کرو......کیسی پاگل ہوں میں، تمہاری تھکن کا بھی احساس نہیں کیا اور اپنی کہانی لے بیٹھی۔'' مقصد تو پورا ہو گیا تھا، روپے ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



منتقل کئے اور جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"کیا بات ہے پھوپھو، بڑی جلدی واپسی ہوگئی آپ کی، کیا پاپا گھر پر نہیں ملے......؟" جب وہ اُوپر جارہی تھیں، مزیب نیچے اُتر رہا تھا۔ سیڑھیوں میں دونوں کی ملاقات ہوگئی تو وہ پوچھنے لگا۔

"مجھے کوئی زیادہ بات تو کرنی نہیں تھی تمہارے پاپا سے...... اصل میں کئی روز سے دیکھا نہیں تھا، دل اُداس ہو رہا تھا میرا، سوچا بھائی کو دیکھ آؤں، زیادہ دیر بیٹھی اس لئے نہیں کہ وہ ابھی تھکا ہوا گھر آیا ہے۔"

"مما کیا کر رہی ہیں......؟"

"مجھے کیا پتا، میرے پاس تھوڑی بیٹھتی ہے وہ، اِدھر میں آئی اور وہ اُٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ پوری پوری کوشش ہے اس کی کہ میں نیچے جانا چھوڑ دوں مگر وہ میرے بھائی کو مجھ سے جدا نہیں کر سکتی۔"

"ہاتھ میں کیا ہے......؟" مزیب نے ان کی بات سنی ان سنی کر کے پوچھا۔

"کچھ نہیں، کچھ نہیں......" وہ اتنا کہہ کر تیزی سے سیڑھیاں چڑھ کر اُوپر چلی گئیں۔

مزیب نیچے چلا آیا اور رُخ رائحہ کے کمرے کی جانب تھا، جویریہ بھی یہیں موجود تھیں مگر وہ پھوپھو کی کہی باتیں اس وقت بتا نہیں سکتا تھا کہ پاپا گھر پر تھے اور کسی وقت بھی مما کو اپنے حضور طلب کر سکتے تھے، یوں پھر بات ادھوری رہ جاتی اور مزا کرکرا ہو جاتا۔

• • •

فاطمہ کے کمرے کے باہر دُعا کروانے والیوں کا ہجوم تھا...... اس وقت اس کے کمرے کا دروازہ بند تھا اور اُونچی آواز میں قرآن پاک کی تلاوت کی آواز باہر تک آرہی تھی۔ گاؤں کی یہ غریب اور دُکھیاری عورتیں اس آواز کو سن کر عقیدت سے آنسو بہا رہی تھیں...... اس وقت صبح ہو رہی تھی۔ سورج ابھی پوری طرح طلوع نہیں ہوا تھا۔ ہوا میں صبح کی خوشگوار خنکی تھی۔ پرندوں کی چہچہاہٹ اور فصلوں کی باس ہوا کو مست اور شوخ بنا رہی تھی، ساتھ میں فاطمہ کی پرسوز آواز، سننے والیوں پر وجد کا عالم طاری تھا۔

کبھی فاطمہ کے مقابلے میں عورتیں اپنی فریاد لے کر کبریٰ کے پاس زیادہ جایا کرتی تھیں اور دُعا کی درخواست کرتی تھیں مگر اب اُن کا ہجوم اس دروازے کے سامنے زیادہ ہونے لگا تھا کہ لوگ کہتے تھے۔

"یہ بی بی بہت اللہ والی ہے، اس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں۔"

دروازہ کھلا تو عورتیں جوتے باہر اُتار کر سر جھکائے کمرے میں داخل ہونے لگیں۔ فاطمہ اپنے پلنگ پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر کسی قسم کے تاثرات نظر نہیں آتے تھے۔ وہ آنے والیوں کو خالی خالی سے انداز میں دیکھ رہی تھی...... اور سر کے اشارے سے اُن کے سلام کا جواب دے رہی تھی۔

عورتیں باری باری پلنگ کے قریب جاتیں اور اپنی مراد بتا کر دُعا کے لئے کہتیں۔ پھر اس کے بعد کمرے سے نکل جاتیں۔ وہ آخری عورت تھی جو سر جھکائے کمرے کے ایک کونے میں بیٹھی تھی۔ سب جا چکی تھیں۔ کمرے میں وہ اور شاہ بی بی ہی موجود تھیں۔ فاطمہ شاہ منتظر تھی کہ وہ اُٹھ کر پلنگ کے قریب آئے گی۔ اپنا دُکھ بتا کر دُعا کی درخواست کرے گی...... مگر لگتا تھا وہ کسی گہری سوچ میں گم ہے اور اسے پتا ہی نہیں کہ کمرہ خالی ہو چکا ہے۔



"تمہیں کیا دُکھ ہے بی بی......؟" آخر فاطمہ کو خود پوچھنا پڑا۔

"شاہ بی بی......" اُس نے چونک کر سر اُٹھایا...... پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر فاطمہ کے پلنگ کے پاس فرش پر بچھی دری پر آ بیٹھی اور بولی۔ "مجھے بیٹا چاہئے شاہ بی بی، دُعا کریں آپ میرے حق میں۔"

"بیٹا چاہئے......؟" فاطمہ نے بغور اُس کی جانب دیکھا۔

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کیوں......؟" فاطمہ کے لہجے میں اچانک ہی سختی آگئی۔

"شاہ بی بی، اگر بیٹا نہ ہوا تو میرا شوہر دوسری عورت لے آئے گا۔ میری تین بیٹیاں ہیں، میں تو اُن کے ساتھ دربدر ہو جاؤں گی۔"

"جاؤ، چلی جاؤ...... میں یہ دُعا نہیں کر سکتی۔" لگتا تھا اس کی فریاد کا فاطمہ پر رتی برابر اثر نہیں ہوا۔

"رحم کریں شاہ بی بی، میں تو بڑی آس اُمید کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئی ہوں۔ آپ بھی سر سے ہاتھ اُٹھا لیں گی تو ہم جیسی دُکھوں کی ماریاں پھر کہاں جائیں گی......؟" وہ اُس کے سامنے ہاتھ جوڑنے لگی۔

"کہاں ناں، یہ دُعا نہیں کروں گی میں...... بے وقوف عورت، تم ڈرتی کس بات سے ہو...... دربدر ہونا تو مقدر میں لکھا گیا ہے، عورت کی تقدیر ہے یہ، مرد دعویٰ تو کرتا ہے مگر کسی بھی رشتے میں ہو، عورت کے لئے کرتا کچھ نہیں...... یہ رشتے دھوکا ہیں، فریب ہیں۔ جاؤ چلی جاؤ، بس اتنا یاد رکھو، مرد کے رشتے مرد کے ساتھ ہوتے ہیں، عورت ہر حال میں دُکھ اُٹھاتی ہے۔" فاطمہ سختی سے کہہ کر خاموش ہوگئی۔

• • •

"اردشیر...... تمہیں شہر جا کر کوٹھی میں رہنے کے بجائے ہوسٹل میں رہنا چاہئے۔" راحت اسے کہہ رہی تھی۔

"ہوسٹل میں......؟ نہیں امی جان، مجھے پتا ہے وہاں پر کھانا بہت برا بنتا ہے۔" اُس نے منہ بنایا۔

"مگر میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر تم شہر جا کر کوٹھی میں رہو گے تو پڑھو گے بالکل نہیں...... سارا وقت فضول کھیل تماشوں میں گنواؤ گے...... میں تو سوچ رہی ہوں خود تمہارے بابا سے بات کروں اور انہیں کہوں کہ تمہیں ہوسٹل میں ہی داخل کرائیں۔"

"اوہو...... امی، ایک تو پتا نہیں کیوں آپ کو ہمیشہ سے میری بات رد کرنا ہی اچھا لگتا ہے۔" اردشیر کا مزاج بری طرح بگڑ گیا۔

"اچھا...... تو میں دُشمن ہوں تمہاری۔" راحت کو بھی غصہ آگیا اور وہ خاصی اُونچی آواز میں بولی۔

"یہ میں نے کب کہا...... میں تو اتنا کہہ رہا ہوں کہ مجھ سے نہیں رہا جائے گا ہوسٹل میں...... ہوسٹل کی پابندیاں اور جو کھانا وہاں پکتا ہے وہ، سب ہی تو میرے لئے ناقابل قبول ہے...... اور سنیں اگر آپ نے زیادہ زور دیا تو پھر میں شہر جاؤں گا ہی نہیں...... یہاں گاؤں میں ہی رہ جاؤں گا۔"

"جانتی ہوں اچھی طرح، ضدی ہو بہت، وہی کرو گے جو تمہارے دل میں سما جائے گا۔ میری تو نہ کبھی تم نے مانی ہے، نہ اب مانو گے۔"

"اب الزام تو نہ دیں، کب نہیں سنی میں نے آپ کی، اکلوتا بیٹا ہوں آپ کا مگر پھر بھی مجھ میں کتنی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



برائیاں نظر آتی ہیں آپ کو۔"

"برائیاں ہیں تو نظر آتی ہیں ناں...... میں یقین سے کہہ سکتی ہوں، اگر بڑی آپا نے تمہیں ہوسٹل میں رہنے کو کہا ہوتا تو کبھی اُن کی بات رَد نہ کرتے، فوراً مان جاتے۔"

"اوہو...... ایک تو آپ ہر بات پر بڑی ماں سے مقابلہ کرنے لگتی ہیں...... اگر وہ اتنی ہی بری ہیں آپ کو تو بچپن میں ہی مجھے اُن کے پاس جانے سے روکا ہوتا، دُور رکھا ہوتا اُن سے۔"

"میرا بس چلتا تو ضرور ایسا کرتی......"

اس سے پہلے کہ اردشیر جواب میں کچھ کہتا، دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔

"میرا خیال ہے بڑی ماں ہیں......"

اور یوں دستک کے انداز ہی سے پہچان لینے پر راحت نے ایک غصہ ور نظر بیٹے پر ڈالی اور منہ پھُلا لیا۔

"آجایئے بڑی ماں......" اُس نے راحت کے انداز کا نوٹس لئے بغیر کہا۔

"کیا باتیں ہو رہی تھیں ماں بیٹے میں......؟" کبریٰ نے مسکرا کر اردشیر کی جانب دیکھا اور مخاطب دونوں کو کیا۔

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی......" راحت نے سوچا، ماں بیٹے کی آپس کی بات ہے، یہ کون ہوتی ہیں پوچھنے والی اور ٹال گئی۔

"امی مجھے کہہ رہی ہیں، شہر میں کوٹھی میں رہنے کے بجائے مجھے ہوسٹل میں رہنا چاہئے۔" اردشیر نے سچ بات کہہ دی۔

کبریٰ نے راحت کے سامنے اس بات پر کسی بھی قسم کے تبصرے سے گریز کیا اور معمول کی گفتگو کرتی رہیں۔ پھر کچھ دیر کے بعد اُنہوں نے راحت کی غیر معمولی خاموشی کو محسوس کیا تو پوچھنے لگیں۔

"کیا بات ہے آج بہت چپ چپ ہو تم۔"

"بس آپا طبیعت ٹھیک نہیں ہے میری......"

"لو ابھی تو مجھے اتنا ڈانٹ رہی تھیں...... اب اچانک آپ کی طبیعت کو کیا ہو گیا ہے......؟" اردشیر نے تو یونہی مذاق میں کہا تھا مگر راحت سمجھی کہ وہ بڑی ماں کے سامنے اسے جھوٹا بنا رہا ہے، کہنے لگی۔

"تمہارا کیا خیال ہے، میں جھوٹ موٹ کی بیمار بن رہی ہوں......؟"

"اوہ...... توبہ امی......" اُس نے پیشانی پر ہاتھ مار کر اُن کے شک پر افسوس اور اُلجھن کا اظہار کیا، پھر کبریٰ سے بولا...... "یہ مجھ سے بہت ناراض ہیں۔"

"ضرور تم نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی ہوگی۔"

"نہیں بڑی ماں، میں نے بھلا کیا کرنا تھا...... بس امی کہتی ہیں، تم مجھے کم اور بڑی ماں کو زیادہ اہمیت دیتے ہو۔" اُسے نہ تو خاندانی سیاست سے واقفیت تھی اور نہ ہی وہ وقت کے تقاضوں اور مصلحت کو سمجھتا تھا۔ وہ تو لاڈلا بیٹا تھا...... اس حویلی کا نڈر بے باک اور بے دھڑک بات کرنے والا اُس نے تو یونہی رواداری میں یہ بات کہہ دی تھی، سنتے ہی کبریٰ اُٹھ کھڑی ہوئیں، سلگتی سی نگاہ راحت پر ڈالی اور بولیں۔

"ہاں بھئی، اپنی چیز پر کسی دوسرے کا اختیار دل گردے والے ہی برداشت کر سکتے ہیں...... اور ایسا دل کوئی سب کے پاس تھوڑی ہوتا ہے۔" وہ تیزی سے کمرے سے نکل گئیں۔



"بڑی ماں...... بڑی ماں......" اردشیر پیچھے چلا آیا...... اور انہیں راستے میں روک گیا...... "آپ تو ناراض ہو گئیں۔ میں نے تو یونہی کہا تھا، آپ ناراض نہ ہوں بڑی ماں۔" اردشیر اُن کی ناراضگی بھلا کہاں برداشت کر سکتا تھا، اُن کے ہاتھ ہاتھوں میں لے کر التجا کر رہا تھا۔

وہ اس کے چہرے اور لفظوں میں دَر آئی پریشانی کو کچھ دیر خاموشی سے محسوس کرتی رہیں پھر مسکرا کر بولیں۔

"میں اپنے بیٹے سے کیسے ناراض ہو سکتی ہوں، بس دُکھ تو یہ ہے تم پر جتنا اختیار میرا ہے، اتنا ہی کسی اور کا کیوں ہے......؟ تم بس میرے ہی کیوں نہیں......؟"

"میں آپ کا ہوں...... صرف آپ کا...... جتنی محبت آپ سے کرتا ہوں، کسی سے نہیں کرتا، شاید بابا جان سے بھی نہیں۔"

"اردشیر......" کبریٰ نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام لیا اور وہ اُن کے سامنے ذرا سا جھک گیا، کبریٰ نے اُس کی پیشانی چوم لی۔

"آپ ایک عظیم عورت ہیں اور مجھے فخر ہے کہ آپ میری ماں ہیں، اب ایسے کیا دیکھ رہی ہیں ہاں......" کبریٰ کے یوں بغور دیکھنے پر وہ تھوڑی سی حیرت اور ہنسی کے درمیان پوچھنے لگا۔

"تم ایک دم سے ہی بڑے بڑے لگنے لگے ہو، میرے اندازوں سے بھی پہلے نہ صرف جوان ہو گئے ہو بلکہ سمجھدار بھی بہت ہو۔"

"لگتا ہے آپ کو میرے جوان ہونے کا بہت انتظار تھا۔" وہ شرارت سے اُن کے بازوؤں پر اپنے ہاتھوں کا دباؤ بڑھا کر بولا۔ ذرا سی شوخی پر ہی اس کی گھنی پلکوں والی براؤن آنکھیں جگمگانے لگی تھیں اور چہرے پر ہلکی سی سرخی جھلکنے لگی تھی۔

"بہت بہت انتظار کیا ہے میں نے، یوں سمجھ لو کہ دن گن گن کر گزارے ہیں اور ہاں بھئی، میں تم سے یہ ضرور کہوں گی، تم تعلیم کے لئے شہر ضرور جاؤ اور وہاں جا کر ہوسٹل میں رہنے کی بجائے کوٹھی پر ہی رہو...... نئی دُنیا کو دیکھو، دوست بناؤ اور اسکول کی پڑھائی کے ساتھ لوگوں کو بھی پڑھنا سیکھو، یہ علم بھی آگے چل کر تمہارے بہت کام آئے گا۔"

"جی بڑی ماں، میں تو خود بھی ہوسٹل میں رہنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا...... ویسے بڑی ماں میں سوچ رہا تھا، اپنی عمر کے لحاظ سے میں کلاس میں پیچھے ہوں، پھر میں لمبا چوڑا بھی ہوں، کلاس کے سارے لڑکے مجھے حیرت سے نہیں دیکھیں گے کیا......؟"

"اوہو...... اچھا قد کاٹھ فخر کا باعث ہوتا ہے...... یہ تو دین ہے اللہ کی اور تم ہو کہ شرمندہ ہو رہے ہو...... اس پر بھی، جواب نہیں تمہارا بھی۔"

"شرمندہ تو نہیں ہو رہا...... بس یہی سوچ رہا تھا، کلاس میں سب سے بڑا لگوں گا۔"

"میرا خیال ہے تمہاری عمر کے اور لڑکے بھی ہوں گے، اب تم اتنے بھی پیچھے نہیں ہو، ہاں اگر قد میں تم سے کم ہوں تو اور بات ہے۔"

گاؤں میں لڑکوں کا تو اسکول میٹرک تک تھا جبکہ لڑکیوں کا تھا ہی مڈل تک...... گل رُخ نے اردشیر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کے ساتھ ہی امتحان دیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ اچھے نمبر لے کر پاس بھی کیا تھا، یہ اور بات کہ صرف اردشیر کے ہی پاس ہونے کی بانٹی گئی تھی، صدقہ صرف اُس کا اُتارا گیا تھا۔

گل نے تو گھر آ کر ماں کو بس اتنا بتا دیا تھا کہ پاس ہوگئی ہوں۔ اسے مزید تعلیم کا شوق تھا، گاؤں میں اسکول ہی نہیں تھا تو پھر یہ کیسے ممکن ہو سکے گا۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا اور وہ حل پوچھنے بڑی ماں کے پاس چلی آئی تھی، وہاں اس وقت وہ اکیلی نہیں تھیں، ان کے پاس اردشیر بھی موجود تھا، اردشیر اسے پسند نہیں کرتا تھا حالانکہ ان دونوں کے درمیان لڑائی تو کبھی نہیں ہوئی تھی مگر پھر بھی نہ اردشیر اس کے لئے اچھے جذبات رکھتا تھا اور نہ ہی گل اسے اچھا سمجھتی تھی۔ اسے یہاں موجود پایا تو اُس نے دروازے سے ہی پلٹ جانا چاہا مگر کبریٰ اسے دیکھ چکی تھیں اور آواز دے کر اُنہوں نے اندر آنے کو بھی کہہ دیا۔

"بڑی ماں، میں پھر آ جاؤں گی۔" اُس نے پوری سنجیدگی سے کہا۔

اردشیر نے دُبلی پتلی گل کو تمسخرانہ سے انداز میں سر سے پاؤں تک دیکھا اور کرسی پر ذرا پھیل کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ممکن ہے اُس وقت بھی میں یہیں موجود ہوں۔"

گل نے سر اُوپر اُٹھایا اور بولی۔ "میں تم سے ڈرتی نہیں ہوں۔"

آج گل کے لہجے میں بے خوفی محسوس کر کے کبریٰ کو جہاں حیرت ہوئی تھی، وہاں خوشی بھی ہوئی تھی۔

گل اِتنا کہہ کر کمرے سے چلی گئی اور ملازمہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں چلی آئی کہ جب اردشیر بڑی ماں کے کمرے سے اُٹھ کر جائے تو مجھے فوراً اطلاع دے دینا۔

ملازمہ بظاہر اپنے کام میں مصروف تھی مگر توجہ اب کبریٰ کے کمرے کی طرف ہی تھی پھر جونہی اردشیر باہر گیا اُس نے گل رُخ کو اطلاع دے دی اور اب وہ ایک بار پھر کبریٰ کے پاس موجود تھی۔

"کیا تم کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہو مجھ سے..... ؟" ہمیشہ کی طرح بڑی ماں کے انداز میں آج بھی اس کے لئے چاہت تھی اور بلا کی نرمی تھی۔ اُس نے آگے پڑھنے کی خواہش کا اظہار کر دیا۔

"میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تمہاری تعلیم جاری رہے۔"

"مگر بڑی ماں میری سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ یہ کس طرح ممکن ہو سکے گا۔ یہاں اسکول تو صرف آٹھویں تک ہے۔"

"تو کیا ہوا، ہم اپنی گل بیٹی کو شہر کے کسی اچھے اسکول میں داخل کروا دیں گے۔"

"کیا یہ ممکن ہوگا بڑی ماں ..... ؟" مارے خوشی کے اس کا لہجہ کانپ گیا۔

"کیوں ممکن نہیں..... ؟"

"مگر بڑی ماں، یہ بھی تو سوچیں، بابا صاحب کبھی نہیں مانیں گے۔"

"ہم انہیں بتائیں گے ہی نہیں..... انہیں تو یہ پتا ہی کب ہوتا ہے کہ بیٹیاں کدھر ہیں، کیا کر رہی ہیں..... اگر تم نظر نہیں آؤ گی، تب بھی نہیں پوچھیں گے..... میں تمہارے اسکول کی ہیڈ مسٹریس سے بات کروں گی..... کہ وہ تمہیں شہر کے کسی اچھے اسکول میں داخلہ دلوا دیں۔"

"آپ بہت بہت اچھی ہیں بڑی ماں۔" وہ اُن کے قریب بیٹھتے ہوئے عقیدت سے کہہ رہی تھی



مگر اردشیر کی طرح بے تکلفی سے باہیں اُن کے گلے میں ڈال سکی اور نہ سر اُن کے شانے پر رکھ سکی۔

"مجھے اپنی تینوں ہی بیٹیاں پیاری ہیں..... میں تم سب کی بھلائی چاہتی ہوں بیٹی..... اور ہاں سنو، گھر میں اس بات کا ذکر اپنی امی کے علاوہ اور کسی سے مت کرنا..... مجھے یہ یقین ہے کہ اگر تمہاری چھوٹی امی کو خبر ہوگئی تو وہ فوراً شاہ جی کو بتا دیں گی اور پھر مجھے تمہارے لئے شاہ جی سے بہت بحث کرنا پڑے گی اور ممکن ہے پھر بھی بات تمہارے حق میں نہ جا سکے۔"

"ٹھیک ہے بڑی ماں، میں پوری احتیاط کروں گی اور امی سے بھی کہہ دوں گی کہ وہ کسی سے ذکر نہ کریں۔"

"ہاں شاباش..... بس تم اسکول میں داخل ہو جاؤ، پھر اس کے بعد اگر کسی کو پتا چل بھی جائے تو فکر کی کوئی بات نہیں۔"

"جی بڑی ماں..... ؟" اُس نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"گل..... آج تم نے اردشیر کو پلٹ کر جواب دیا اور مجھے حیران کر دیا۔" وہ اس کا نازک سا ہاتھ، ہاتھ میں لے کر پیار سے سہلاتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"بس بڑی ماں، غصہ آ گیا تھا..... پتا نہیں وہ سمجھتا کیا ہے خود کو..... ہم تینوں بہنیں اُسے پسند نہیں کرتیں، مگر آپ بہت پیار کرتی ہیں اس سے۔" نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے لہجے میں شکایت دَر آئی۔

کبریٰ ہنس پڑیں اور بولیں۔

"میں تم سب سے پیار کرتی ہوں، تم سب بچے مجھے اچھے لگتے ہو..... وہ بھی شہر پڑھنے کے لئے جا رہا ہے مگر میں اُسے یہ نہیں کہہ سکتی کہ وہ تم سے ملتا رہے، تمہارا خیال رکھے..... تم دونوں کی تو آپس میں بالکل نہیں بنتی۔"

"پتا نہیں کیوں وہ شروع سے ہی مجھ سے نفرت کرتا ہے..... حالانکہ میں نے کبھی زیادہ بات بھی نہیں کی اُس کے ساتھ....."

ابھی باتیں ہو رہی تھیں کہ شیریں چلی آئی اور آتے ہی بولی۔

"امی جان، بیٹے کی شادی کی تیاری شروع کر دیں۔"

"کیا مطلب..... ؟" نہ صرف کبریٰ بلکہ گل بھی سوالیہ انداز میں اُس کی جانب دیکھنے لگی۔

"مجھے لگتا ہے بابا صاحب کی اکلوتی بہو کا نام مہراں ہوگا، وہی جو ہمارے گھر میں کام کرتی ہے کم ذاتوں کی بیٹی..... ویسے اردشیر کے لئے وہی ٹھیک ہے۔ آخر اس کی ماں بھی تو خاندان سے باہر کی ہے۔"

شیریں کی تیزی اب بھی ویسی کی ویسی تھی۔ اردشیر کو سخت ناپسند کرتی تھی اور مہراں کے ساتھ اس کا نام جوڑ کر اب خود ہی مزا لے کر ہنس رہی تھی۔

"اوں ہوں..... کیسی باتیں کرتی ہو تم، ابھی تو وہ بہت چھوٹا ہے۔ اگر گھر کی کسی ملازمہ سے بات کر لی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں جو تم نکال رہی ہو....." کبریٰ نے اس کی بات کو پوری سنجیدگی سے سنا مگر تنبیہی انداز اپنایا۔

"چلو ابھی چھوٹا ہے..... کل بڑا ہوگا..... پھر بڑے بڑے کام کرے گا۔ کیوں گل رُخ، کیا خیال ہے تمہارا..... ؟"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



گل مسکرادی جبکہ شیریں کی ہنسی رُکنے میں نہیں آ رہی تھی۔

''تمہیں ہنسنے اور باتیں بنانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے......؟''

''ہم کچھ نہیں بھی کریں گے تو کیا فرق پڑے گا...... اُمیدیں تو سب نے شہزادے سے لگائی ہیں اور وہ ان اُمیدوں پر ضرور ہی پورا اُترے گا۔'' انداز اب بھی وہی تھا۔

''تم بہت بولتی ہو...... اور آواز بھی تمہاری بہت اُونچی ہوتی ہے۔ اگر یہ باتیں تمہارے بابا یا چھوٹی ماں نے سن لیں تو اچھا نہیں ہوگا۔''

''جس نے سننا ہے سن لے، میں کسی سے نہیں ڈرتی...... پتا ہے ابھی میں نے مہراں کو اردشیر کے کمرے میں شربت دے کر بھیجا ہے۔'' وہ پھر ہنسی۔

''شیریں باز آ جاؤ......'' کبریٰ کے انداز میں نہ تو خفگی تھی، نہ انداز سمجھانے والا تھا...... بس لفظ جو بول دیئے، شیریں پر اثر بھی پھر کیونکر ہوتا، گل اجازت لے کر چلی گئی۔

''کیا اردشیر بھی مہراں یا گھر کی کسی دوسری ملازمہ میں دِلچسپی لیتا ہے۔'' گل کے جانے کے کبریٰ نے رازداری کے انداز میں شیریں سے پوچھا۔

♦ ♦ ♦

اردشیر کا شہر کے ایک اچھے تعلیمی ادارے میں ایڈمیشن کروا دیا گیا تھا۔ وہ اب گاؤں سے شہر جا رہا تھا۔ شہر اس کے لئے کوئی ایسی نئی اور انوکھی جگہ ہرگز نہیں تھی۔ وہ اپنی شاپنگ کے سلسلے میں اور کبھی یونہی میں آ کر شہر جاتا ہی رہتا تھا۔ وہ خوش تھا تو اس لئے کہ اب وہ کوٹھی میں ملازمین کی فوج کے ساتھ سربراہ کی حیثیت سے رہے گا، خودمختاری کا نشہ ابھی سے اس پر سوار ہونے لگا تھا۔ اُس نے شاہ جی سے کہہ دیا تھا۔

''بابا جان، میں ہر ماہ بہت سارا جیب خرچ لوں گا اور ہاں، وہاں پر جو میرے ملازم ہوں گے اُنہیں تنخواہ بھی میں خود اپنے ہاتھ سے دیا کروں گا۔''

''ٹھیک ہے، ٹھیک ہے بھئی...... جیسا میرا بیٹا چاہے گا، ویسا ہی ہوگا۔''

''شاہ جی...... اردشیر ابھی بچہ ہی تو ہے پھر پہلی مرتبہ اتنے لمبے عرصے کے لئے اکیلا ہم سے دُور جا رہا ہے، میں سوچ رہی ہوں، اُس کے ساتھ، میں بھی شہر چلی جاؤں۔ چند دن ساتھ رہوں گی۔ پھر یہ پوری طرح وہاں رچ بس جائے گا تو میں واپس آ جاؤں گی۔'' راحت مامتا سے مجبور ہو کر شاہ جی کے سامنے یہ تجویز رکھ رہی تھی۔

جمشید شاہ نے سوالیہ انداز میں اردشیر کی طرف دیکھا کہ اس کی اس سلسلے میں کیا مرضی ہے......؟

''نہیں نہیں بابا جان، مجھے کسی کو ساتھ لے جانے کی ضرورت نہیں اور امی کی تو ویسے بھی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ایسا نہ ہو کہ جا تو یہ میری دیکھ بھال کے لئے رہی ہیں اور اُلٹا یہ کام مجھے کرنا پڑے۔ اب میں اتنا بھی چھوٹا نہیں...... امی! آپ پتا نہیں کیوں مجھے بے وقوف سا بچہ سمجھتی ہیں جبکہ بڑی امی کہتی ہیں، باہر نکلو، دُنیا دیکھو۔''

''مجھے تمہاری فکر رہے گی اردشیر۔''

''اوہو...... میں وہاں پر اکیلا تھوڑی ہوں گا، یہ اتنے سارے ملازم بھی تو میرے ساتھ جا رہے ہیں۔''



''مگر میں تمہیں اچھی طرح سمجھتی ہوں، میرے بیٹے، تم شہر جا کر پڑھائی کم کرو گے اور فضول کی باتوں میں زیادہ اُلجھ جاؤ گے...... اگر سر پر کوئی سمجھانے والا موجود نہ ہوا تو مجھے ڈر ہے کہ تم تعلیم کو بالکل ہی خیرباد نہ کہہ دو۔''

''دیکھا بابا جان آپ نے، کتنا برا ہوں میں، اپنی ہی ماں کی نظر میں۔'' بظاہر وہ رُوٹھے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا، دل میں غصہ نہیں تھا، بس اُلجھن سی ہو رہی تھی اُن کی ایک ہی بات کی تکرار سے۔

''خدانخواستہ تم برے کیوں ہونے لگے، میں تو اس لئے کہہ رہی تھی کہ نئی دُنیا ہوگی اور تم بالکل اکیلے کہیں بھٹک نہ جاؤ۔''

''نئی دُنیا......'' شاہ جی ہنس پڑے۔ ''راحت خانم میں اسے سات سمندر پار تو نہیں بھیج رہا، تمہیں ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی وہم تنگ کرتا ہی رہا ہے، سمجھدار ہے میرا بیٹا، تم فکریں نہ پالو اور جاؤ آرام کرو۔ صبح سے کہہ رہی ہو، طبیعت ٹھیک نہیں، مگر پھر بھی آرام نہیں کرتیں، اِدھر اُدھر چکر لگا رہی ہو۔''

''ہاں شاہ جی، پتا نہیں کیا بات ہے دل بڑا گھبرا رہا ہے میرا اور بڑی کمزوری محسوس کر رہی ہوں چند دنوں سے۔''

''ڈرائیور کو لکھ دو، شہر سے دوا بھی لیتا آئے گا تمہارے لئے اور اردشیر تم جاؤ، اب اپنی بڑی ماں سے مل آؤ، اُنہیں سلام کرو، پھر چلیں دیر ہو رہی ہے۔'' وہ اردشیر کی طرف متوجہ ہوئے۔

''اچھا بابا جان......'' اردشیر اُٹھ کھڑا ہوا اور کبریٰ کے کمرے میں چلا آیا۔

''بڑی ماں، آپ اِدھر بیٹھی ہیں...... اور میں اِتنے روز کے لئے شہر جا رہا ہوں، آپ سے دُور...... کم از کم دروازے تک تو خدا حافظ کہنے کے لئے آ جاتیں......'' انداز رُوٹھا سا تھا۔

''میں آ ہی رہی تھی بیٹے، اصل میں ایک عورت آ گئی اس سے باتیں کرنے میں مجھے دیر ہوگئی۔'' پھر اس پر نظر ڈال کر بولیں۔ ''ارے تم تو بالکل تیار ہو، کیا ابھی جا رہے ہو......؟''

''جی بڑی ماں، بالکل ابھی اور اسی وقت، سب لوگ برآمدے میں کھڑے ہیں۔''

''سب لوگ کون......؟'' کبریٰ نے پوچھا۔

''بس امی جان، بابا جان اور ملازم اس کے علاوہ آپ ہی میرے لئے اہم ہیں اور آپ سے ملنے خود آپ کے کمرے تک چلا آیا ہوں۔''

''میں بس آ ہی رہی تھی چاند......'' وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتی باہر آ گئیں...... راحت کی طبیعت خاصی خراب ہو رہی تھی۔ چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا تھا اور وہ ذرا سی دیر کھڑی رہ کر ہی تھک گئی تھی۔ ملازمہ نے اس کے لئے کرسی لا کر رکھی۔ وہ آنکھیں موند کر اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر گہرے گہرے سانس لینے لگی۔

''آپ اندر چل کر آرام کرتیں امی۔'' اردشیر ماں کی حالت کے پیشِ نظر کہہ رہا تھا۔

''نہیں تم اِدھر آؤ میرے پاس۔'' راحت نے اسے قریب بلایا اور اس کے ہاتھ کو پکڑ کر اُٹھنے کی کوشش کی۔ اُس نے خود سہارا دے کر ماں کو کھڑا کر دیا۔ راحت نے ہاتھ میں پکڑا اُس کا ہاتھ چوم لیا۔ وہ بےقراری کے عالم میں بار بار اُسے ساتھ لگاتی اور روتی جاتی تھی۔

''امی...... امی جان کیا ہوگیا ہے آپ کو......؟ اُدھر بڑی ماں کی طرف دیکھیں کتنے حوصلے سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کھڑی ہیں...... اور پھر میں کوئی جنگ پر تھوڑی جا رہا ہوں۔'' اردشیر نے پھر کبریٰ خاتون سے مو... ڈالا۔ وہ اسے کیسے بتاتی کہ تیری ماں صرف میں ہوں اور تمہارے لئے جو جذبات میرے دل میں ہ... ہیں، وہ کسی اور کے دل میں نہیں ہو سکتے۔

''اپنی صحت کا خیال رکھئے گا۔''

''میرے بیٹے نے کہہ دیا ہے، اب تو ضرور رکھوں گی۔'' آنسو پھر تواتر سے بہنے لگے۔

''اوہو...... پھر رونے لگی ہیں...... دیکھیں اس طرح تو میں وہاں جا کر بھی آپ کی طرف... فکرمند ہی رہوں گا...... بڑی ماں سنبھالیں ناں امی کو......''

تب کبریٰ جو خاموش کھڑی راحت کو ہی دیکھ رہی تھیں، آگے بڑھیں اور اپنے ساتھ لگا کر تسلی... لگیں۔ پھر اردشیر سے بولیں۔

''تم اپنا خیال رکھنا، کھانے پینے کی طرف سے غفلت مت برتنا۔''

''بڑی بیگم صاحبہ...... اگر آپ کہیں تو میں چھوٹے شاہ جی کے ساتھ شہر چلی جاتی ہوں، خیال ر... گی جی اِن کا......؟'' مہراں نے آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کیں۔

کبریٰ نے سوالیہ انداز میں اب تک کا سارا منظر خاموشی سے دیکھتے شاہ جی کی جانب دیکھا او... کی رائے جاننا چاہی۔

• • •



''ہونہہ...... یہ مہراں......؟ یہ ساتھ جا کر کیا کرے گی......؟ شاہ جی نے تمسخر بھرے انداز میں اس لڑکی کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر شہر جانے کا شوق نمایاں ہو رہا تھا مگر اُن کی اس طرح کہنے پر اُس نے سر جھکا لیا، اور پاؤں کے انگوٹھے سے فرش پر کچھ نہ نظر آنے والی لکیریں کھینچنے لگی۔

''تم لوگ فکر کیوں کرتی ہو......؟ وہاں میرا شیر اکیلا تھوڑی ہوگا۔ بہت سے سمجھدار ملازم ہیں وہاں پر...... اور پھر میرا بیٹا بھی اب بڑا ہو گیا ہے۔'' فخر کے عالم میں اُنہوں نے اردشیر کی طرف دیکھا اور وہ مسکرا دیا۔

شاہ جی کو خود بھی شہر میں اپنے وکیل سے ملنا تھا۔ وہ ساتھ ہی جا رہے تھے اور واپسی کی اُمید دو تین روز بعد ہی تھی۔ دونوں باپ بیٹا چلے گئے۔

اور اُن کے جاتے ہی جیسے ایک سناٹا اُتر آیا۔ اتنے دنوں سے اردشیر کے شہر جانے کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ گہما گہمی کا احساس تھا اور ہر طرف یہی باتیں تھیں۔ اب ایک دم سے موضوع ختم ہو گیا۔ راحت کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی، وہ بیٹے کے جاتے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

اردشیر اور شاہ جی کی روانگی کو ایک گھنٹہ ہونے کو تھا اور راحت کی طبیعت بگڑتی جا رہی تھی۔ اُس نے باہر سے آتی آوازوں کو بغور سننے کی کوشش کی، اس خیال سے کہ اگر کوئی کمرے کے نزدیک ہے تو بلائے اور کہے کہ آپا کو بلا لاؤ...... مگر نزدیک تو شاید کوئی بھی نہیں تھا، آوازیں دُور سے آ رہی تھیں۔ بمشکل اُٹھ کر اُس نے قریب ہی میز پر رکھے جگ سے پانی گلاس میں انڈیلا اور چکراتے سر اور ڈھیلے پڑتے ہاتھوں کو قابو میں کر کے پانی منہ سے لگا لیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے مجھے......؟'' خوف کی ایک شدید لہر اس کے اندر اُبھری اور اسے مزید کمزور کر گئی۔ وہ تنہائی میں ڈر رہی تھی اور چاہتی تھی جلد از جلد کوئی اِدھر آ جائے مگر اتنی ہمت نہیں ہو رہی تھی کہ آواز دے کر کسی کو اندر بلا لے۔

پھر اُس نے سنا برآمدے میں کوئی چل رہا تھا، پھر گل رُخ کی آواز اُبھری اور اس کے ساتھ ساتھ ایک دو ملازماؤں کی آوازیں بھی آنے لگیں۔ وہ کان لگا کر سننے لگی۔ شاید کوئی اِدھر آ جائے لیکن گل کبریٰ کے کمرے میں چلی گئی۔ تب ہمت کر کے اُس نے اپنے کمرے کے باہر سے دُور ہوتی ان آوازوں کو پکار لیا۔

''جی بی بی جی...... حکم......؟'' آواز سنتے ہی مہراں پردہ اُٹھا کر اندر چلی آئی اور اس کی حالت دیکھ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کر ٹھٹک گئی۔

''جاؤ مہراں، بڑی بیگم کو بلا لاؤ۔'' اُس نے نقاہت بھرے انداز میں بمشکل جملہ مکمل کیا۔ مہراں سنتے ہی اُلٹے قدموں پلٹ گئی۔

وہ کبریٰ کے کمرے میں آئی مگر وہ وہاں موجود نہیں تھیں اور اُنہیں تلاش کرتے ہوئے مہراں کو دیر بھی لگی۔ وہ ابھی تک پچھواڑے میں تھیں جا کر انہیں بتایا کہ ''چھوٹی بی بی کی طبیعت بہت خراب ہے۔''

دھیان سے کام کرنا تم لوگ، میں ابھی آتی ہوں۔'' ڈانٹ کے انداز میں کام کرنے والی لڑکی کو حکم دے کر وہ راحت کے کمرے کی طرف آ گئیں۔ عجلت کے عالم میں اس کے کمرے میں آ کر پکارا، پھر خاموش پا کر ماتھا چھوا۔

''راحت......'' جلتی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر وہ گھبرا گئیں اور بے اختیار پکار بیٹھیں۔

''چھوٹی بی بی کو بہت تیز بخار ہے اور مصیبت یہ ہے کہ نہ تو شاہ جی یہاں پر ہیں اور نہ ہی ڈرائیور گاؤں میں موجود ہے کہ میں شہر بھیج کر دوا ہی منگوا لوں، تم ایسا کرو مہراں! جامی کو بلاؤ، میں اُس سے بات کرتی ہوں۔''

''آپا...... کچھ کریں، میں...... میں بہت تکلیف محسوس کر رہی ہوں۔'' راحت کے ہونٹ وا ہوئے اور اُس نے سرگوشی کی۔

''تم پریشان نہ ہو راحت...... میں نے جامی کو اسی لئے بلوایا ہے، ابھی بھیجتی ہوں حکیم صاحب کی طرف۔'' وہ تسلی بھرے انداز میں کہہ کر راحت کے قریب آ بیٹھیں...... اور ہلکے ہلکے دباؤ سے اس کی پیشانی پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

''تمہیں صبح ہی اپنی کیفیت شاہ جی سے کہہ دینی چاہئے تھی، ہم تو یہی سمجھے کہ بیٹے کے جانے کی وجہ سے پریشان ہو۔'' وہ ساتھ ساتھ اس سے باتیں بھی کئے جا رہی تھیں، اتنے میں مہراں اس اطلاع کے ساتھ آئی کہ جامی آ گیا ہے۔

کبریٰ اُٹھ کر دروازے کے پاس چلی آئیں اور جامی کو راحت کی ساری کیفیت بتانے کے بعد حکیم جی سے دوا لانے کو کہا۔

جامی دوا لے کر آیا تو بھی راحت کی یہی کیفیت تھی۔ کبریٰ اور دو ملازمائیں کمرے میں اس کے پاس موجود تھیں۔ کبریٰ نے اپنے ہاتھ سے اسے دوا کھلائی۔ دن اسی طرح ڈھل گیا اور شام ہونے کو آ گئی، مگر راحت کے بخار میں ذرا بھی کمی نہیں ہوئی۔ شام کو ایک بار پھر ملازم کو حکیم کی طرف بھیجا کہ احساس تھا رات میں طبیعت بگڑ گئی تو مشکل ہو گی۔

ساری رات وہ راحت بیگم کے سرہانے بیٹھی رہیں اور اس کی حالت دیکھ کر پریشان ہوتی رہیں۔

''خدا کرے صبح شاہ جی شہر سے واپس آ جائیں اور پھر اس کے لئے شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر کو منگوا لیا جائے۔''

ساری رات جاگ کر صبح کبریٰ خود بھی بہت تھکی تھکی سی تھیں اور پریشان الگ تھیں، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ان حالات میں کیا کرنا چاہئے۔ صبح ہوتے ہی پھر ملازم کو حکیم کی طرف دوڑا دیا تھا۔ ملازماؤں نے گل رُخ سے راحت کی خرابی صحت کی بات کی تھی۔ اُس نے جا کر فاطمہ کو بھی بتا دیا۔



جب وہ راحت خانم کو دیکھنے کمرے میں آئی تو کبریٰ چمچے سے دودھ راحت کے منہ میں ڈال رہی تھیں۔ فاطمہ نے رُک کر بغور یہ منظر دیکھا، بولی کچھ نہیں، کبریٰ کی نظر دروازے سے کچھ ہی آگے آ کر کھڑی فاطمہ پر پڑی تو بولیں۔

''اس کی حالت بہت خراب ہے فاطمہ، دُعا کرو اس کے لئے۔''

فاطمہ نے کبریٰ کی جانب دیکھا، منہ ہی منہ میں کچھ کہا بھی جو کبریٰ نہیں سن سکیں، کچھ دیر وہ یونہی کھڑی ان دونوں کو دیکھتی رہی، پھر جس طرح خاموشی کے ساتھ آئی تھی...... اسی طرح دبے قدموں اور بند ہونٹوں کے ساتھ واپس چلی گئی۔

''اے میرے مالک! اپنا فضل فرما، اسے صحت عطا فرما۔'' کبریٰ نے صدقِ دل سے دُعا مانگی۔

بے شک راحت اُن کی سوکن تھی مگر ایک عورت بھی تھی اور پھر کئی سال دونوں نے ایک گھر میں گزارے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی شکل کی عادی تھیں جو کچھ کبریٰ کے ساتھ ہوا، اس سلسلے میں اُنہوں نے کبھی فاطمہ یا راحت کو قصوروار نہیں سمجھا تھا۔ گلہ تو اُنہیں شاہ جی سے تھا۔ اس کا غصہ ان کے لئے تھا اور اردشیر کو بگاڑ کر انتقام بھی وہ ان ہی سے لے رہی تھیں۔ یہ بات کبریٰ خاتون کے ذہن میں کبھی نہیں آئی کہ وہ راحت کے بیٹے کو بگاڑ رہی ہیں۔ اُنہوں نے آج تک جو کچھ کیا، وہ جمشید شاہ کے بیٹے کے ساتھ کیا۔

''آپا، شاہ جی نہیں آئے۔'' راحت نے اس نقاہت کے عالم میں بھی جتنی بار ہمت کر کے آنکھیں کھولیں، انہیں ہی تلاش کیا اور گہری اُداسی اور انتظار کی شدید کیفیت میں ڈوب کر جمشید شاہ کے بارے میں پوچھا...... اور کبریٰ کو ہر بار نفی میں جواب دینا پڑا۔ وہ اُن کا جواب سن کر پھر آنکھیں موند لیتی اور کبریٰ تسلی دیتیں۔

''وہ آ جائیں گے...... بس آنے ہی والے ہوں گے، انہیں شہر میں کچھ زیادہ کام تو نہیں تھا، بس اردشیر کی وجہ سے رُک گئے ہوں گے۔'' جبکہ انتظار وہ خود بھی کر رہی تھیں اور دُعائیں مانگ رہی تھیں کہ شاہ جی جلد گاؤں لوٹ آئیں۔

''امی جان! میں اندر آ جاؤں۔'' شیریں پردہ ہٹا کر ہلکی سی آواز میں اندر آنے کی اجازت طلب کر رہی تھی۔

کبریٰ نے راحت کے چہرے سے نظر ہٹا کر بیٹی کی طرف دیکھا اور اثبات میں سر ہلا دیا۔ راحت شیریں کی بے آرامی کے خیال سے دبے دبے قدم اُٹھاتی کبریٰ کے قریب چلی آئی۔

''خیریت......؟ کوئی کام تھا کیا......؟'' کبریٰ نے پوچھا۔

''امی...... میں تو یہ کہنے آئی تھی کہ آپ کب سے یونہی ان کے پاس بیٹھی ہیں، کچھ دیر آرام کر لیں۔ میں چھوٹی امی کے کمرے میں موجود رہوں گی۔''

''نہیں بیٹی، اس وقت شاہ جی حویلی میں موجود نہیں ہیں اور اُن کی عدم موجودگی میں تم سب میری ذمہ داری بن جاتے ہو اور میں اس ذمہ داری سے غفلت ہرگز نہیں برتوں گی...... تم جاؤ شاباش۔''

''امی یہ سب تو ٹھیک ہے مگر آپ بھی تو تھک گئی ہوں گی۔''

''نہیں، میں ٹھیک ہوں، تم جاؤ۔'' اُنہوں نے شیریں کے اصرار کے باوجود اسے واپس بھیج دیا اور خود راحت کے بستر کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھیں۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''میری بیٹی، تم کہتی ہو، میں تھک گئی ہوں گی۔'' شیریں کے جانے کے بعد سر کرسی کی بیک سے لگا کر اُنہوں نے تھکی تھکی سانس کھینچ کر شیریں کو مخاطب کیا۔

''نہیں، میں ابھی نہیں تھکی، میرا سفر بہت لمبا ہے...... میں ایک دیوانی عورت ہوں اور دیوانے بھلا تھکن محسوس کرتے ہیں۔''

باہر سے کچھ ہلچل، شور کی آوازیں اُبھری تھیں مگر کبریٰ خاتون خیالوں میں نہیں سن سکیں یہاں تک کہ ملازمہ نے اندر آ کر کہا۔

''شاہ سائیں آگئے ہیں بی بی صاحب۔''

تب وہ سیدھی ہو بیٹھیں اور سکھ کا سانس لیا۔ شاہ جی سیدھے اِدھر ہی آئے تھے کہ یہ اُن کا راحت کا کمرہ تھا۔

''اسے کیا ہوا ہے......؟'' آتے ہی راحت پر نظر پڑی تو ٹھٹک کر بولے۔

''یہ تو اُسی روز سے بیمار چلی آرہی ہے، حکیم صاحب سے دوا آرہی ہے، کئی بار بدل چکے ہیں مگر افاقہ نہیں ہو رہا۔ میں تو بہت پریشان ہو گئی تھی۔''

اِتنے سالوں کے بعد آج کبریٰ خوفزدہ اور کمزور نظر آئی تھیں ورنہ تو کئی سالوں سے انہوں نے خود پر بڑی بی بی کا باوقار خول چڑھا رکھا تھا۔

''اسے شہر کے ڈاکٹر کو دکھائیں شاہ جی بلکہ میں تو کہتی ہوں آپ اسے گاڑی میں لے کر فوراً شہر روانہ ہو جائیں، دیر نقصان کا باعث ہو سکتی ہے۔''

''کیوں......؟ ایسی کون سی خطرناک بیماری لگ گئی ہے اسے جو فوراً گاڑی میں ڈال کر شہر لے جائیں، کبریٰ تم تو یونہی پریشان ہو گئی ہو، بخار ہے اُتر جائے گا، ایسا کرو ساری کیفیت لکھ کر ڈرائیور کو دے دو، وہ شہر کے کسی اچھے ڈاکٹر سے مشورہ لے کر دوا لے آئے گا۔

''مگر شاہ جی، آپ یہ بھی تو دیکھیں، یہ بے ہوش ہے۔''

''بخار کی شدت سے ایسا ہوتا ہے، تم ذرا جلدی سے کھانا لگواؤ، میں نہا کر آتا ہوں اور ہاں کھانا اپنے کمرے میں ہی منگوانا، یہیں نہ لگوا لینا...... اور میں کھانے کے بعد کچھ دیر کے لئے نیند لوں گا، مجھے مت جگانا، میں بہت تھکا ہوا ہوں۔''

کمرے میں حکیم کی دی ہوئی دواؤں کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔ شاہ جی نے یہاں بیٹھنا بھی ضروری نہیں سمجھا، فوراً کمرے سے نکل گئے...... اور جا کر کبریٰ کے کمرے کو رونق بخشی۔ کبریٰ نے ایک بار پھر راحت کا ماتھا چھوا اور بولیں۔

''راحت...... راحت، آنکھیں کھولو، دیکھو تو شاہ جی شہر سے واپس آگئے ہیں۔''

• • •

وہ گھٹ گھٹ کر روتا ہے بالکل قریب اور کبھی یہ آواز بہت دُور سے آتی ہوئی محسوس ہوتی ہے اور کبھی یوں لگتا ہے جیسے جویریہ کے اپنے دل سے آواز آرہی ہے۔ وہ راتوں کو سو نہیں سکتی۔ اچانک ہڑبڑا کر اُٹھ بیٹھتی ہے اور چاروں طرف دیکھنے لگتی ہے۔

''ابھی تو تھا، کہاں چلا گیا......؟ اُس نے آواز دی تھی۔ وہ تنہا تھا اور ڈر گیا تھا......''



نائٹ بلب کی روشنی میں اسے اپنے قریب صرف کبیر حسن ہی سوئے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ طلال تو کہیں بھی نہیں ہے مگر ایسا لگتا ہے، وہ بھی موجود ہے۔ اس کی سانسوں کی آواز اس کے نرم نرم ہاتھوں کا لمس اور اس کی آواز...... جویریہ سب کچھ محسوس کرتی ہے اور بے بسی کے عالم میں رونے لگتی ہے۔

''اتنے سال سوچو تو ایک طویل عرصہ میں نے تمہارے بغیر گزار لیا ہے۔ میں تمہارے بغیر زندہ ہوں...... طلال......'' کبھی کبھی اسے خود سے شدید نفرت محسوس ہونے لگتی تھی...... زندگی ایک ناقابل برداشت بوجھ کی طرح لگتی...... مگر وہ کیا کرتی، اسے جینا تھا کہ رائحہ اور مزیب کو اس کی بہت ضرورت تھی۔

رات بھی اُس نے طلال کو اپنے آس پاس محسوس کیا تھا...... پھر وہ سو نہیں سکی۔ صبح بھی بہت اپ سیٹ دکھائی دے رہی تھی مگر کبیر حسن کو اتنی فرصت نہیں تھی کہ بغور اس کی جانب دیکھ لیتے اور اُداس دیکھ کر وجہ جانتے، دلجوئی کرتے۔ اُنہوں نے ناشتا کیا، تیار ہوئے اور آفس کی راہ لی۔ ہاں مزیب، جویریہ کو دیکھ رہا تھا اور اس کی ایک ایک حرکت نوٹ کر رہا تھا۔

کبیر حسن ناشتے کی ٹیبل سے اُٹھے تو وہ بھی اُٹھ کھڑی ہوئی اور آ کر اپنے کمرے میں بیٹھ گئی۔ کبیر حسن کے جانے کے بعد مزیب چلا آیا۔ وہ قریب آ کر بیٹھ گیا جویریہ کو خبر ہی نہ ہوئی۔ یہاں تک کہ اُس نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ پر رکھ دیا اور پکارا۔

''ہاں...... آؤ مزیب تم......'' جویریہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔

''مما ایک بات کرنی ہے آپ سے۔'' وہ سنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

''ہاں بیٹا کہو، میں سن رہی ہوں۔''

''مما...... میں نے کئی بار نوٹ کیا ہے، آپ ایک دم سے بہت اُداس ہو جاتی ہیں۔ یوں محسوس ہوتا ہے آپ میرے قریب رہ کر بھی قریب نہیں ہیں۔'' اُس نے ایک نظر اس پر ڈالی، پھر سر جھکا لیا۔

''کوئی پرابلم ہے آپ کے ساتھ......؟ ہیں مما بتائیں ناں مجھے۔'' وہ اس کے ہاتھ پر اپنے ہاتھ کا دباؤ ڈال کر اپنائیت اور محبت کا اظہار کرتے ہوئے اصرار کر رہا تھا۔

''مجھے بھلا کیا دُکھ ہو سکتا ہے چاند......؟'' اسے پھیکی سی ہنسی ہنس کر اپنے خوش ہونے کا یقین دلانا پڑا۔

''نہیں...... میں نہیں مانتا...... میں نے اکثر دیکھا ہے...... آپ بیٹھے بیٹھے اُداس ہو جاتی ہیں، مجھ سے باتیں کرتے کرتے چپ ہو جاتی ہیں اور پتا نہیں کیا سوچنے لگتی ہیں، آج پوچھ کر ہی رہوں گا۔ دیکھیں اب تو میں بڑا ہو گیا ہوں۔ آپ کہہ کر دیکھیں، ہو سکتا ہے میں آپ کے کسی کام آؤں۔''

''یقین کرو، کچھ بھی نہیں ہے۔'' جویریہ اس کا گال تھپک کر بولی۔

''یہ تو خیر ماننے والی بات ہی نہیں...... کیوں چھپا رہی ہیں......؟ کیا میں بیٹا نہیں ہوں آپ کا۔''

''مزیب چاند...... تم میرے بیٹے ہو...... میرے اپنے بیٹے...... اور میرے دوست بھی ہو...... اس بھری دُنیا میں صرف تم ہو جو مجھے سمجھ سکتے ہو۔'' جویریہ کی آواز بھرا گئی۔

''پھوپھو نے کچھ کہہ دیا ہے آپ کو......؟''

''نہیں مجھے کسی نے کچھ نہیں کہا...... بس قسمت ہی خراب ہے میری۔''

''ارے ہم جیسے جینئس بچے کے ہوتے ہوئے بھی آپ قسمت کو الزام دے رہی ہیں۔'' اس کی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُداسی کم کرنے کو وہ شوخی سے بولا۔

''ہاں مزیب، میں اُس کے لئے رو رہی ہوں جو زندگی کی راہ میں مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔ وہ جو میرا دل تھا...... جس کی خاطر میں نے اس زندگی کو قبول کیا تھا...... جس کی خاطر میں نے ہر بات گوارا کی تھی...... یہ کیسا ستم ٹوٹا کہ وہی مجھ سے بچھڑ گیا۔'' جویریہ بہت کمزور ہو گئی تھی، اب دُکھ سہا نہیں گیا، نہ نہ کرتے بھی اچانک مزیب کے سامنے اپنا غم کھول دیا۔

''کون......؟ آپ کس کی بات کر رہی ہیں مما......؟'' مزیب سمجھ بھی کیسے سکتا تھا، حیران ہو کر پوچھ رہا تھا۔

''میرا طلال، میرے جگر کا ٹکڑا...... وہ میرا پیارا بیٹا...... جانے کہاں ہوگا......؟ کن ہاتھوں میں ہوگا......؟'' جویریہ چہرہ ہاتھوں میں چھپا کر رونے لگی۔

''پلیز مما...... آپ روئیں نہیں، مجھے پوری بات بتائیں۔ دیکھیں میں کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا...... کون ہے طلال اور وہ آپ کا بیٹا کیسے ہو گیا......؟''

جویریہ کچھ دیر سسکتی رہی پھر آنسو پونچھ ڈالے اور آج مزیب سے سب کچھ کہہ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ الف سے بے تک وہ ساری کہانی رُک رُک کر کبھی آنسوؤں کے درمیان اور کبھی ضبط کے کڑے پہرے کے درمیان اُسے سناتی چلی گئی۔

''اُف اِتنا کچھ ہو چکا ہے آپ کے ساتھ اور آپ آج مجھے بتا رہی ہیں۔ وہ بھی صرف میرے اصرار کی وجہ سے اور پھر بھی کہتی ہیں کہ تم میرے بیٹے ہی نہیں دوست بھی ہو۔ یہ کیسی دوستی ہے مما......'' مزیب کی آنکھوں میں دُکھ تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ جویریہ اتنے طوفانوں میں سے کس طرح گزری ہوگی۔

''تم ابھی خود چھوٹے سے ہو سوائے میرے لئے پریشان ہونے کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ بس اسی لئے میں نے اب تک یہ سب کچھ تم سے چھپایا۔''

''میں اتنا چھوٹا بھی نہیں ہوں، آپ کو مجھ سے کہنا چاہئے تھا۔ زیادہ نہیں تو تھوڑی بہت کوشش تو میں کر ہی لیتا اور ممکن ہے میرا بھائی اب تک مل ہی گیا ہوتا...... دیکھیں ناں، آپ مجھے بیٹوں کی طرح عزیز سمجھتی ہیں، اتنا پیار کرتی ہیں تو پھر وہ میرا بھائی ہی ہوا ناں۔''

''ہاں مزیب، رشتے خون کے ہوتے ہیں، اور رشتے دل کے بھی ہوتے ہیں، وہ تمہارا بھائی ہی ہوا۔''

''میں اپنے بھائی کو ضرور تلاش کروں گا...... اچھا ایک بات تو بتائیں، پاپا نے کوئی مدد نہیں کی آپ کی اِس سلسلے میں......؟''

''میں نے انہیں اس بارے میں کچھ نہیں بتایا، وہ آج تک اس بات سے بے خبر ہیں۔''

''کیا......؟ آپ نے انہیں بھی کچھ نہیں بتایا اتنے برسوں سے......؟ یہ دُکھ اکیلے ہی سہہ رہی ہیں، ایسا ظلم نہیں کرنا چاہئے تھا آپ کو خود پر۔''

''کیا بتاتی اور کیسے بتاتی جبکہ مجھے یقین ہے وہ یہ سب سن کر مجھ سے ہمدردی تو بالکل نہیں کرتے البتہ بھڑک ضرور اُٹھتے اور یہ بھی ممکن تھا کہ غصے کی حالت میں ہی ایسا فیصلہ کر ڈالتے جو مجھے گھر سے بے گھر کر دیتا...... بیٹا، عورت جب ایک بار نکاح کے بندھن میں بندھ جاتی ہے، پھر شوہر کیسا ہی کیوں نہ ہو، چھوڑنا اس کے لئے بہت مشکل ہوتا ہے اور میرے تو کوئی آگے پیچھے بھی نہ تھا...... اگر کبیر صاحب کوئی ایسا فیصلہ کر ڈالتے تو میں کہاں جاتی......؟



بس یہی سوچ کر میں اتنے برس ان سے کچھ کہنے کا حوصلہ ہی نہیں کر سکی، اپنے طور پر ہی طلال کو تلاش کرتی رہی اور اب اتنے برس گزر چکے ہیں، بتاؤں تو کیا بتاؤں......؟'' جویریہ افسردگی سے بولی۔

''اچھا چلیں چھوڑیں، نہیں بتایا تو اچھا ہی کیا، واقعی پاپا سے کچھ اچھی اُمید نہیں رکھی جا سکتی تھی۔ اب میں کل سے یوں کرتا ہوں کہ اپنے اسکول کے تمام بچوں کے نام چیک کرتا ہوں۔ شاید کوئی طلال نام کا بچہ پڑھتا ہو اور ہاں، آپ نے یہ تو بتایا ہی نہیں، اس کی عمر کیا ہوگی......؟ وہ مجھ سے بڑا ہے یا چھوٹا۔''

''وہ تم سے تین سال چھوٹا ہے...... لیکن مزب تم اپنے اسکول میں اسے تلاش کرو گے تو ناکام ہی رہو گے، مجھے اچھی طرح یاد ہے، وہ عورت جسے نگینہ آپا نے چند روز کے لئے میرا بیٹا دیا تھا، خاصی غریب سی تھی، شاید لوگوں کے گھروں میں کام کرتی تھی۔ اُس نے اتنے مہنگے اسکول میں طلال کو کہاں داخل کروایا ہوگا۔ پتا نہیں عام سے اسکول میں بھی داخل کروایا یا نہیں......؟ اور یہ بھی تو ممکن ہے اُس نے میرے لال کو دربدر ہونے کے لئے چھوڑ دیا ہو۔''

جویریہ کی آنکھیں پھر بھر آئیں......

''نہیں مما، ایسا تو آپ سوچیں بھی نہیں...... مجھے یقین ہے طلال جہاں بھی ہوگا، بہت خوش ہوگا دیکھیں ناں، آپ اتنی اچھی ہیں، ہر کسی کے ساتھ نیکی کرتی ہیں۔ مجھ سے اتنا پیار کیا آپ نے تو پھر آپ کے بیٹے کو اللہ میاں نے بھٹکنے تھوڑی دیا ہوگا۔ وہ ضرور محفوظ ہاتھوں میں ہوگا۔ بس کل سے میں اُس کی تلاش شروع کر دوں گا۔ آپ تفصیل سے اُس کا حلیہ مجھے بتائیں۔ اوہ اگر آج اسکول میں چھٹی نہ ہوتی تو آج ہی یہ کام ہو جاتا۔''

مگر اگلے روز اسکول جا کر بھی مزیب کو ناکامی ہوئی...... طلال نام کے تو کئی لڑکے تھے مگر جس طلال کی اسے تلاش تھی، ان میں وہ نہیں تھا مگر مزیب مایوس ہرگز نہیں تھا...... اسے یقین تھا طلال ضرور مل جائے گا۔

اب وہ جویریہ کا دُکھ جان گیا تھا اور پہلے سے زیادہ اُس کا خیال رکھتا تھا اور بھی قریب آ گیا تھا ماں کے، وہ باپ کے رویے کا بھی جائزہ لینے لگا تھا اور اُسے دُکھ تھا کہ اُس کا باپ ایک خود پسند اور کسی حد تک بے رحم شخص ہے۔ اُس نے ماں کے احساسات کی کبھی پروا نہیں کی، نہ ہی کبھی بچوں کے لئے اُسے فکرمند دیکھا ہے۔

کبیر حسن کی بڑی بہن دلشاد کچھ روز بعد پنڈی سے یہاں آ رہی تھیں۔ وہ آتی تو کم ہی تھیں...... مگر جب بھی آتیں۔ جویریہ کو تو تھکا کر رکھ دیتیں۔ ''فلاں بچہ یہ کھائے گا، فلاں کو یہ چاہئے، میرے لئے یہ بنے گا، اس کمرے میں نیند نہیں آتی، اب دوسرا اسیٹ ہوگا۔''

جویریہ بے چاری خاموشی سے سب کچھ سنتی اور حکم بجا لاتی کہ کبیر حسن کا حکم یہی تھا'' میری دونوں بہنیں مجھ سے بہت پیار کرتی ہیں انہیں میرے گھر میں ہر طرح کا آرام ملنا چاہئے۔''

دلشاد آپا بولنے کی بھی بڑی شوقین تھیں۔ اُن کی ذرا سی بات بھی گھنٹوں پر محیط ہوتی تھی اور جویریہ کو ان کے سارے قصے خاموشی سے سننے پڑتے تھے۔ چھوٹی نند واجدہ کی ساس بھی اپنی بہو کی بہن سے بہت تنگ تھیں کہ اس کی مسلسل گفتگو سے ان کے سر میں درد ہونے لگتا تھا بلکہ وہ کہتی تھیں، مجھے سر درد کی تکلیف ہوئی ہی دلشاد بی بی کی وجہ سے ہے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



پھوپھو دلشاد نے فون پر اپنی آمد کی اطلاع دی۔ مزیب سنتے ہی اُوپر چلا آیا اور رُخ دادی کے کمرے کی جانب تھا۔

''میری پھوپھو آرہی ہیں۔'' انداز علانیہ تھا۔

''کون آرہی ہیں......؟'' وہ اپنا دوپٹہ تلاش کررہی تھیں، مصروف سے انداز میں بولیں۔

''میری خاموش طبع پھوپھو۔'' وہ ہنسا۔

''اس...... تمہاری کون سی پھوپھی خاموش طبع ہوگئیں۔ دو ہی تو ہیں اور دس پر بھاری ہیں بولنے کی شوقین اور پھر وہ بھی چھت پھاڑ کر بولنے والی...... توبہ اللہ بچائے۔''

''دِلشاد پھوپھو آرہی ہیں اپنے بچوں سمیت......'' اب ذرا تفصیل سے بتایا۔

''لو اتنی مشکل سے سر درد کی تکلیف ٹھیک ہوئی تھی، اب پھر آرہی ہے، میں پوچھتی ہوں، اُسے اپنے گھر میں چین نہیں پڑتا کیا۔''

''پتا نہیں آئیں گی تو پہلا سوال یہی ہوگا اور پوچھوں گا بھی آپ کی طرف سے۔''

''نہ نہ، میرا نام نہیں آنا چاہیے......''

''واہ دادی، آج پتا چلا گیا، آپ کو بڑا دعویٰ تھا بہادری کا۔'' اُس نے ہاتھ میں پکڑی بال ہوا اُچھال کر کیچ کی اور دادی کو جوش دلایا۔

''ڈرتی ورتی تو میں کسی سے نہیں...... بس زبان کی تیز اور بدلحاظ ہیں تمہاری دونوں پھوپھیاں ان میں بدتمیزوں کے منہ لگنا پسند نہیں کرتی۔''

واجدہ کی چھوٹی بیٹی مہناز دروازے کے قریب ہی کھڑی تھی، یہ بات سن کر اندر آگئی اور بولی...

''دادی! آپ نے میری امی کو بدتمیز کہا ہے۔ میں ابھی جا کر بتاتی ہوں انہیں۔''

''اے ہاں ہاں، جو جیسا ہے ویسا ہی کہوں گی...... تم صرف ماں کو ہی نہیں بتاؤ بلکہ پورے محلے میں اعلان کر آؤ۔''

''واہ دادی...... بندے کو ایسا ہی بہادر ہونا چاہیے۔ مان گیا میں آپ کو، اگر پھوپھو لڑائی کے ارادے سے اِدھر آئیں تو ڈریئے گا مت، ہمت سے کام لے کر کھری کھری سنا دیجئے گا، فکر مت کیجئے، میں یہیں موجود ہوں گا اور آپ کو برابر گلوکوز پلاتا رہوں گا۔'' اس نے ایک بار پھر بال ہوا میں اُچھالی اور کیچ کی۔

''اچھا...... تم اب ٹک کر کہیں بیٹھ جاؤ، گیند کے پیچھے سارے کمرے میں ناچ رہے ہو، کہیں کوئی نقصان نہ کر بیٹھنا اب۔''

''نہیں دادی، میں اور آپ کا نقصان کروں۔'' ایک بار پھر وہی عمل دہرانے کے بعد بال ہاتھ میں لی اور چھلانگ لگا کر بیڈ پر آبیٹھا۔

''دھیان سے...... دھیان سے، اب کیا پلنگ توڑو گے......؟ ویسے تم جب بھی آتے ہو، میرا کوئی نہ کوئی نقصان ضرور ہی کر جاتے ہو۔''

''دادی...... نقصان تب ہوتا ہے، جب میں آرام سے بیٹھتا ہوں، صرف آپ کی محبت میں آپ کو کسی نقصان سے بچانے کی خاطر ہی اُچھل رہا تھا جسے آپ نے انتہائی نفرت سے ناچ کا نام دے دیا ویسے یقین کریں، آج تک میں نے آپ کی کوئی چیز جان بوجھ کر نہیں توڑی۔''



اتنا کہہ کر ذرا پیچھے ہوا اور بیڈ پر پڑے اخبار کے نیچے رکھی، دادی کی عینک ذرا سی آواز پیدا کر کے اپنے ہونے سے نہ ہونے کا اعلان کر گئی۔

''ارے یہ کیا......؟'' اُس نے اخبار ہٹا کر عینک کے دونوں ٹکڑے اُٹھائے پھر بولا۔ ''دادی یہ بھی کوئی جگہ تھی رکھنے کی اور اب الزام سارا مجھ پر آجائے گا۔ سچ ہے مظلوم کی کون سنتا ہے زمانے میں۔''

''اچھا بھیا...... تم جاؤ اور جا کر گیند کھیلو۔'' اُنہوں نے خفگی کے عالم میں دونوں ٹکڑے اس کے ہاتھ سے لے لئے۔

''سوری...... بڑا نقصان ہوگیا ہے آپ کا...... عینک ٹوٹ گئی، اب آپ ٹی وی پر پروگرام کیسے دیکھیں گی۔ آپ کو کیسے پتا چلے گا کہ آج کل دُنیا میں کون سا فیشن چل رہا ہے اور موٹی، کالی عورتیں لپ اسٹک کا کون سا شیڈ پسند کررہی ہیں۔''

اُنہوں نے کوئی جواب نہیں دیا، ٹوٹی عینک کا معائنہ کرتی رہیں۔

''دادی ایک ترکیب ہے میرے پاس، آپ ایسا کریں درمیان میں دھاگہ لپیٹ کر دونوں ٹکڑوں کو جوڑ لیں۔''

''یہ دھاگے سے جڑنے والی نہیں۔'' اُنہوں نے منہ بنایا۔

''ہاں واقعی، چوٹ شدید ہے...... اچھا چلیں ایسا کرتے ہیں گوند لگا کر...... مگر نہیں، یہ بھی ٹھیک نہیں، بس پھر جب نیاز آٹا گوندھے گا تو میں وہ آٹا لے آؤں گا، اس سے تو ضرور ہی جڑ جائے گی۔ کہیے کیسا ہے......؟'' داد لینا چاہی۔

''اے پرے ہٹ...... آٹے سے جوڑلوں اور رات کو چوہے وہ آٹا کھانے میرے بستر پر دوڑے چلے آئیں۔''

''ہاں واقعی...... مجھے اس بات کا تو خیال ہی نہیں رہا...... ٹھہریں کچھ اور سوچتا ہوں۔''

''نہیں تم رہنے دو۔'' وہ بے دلی سے گویا ہوئیں۔

''ایویں رہنے دوں...... بس تھوڑی دیر کی بات ہے...... ضرور کوئی اچھی سی ترکیب لڑا لوں گا...... اوہ ہاں، زبردست، سنئے دادی اور داد دیجئے مجھے۔''

''اچھا چلو سناؤ۔'' انداز ایسا تھا کہ کہو اور نکلو میرے کمرے سے۔

''وہ ایسا ہے دادی کہ اس کے لئے آپ کو ایک عدد ببل گم چبانی پڑے گی، جب ذرا نرم ہوجائے تو پھر اس سے عینک جوڑ لیجئے گا۔ سچ ایسی مضبوط جڑے گی کہ کیا بتاؤں......؟''

''تم نے اتنے مشورے دیئے تمہاری بڑی مہربانی، اب جاؤ میں نیا فریم ڈلوالوں گی۔''

''لیجئے، اگر یہی کرنا تھا تو پہلے بتا دیتیں...... میں تو بچت کروا رہا تھا مگر لگتا ہے پھوپھو کا اثر ہوگیا ہے۔ آپ فضول خرچ ہونے لگی ہیں۔'' اُس نے اتنا کہہ کر ایک بار پھر کیچ لیا اور باہر آگیا۔

• • •

رات کے گیارہ بجے ہیں اور حویلی کے سب لوگ جاگ رہے ہیں مگر پھر بھی گہری خاموشی چھائی ہوئی ہے۔ ایک دوسرے سے نظریں چرائے وہ بے مقصد ہی اِدھر اُدھر گھوم رہے ہیں اور آنے والے وقت سے خوفزدہ ہیں۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''میرے مالک اسے صحت عطا فرما......'' اندر کے وسوسوں سے گھبرا کر کبریٰ خاتون نے کراہ کر دُعا مانگی ...... اور اپنے کمرے سے اُٹھ کر باہر برآمدے میں آ گئیں ...... کہ یہاں گھر کی ملازمائیں موجود ہیں۔ وہ سوچتی ہیں، شاید لوگوں کی موجودگی مجھے حوصلہ دے اور میں کچھ ہمت پکڑ لوں۔ میں اس خوف سے نجات پاؤں جو اس وقت بہت شدت کے ساتھ مجھ پر حاوی ہو رہا ہے۔ راحت کو ابھی ابھی شاہ جی گاڑی میں ڈال کر قریبی شہر کے ہاسپٹل لے گئے ہیں اور پیچھے وسوسے اور خوف باقی رہ گئے ہیں۔

''آپ آرام کر لیتیں بڑی بی بی صاحب۔'' ایک خیر خواہ اس کے کان کے قریب جھک کر سرگوشی کرتی ہے۔

''نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں ...... تم سب لوگ راحت کے لئے دُعا کرو کہ خدا اسے صحت عطا فرمائے۔''

پھر کچھ خیال آیا تو فاطمہ بیگم کے کمرے کی طرف چل پڑیں، سوچا شاید وہ بھی سب کی طرح جاگ رہی ہو اور اگر جاگ رہی ہے تو اُسے دُعا کے لئے کہا جا سکتا ہے، وہ اللہ والی ہے، اُس کی دُعا ضرور قبول ہوگی۔

فاطمہ جاگ رہی تھی اور گل رُخ بھی کتابیں کھولے اور بستر کے قریب لیمپ رکھے پڑھنے میں مصروف تھی۔

''آیئے آپا جا ......'' فاطمہ اسے اس وقت کمرے میں دیکھ کر کچھ حیران ہوئی اور اپنے بستر پہ اس کے لئے جگہ بنانے لگے جبکہ گل رُخ بھی سوالیہ انداز میں کبریٰ کو دیکھ رہی تھی۔

کبریٰ تھکے تھکے انداز میں بستر پر بیٹھ گئیں ......اور بولیں۔

''راحت کی طبیعت بہت خراب ہے اور میں اپنے اندر سے اُٹھنے والے خوف کی جکڑ میں ہوں۔''

''آپ کو یہ ڈر ہے کہ کہیں یہ بیماری اس کی جان نہ لے لے۔''

''ہاں فاطمہ، کچھ بھی ہے، میں اس کو صحت مند اور جیتا جاگتا دیکھنا چاہتی ہوں، ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے، تم دُعا کرو، خدا اسے صحت دے۔''

''اوہ آپا ...... یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں، بندہ بے بس ہوتا ہے اگر اللہ کا حکم ہو تو آدمی مرتے مرتے بھی بچ جاتا ہے اور جو حکم نہ ہو تو چنگا بھلا بیٹھا بیٹھا اچانک موت کی وادی میں اُتر جاتا ہے، انسان بڑا بے بس ہے، خدا کی مرضی کے آگے کچھ نہیں چلتی اس کی، اب اگر راحت کی قسمت میں موت ہی لکھی ہے تو کیسے کوئی ٹال سکتا ہے۔''

''شاید فاطمہ بے حس ہو چکی ہے۔'' کبریٰ نے اس کے سپاٹ چہرے کو افسوس کے ساتھ دیکھتے ہوئے سوچا اور اٹھ کھڑی ہوئیں کہ اس کی باتیں تو اور بھی پریشان کرنے والی تھیں۔

گل نے کہا بھی ''آپ تھکی ہوئی لگ رہی ہیں، یہیں آرام کر لیں۔'' مگر وہ انکار کر کے باہر آ گئیں اور برآمدے میں بچھے تخت پر آ بیٹھی۔

ان کے وسوسے غلط نہیں تھے اور راحت واقعی لمبے سفروں کی تیاری پکڑ چکی تھی۔ اس کا بے جان وجود حویلی میں آ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی سکوت ٹوٹ گیا تھا...... اتنی بڑی حویلی ابھی ذرا دیر پہلے گہری دُھند جیسی چپ کی لپیٹ میں تھی اور اب یہاں ہر طرف سے آہوں اور سسکیوں کا طوفان اُٹھ رہا تھا۔ راحت کے بے جان وجود کو دیکھتے ہی کبریٰ کا دل جیسے شکنجے میں آ گیا تھا۔ ایسا کیوں ہو رہا ہے، ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا



مگر وہ عجیب سی کیفیت کا شکار تھیں اور روئے جا رہی تھیں، دل ہی دل میں راحت سے مخاطب تھیں۔

''راحت ...... راحت! خدا کی قسم میں نے کبھی تمہارا برا نہیں چاہا تھا۔ میری نفرت تم تو کبھی بھی نہیں رہیں ...... میری نفرت تو وہ مرد تھا جس کی آرزو کی تکمیل تمہاری ذات سے ہوئی ...... اگر تم اسے بیٹا نہ دیتیں تو سچ کہتی ہوں، تم بھی میرے لئے فاطمہ کی طرح ہوتیں۔ مجھے تم سے کوئی دُشمنی نہ تھی۔ پھر بھی اگر تمہارے دل میں میرے لئے کوئی گلہ تھا تو مجھے معاف کر دینا کہ میں بھی تو ٹوٹی ہوئی عورت تھی۔ میں نے اپنے نصیب کی خوشیاں تم لوگوں کے دامن میں جاتے دیکھی ہیں ...... مجھے معاف کر دینا۔''

ان کی مجبوری یہ تھی کہ اتنے لوگوں کی موجودگی میں وہ باآواز بلند یہ سب نہیں کہہ سکتی تھیں۔ وہ تو کھل کر رو بھی نہیں سکتی تھیں۔ بڑی بیگم کا وقار مجروح ہوتا تھا...... بس تواتر سے آنسو گر رہے تھے اور لب خاموش تھے جبکہ ان کے گرد ملازمین اور گاؤں کی عورتیں اُونچی آواز میں بین کر رہی تھیں۔ وہ فرش پر بیٹھی تھیں اور چارپائی کی پٹی سے سر ٹکائے دل ہی دل میں اس سے مخاطب تھیں۔ ان کے سارے بدن پر لرزہ طاری تھا......اور ہونٹ تھرا رہے تھے۔

''کبریٰ......'' جمشید شاہ نے آواز دی۔ اُنہوں نے آنسوؤں سے بھیگا چہرہ اُٹھا کر ان کی جانب دیکھا۔

''یہ شخص ...... ہاں یہ شخص جو مجھے سازش کرنا سکھا گیا جس نے فاطمہ کی زندگی کو محرومیوں میں دھکیلا اور اسے بے حس بنا دیا ...... یہی تو ہے جس نے راحت کی جوانی کو اپنی خواہشوں کے لئے خریدا ...... یہ آج بھی کتنا مطمئن نظر آ ...... رہا ہے ...... وہی آن بان اور ہر تاثر سے عاری چہرہ اس بے چاری کی موت بھی اس سپاٹ چہرے پر غم کی کوئی تحریر نہیں لا سکی۔ شاہ کو کوئی رنج نہیں، کوئی ملال نہیں ...... حالانکہ راحت تو وہ عورت ہے جس نے شاہ کو اس کی زندگی کی سب سے بڑی خوشی دی، اس کے نیچے ہوتے شملے کو پھر سے اُونچا کر دیا مگر پھر بھی ...... پھر بھی ......''

اُن کا جی چاہا وہ اُٹھ کر شاہ کا گریبان پکڑ لیں ......اور جھنجھوڑ ڈالیں اور چیخ چیخ کر پوچھیں۔

''کیا یہ اتنی حقیر، اس قدر بے وقعت تھی کہ تم اس کی موت پر دو آنسو بھی بہانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہو......؟''

مگر وہ یہ سب کچھ صرف سوچ ہی سکیں۔

''کبریٰ اب اُٹھ جاؤ...... سنبھالو خود کو ...... بہت سے مہمان آئیں گے...... اپنی نگرانی میں انتظامات مکمل کر لو......''

وہ یہی کہنے کے لئے آئے ہوں گے...... کہہ کر واپس مردانے میں چلے گئے۔

کبریٰ ایک ملازمہ کا سہارا لے کر فرش سے اُٹھیں تو دیکھا، گل رُخ کے ساتھ فاطمہ آہستہ آہستہ قدم اُٹھاتی اِدھر ہی چلی آ رہی تھی۔

''آج وہ چلی گئی ہے فاطمہ...... وہ جو شاہ کے بیٹے کی ماں تھی ...... وہ تو اصل مالکن تھی ناں اس حویلی کی ...... مگر دیکھو سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر کس خاموشی سے چلی گئی۔'' کبریٰ آگے بڑھ کر فاطمہ سے لپٹ گئیں اور آنسوؤں کے درمیان کہنے لگیں۔

''آہ! خوش نصیب عورت تھی۔'' فاطمہ نے اپنی محرومیاں کے زیر اثر اُس کے نصیب پر رشک کیا۔

ثریا نے آ کر کبریٰ کو پکڑا اور پانی کا گلاس ان کے ہونٹوں سے لگا دیا۔ چند گھونٹ پی کر اُنہوں نے گلاس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



پیچھے ہٹا دیا اور بولیں......

''شیریں بیٹی، اپنے بابا سے پوچھو......اس کے لاڈلے کو بھی پیغام بھیجا یا نہیں...... کسی نے اردشیر کو بھی بتایا کہ نہیں...... اس کی ماں چلی گئی ہے، اب وہ اکیلا ہے، بہت اکیلا......'' کبریٰ خود کو سنبھالنے میں ناکام ہوئے جا رہی تھیں۔

''امی...... اتنا مت روئیں، سنبھالیں خود کو۔'' شیریں کے اپنے ہوش اُڑے جا رہے تھے۔ ملازماؤں کو یہ سب کام بتا کر وہ خود ماں کے قریب ہی بیٹھ گئی، کبھی پانی پلاتی تو کبھی ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبانے لگتی۔ ساتھ ساتھ سنبھلنے کی تلقین بھی کرتی جا رہی تھی۔

جس وقت اردشیر گاؤں پہنچا اور حویلی کے اندرونی حصے میں داخل ہوا، اسے دیکھ کر عورتوں کے بین اور چیخیں پہلے سے کہیں زیادہ بلند ہو گئیں...... سب سے پہلے اس کی خالہ نے بڑھ کر اس کے شانوں پر ہاتھ رکھ دیئے اور سر اس کے ساتھ لگا کر رونے لگی۔ پھر باقی کے رشتے دار، جبکہ ملازمائیں ہاتھ اپنے سینے اور سر پر مار کر بین کرتی رہیں۔

وہ سر نیچے کئے اور نظریں جھکائے اُداس چہرے کے ساتھ ہولے ہولے قدم اُٹھاتا اپنی ماں کے بے جان وجود کی جانب بڑھا۔

''اردشیر......'' ابھی وہ چند قدم کے فاصلے پر تھا جب اُس نے اپنے پیچھے باپ کی آواز سنی۔ وہ رُک گیا۔ پلٹ کر ان کی جانب سوالیہ انداز سے دیکھنے لگا...... وہ قریب آئے، اس کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا اور مضبوط آواز میں بولے۔

''حوصلے سے بیٹا، تم اب جوان مرد ہو اور مرد تو کبھی حوصلہ نہیں ہارتے۔''

اردشیر نے نہ تو سر اثبات میں ہلایا اور نہ ہی کچھ منہ سے کہا۔

اردشیر کی آمد کی اطلاع پا کر کبریٰ بھی جو کچھ دیر پہلے اپنے کمرے میں گئی تھیں، اب دوبارہ اِدھر آ گئی تھیں......اور کچھ فاصلے پر کھڑی باپ بیٹے کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔

''حوصلے سے......بہت حوصلے سے بیٹا......''

شاہ جی نے ایک بار پھر اسے کہا تو اب ان کی بات پر گہری سانس کھینچ کر اُس نے سر اثبات میں ہلا دیا اور پھر دوبارہ سے قدم آگے بڑھا دیئے۔ اب شاہ جی اس کے ساتھ ساتھ تھے۔

جس وقت اُس نے چادر کا کونہ ہٹایا اور ماں کا دیدار کیا...... کبریٰ نے بے اختیار ہاتھ اپنے سینے پر بائیں جانب رکھ لیا...... وہ منتظر تھی کہ اب یہ پندرہ سالہ نوجوان لڑکا ضبط کا دامن چھوڑ بیٹھے گا، وہ ہار جائے گا......ابھی وہ اتنا بڑا نہیں ہوا کہ ایسا عظیم نقصان خاموشی سے برداشت کر جاتا مگر اردشیر کے بارے میں اس کا اندازہ غلط تھا۔ اُس کا ضبط بلا کا تھا...... آنسو روکنے کی کوشش میں سرخ ہوتی ہوئی آنکھوں کے ساتھ لب بھینچ کر نہایت خاموشی اور پامردی کے ساتھ اُس نے ماں کو یوں مٹی کے بے جان بُت میں ڈھلے ہوئے دیکھا پھر جھک کر اُس کے ماتھے پر بوسہ دیا اور چہرہ دوبارہ...... چادر سے ڈھک دیا۔

شاہ جی نے اُس کی پشت تھپتھپائی اور ہولے سے کچھ کہا...... وہ کسی کی طرف دیکھے بغیر ان کے ساتھ ساتھ چلتا مردانے میں چلا گیا۔

• • •



''کتنے برس بیت گئے، جب مجھ سے بچھڑا تھا تو ننھا بچہ تھا۔ اب میرا طلال اٹھارہ برس کا ہوگا۔'' وہ مسلسل آنسوؤں کے درمیان اسے یاد کر رہی تھی۔ مزیب بیڈ پر قریب ہی بیٹھا تھا اور چپ کرانے کی ناکام کوشش کے بعد اب خاموش اور اُداس نظروں سے جویریہ کو روتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

''اب تو وہ پورے اٹھارہ برس کا ہوگا...... مجھے تو بھول ہی چکا ہوگا، کہاں یاد ہوگی ماں، ملنے پر بھی پہچان نہیں سکے گا، مزیب! مجھے تو لگتا ہے اب وہ کبھی مجھے نہیں ملے گا۔ اتنے برس تو گزر گئے۔ اب تو وہ مجھ سے دُور، بہت دُور جا چکا ہے۔''

''مما پلیز...... سنبھالیں خود کو، آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے...... ڈاکٹر نے آپ کو مکمل ریسٹ کے لئے کہا ہے، یہ ٹینشن تو اور بھی بیمار کر دے گی آپ کو۔''

''میں خود کو مجرم سمجھتی ہوں اس کی...... وہ جانے کس حال میں ہوگا اور میں یہاں اتنے بڑے گھر میں ایک آرام دہ زندگی بسر کر رہی ہوں...... اچھا کھاتی ہوں، اچھا پہنتی ہوں اور میرا بیٹا...... میرا طلال۔'' وہ اور بھی شدت سے رونے لگی

''مما...... مما، حوصلہ نہیں ہاریں، خدا پر بھروسہ رکھیں...... آج نہیں تو کل وہ ضرور ہم سے آن ملے گا۔ آپ کیوں گھبراتی ہیں...... پالنے والا تو اللہ ہے اور وہ نیکی کا صلہ بھی ضرور دیتا ہے۔ آپ اتنی اچھی ہیں۔ سب کا اِتنا خیال رکھتی ہیں، سب سے پیار کرتی ہیں...... یقیناً آپ کا بیٹا بھی چاہنے والوں کے درمیان ہوگا اور پھر مما، ہم نے اُس کی تلاش ترک تو نہیں کر دی۔ میں تو اتنے سال گزر جانے کے باوجود مایوس نہیں ہوں۔ مجھے تو لاشعوری طور پر ہی اُس کی کھوج رہتی ہے۔ جہاں کہیں بھی اٹھارہ انیس برس کا خوبرو سا لڑکا دیکھتا ہوں تو جلدی سے نام پوچھتا ہوں...... ہم ایک نہ ایک دن ضرور ڈھونڈ نکالیں گے طلال کو...... اور مما وہ دن کتنا روشن، کتنا خوبصورت ہوگا...... ہے ناں......؟'' اُس نے جویریہ کا ہاتھ ہاتھوں میں لے کر پیار سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

''مما...... پپا آ گئے۔'' رائحہ نے اندر جھانک کر عجلت کے عالم میں اطلاع دی اور وہیں سے واپس ہو گئی۔

''اچھا...... مما، میں چلتا ہوں، آپ بھی آنسو پونچھیں اور شوہرِ نامدار کے استقبال کی تیاری کریں اور ہاں ڈیڈی اگر کڑوی کسیلی باتیں کریں تو دل پر مت لیجئے گا، ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیجئے گا، یاد رکھیں میں اور رائحہ آپ کو بہت جلد ایک دم سے فٹ دیکھنا چاہتے ہیں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"تمہاری باتیں مجھے زندہ رہنے پر اُکساتی ہیں بیٹا، تمہارا پیار، تمہاری توجہ، میں تو شرمندہ ہو جاتی ہوں، تمہاری اتنی محبت کے مقابلے میں، میں تو تمہیں کچھ بھی نہیں دے پاتی۔"

"یہ تو آپ سمجھتی ہیں جبکہ میرا خیال ہے جتنی محبت آپ نے مجھے دی ہے، اس کا حق میں کبھی ادا ہی نہیں کر سکتا۔" وہ اتنا کہہ کر کمرے سے چلا گیا کہ کبیر حسن آیا ہی چاہتے تھے۔

کبیر حسن اپنے مخصوص بے گانہ انداز میں بیڈروم میں داخل ہوئے اچٹتی سی نظر بیوی پر ڈالی، حال پوچھنے کی زحمت بھی گوارا نہیں کی۔ اُس نے سلام کیا تو جواب سر کے اشارے سے ہی دیا۔ پہلے بریف کیس، پھر کوٹ اور ٹائی بیڈ پر پھینک کر ڈریسنگ روم میں چلے گ ے۔

وہ خود کو سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوئی اور باہر آ کر ملازمہ کو کھانے کے متعلق ہدایت دی۔ کمرے میں واپس آئی تو کبیر حسن کپڑے بدل کر کمرے میں آ چکے تھے۔

مزیب جویریہ کے کمرے سے اُٹھ کر رائحہ کے پاس چلا آیا تھا۔ وہ نماز پڑھ رہی تھی، اُسے کچھ دیر کے لئے انتظار کرنا پڑا۔ بوریت سے بچنے کے لئے شیلف سے کتابیں دیکھنے لگا۔

رائحہ پندرہ برس کی ہو رہی تھی مگر اس میں اس عمر والی شوخی نہیں تھی، جویریہ نے اس کی تربیت ہی کچھ اس انداز میں کی تھی کہ وہ خاصی سنجیدہ اور رکھ رکھاؤ والی ہو چلی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کی باتوں اور انداز پر مزیب کو ہنسی آ جاتی اور مذاق بھی خوب اُڑاتا، مگر وہ بھائی کی کسی بات کا برا نہیں مانتی تھی۔ مزیب سے اسے بہت پیار تھا اور اتنے اچھے بھائی پر فخر بھی بہت تھا اُسے...... نماز سے فارغ ہو کر اُس نے بھائی کی طرف دیکھا اور بولی......

"بور ہو رہے ہیں ناں......؟"

"ظاہر ہے، اکیلا ابندہ بور نہیں ہوگا تو کیا ہوگا...... تم نماز پڑھ رہی تھیں...... انتظار کے سوا کر بھی کیا سکتا تھا۔"

"ویسے بھائی، آپ بھی کبھی نماز پڑھ لیا کریں، اچھا ہوتا ہے۔"

"چلو ہوگئی نصیحتیں شروع، رائحہ! تم تو مجھے پچاس سال کی بڑھیا لگتی ہو۔"

"اچھا...... اگر میں پچاس برس کی ہوں تو پھر بھلا آپ کتنے برس کے ہوئے......؟" وہ شرارت سے مسکرائی۔

"چھوڑو اس بات کو...... میرا حساب بڑا کمزور ہے۔" اس نے بات ٹال دی، پھر فوراً ہی بولا۔

"کبھی کھیل کود بھی لیا کرو...... اور نہیں تو مہناز کے پاس ہی چلی جایا کرو۔" یہ مہناز والی بات اُس نے صرف اُسے چھیڑنے کو کہی تھی اور توقع کے عین مطابق اُس نے منہ بنایا اور بولی......

"ہونہہ...... مہناز باجی...... وہ تو صرف آپ کے ساتھ ہی ہنس ہنس کر باتیں کرتی ہیں...... مجھ سے تو بات کرنا بھی پسند نہیں کرتیں...... بہت مغرور ہیں، پتا نہیں کیا سمجھتی ہیں اپنے آپ کو۔"

"اِس میں قصور مہناز کا نہیں مائی ڈیئر سسٹر، بس بندے کی پرسنیلٹی ہوتی ہے، تمہاری جیسی شکلوں سے تو کسی کا بھی بات کرنے کو دل نہیں چاہتا۔"

"اچھا جی، پھر کیوں آئے ہیں آپ میرے کمرے میں......؟" اُس نے منہ پھلا لیا۔

"میں تو بھائی ہوں تمہارا...... اگر میں بھی لوگوں کی طرح نظر انداز کرنے لگوں تو تم بے چاری تو



گھٹ کے رہ جاؤ گی۔"

"اب جا کہاں رہے ہیں، بیٹھیں ناں۔" اُسے اُٹھتے دیکھ کر رائحہ نے روکنا چاہا۔

"جب سے آیا ہوں برابر لڑائی کر رہی ہو، کیا فائدہ بیٹھنے کا۔"

"میں لڑائی کر رہی ہوں یا آپ...... آتے ہی مجھ پر اعتراض کیا، میرا مذاق اُڑایا اور کیسی معصوم شکل بنا کر کھڑے ہو گئے ہیں۔"

"بنائی کب ہے، ہے ہی ایسی، معصوم پیاری سی۔"

"رہنے بھی دیں......" اس وقت وہ ناراض تھی، سو اختلاف کیا ورنہ سارا دن بھائی کی تعریفیں بھی وہی کیا کرتی تھی...... وہ کہتا "ضرور نظر لگاؤ گی مجھے۔"

"آپ کو مہناز بی بی بلا رہی ہیں چھوٹے صاحب۔" ملازمہ نے آ کر مہناز کا پیغام دیا، سن کر رائحہ نے برا سا منہ بنایا اور سر کو جھٹکا دیا۔

"کیوں تمہیں اتنی تکلیف کس لئے......؟" وہ بظاہر برا مان کر خفگی سے کہہ رہا تھا۔

"مجھے ذرا اچھی نہیں لگتیں یہ مہناز باجی، اِدھر آپ گھر آتے ہیں، اُدھر وہ یا تو خود آپ سے باتیں کرنے کے لئے چلی آتی ہیں یا پھر آپ کو بلوا لیتی ہیں اور آپ بھی دوڑے چلے جاتے ہیں، سچ کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے آپ میرے نہیں اُن کے بھائی ہیں۔" اس بات پر مزیب نے زوردار قہقہہ لگایا پھر بولا۔

"پاگل لڑکی، یہ بات اُس کے سامنے مت کہہ دینا، بے چاری سن کر بے ہوش ہو جائے گی۔" رائحہ نے اُس کی بات جیسے سنی ہی نہیں، بولی۔

"پھوپھو کی ساری فیملی ہی عجیب ہے مجھ سے اور مما سے تو بات کرنا بھی پسند نہیں اور آپ سے کیسے دوستی کر رکھی ہے، کبھی کبھی تو مجھے اتنا غصہ آتا ہے کہ بتا نہیں سکتی۔"

"پھوپھو جی خیریت......؟" مجھے بلوایا تھا، بس جیسے ہی پیغام ملا میں دوڑا چلا آیا۔" جاتے ہی واجدہ سے پیار جتایا، وہ بھی کم نہیں تھیں، فوراً بولیں۔

"ارے میرے چاند، میں تو ہمیشہ ہی تمہیں یاد کرتی ہوں، جب کبیر نے جویریہ سے شادی کی، کتنا کہا میں نے یہ بچہ مجھے دے دو، سوتیلی ماں کے ظلم و ستم سہنے کے لئے ساتھ مت رکھو مگر ایک نہیں سنی کبیر نے اور جویریہ...... اُس نے کبھی تمہیں اپنا بچہ سمجھا ہی نہیں، اسے تو بس رائحہ کا خیال ہے۔"

"چھوڑیں پھوپھو، یہ بتائیں بلایا کیوں تھا......؟"

"ہائیں...... کیوں......؟ کیک میں ڈالنے والی اشیاء میں مزیب حسن کا نام بھی شامل ہے۔" وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا۔

"کیک تو کب کا بن گیا، اب چائے بنا رہی ہے سو چاہا کر شام کی چائے پئیں گے باتیں بھی ہوں گی۔"

"اچھا تو یہ بات ہے آپ نے مجھے ڈرا ہی دیا تھا...... میں دادی کو سلام کر آؤں، پھر مہناز کو بھی دیکھتا ہوں۔"

"جلدی آ جانا، میری ساس صاحبہ کو بھی لمبی لمبی باتیں چھیڑنے کی عادت ہے۔"

"فکر ہی نہ کریں، یوں گیا اور یوں آیا۔" یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''السلام علیکم دادی محترمہ......'' اُس نے دروازے سے اندر جھانکا اور مسکراتے ہوئے جھاڑا۔ وہ اخبار پڑھ رہی تھیں، آواز پر اُدھر دیکھا پھر خفگی سے گویا ہوئیں۔

''آ گئے تم......؟''

''جی آپ کی پوتی عزیزہ مہناز آراء نے بلایا تھا۔'' وہ بظاہر اُن کے سامنے مؤدب بنا کھڑا تھا، چہرے پر شوخی کی تحریر تھی۔ یہ سنتے ہی انہوں نے ایک جھٹکے سے عینک اُتاری...... اخبار ایک جانب پٹخا، بولیں۔

''پتا نہیں کیسے بیٹے ہو تم مانا کہ جویریہ تمہاری سگی ماں نہیں مگر اس نے ماں بن کر ہی تو پالا ہے تمہیں اور تمہاری یہ پھوپھی بیگم کتنا برا کرتی ہے اُس کے ساتھ، ابھی کل اس کی شکایت پر تمہارے باپ نے لڑائی کی ہے، اس غریب سے...... مگر تمہارے کان پر جوں نہیں رینگتی۔''

''دادی بیگم آپ یوں تو سارا وقت اپنے کمرے میں بیٹھی رہتی ہیں مگر خبریں آپ کو دوسرے محلے کی بھی مل جاتی ہیں، یہ کیا راز ہے......؟ فوراً مجھے آگاہ کیجئے۔''

''ملازم بتاتے ہیں سب مجھے...... ایک ایک بات کی خبر رکھتی ہوں، خوب جانتی ہوں اپنی پوتیوں اور بہو کو...... اور تم ایسے بے وقوف لڑکے ہو...... یہ لڑکیاں اشارہ کرتی ہیں اور تم سر کے بل چلے آتے ہو۔''

''نہیں نہیں دادی، یہ اطلاع غلط ہے...... سر کے بل تو نہیں آتا، دیکھیں ناں، سر کے بل سیڑھیاں طے کرنا خاصا مشکل کام ہے بلکہ ناممکن سا ہے، میں تو پیروں پر چل کر آتا ہوں۔''

''ہاں جس دن مہناز بی بی فرمائش کر دیں گی، عزیب صاحب سر کے بل آنے پر بھی تیار ہو جائیں۔''

''اوہ دادی......'' اسے زور کی ہنسی آ گئی اور یونہی ہنستے ہنستے وہ اُن کے بستر پر آ بیٹھا، ہاتھ قریب رکھی ٹیبل پر رکھے شیشے کے گلاس سے ٹکرایا اور گلاس فرش پر گر کر چکنا چور ہو گیا۔

''توبہ ہے بچے توبہ...... میں کہتی ہوں اپنے گھر کی چیزیں بھی یونہی توڑتے ہو یا مجھ سے ہی کوئی خاص دُشمنی ہے...... جب بھی آتے ہو، مجھے تو دھڑکا سا لگ جاتا ہے کہ اب میرا کوئی نہ کوئی نقصان ہو کر رہے گا۔''

''دادی دیکھیں تو چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔'' اُس نے جیسے سنا ہی نہیں کہ وہ کیا کہہ رہی ہیں۔

''اتنے ہی اچھے لگ رہے ہیں تو ان کا ہار بنا لو اور جا کر اپنی پھوپھی کے گلے میں ڈال دو۔''

''آئیڈیا اچھا ہے۔'' اُس نے داد دی، پھر بولا۔

''لگتا ہے آج پھر جھڑپ ہو گئی ہے دونوں معزز خواتین کے درمیان۔''

''یہ پوچھو کب نہیں ہوتی...... دیکھ لینا آج یہ عورت میرا ادب نہیں کرتی، کل اس کی اولاد بھی اس کا ادب نہیں کرے گی۔''

''کل کس نے دیکھی ہے دادی، ویسے سچی بات تو یہ ہے کہ ان کی اولاد اب کون سا ادب لحاظ کرتی ہے ان کا۔''

''تو کرے بھی کیوں......؟ بچپن سے یہ بچے دیکھ رہے ہیں کہ ماں کتنی عزت کرتی ہے دادی کی، اب جو برتاؤ وہ ماں کو بزرگوں کے ساتھ کرتے دیکھیں گے، وہی اپنی ماں سے بھی کریں گے۔''



''بالکل بالکل، بجا ارشاد فرمایا آپ نے...... مجھے شعر یاد آ رہا ہے۔ عرض کیا ہے۔

دُنیا عجب بازار ہے اِس ہاتھ دے اُس ہاتھ لے
نیکی کا بدلہ نیک ہے، بد سے بدی کی ......

''بس چپ کرو، یہ شعر و یر مجھے سمجھ نہیں آتے...... میں نے تو یہ دیکھا ہے جس نے جو بویا ہے، وہی کاٹا بھی ہے۔''

''جی جی...... وہ ایک فلمی گانا ہے، یقیناً اِس سے آپ کو دلچسپی ہو گی......

سو برس کی زندگی میں ایک پل
تو اگر کر لے کوئی اچھا عمل
تجھ کو دُنیا میں ملے گا اِس کا پھل
آج جو کچھ بوئے گا کاٹے گا کل

''خیر میرا بیٹا تو میرے ساتھ بہت عزت سے پیش آتا ہے، بڑا خیال کرتا ہے میرا، بیوی پر نہیں چھوڑا اُس نے مجھے، خود خبر گیری کرتا ہے اور میں سمجھتی ہوں یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ میں نے اپنی ساس کی بڑی خدمت کی ہے۔'' وہ سنی اَن سنی کر کے بولیں۔

''اِس پر ایک اور گانا یاد آ رہا ہے مجھے......

ساس ہے میری سہیلی
ساری سکھیوں سے البیلی

''تم گانے وانے رہنے دو اور ملازمہ کو بلاؤ۔''

''اچھا ابھی بھیجتا ہوں اور سنئے، سومت جایئے گا، آپ کی پوتی کیک بنا رہی ہے۔''

''ہمیں کون دے گا کیک۔''

''میں لے کر آؤں گا آپ کے لئے آپ انتظار کیجئے گا۔''

''تمہارا شکریہ بچے، میں کیک نہیں کھاتی، تم بس ملازمہ کو بھیج دو۔''

''ہائیں تو کیا ملازم کھائیں گی......؟''

''اوہو...... لڑکے یہ شیشے کے ٹکڑے صاف کرانے ہیں...... ایک تو تم بولتے بہت ہو۔''

''بس جا رہا ہوں......''

وہ ہاتھ ہلا کر کمرے سے چلا آیا۔ ملازمہ کو دادی کے کمرے میں جانے کا کہہ کر خود کچن میں چلا آیا، جہاں اس وقت مہناز کے ساتھ ساتھ نزہت اور پھوپھی بھی موجود تھیں۔

● ● ●

کبریٰ نے بڑی بیٹی ستارہ کی شادی اپنے میکے میں ہی کی تھی۔ امین شاہ (ستارہ کا شوہر) اُس کا بھانجا تھا۔ وہ ستارہ کی طرف سے بہت مطمئن تھیں کہ اسے قدر کرنے والا شوہر اور اچھی سسرال ملی تھی۔ اب شیریں کے لئے قریب کے رشتے داروں سے دو رشتے آئے تھے...... ایک تو کبریٰ کا بھتیجا تھا اور دوسرا جمشید شاہ کے چچا زاد بھائی کا بیٹا تھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



دونوں لڑکے اچھے تھے لیکن قدرتی طور پر کبریٰ کا جھکاؤ اپنے بھتیجے کی طرف تھا۔ پھر انہیں یہ خبر بھی تھا کہ شاہ کے چچا زاد کے گھر شیریں شاید خوش نہ رہ سکے۔ اسے باپ سے کوئی لگاؤ نہیں تھا بلکہ بڑے گلے تھے، پھر وہ چچا کے گھر کو کس طرح قبول کرے گی۔

دونوں گھرانوں کے رشتے شاہ کی موجودگی میں ہی آئے تھے اور شیریں کے لئے خواہش کا اظہار کیا تھا تب شاہ جی نے یہی کہا تھا کہ سوچ کر جواب دیں گے۔ رشتے کی بات کرتے ہی ہاں کی توقع وہ بھی نہیں آئے تھے کہ یہ تو رواج ہے، چاہے دل سے کتنے بھی راضی کیوں نہ ہوں، رسمی طور پر سوچنے کا وقت ضرور مانگتے ہیں۔

کبریٰ منتظر ہی رہیں کہ شاہ جی خود یہ بات چھیڑیں گے مگر وہ تو شاید بھول ہی گئے تھے، یوں بھی اب کئی سالوں سے ان کی دلچسپی گھر میں نہ ہونے کے برابر ہی رہ گئی تھی۔ جب تک راحت تھی، انہیں گھر آکر گھر کا احساس ہوتا تھا، اس کی چھوٹی چھوٹی باتیں ہر معاملے میں شاہ جی سے مشورہ لینا اور ان کا خیال رکھنا...... مگر جب سے وہ گئی، یہ گھر ایک سرائے کی مانند ہو گیا...... فاطمہ کی اپنی دُنیا تھی اور کبریٰ کی اپنی، شاہ جی کس وقت آتے ہیں، انہیں کھانا چاہئے، ان کے کپڑوں کا خیال رکھنا ہے، انہیں گھر کی چھوٹی بڑی باتیں بتانا ہے، اس کی پروا کسی کو نہیں تھی۔ اس گھر میں جہاں اُن کی دو بیویاں موجود تھیں، وہاں بھی اُن کا خیال ملازمائیں رکھتی تھیں۔

جب تک راحت زندہ تھی، شاہ جی نے اُس کی قدر نہیں کی مگر اس کے جانے کے بعد وہ خود کو تنہا محسوس کرتے تھے اور انہوں نے خود کو بہت مصروف کر لیا تھا۔ اکثر شہر چلے جاتے اور کئی روز تک وہیں رہتے۔ شہر میں ان کی تین کوٹھیاں مختلف علاقوں میں تھیں...... اور یہ تینوں ہی اردشیر کے نام تھیں، ایک میں بیٹے کا قیام تھا، دوسری اُنہوں نے اپنے لئے اور اپنے ملنے والوں کے لئے رکھی تھی، گاؤں میں ہوتے تو بھی بڑی حویلی کے بجائے اکثر نئی تعمیر ہونے والی کوٹھی جسے گاؤں کے لوگ آم کے باغ کے قریب ہونے کی وجہ سے آموں والی کوٹھی کہتے تھے۔ وہاں پر ہوتے اور یار دوست بھی اُدھر ہی آتے۔

کبریٰ کو اب چونکہ شیریں کے رشتے کے سلسلے میں ان سے صلاح لینی تھی تو وہ اُن کی آمد کی منتظر تھی۔ پہلے تو یہی پتا چلا کہ شہر گئے ہوئے ہیں پھر ایک ہفتہ بعد معلوم ہوا واپس آگئے ہیں اور قیام آموں والی کوٹھی پر ہے۔ وہ سوچ رہی تھیں کہ پیغام بھیج کر حویلی بلوائے یا فون پر ان سے بات کر لے کہ شام کو وہ خود ہی چلے آئیں۔ کبریٰ نے موقع مناسب دیکھ کر بات چھیڑ دی۔

''تم جہاں مناسب سمجھو، کر دو۔'' اُنہوں نے کسی بھی قسم کی دلچسپی لینے سے گویا صاف انکار کر دیا۔ کبریٰ کو دُکھ تو بہت ہوا، مگر بولیں کچھ نہیں...... خاموشی سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آگئیں۔

''اب تو بیٹے کے باپ ہو، پھر بھی بیٹیوں سے اتنے بیزار، کیا بگاڑا ہے ان بے زبان بیٹیوں نے تمہارا......؟ بیٹا دونوں ہاتھوں سے لٹا رہا ہے، اپنی ہر ضد پوری کرواتا ہے، پھر بھی تمہیں اُس سے پیار ہے اور بیٹیاں جو مہمان ہیں اس گھر میں، تمہیں اتنی سی فرصت بھی نہیں کہ اُن کے مستقبل کے بارے میں کوئی رائے ہی دے دو۔''

فیصلہ اب اُنہوں نے خود ہی کرنا تھا اور ان کی پسند اپنا بھتیجا ہی ہو سکتا تھا سو اُنہوں نے اگلے روز گاڑی نکلوائی اور بھائی کے گھر چل دیں۔



شام کو واپس آئیں تو یہ اطلاع ساتھ تھی کہ انہوں نے شیریں کا رشتہ پکا کر دیا ہے۔ گاؤں میں مٹھائی بانٹی گئی...... اور شیریں کے چہرے کے رنگ انہیں بتاتے رہے کہ اُن کا فیصلہ بالکل درست ہے۔ اردشیر شہر میں ہی ہوتا تھا اور اُنہوں نے اس سلسلے میں اسے اطلاع دینا کچھ ضروری نہیں سمجھا کہ بظاہر اردشیر ان کے لئے کتنی ہی اہمیت رکھتا ہو مگر دل میں وہ اسے ذرا بھی اہم جاننے کو تیار نہ تھیں اور یہ بھی جانتی تھیں کہ اسے بھی بہنوں کے معاملات سے نہ دلچسپی ہے نہ سروکار......

یوں بھی مصروفیات بہت سی تھیں اب اس کی...... جب تک اسکول اور پھر کالج میں پڑھتا رہا، چھٹیوں میں گاؤں آتا رہا...... مگر جب سے تعلیم سے فارغ ہوا تھا...... تو کچھ زیادہ ہی مصروف ہو گیا تھا...... حالانکہ نہ تو وہ شہر میں کوئی بزنس کر رہا تھا، نہ ہی شاہ جی کا ہاتھ بٹاتا تھا مگر پھر بھی مہینے دو مہینے بعد ہی کبھی دو تین روز کے لئے ہی گاؤں آتا۔ اب تو کبریٰ بھی حویلی میں کم ہی ہوتی تھیں، اکثر اپنی بہن، بھائی یا پھر ستارہ کے ہاں چلی جاتیں۔ حویلی میں اب اُن کے لئے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اردشیر کو اُنہوں نے جس راستے پر ڈالا تھا، پورا یقین تھا کہ اسی راستے پر جا رہا ہے۔

گاؤں آتا تھا تو وہ بغور اسے دیکھتیں، اُونچے قد کا جوان، غرور سے تنی گردن بلا کی پرکشش آنکھوں میں گاؤں کے لوگوں کے لئے حقارت اور لہجے کی رعونت، مزاج کے خلاف ہونے والی ذرا سی بات اُسے بھڑکا دیتی تھی، حکم تھا......

''میرا کمرہ ہر وقت صاف اور سیٹ ہونا چاہئے...... میں کسی بھی وقت گاؤں آ سکتا ہوں اور اگر مجھے کسی چیز پر ہلکی سی گرد نظر آئی تو پھر خیر نہیں......''

اپنے کھانے پینے اور لباس کے معاملے میں بھی حساس تھا، گاؤں آتا تو ملازماؤں کو اس کی پسند کا کھانا بنانے میں بڑی محنت کرنی پڑتی اور پھر بھی ڈانٹ ہی پڑتی، اسے پسند جو نہیں آتا تھا۔ یار دوستوں پر بے دریغ خرچ کرنے کا عادی تھا اور اس سلسلے میں کوئی روک ٹوک پسند نہ تھی۔

اس کی لال ڈوروں والی براؤن چمکدار آنکھیں جن میں کبھی بچپن کی معصومیت ہوا کرتی تھی اب وہاں بے باکی اور غرور تھا، ایک عجیب طرح کی بے رحمی تھی اور طلسم تھا، جوں ہی مقابل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا، چھا جاتا تھا۔ اس کے انداز اور عادات کبریٰ کو سمجھاتی تھیں کہ محنت رائیگاں نہیں گئی۔ جس راستے پر ڈالا تھا، وہ اُسی پر جا رہا ہے۔

وہ عجلت میں گاؤں آیا، اسے معلوم تھا بابا اب اکثر نئی کوٹھی پر ہوتے ہیں، سو بڑی حویلی آنے کے بجائے وہ اِدھر ہی آ گیا اور ملازم سے شاہ جی کے بارے میں معلوم کیا۔ اس کا اندازہ غلط نہیں تھا۔ وہ یہیں تھے مگر شہر کے چند دوستوں کے ساتھ صبح شکار پر نکلے تھے۔

''واپس کب تک آئیں گے......؟'' یہ سن کر پیشانی شکن آلود ہو گئی تھی۔

''رات سے پہلے پہلے تو آ ہی جائیں گے چھوٹے سرکار، آپ تشریف لائیں، خدمت کا موقع دیں......'' ملازم خوشامد کر رہا تھا...... اردشیر اسی بگڑتے موڈ کے ساتھ گاڑی سے اُترا اور اندر چلا گیا۔

''کھانا لاؤں سرکار......؟'' ملازم پیچھے پیچھے تھا۔

''ظاہر ہے، شام تک اِدھر رہنا ہے تو بھوکا نہیں مرنا۔'' مڑ کر اتنا کہا اور پھر چل پڑا۔

''کیا کھانا پسند کریں گے......؟'' پہلے سوال کا جواب ایسا تیکھا ملا، اب جھجک اور رُک رُک کر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



پوچھا۔

''پہلے تو چائے بنواؤ میرے لئے......اور سنو جونہی بابا جان آئیں، مجھے بتا دینا، انہیں بھی آج ہی جانا تھا......'' سر جھٹک کر خود کلامی کی اور کمرے میں آکر بیڈ پر بیٹھ گیا۔

''اُف......کتنا گندہ ہے یہ کمرہ......'' ہر شے پر گرد کی تہہ، طبیعت کچھ زیادہ نفاست پسند تھی۔ کوٹھی میں صبح صفائی کی گئی تھی مگر گاؤں میں جو چیز کثرت سے نظر آتی ہے، وہ مٹی ہی تو ہے، اب ہلکی ہلکی گرد کی تہہ اگر میز اور کرسیوں کے بازو پر نظر آ رہی تھی تو قصور ملازموں کا نہیں تھا مگر وہ باہر آیا اور ملازموں کو وہ ڈانٹ پلائی کہ اللہ کی پناہ......

''چلو صاف کرو، مفت خورے بابا جان نے زیادہ ڈھیل دے رکھی ہے، اگر میں ہوں ناں تو تم جیسوں کو ایک منٹ میں سیدھا کر دوں۔ چلو اب دفع ہو جاؤ۔''

یہ تھے آخری فقرے جو اس نے واپس پلٹتے ہوئے کہے، ان کام کرنے والوں میں کئی تو عمر میں شاہ جی سے بھی بڑے تھے اور اپنی ایمانداری اور خلوص کی وجہ سے شاہ جی سے بھی عزت ہی کرواتے تھے مگر اسے کوئی لحاظ نہیں تھا۔

شاہ جی شام کو کافی دیر سے واپس آئے، وہ اس وقت کمرے میں تھا۔ ملازموں نے اسے شاہ جی کی آمد کی اطلاع دینے کے بجائے یہ مناسب سمجھا کہ شاہ جی کو اُس کے یہاں آنے کے بارے میں بتا دیں۔ وہ خود ہی بیٹے سے جا کر مل لیں گے۔

''اردشیر یہاں آیا ہوا ہے......؟'' یوں اچانک بغیر کسی اطلاع کے سن کر اُنہیں حیرت ہوئی، اس کے کمرے میں آئے تو وہ باتھ روم میں نہا رہا تھا۔ انہیں کچھ انتظار کرنا پڑا...... کچھ دیر بعد وہ صرف شلوار پہنے، تولیے سے سر کے بال رگڑتا آمد ہوا۔

''ارے بابا جان کیسے ہیں آپ......؟ السلام علیکم......'' لہجے میں برابری تھی، دوستانہ پن تھا اور انداز بھی ایسے ہی تھے، نہ تو بیڈ پر پڑا کرتا اُٹھا کر پہننے کی زحمت کی اور نہ ہی تولیے کو ہی اس سلسلے میں استعمال کیا، جو ہاتھ میں ہی پکڑا ہوا تھا۔

''تم کیسے ہو اور یوں اچانک یہاں......؟ تم تو گاؤں کے نام سے ہی گھبرانے لگے ہو۔''

''ہاں، شہر میں آپ کی کوٹھی پر فون کیا تھا، آپ نہیں ملے، سوچا گاؤں میں ہی ہوں گے......کئی گھنٹے ہو گئے مجھے انتظار کرتے ہوئے......اصل میں بابا جان مجھے کام تھا آپ سے۔''

''ہاں ہاں کہو......'' وہ ہمہ تن گوش تھے۔

''کچھ رقم چاہئے تھی......''

''اس کے لئے خود آنے کی کیا ضرورت تھی، پتر کسی کو بھی بھیج کر منگوا لیتے۔''

''نہیں، رقم کچھ زیادہ ہے۔ اس لئے مجھے خود آنا پڑا۔''

''ٹھیک ہے پیسے تمہیں مل جائیں گے...... میں بھی ایک بات تم سے کہنا چاہتا تھا......دیکھو پتر، اب تم ماشاء اللہ جوان ہو گئے ہو، پڑھے لکھے ہو، سمجھدار ہو، میں چاہتا ہوں اب میرا بوجھ تم بانٹ لو......کام میں میرا ہاتھ بٹاؤ......''

''یہ کام......'' اتنا کہہ کر وہ ہنسا، پھر بیڈ پر سے کرتا اُٹھا کر پہنتے ہوئے بولا۔ ''یہ جو کام ہے ناں، اس



کے لئے تعلیم اور سمجھداری کی کیا ضرورت ہے......اگر آپ نے مجھ سے یہی کچھ کروانا تھا تو شہر بھیجتے ہی نہ۔''

''چلو اگر یہ پسند نہیں تو شہر میں کوئی بزنس کر لو......'' بیٹے کی پسند ناپسند کا تو بہت خیال رہتا تھا انہیں، اُس نے انکار کیا تو اُنہوں نے بھی زور نہیں دیا۔

''ہاں...... یہ ممکن ہے مگر ابھی نہیں جب موڈ ہو گا تو بتا دوں گا۔''

''میرا تو خیال ہے، یہی عمر مناسب ہے۔'' اُس نے جیسے اُن کی بات سنی ہی نہیں، بولا۔

''مجھے دس لاکھ روپے چاہئیں......اور ذرا جلدی۔''

''دس لاکھ......'' اُنہوں نے کچھ حیران پریشان سے انداز میں اُس کی طرف دیکھا۔

''اب اتنی بھی بڑی رقم نہیں ہے۔'' ان کے انداز پر وہ جیسے برا مان گیا۔

''اِس رقم کا کیا کرو گے......؟ اب سے پہلے تم نے اکٹھے اتنے پیسے نہیں مانگے۔''

''ہاں، اس سے پہلے ضرورت نہیں پڑی......اب پڑ گئی ہے۔'' وہ اُٹھ کر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف گیا اور ہیئر برش اُٹھا لیا۔

''پتر ویسے تو سب کچھ تمہارا ہے، تم مالک ہو مگر میں اتنا ضرور کہوں گا، دولت چاہے کتنی بھی ہو اگر دونوں ہاتھوں سے لٹائی جائے تو زیادہ دن ساتھ نہیں چلتی۔''

''زندگی میں پہلی بار میں نے آپ سے لاکھوں کا مطالبہ کیا ہے اور پہلی ہی بار آپ مجھے مایوس کر رہے ہیں۔'' اب اس کا چہرہ تن گیا تھا اور آواز میں غصہ تھا۔

''میں نے انکار نہیں کیا...... میں سمجھا رہا ہوں اور پوچھ رہا ہوں......آخر اس کا کرو گے کیا......؟''

''ایک تو میری سمجھ میں یہ نہیں آتا......آپ ابھی تک مجھے بچہ کیوں سمجھتے ہیں......؟ اب میں بڑا ہو گیا ہوں، اپنا اچھا برا خوب سمجھتا ہوں اور یہ پیسے جو میں نے مانگے ہیں، کسی غلط کام میں نہیں لگاؤں گا......بس بات عزت کی بن آئی ہے، اگر آپ نے نہ دیئے تو بڑی خفت اُٹھانی پڑے گی مجھے۔''

''ہاں ہاں، اب تم بڑے ہو گئے ہو مگر افسوس کہ مزاج میں بچپنا اب بھی موجود ہے۔''

اردشیر نے اُن کی بات سن کر حیرت اور اُکتاہٹ کے عالم میں بھنویں اُچکائیں اور سوالیہ انداز میں اُن کی طرف دیکھا۔

''تم بچپن میں بھی جس بات کو ذہن پر سوار کرتے تھے پھر پورا کروا کر ہی دم لیتے تھے تب تو ناسمجھ تھے، اپنا اچھا برا نہیں سمجھتے تھے مگر اب تمہاری عمر نادان بچوں کی طرح ضد کرنے والی نہیں، تم سنبھل جاؤ۔''

''آپ بس یہ بتائیں پیسے دیں گے یا نہیں......؟'' اُن کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں تھا اس پر۔

''دے رہا ہوں......دوں گا کیوں نہیں......؟ میں تو بس تمہیں سمجھانا چاہتا تھا......'' وہ دل سے اب بھی راضی تو نہیں تھے مگر لاڈلے کو انکار ممکن نہیں تھا۔

رات وہ یہیں کوٹھی پر رہا، صبح ناشتا کئے بغیر ہی شہر واپس چلا گیا۔ اس نے بڑی حویلی آکر کبریٰ کو سلام کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا، یہ نہیں کہ اُس کے دل میں اب بڑی ماں کی محبت نہیں رہی تھی۔ وہ اب بھی اُن سے محبت کرتا تھا مگر اب وہ ننھا بچہ نہیں تھا، اب وہ اردشیر شاہ تھا، بھرپور مرد اور مرد کی محبت ایسی ہی ہوتی ہے جس میں دینا کم اور لینا زیادہ ہوتا ہے، وہ کم دے کر زیادہ وصول کرنے کا عادی ہوتا ہے۔ عورت، ماں، بہن، بیٹی، بیوی کسی بھی رُوپ میں اُسے مایوس نہیں کرتی، اس کی توقع سے بھی بڑھ کر دیتی ہے چاہے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com


بدلے میں وہ کچھ بھی نہ دے۔

اس کی گاؤں آمد کی اطلاع اور پھر نئی کوٹھی پر ہی ٹھہر جانے کی اطلاع کبریٰ کو رات ہی کو مل گئی تھی اور صبح یہ بھی پتا چل گیا کہ وہ آ کر واپس بھی چلا گیا ہے۔ اُنہوں نے اردشیر سے کبھی کوئی اُمید نہیں باندھی تھی، کبھی اسے اپنا سمجھا ہی نہیں تھا۔ مگر یہ خیال ضرور تھا کہ میری ہزار نفرتوں کے باوجود اردشیر مجھ سے بے پناہ محبت کرتا ہے، وہ ملے بغیر چلا گیا، اُنہیں یقین نہیں آ رہا تھا، اُسے اپنا کچھ نہیں سمجھا تھا مگر پھر بھی بے قراری محسوس کر رہی تھیں، دُکھ نہیں تھا، شاید افسوس بھی نہیں مگر حیرت بہت تھی، یا شاید دل کے اندر کہیں افسوس تھا، پھر بھی جی چاہتا تھا اسے بلا کر یاد دلائیں کہ کبھی دعویٰ کیا تھا، مجھ سے محبت کا، تمہیں دُنیا میں بڑی ماں سے پیارا تو کوئی بھی نہیں تھا، پھر آج کیا ہوا...... میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، اُڑان سیکھتے ہی تم مجھے بھی فراموش کر دو گے۔"

کبریٰ خاتون ایک ذہین عورت کا نام تھا جس نے ایک پلان ترتیب دیا تھا اور کئی سال تک حویلی پر حکومت کی تھی مگر وہ نہیں جان سکی تھیں، جب مرد سے اُمید لگائی جائے تو ایسے مقام آتے ہی ہیں، صرف شوہر بن کر ہی نہیں بلکہ ہر رشتے میں ہو تھوڑی ڈنڈی مار جاتا ہے۔

"دس لاکھ لے کر گئے ہیں چھوٹے سرکار۔" وفادار ملازم نے پوری رپورٹ دی تھی اور اُنہوں نے سوچا، ابھی تو دس لاکھ لے کر گیا ہے، ایک روز ساری جائیداد کو آگ لگائے گا۔ ان کے لبوں پر تلخ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ملازم پر اپنے تاثرات واضح نہیں ہونے دیئے، بولیں۔

"وہ خیریت سے تو تھا ناں......؟"

"پتا نہیں بڑی بی بی، غصہ بہت کر رہے تھے، سارے ملازموں کو ڈانٹا اور شاہ جی کے ساتھ بھی شاید تیزی میں بات کی ہے، وہ اِن کی طرف سے کچھ پریشان ہیں کہہ رہے تھے اچانک دس لاکھ کی جانے کیا ضرورت پیش آ گئی ہے۔"

"شاہ جی تو خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں، اب وہ جوان ہے، سمجھدار ہے، اپنا اچھا برا خوب سمجھتا ہے۔"

"لیکن بڑی مالکن، جوانی بھی تو منہ زور ہوتی ہے، کبھی کبھی دُور تک بہا لے جاتی ہے۔"

"وہ اتنی دُور تک نہیں جائے گا اور سنو تم نظر رکھو جب بھی گاؤں آئے، مجھے ضرور بتانا۔"

• • •

"یہ لو اتنے ہی مانگے تھے ناں، گن لو۔" اُس نے ساری رقم لا کر آذر کو تھما دی۔

"تم تو واقعی لے آئے، مجھے یقین نہیں تھا کہ تمہارے بابا اتنی رقم تمہیں تھما دیں گے...... ویسے پوچھا تو ہو گا، اچانک کیا اُفتاد آن پڑی ہے۔"

آذر حیران تھا اور خوش بھی......

"نہیں...... اُنہوں نے کچھ نہیں پوچھا...... جانتے ہیں میں بتاؤں گا نہیں۔" اردشیر کا انداز شاہانہ تھا۔

"ویسے مجھے یقین نہیں تھا تم واقعی اتنی بڑی رقم لے ہی آؤ گے۔"

"یاروں کے یار ہیں جی......" اردشیر نے کرسی کھینچ کر سامنے رکھی اور پھر ایک شان سے براجمان ہو گیا۔

"ہوں، آج ثابت تو ہو ہی گیا ہے۔" آذر کا انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہا ہو، مجھے اب بھی یقین نہیں ہے، تمہاری دوستی پر...... اردشیر کو اس انداز پر بے چینی محسوس ہوئی، کچھ غصہ بھی آیا مگر ضبط سے کام لے کر بولا۔

"تو جب بھی آزمائے گا، میں آزمائش پر پورا اُتروں گا۔"

"فی الحال تو کسی آزمائش کی ضرورت نہیں ہے، تمہارا شکریہ تم نے میری مجبوری کو سمجھا اور ان مشکل حالات میں میری مدد کی۔"

"چھوڑو شکریے کو، دوستوں میں ایسے تکلفات کی گنجائش کہاں ہوتی ہے......؟ تمہیں جب بھی ضرورت ہو بلا جھجک مجھ سے بیان کر سکتے ہو، تمہاری خاطر میں اپنے والد سے بدتمیزی بھی کر سکتا ہوں۔"

"نہیں...... میں تمہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتا، ماں باپ تو ٹھنڈی چھاؤں ہوتے ہیں اردشیر اور ان کے جیتے جی خود کو ان کے سائے سے محروم مت کرو۔"

آذر سے اس کی دوستی بہت پرانی تھی، جب وہ گاؤں سے شہر آیا تھا اور یہاں نویں کلاس میں ایڈمیشن لیا تھا، تب پہلی بار اس کی ملاقات آذر سے ہوئی، وہ بے حد ذہین اور سلجھا ہوا لڑکا تھا۔ یہ اردشیر کی خوش قسمتی تھی کہ آتے ہی اُس سے ٹکرا گیا ورنہ تو ضرور اپنے جیسوں کو ہی دوست بناتا، آذر اُسے پہلے دن سے اچھا لگا تھا...... یہی وجہ تھی ہزار دوستیاں بنانے کے باوجود اُس نے آذر کا ساتھ نہیں چھوڑا تھا۔ جبکہ آذر نے کبھی بھی اس کے خلوص پر یقین نہیں کیا تھا۔

اُس کا تعلق اَپر مڈل کلاس سے تھا جس علاقے میں اردشیر کی کوٹھی تھی، وہاں سے اُس کا گھر قریب ہی تھا، وہ کبھی کبھار اس کے گھر بھی آیا کرتا تھا، اسکول میں تو روزانہ ہی ملاقات رہتی تھی۔ اردشیر کو پڑھائی سے بہت زیادہ لگاؤ کبھی بھی نہیں رہا تھا۔ پھر پیسے کی فراوانی نے اس کی طبیعت میں اس جانب سے اور بھی لاپروائی پیدا کر دی تھی۔ اس کے گرد مطلب پرست دوستوں کا ہجوم بھی ہمیشہ سے رہا تھا۔

مگر جانے کیا بات تھی، کیسی کشش محسوس کرتا تھا وہ آذر کی ذات میں، اسے ناراض کر ہی نہیں سکتا تھا جبکہ آذر کا رویہ کچھ سرد اور بارعب قسم کا ہوتا تھا اس کے ساتھ، وہ ہمیشہ اس پر اپنی مرضی ٹھونسنے کی کوشش کرتا...... اردشیر اگر انکار کرتا تو ناراض ہو جاتا اور آخر ہار اردشیر کو ہی ماننا پڑتی اور اسے ماننا پڑ جاتا، شاید آذر کی یہی اَنا، خودداری اور طبیعت کی سادگی اسے اس کی جانب مائل کرتی تھی۔ وہ کئی بار آذر سے کہتا۔

"تم پتا نہیں کیا چیز ہو آذر محمود...... میں ضد کا اتنا پکا ہوں مگر تمہارے آگے ہمیشہ ہار جاتا ہوں، کبھی کسی لڑکی کو دیکھ کر میرے دل میں ایسا طوفان نہیں اُٹھتا جیسا کہ تمہیں قریب دیکھ کر اُٹھتا ہے، مجھے کہنے دو یار کہ میں تم سے عشق کرتا ہوں۔"

اور جواب میں بڑے سرد انداز میں اس کی جانب دیکھ کر آذر یہی کہتا تھا۔

"اور کچھ نہیں ہے...... بس تمہیں لڑکیوں کے ساتھ ڈائیلاگ بول بول کر عادت ہو گئی ہے۔"

اس پر اردشیر چلا اُٹھتا مگر آذر پر جیسے کچھ اثر نہیں ہوتا تھا۔

اردشیر نے جیسے تیسے گریجویشن کیا جبکہ آذر کا ارادہ مزید پڑھنے کا بھی تھا مگر والد کی وفات کے بعد بڑا بیٹا ہونے کے ناتے اسے ساری توجہ ان کے بزنس کی جانب دینی پڑی۔ اب اُس نے اردشیر سے کہا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھا، ”کچھ نقصان ہو رہا ہے، مجھے دس لاکھ روپے کی ضرورت ہے۔“ اور اردشیر نے اسے جھٹ یہ رقم لا کر دی تھی..... اردشیر اس سے محبت کرتا تھا...... اور کہتا تھا کہ اس سارے زمانے میں اور اتنے لوگوں سے شناسائی کے باوجود اگر میں کسی کو اپنا دوست کہتا ہوں تو وہ تم ہو۔

مگر وہ اس کی کسی نصیحت پر عمل نہیں کرتا تھا۔ اُس نے بہت سمجھایا، خود کو ضائع مت کرو، دولت مفت خوروں میں مت لٹاؤ اور یہ بھی کہ سدھر جاؤ، تم جن راستوں پر آگے ہی آگے بڑھتے جا رہے ہو، واپسی مشکل ہو جائے گی مگر آذر کو جواب میں یہی فقرہ سننے کو ملا۔ ”میں تم سے عشق کر سکتا ہوں..... مگر تمہاری کسی نصیحت پر عمل نہیں کر سکتا، عین ممکن ہے کسی روز تمہارے اس لیکچر سے اُکتا کر میں تمہارا خون کر دوں اور پھر ساری عمر تمہاری قبر کے سرہانے بیٹھ کر روتا رہوں۔“

”ہاں تم جیسا ناعاقبت اندیش ایسا کر بھی سکتا ہے، یہ کوئی حیرت والی بات نہیں ہوگی۔“

”بس پھر تم اپنی خیر مناؤ...... روز روز مجھے مشورے دینے، نصیحتیں کرنے مت بیٹھ جایا کرو، ابھی مجھ کو تمہاری بہت ضرورت ہے اور فی الحال میرا ابھی مجاور بننے کو جی نہیں چاہتا...... اپنے ساتھ ساتھ مجھ پر بھی ترس کھاؤ۔“

اور اب کچھ عرصے سے آذر نے اسے سمجھانا چھوڑ ہی دیا تھا، وہ جان گیا تھا اس پر اثر نہیں ہوگا، اب تو وہ اس سے ملنے اس کی کوٹھی پر بھی نہیں آتا تھا۔ ہاں اردشیر اس کے آفس یا گھر کا چکر مہینے میں دو، تین بار لگا ہی لیتا تھا اور جب بھی آتا، یہی کہتا...... ”تمہیں دیکھے بغیر مجھے چین نہیں آتا یار......“

اور جواب میں آذر سر جھٹک کر یوں ہنستا جیسے اس کی دماغی حالت پر افسوس کر رہا ہو۔

• • •

مزیب، جویریہ کو یہ اہم خبر سنانے کو بے چین تھا، گھر سے گیا تھا تو کہا تھا ”واپسی دیر سے ہوگی“ مگر اب صرف دو گھنٹے بعد ہی واپس آ گیا تھا۔ ”مگر یہ کیا، پپا آج آفس نہیں گئے......؟“

اُن کی گاڑی دیکھ کر اس کے جوش پر کچھ اوس پڑ گئی۔ ڈرائیور سے پوچھا کیا وہ آج آفس نہیں جا رہے......؟“ اسے علم نہیں تھا۔

”اوہ...... دس بجنے والے ہیں، یہ پاپا اب تک گھر پر کیوں ہیں......؟“ اُسے اُلجھن ہو رہی تھی۔ وہ اندر نہیں گیا، یہیں اِدھر اُدھر چکر لگانے لگا، کبھی مسکرانے لگتا اور کبھی ہاتھ آپس میں رگڑنے لگتا۔ کبھی چلتے چلتے رُک کر کھڑا سوچنے لگتا۔

”کیا بات ہے......؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے......؟ میں کب سے نوٹ کر رہی ہوں تمہیں......؟“

”خیریت......؟ آج تم بہت خوش دکھائی دے رہے ہو بیٹا......؟“ وہ مسکرا کر بولیں۔

”او مما...... بات ہی خوشی کی ہے...... پتا ہے آپ کے بھائی اکبر علی وطن واپس آ گئے ہیں۔“

”تم...... تم سچ کہہ رہے ہو مزیب......؟“ وہ یہ خوشی سنبھالنے کی کوشش میں بے حال ہونے لگیں۔ تب مزیب کو بھی خیال آیا۔ وہ بیمار ہیں انہیں اتنی بڑی خبر ایک دم سے نہیں سنانی چاہئے تھی۔ وہ گھبرا گیا۔ اُنہیں بیڈ پر بٹھا کر نیچے کارپٹ پر ان کے پاؤں کے قریب گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا...... اور کہا......

”خود کو سنبھالیں...... اس طرح تو آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے۔“



”میں ٹھیک ہوں، بالکل ٹھیک ہوں۔“ مارے خوشی کے وہ رونے لگیں۔

”مما...... اگر آپ کی طبیعت خراب ہو گئی تو پھر ہم انکل اکبر کے گھر کس طرح جا سکیں گے۔ دیکھیں یہ تو ابھی پہلی اسٹیج ہے، ابھی ہمیں پتا نہیں کتنا لمبا سفر کاٹنا ہوگا، اُس کی تلاش میں کہاں کہاں جانا ہوگا۔“

”ہاں مزیب ابھی تو شاید ہمیں تھوڑا فاصلہ اور بھی طے کرنا ہوگا۔“ اُس کی بات سن کر وہ چونک گئیں اور خوشی تھوڑی مدھم پڑ گئی۔

”ہاں تو اور کیا طلال انکل اکبر علی کے گھر میں تھوڑا ہی مل جائے گا۔ ان سے تو ہم صرف اُس عورت کا ایڈریس لیں گے جس کے حوالے طلال کو کیا گیا تھا اور سب ہی ہم طلال تک پہنچ سکیں گے۔“

”مزیب ہمیں جلد ہی اکبر بھائی کی طرف چلنا چاہئے، کہیں ایسا نہ ہو، وہ پھر کہیں چلے جائیں۔“

”نہیں مما، وہ لوگ اب مستقل یہیں آ گئے ہیں...... میں نے ان کے ملازم سے معلوم کر لیا تھا اور وہ بتا رہا تھا، اندر سامان سیٹ کیا جا رہا ہے اور ویسے بھی اُس علاقے میں انکل اکبر کے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر میرے ایک دوست کا گھر ہے اور میں نے اُس کو کہہ دیا ہے کہ خود بھی نظر رکھے اور اپنے ملازموں سے بھی کہہ دے، جونہی یہ محسوس ہو کہ وہ لوگ گھر چھوڑ کر کہیں جا رہے ہیں، مجھے فوراً اطلاع دے۔“

”تھینک یو بیٹا......“ جویریہ نے قدموں میں بیٹھے مزیب کے سر پر اپنا چہرہ رکھ دیا۔

”مما...... کیا پپا آج آفس نہیں جا رہے......؟“

”اوہ میں تو بھول ہی گئی تھی کہ وہ گھر پر ہی موجود ہیں، کہہ رہے تھے طبیعت کچھ ٹھیک نہیں۔“

”پھر تو مما...... ہم انکل اکبر کی طرف کبھی نہیں جا سکیں گے۔“

انہوں نے گہری سانس کھینچ کر سر جھٹکا اور مایوسی کے عالم میں اسے دیکھنے لگیں۔

”کوئی بات نہیں، جہاں اتنا انتظار کیا ہے، وہاں ایک دن اور سہی......“ اُس نے تسلی دینا چاہی۔

”مزیب، تم چلے جاؤ اُن کی طرف اور اُن سے سب کچھ معلوم کرو۔“

”مگر مما، میں کس حیثیت سے جاؤں گا اور کیا کہوں گا جا کر......؟ وہ تو صاف کہہ دیں گے، تم ہو کون......؟ اور یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو......؟ بقول آپ کے ان لوگوں کو تو یہ بھی معلوم نہیں کہ آپ سے شادی کرنے سے پہلے پپا شادی شدہ تھے اور ان کا ایک بیٹا بھی تھا۔ مجھے تو وہ مشکوک ہی سمجھیں گے اور ممکن ہے سچ بات بتائیں ہی نہیں۔“

”ہاں، ایسا ہو سکتا ہے...... اُف میں کتنی بدنصیب ہوں۔ اب جبکہ طلال میرے اتنا قریب آ رہا ہے تو پھر درمیان میں یہ رکاوٹ کیوں آ گئی ہے......؟ کیسا ستم ہے یہ مجھ پر۔“

”ایسے مت کہیں...... پلیز یوں مت سوچیں آپ، دیکھیں یہی وقت ہمارے سوچنے کے لئے مناسب ہے۔ آپ ذہن میں وہ تمام سوالات ترتیب دیں جو آپ کو انکل اکبر سے پوچھنے ہیں اور یاد رکھیں، آپ کی بھابی اب بھی ویسے ہی ٹیڑھے مزاج کی ہو سکتی ہیں، ان سے سوال بھی گھما پھرا کر ہی کرنا ہوں گے۔“

”مزیب بیٹا، تم اپنے دوست کو فون کرو، ایک بار پھر اسے کہو، اس گھر پر نظر رکھے، میں جانتی ہوں، تم نے پہلے ہی اسے ٹھیک طرح سے سمجھا دیا ہوگا مگر میرا دل، تم اس وقت میری کیفیت سمجھ ہی نہیں سکتے۔“

”ٹھیک ہے مما، میں فون کر دیتا ہوں۔“

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''نہیں نہیں ...... فون نہیں کرو، ایسا کرو خود چلے جاؤ، ممکن ہے کوئی نئی بات مل جائے۔''

اور مزیب انکار نہیں کر سکا، فوراً ہی باہر آ گیا۔

''سوہا رعنا ......'' مزیب نے زیرِ لب کہا۔ یقیناً فٹ پاتھ پر دھیرے دھیرے قدم اُٹھا کر چلتی لڑکی سوہا رعنا ہی تھی ...... آج اتنے برس بعد ...... مزیب نے گاڑی روک دی اور بے اختیار اسے پکارا۔ سوہا نے ایک اجنبی کے لبوں سے اپنا نام سنا تو حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

''آپ یقیناً سوہا ہی ہیں، میں پہچاننے میں غلطی نہیں کر رہا مگر آپ شاید مجھے بھول چکی ہیں۔''

''سوری، مجھے واقعی یاد نہیں آ رہا ......'' وہ جس اپنائیت سے بات کر رہا تھا، لڑکی کو شرمندہ ہو کر اعتراف کرنا پڑا۔

''کوئی بات نہیں، اصل میں ہماری ملاقات کے درمیان کئی سال حائل ہیں، یاد ہے نویں کلاس میں نائلہ علی آپ کی دوست تھی۔''

''تو کیا آپ نائلہ علی کے بھائی ہیں ......؟'' سوہا کا چہرہ ایک دم سے کھل سا گیا۔

''نہیں، میں نائلہ علی کا بھائی نہیں ہوں ...... اُس کا دوست تھا، آپ لوگوں سے سنیئر تھا مگر پھر بھی ہماری دوستی تھی۔ بریک میں وہ اکثر میرے پاس آیا کرتی تھی اور آپ بھی تو ساتھ ہوتی تھیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اسکول میں، میں نے آپ کو کبھی اس سے جدا نہیں دیکھا۔''

''نائلہ سے کبھی ملاقات ...... ہوئی ......؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''نہیں ...... اب تو عرصہ گزر گیا۔''

''اچھا ...... اب مجھے چلنا چاہئے، دیر ہو رہی ہے، اسے اچانک ہی احساس ہوا کہ وہ لب سڑک ایک اجنبی کے ساتھ محوِ گفتگو ہے۔

''آیئے میں ڈراپ کر دیتا ہوں۔'' مزیب پر تو اتنے عرصے کے بعد آج اچانک اسے دیکھ لینے کی خوشی سوار تھی۔ جبکہ وہ پہچان لینے کے باوجود اسے انجان ہی سمجھ رہی تھی کہ یاد آ گیا تھا، وہ نائلہ کا دوست تھا مگر اس کے ساتھ تو کبھی بھی ہیلو ہائے سے زیادہ بات چیت نہیں رہی تھی۔

''نہیں میرا گھر قریب ہے، میں چلی جاؤں گی۔''

''شاید آپ تکلف برت رہی ہیں ...... آیئے ناں ......'' مزیب ان لمحوں کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

''پھر کبھی سہی ......'' وہ ٹال رہی تھی۔

''پھر کہاں ملیں گی ......؟ کوئی اَتا پتا تو دیتی جائیں۔''

''جیسے آج ملاقات ہو گئی ...... خدا نے چاہا تو پھر بھی ہو جائے گی۔'' وہ اتنا کہہ کر روڈ کراس کر کے ایک گلی میں چلی گئی۔

نائلہ علی کی دوست سوہا رعنا اسے تب بھی اچھی لگتی تھی، جب اسکول میں روز ہی نظر آتی تھی، وہ لڑکی صرف اور صرف نائلہ کی دوست تھی، اس کے علاوہ کسی اور سے بات بھی کم ہی کرتی تھی اور جس روز نائلہ چھٹی کر لیتی، وہ سارا دن اکیلی ہی گزار دیتی، مزیب کو اچھی طرح یاد تھا، وہ جب بھی نائلہ سے ملتا، یہ لڑکی دو ایک باتیں کرنے کے بعد ان سے بالکل کٹ جاتی یا تو کوئی کتاب کھول لیتی یا پھر ویسے ہی اس کی توجہ آتے جاتے لڑکے، لڑکیوں کی طرف ہو جاتی۔



''تم بور ہو رہی ہو سوہا ......؟'' وہ پوچھتا اور نائلہ ہنس دیتی۔

''یہ صرف میری فرینڈ ہے، میرے علاوہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی۔''

''نہیں، ایسی کوئی بات نہیں ......'' سوہا ہونٹوں پر مسکراہٹ سجا کر تردید کرتی مگر یہ حقیقت ہی تھی وہ کسی اور سے بات نہیں کرتی تھی۔

یہ نہیں کہ وہ شرمیلی سی ڈری سہمی لڑکی تھی، وہ تو بلا کی پُراعتماد اور ذہین دکھائی دیتی تھی، اس کی آنکھوں سے روشنی سی پھوٹتی محسوس ہوتی تھی مگر شاید وہ کم گو تھی۔ مزیب کو سوہا ایک پیاری سی گڑیا لگتی تھی اور کبھی ایک مغرور شہزادی ...... وہ کئی بار اسے مخاطب کر بیٹھتا اور جواب ہمیشہ مختصر سا ہی ملتا جبکہ وہ اُسے بولتے ہوئے سننا چاہتا تھا۔ وہ پیاری تھی، اسے بھی پیاری لگتی تھی مگر تب اسے محبت کا نام نہیں دیا جا سکتا تھا۔ وہ منفرد تھی اور اس کو دیکھ کر وہ خوشی محسوس کرتا تھا اور اس کے یوں الگ تھلگ رہنے پر حیران ہوتا تھا۔ وہ بظاہر ایک ماڈرن سی لڑکی تھی۔ اس کا لباس اور گفتگو کا اسٹائل سب ہی اس بات کی تصدیق کرتے تھے کہ وہ اچھی فیملی سے تعلق رکھتی ہے۔ لوگ اس کے نام سے کم ہی واقف تھے۔ اُسے نائلہ علی کی فرینڈ کہہ کر پکارتے تھے۔

اور جب ایک بار عید ملن پارٹی کے موقع پر ایک لڑکی نے کہا تھا۔ ''سوہا تم ضرور گانا گاؤ گی ......'' تو اُس کی آنکھوں میں اچانک ہی عجیب سے رنگ اُتر آئے تھے۔ چہرے کی رنگت پھیکی پڑ گئی تھی اور اُس نے گانا گانے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

''سوہا، تم ضرور گاؤ گی ......'' بچے اس کی کیفیت سمجھ ہی نہیں سکے اور باقی ساتھیوں کے ساتھ ساتھ نائلہ بھی اسے مجبور کرنے لگی۔

''پلیز میرا نام مت دینا۔'' وہ منت بھرے انداز میں بولی۔

''نہیں نہیں ...... ابھی مس آئیں گی تو ہم تمہارا نام لکھوا دیں گے۔'' اب لڑکیاں اسے چھیڑ رہی تھیں۔ اس کے یوں گھبرانے پر ہنس رہی تھیں۔ وہ اُٹھ کر کلاس روم سے باہر آ گئی اور کاریڈور میں اس کی ملاقات مزیب سے ہو گئی۔

''سنیں ...... آپ تو نائلہ کے فرینڈ ہیں ...... اسے سمجھائیں، پلیز اسے روکیں۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی۔

''کیا ہوں ......؟'' وہ سمجھا نہیں تھا۔

''میں گانا نہیں گاؤں گی، اسے کہیں مس کو میرا نام نہ دے۔''

''بس اتنی سی بات، تم نہیں گانا چاہتیں تو مت گاؤ۔'' اس کی پریشانی اسے بلاوجہ ہی لگی اور مسکرا کر کہا۔

''نہیں، وہ لوگ نہیں مان رہیں ناں۔''

اُس روز وہ پراوڈ سی لڑکی اسے بہت معصوم، تنہا، اچھی لگ رہی تھی مگر یہ کب سوچا تھا کہ وہ اس سے محبت بھی کر سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ آج اُسے دیکھ کر اپنے یوں بے انداز خوش ہونے پر وہ خود بھی چونک سا گیا۔

کتنے سال پہلے کی ...... ملاقات تھی، تب تو وہ بچے ہی تھے اور اس کے بعد کالج اور یونیورسٹی کے زمانے میں کتنے ہی چہرے نظروں کے سامنے آئے مگر حیرت ہے میں اس چہرے کو بھولا نہیں، یوں لگتا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہے، میں تو اس کی کھوج میں رہا ہوں، جب ہی تو آج مل جانے پر یوں خوش ہوں۔

مگر یہ جذبہ یک طرفہ ہے، جب ہی تو وہ ایک جھلک دِکھا کر کوئی اَتا پتا دیئے بغیر یوں غائب ہو گئی ہے۔ اب دوبارہ ملاقات نجانے کب ہوگی۔ غلطی میری ہے، مجھے ہر حال میں ایڈریس لے لینا چاہئے تھا۔ یوں نہیں جانے دینا چاہئے تھا اُسے۔ وہ گزرے وقت کو یاد کر رہا تھا اور حیران ہو رہا تھا۔ اُسے سوہارعنا کی ایک ایک بات یاد تھی۔ وہ تو کچھ بھی نہیں بھولا تھا۔

اسے یاد تھا، اس لڑکی کے سنہری مائل براؤن بال شانوں تک آتے تھے اور ماتھے پر بھی ایک جھالر رکھتی تھی، جسے جھٹک کر بات کرنا اس کی عادت تھی اور اسے یاد تھا، وہ ہنستے ہوئے بہت اچھی لگتی تھی اور یہ بھی کہ کم بولتی تھی مگر تیز بولتی تھی، کئی بار تو اس کی بات مزیب کی سمجھ میں نہیں آتی تھی اور وہ نائلہ سے کہتا تھا۔

''تم کیسے سمجھ جاتی ہو اس کی بات......؟''

''میری دولت ہے یہ، کچھ نہ بھی بولے، میں تو تب بھی سمجھ جاتی ہوں، اس کے دل میں کیا ہے۔'' نائلہ نے شاید کہیں پڑھی ہوئی بات بڑے مدبرانہ انداز میں دہرادی تھی۔

♦ ♦ ♦

آج اتنے برس کے بعد آخر اکبر علی کے گھر کا گیٹ کھل ہی گیا تھا......اور جویریہ اس کھلے گیٹ کے قریب گاڑی میں بیٹھی آنسو ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ بہت تلخ یادیں وابستہ تھیں اس گھر سے......آج وہ دُعا کر رہی تھی کہ خوشی کی خبر لے کر لوٹے۔

پتا نہیں وہ دونوں گھر پر ہوں گے بھی یا نہیں، اگر ہوں گے تو مجھ سے کیسا رویہ اختیار کریں گے، خاص کر بھابی عارفہ...... جانے وہ میری بات سننے پر تیار بھی ہوتی ہیں یا نہیں......؟ مگر میں انہیں منا کر رہوں گی، ضرورت مند ہوں، برا نہیں مانوں گی، منت کرلوں گی، ہاتھ جوڑلوں گی اور اپنے بیٹے کا پتا لے کر ہی واپس جاؤں گی۔

ساڑی کا پلو سنبھالتی وہ آہستہ آہستہ چلتی اندر آ گئیں۔ گیٹ مین سے یہ تو پوچھ ہی لیا تھا کہ وہ گھر پر ہیں۔ دل بری طرح دھڑک رہا تھا اور جانے کیا ہوگا......؟ کے احساس سے اس پر گھبراہٹ طاری تھی۔

''کس سے ملنا ہے میڈم جی آپ کو......؟'' ملازمہ اس کی شخصیت اور لباس سے اُس کی حیثیت کا اندازہ لگا کر مؤدبانہ انداز میں پوچھ رہی تھی۔

اُس نے لڑکی کی جانب دیکھا اور خیال آیا، شاید زلیخا اب بھی یہاں کام کرتی ہو، پھر صاحب اور بیگم کو اپنا نام بتا کر اطلاع دینے کو کہا۔ ملازمہ نے ڈرائنگ روم تک اس کی راہنمائی کی۔

جویریہ صوفے پر بیٹھ کر خود کو سنبھالنے کی کوشش کرنے لگی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اتنے برس گزر جانے کے باوجود آج بھی اس پر عارفہ کا خوف سوار تھا۔ وہ اس کا سامنا ہونے کے خیال سے گھبرا رہی تھی۔ اب اسے خیال آ رہا تھا، اکیلے نہیں آنا چاہئے تھا۔ مزیب کو ساتھ لے آتی تو اچھا تھا......اُس کے ساتھ سے مجھے حوصلہ رہتا اور وہ یقیناً مجھ سے کہیں بہتر انداز میں ان سے بھی بات کرلیتا۔

بیگم اور صاحب یا تو آئے ہی خاصی دیر کے بعد یا پھر اس پر ہی ایک ایک منٹ بھاری ہو رہا تھا۔ اُن دونوں کو دیکھ کر جویریہ نے اُٹھ کر کھڑے ہونے کی کوشش کی مگر محسوس ہوا، وہ گر پڑے گی۔

♦ ♦ ♦



اُسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کے بے جان ہوتے پاؤں اس کا بوجھ نہیں سہار سکیں گے۔

اُس نے بیٹھے بیٹھے آہستہ سے سلام کر دیا......اور آنے والوں نے اس انداز سے یہی مطلب اخذ کیا کہ شوہر کے عہدے کے غرور نے اُسے اُٹھ کر ملنے سے روک دیا ہے اور یوں یہ بات جویریہ کے حق میں ہوگئی کہ یہ کھوکھلے لوگ عہدوں اور امارت سے ہی مرعوب ہو سکتے تھے۔

''جویریہ......تم اور یہاں......؟'' ہمیں فون کر دیا ہوتا، ہم خود تم سے ملنے آ جاتے۔'' آج تو عارفہ اکبر کا انداز ہی کچھ اور تھا۔

جویریہ کچھ کہنے لگی تو عارفہ پھر بولی......''تم غیروں کی طرح اِدھر ڈرائنگ روم میں کیوں آ کر بیٹھ گئیں۔ بھئی سیدھے اندر آنا چاہئے تھا تمہیں تو، آخر یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔''

''جویریہ کیسی ہو تم اور کبیر حسن کا کیا حال ہے......؟'' اکبر علی اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔

''بھائی جان...... کہاں چلے گئے تھے آپ لوگ، میں نے بہت انتظار کیا ہے آپ کا۔'' وہ ان کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔

''کیا بات ہے......؟ خیر تو ہے ناں......؟'' اب عارفہ بیگم کا ماتھا ٹھنکا، لہجے کی شیرینی ایک دم ہی کم ہوگئی۔

جویریہ نے اُن کے بدلے لہجے کو...... محسوس نہیں کیا، آنسو پونچھ کر بولی۔

''ہاں ہاں...... بالکل خیریت ہے، اپنے بھائی کو اتنے عرصے کے بعد دیکھا ہے تو جذبات پر قابو نہیں رکھ سکی، رونا آ گیا۔''

''یہ بھی تمہیں بہت یاد کرتے رہے ہیں......'' عارفہ مسکرا کر بولی کہ اب اطمینان ہو گیا تھا۔ لہٰذا سامنے والے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''بھائی جان...... میں اور کبیر حسن صاحب بالکل خیریت سے ہیں۔ ویسے کبیر صاحب کو آپ کی وطن واپسی کے سلسلے میں کوئی خبر نہیں ہے۔''

''تمہیں کیسے پتا چلا کہ ہم لوگ واپس آ گئے ہیں......؟'' عارفہ پوچھنے لگیں۔

''میں تو اتنے برسوں سے منتظر تھی آپ لوگوں کی، مجھے بھلا کیوں کر علم نہ ہوتا، مجھے آپ سے کچھ پوچھنا ہے، مجھے آپ سے اپنی دولت واپس لینی ہے۔''

''کون سی دولت......؟ ہمارے پاس تو تمہاری کوئی چیز نہیں ہے۔'' دونوں چونک گئے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



’’ہے آپ کے پاس، میری سب سے بڑی دولت، میرا بیٹا، میرا اطلال...... میں اُس کے بارے میں پوچھنے آئی ہوں۔ آپ نے اُسے نگینہ آپا کے ہاں کام کرنے والی ایک عورت کے سپرد کیا تھا...... آپ لوگوں کے جانے کے بعد میں نے بہت ڈھونڈا ہے اسے، مگر وہ مجھے کہیں نہیں ملی...... خدا کے لئے ترس کھائیں مجھ پر...... میں اتنے برسوں سے تڑپ رہی ہوں اس کے لئے، مجھے بتا دیں کہ وہ عورت کہاں ملے گی، رحم کریں مجھ پر، میں بہت دُکھی عورت ہوں...... خدارا رحم کریں، ترس کھائیں مجھ غریب پر۔‘‘ چہرے پر ہاتھ رکھ کر بری طرح رو رہی تھی۔

• • •

زندگی قدم قدم پر امتحان ہے، ہم آزمائے جاتے ہیں...... وہی لوگ جو ہم جیسے ہیں ہمارا تماشا دیکھتے ہیں۔ پتا نہیں کیوں ہم ایک دوسرے کا ہاتھ تھام کر نہیں چل سکتے......؟ سب کو اپنی اپنی پڑی ہے۔ ہم سہاروں کے لئے ہاتھ بڑھائیں تو ہاتھ جھٹک دیتے ہیں۔

اور یہی وجہ ہے کہ زندگی آزمائش بنتی جا رہی ہے...... قصوروار تو ہم خود ہیں...... یہ بگاڑ ہمارے اپنے پیدا کردہ ہیں، یہ اصول ہم نے خود بنائے ہیں مگر جب ہم خود ان اصولوں کا شکار ہو جاتے ہیں تو گلہ کرتے ہیں خدا سے...... الزام دھرتے ہیں تقدیر پر......

اکیلی لڑکی کی طرف بہت نظریں اُٹھتی ہیں، ہزار تہمتیں دھری جاتی ہیں اور اگر وہ لڑکی برائی سے اچھائی کی طرف آنے والی ہو تو بھی خیر مقدم نہیں کیا جاتا، ماضی کریدا جاتا ہے...... ابھی آس باقی ہے، ابھی ہمت جوان ہے...... میں دیکھوں گی کب تک آزمائے گی یہ دُنیا، اگر حوصلے دم توڑ گئے تو میں یہ زندگی ختم کر لوں گی مگر زمانے کے اشارے پر نہیں چلوں گی...... ایک بار کہہ دیا نہیں، وہ زندگی قبول نہیں...... میں عزت سے جینا چاہتی ہوں...... منہ پر واہ واہ اور پیٹھ پیچھے نفرت، مجھے یہ قبول نہیں...... میں راستہ بناؤں گی...... سوہا خیالات میں اُلجھ گئی۔ کتنے ہی انٹرویو دے ڈالے، جہاں پتا چلا ملازمت ملنے کی اُمید ہے، نئی اُمنگ کے ساتھ وہاں پہنچی مگر ہر بار ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اُس نے یہ خیال کبھی اپنے دل کے قریب نہیں پھٹکنے دیا کہ اگر سروس نہ ملی تو کیا ہوگا......؟ وہ پُرامید رہنا چاہتی تھی، وہ سوچتی تھی آخر کب تک، آج نہیں تو کل، کل نہیں تو پرسوں اسے ضرور سروس مل ہی جائے گی۔

حریب حسن، نائلہ علی کا دوست جس سے دو روز پہلے روڈ پر ملاقات ہوئی تھی اور اسے نائلہ علی یاد آ گئی، اُس کی پیاری دوست...... پتا نہیں اب کہاں ہوگی......؟ اسکول کے زمانے میں ہی اس کے پاپا کا ٹرانسفر ہو گیا تھا۔ وہ لوگ دوسرے شہر چلے گئے تھے، پہلے پہل تو نائلہ کے خط آتے رہے، پھر خاموشی ہو گئی...... اور یہ حریب حسن کتنا خوش ہوا تھا مجھے دیکھ کر...... شاید پرانے ساتھی دیکھ کر یونہی خوشی ہوتی ہے؟ میں بہت جلدی میں تھی، ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر سکتی...... کیا سوچتا ہوگا، کیسی لڑکی ہے......؟

اسے اب کچھ افسوس بھی تھا مگر زیادہ دیر وہ اس بارے میں سوچ نہیں سکی۔ صبح پھر اسے ایک جگہ جانا تھا۔ اس کی دوست عالیہ نے اسے یاد دلایا تھا کہ آذر محمود بھی تو ہے، زیادہ نہ سہی، تھوڑی بہت تو جان پہچان ہے تمہاری اس کے ساتھ، آخر ایک ماہ تم لوگ پڑوسی رہے ہو، وہ اچھا لڑکا ہے، تم اس سے ملو، شاید تمہارا کام بن جائے اور اب صبح اسے آذر محمود کے پاس جانا تھا۔

سات آٹھ برس پہلے کی بات ہے، جب یہ لوگ آذر کے گھر کے قریب رہتے تھے، آذر کی امی بہت



نفیس خاتون تھیں۔ سوہا اکثر اُن کے پاس جایا کرتی تھی۔ کبھی کبھی آذر سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ عالیہ کے کہنے پر وہ آذر کے پاس جانے کو تیار ہو گئی۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ والد کی وفات کے بعد اُن کا بزنس وہی سنبھال رہا ہے۔

’’مجھے افسوس ہے سوہا کہ میں فی الحال آپ کے کسی کام نہیں آسکوں گا مگر یہ میرا وعدہ ہے۔ جونہی کوئی سیٹ ہوئی، میں آپ کو مطلع کر دوں گا۔‘‘ یہ تھے آذر کے الفاظ جنہوں نے سوہا کو بے حد مایوس کیا مگر بظاہر وہ مسکرا دی...... اور جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

’’بیٹھو ناں...... میں نے چائے کے لئے کہا ہے، آتی ہی ہوگی۔‘‘ وہ اس سے شرمندہ تھا کہ کام نہیں آسکا۔

’’نہیں آذر صاحب، آپ کا بہت بہت شکریہ، چائے رہنے دیں، ہاں ایک گلاس پانی مل جائے تو۔‘‘

’’ہاں ہاں، کیوں نہیں......‘‘

’’ہیلو، اندر آ سکتا ہوں......؟‘‘ اردشیر نے دروازے سے جھانک کر خوش دلی سے اجازت طلب کی۔

’’آؤ آؤ...... تمہیں اجازت لینے کی ضرورت کب سے پیش آ گئی......؟‘‘ آذر بھی مسکرا دیا اور اردشیر اندر آ گیا۔ اندر آتے ہی نظر سوہا پر پڑی، وہ بھی اس وقت آنے والے کو ہی دیکھ رہی تھی۔

اردشیر کی گہری اور بہت گہری کچھ کہتی اور بہت غلط کہتی نگاہ، سوہا نے منہ پھیر لیا...... مگر اس کے چہرے پر گھبراہٹ نہیں تھی، بس بیزاری کی جھلک تھی...... ملازم نے پانی کا گلاس اس کے سامنے رکھا اور وہ اطراف کے ماحول کو بالکل نظر انداز کر کے گھونٹ گھونٹ پانی پینے لگی۔ ’’ان کی تعریف......؟‘‘ اردشیر اُس کے انداز پر حیران اور کچھ مرعوب سا ہو کر آذر سے پوچھ رہا تھا۔

’’یہ سوہا ہے...... سوہا رعنا...... کچھ سال پہلے میرے پڑوس میں رہا کرتی تھیں اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ مس سوہا مشہور......‘‘

’’اچھا آذر صاحب، اب اجازت، میں چلتی ہوں۔‘‘

آذر کی بات مکمل ہونے سے پہلے اُس نے جلدی سے گلاس میز پر رکھا اور عجلت کے عالم میں فقرہ مکمل کیا اور ساتھ ہی اُٹھ کھڑی ہوئی۔

’’میں بہت شرمندہ ہوں سوہا آپ کے کام نہیں آسکا۔‘‘

’’اوہ نہیں، میں جانتی ہوں اگر آپ کے پاس جگہ ہوتی تو مجھے یوں مایوس نہ لوٹنا پڑتا۔‘‘ شانے تک جھولتے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے ہٹا کر وہ مسکراتے ہوئے بولی تھی، پھر اپنی فائل اُٹھا کر اردشیر کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے چلی گئی۔ جبکہ اردشیر نے اس وقت تک اسے نظروں میں ہی رکھا جب تک کہ وہ کمرے سے باہر نہیں نکل گئی۔

’’ہاں، تم کیا بتا رہے تھے، کون ہے یہ لڑکی......؟‘‘ اس کے جانے کے بعد اُس نے گفتگو کا سلسلہ وہیں سے جوڑنا چاہا، جہاں سے ٹوٹا تھا۔

’’میں تمہیں بتا رہا تھا کہ یہ لڑکی سوہا مشہور گلوکارہ یاسمین بیگم کی بھانجی ہے، والدین کی ڈیتھ کے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بعد یاسمین نے ہی اسے اپنے ساتھ رکھا ہے۔"

"گلوکارہ یاسمین بیگم کی بھانجی...... واہ، اور اکڑ تو یوں رہی تھی جیسے ملکہ یاسمین سے رشتے داری ہو تمہارے پاس کیا کرنے آئی تھی......؟"

"جاب کے سلسلے میں آئی تھی پریشان ہے آج کل۔"

"گلوکارہ کی رشتے دار ہے، اسے بھلا جاب کی کیا ضرورت، یاسمین کا نام ہے ساتھ، اور حسن کی اس کے پاس کمی نہیں ہے، کسی روز اسٹیج پر آجائے، صرف دولت ہی نہیں بلکہ کسی بھی چیز کی کمی نہیں رہے گی۔" اردشیر کھل کر ہنسا۔

"وہ بہت شریف لڑکی ہے۔" آذر نے سنجیدگی سے کہا۔

"تو میں نے کب کہا شریف نہیں ہے۔" انداز ایسا تھا جیسے آذر کی بات کو مذاق میں لیا ہو۔

"یاسمین بیگم خود بھی حالات سے مجبور ہو کر ہی اس فیلڈ میں آگئی تھی، اب بھانجی کو کسی صورت اِدھر لانا نہیں چاہتی۔"

"ہوں...... مگر کیا خبر، حالات اسے بھی اِدھر آنے پر مجبور کر دیں۔"

"اردشیر، خدا کا خوف کرو۔"

"تم کہو تو میں ہیلپ کروں، اس مجبور، شریف، معصوم لڑکی کی۔" اُس پر کوئی اثر نہیں تھا۔

"قسم سے اگر مجھے پتا ہوتا کہ تم اِدھر آرہے ہو تو سوہا کو باہر سے ہی لوٹا دیتا۔"

"ہا...... مگر مسئلہ یہ ہوا کہ میں اندر چلا آیا اور اس پردہ نشیں کو دیکھ بھی لیا۔" اردشیر نے بظاہر افسوس سے سر ہلایا۔

"شرافت کسی خاندان کی میراث نہیں ہوتی۔" آذر نے یاد دلایا۔

"واہ...... آج تو نئے نئے انکشافات ہو رہے ہیں......" وہ کسی بھی بات کو سیریس لینے کے موڈ میں نہیں لگتا تھا۔

"چائے منگواؤں تمہارے لئے......؟" اپنی ہر بات بے اثر دیکھ کر آذر نے موضوع بدلنا چاہا۔

"ضرور......" تکلف کا وہ قائل نہیں تھا۔

چائے کے دوران ان دونوں کے درمیان اِدھر اُدھر کی ہلکی پھلکی گفتگو ہوتی رہی۔ آذر یہی سمجھتا رہا کہ سوہا کا خیال اُس کے ذہن سے اُتر گیا ہے مگر وہ نہیں جانتا تھا۔ اردشیر نے اسے ذہن میں رکھ لیا ہے اور اُس کے بارے میں ایک فیصلہ بھی کر چکا ہے۔

♦ ♦ ♦

ایک گھر تھا جہاں کبریٰ کی نگرانی میں ہر کام بڑے طریقے سلیقے سے ہوتا تھا مگر یہ پرانی بات تھی۔ اب تو وہ گھر اور اس کا سکون ایک خواب تھا...... اور شاہ جی غیر ارادی طور پر جیسے اس سکون کو ڈھونڈتے پھرتے تھے۔ کبھی بڑی حویلی، کبھی چھوٹی اور کبھی شہر والی کوٹھی پر مگر گھر کی وہ مخصوص فضا، کھانے میں وہ سلیقہ سادگی بھی اور لذت بھی، وہ اب کہیں نہیں ملتا تھا...... شہر میں ہوتے تو بھی اردشیر کی کوٹھی پر کبھی کبھار ہی جانا ہوتا...... اردشیر کو اگر یہ علم ہوتا کہ باپ شہر میں ہے...... تو بھی کم کم ہی ملنے آتا اور کبھی یہ بھی نہیں کہا کہ میرے پاس آکر رہیں۔



گاؤں میں شیریں کی شادی کی تیاری زوروں پر تھی۔ جس روز سے شاہ جی نے رشتے کے بارے میں کبریٰ کے رائے مانگنے پر عدم دلچسپی اور چند دوسری اشیاء کی خریداری کے لئے وہ خود شہر جانا چاہ رہی تھیں۔ گل رُخ بھی آج کل ہاسٹل سے گاؤں آئی ہوئی تھی۔ اُنہوں نے اُسے بھی ساتھ چلنے کو کہا کہ اب وہ با اعتماد لڑکی تھی...... جو شہر کو ان سے کہیں زیادہ جانتی تھی۔ اُس سے بات کی تو وہ ساتھ جانے کو فوراً تیار ہوگئی۔

صبح ناشتے کے بعد دونوں شہر کے لئے روانہ ہوئیں۔ انہوں نے اپنی آمد کی اطلاع نہ تو اردشیر کو دی اور نہ ہی شہر میں موجود شاہ جی کو...... سارا دن شاپنگ میں تمام ہوا، شام کو کبریٰ تھک کر چور ہو رہی تھیں جبکہ بہت سی خریداری ابھی باقی تھی۔ ہاں جو کچھ خرید چکی تھیں، اُس سے پوری طرح مطمئن تھیں اور انہیں احساس تھا، اگر گل اُن کو ساتھ نہ لائی ہوتیں تو اتنی مطمئن ہرگز نہ ہوتیں۔ یہ سب اُس کا کمال تھا۔ گل کو کل ہاسٹل چلے جانا تھا۔ اس لئے وہ آج ہی خریداری مکمل کرنا چاہ رہی تھیں۔

"بڑی ماں دیر ہو رہی ہے...... روڈ بھی خاصا خراب ہے، بہتر ہے اب واپس چلیں۔" گل نے احساس دلایا۔

"ہاں، یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں کہ شام اب گہری ہو رہی ہے...... اور اسی لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج رات واپس جانے کے بجائے ہم شہر میں ہی ٹھہر جائیں...... صبح صبح نکل چلیں گے۔"

گل خاموش رہی، یہی خیال تھا کہ انہوں نے بابا جان کی کوٹھی پر رہنے کا فیصلہ کیا ہوگا...... یہ نہیں سوچا کہ اردشیر کے ہاں بھی جایا جا سکتا ہے۔ جبکہ کبریٰ خاتون، اردشیر کو میزبانی کا شرف بخشنے کے موڈ میں تھیں۔

ڈرائیور سے جس وقت کبریٰ نے اردشیر کی طرف چلنے کو کہا، گل کا دھیان آتے جاتے لوگوں خاص کر ایک نئے شادی شدہ جوڑے کی طرف تھا، وہ سن نہیں سکی، اگر سن لیتی تو ضرور اعتراض کرتی بلکہ صاف کہہ دیتی کہ اردشیر کے ہاں ٹھہرنا مجھے پسند نہیں، آپ بابا جان کی طرف چلیں۔

راستے بھر وہ اس کی پسند کو سراہتی رہیں، اس اعتماد پر خوشی کا اظہار کرتی رہیں جو آج اُنہوں نے گل کے ہر ہر انداز میں دیکھا تھا اور گل کا جی چاہا، اُن کے کاندھے پر سر رکھ کر بازو اُن کے گلے میں حمائل کر دے مگر وہ ان سے اس حد تک بے تکلف نہیں تھی، اُن کی آن، اُن کا دبدبہ...... بہت محبت کے باوجود گل رُخ جھجک کر رُک جاتی......

گاڑی گیٹ پر رُکی تو چوکیدار نے ڈرائیور اور گاڑی کو پہچان کر گیٹ کھول دیا۔

"جاؤ اردشیر کو ہماری آمد کی اطلاع کرو۔" گاڑی سے باہر آتے ہی انہوں نے حکم کے انداز میں کہا، تب گل رُخ چونکی...... کیا ہم اس کے ہاں آئے ہیں......؟ ناگواری کا احساس دور تک پھیل گیا۔ اُس نے بے زاری نظر اس بڑی سی اُونچی عمارت پر ڈالی اور پھر خاموشی سے کبریٰ کے قریب آکر کھڑی ہوگئی کہ اب آ ہی گئے تھے، کچھ کہنا بے کار تھا۔

ملازم گاڑی اور ڈرائیور سے پہچان گئے تھے کہ مہمان گاؤں سے آئے ہیں اور یقیناً صاحب کے قریبی عزیزوں میں سے ہوں گے سو وہ دوڑتا ہوا اردشیر کے بیڈروم تک گیا۔

دروازے پر ہونے والی دستک نے اردشیر کے اندر غصہ بھر دیا تھا...... حالانکہ اس نے کہا تھا، اس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وقت کوئی ڈسٹرب نہ کرے۔

''نو تو بجنے والے ہیں...... ڈنر پر جانا ہے، اب پتا نہیں کوئی ملنے آ گیا یا ان ملازموں کو ہی [illegible] مصیبت پڑ گئی......'' ناگواری کے شدید احساس کے ساتھ اُس نے جھٹکے سے دروازہ کھولا۔

''وہ جی، صاحب جی...... گاؤں سے آپ کی مہمان آئی ہیں......؟'' اردشیر کو اچنبھا ہوا اور [illegible] دیکھنے کو باہر آ گیا۔

''گل رُخ اور بڑی ماں......'' بڑی ماں، اُس نے حیرت کے عالم میں کہا اور پھر تیز قدموں [illegible] چلتا اُن کے قریب آ گیا۔

''آپ اس وقت یہاں......؟ خیریت تو ہے ناں......؟''

بات تو واقعی تشویش میں مبتلا کرنے والی ہی تھی، جواب میں کچھ کہنے سے پہلے انہوں نے بغور اُس کے فارمل ڈریس کو دیکھا اور پھر تفصیل بتانے کے بعد کہنے لگیں۔

''تم تو شاید کہیں جا رہے ہو......؟''

''جا نہیں رہا...... بلکہ جا رہا تھا......'' وہ مسکرا کر ان کے برابر آ کھڑا ہوا اور بایاں ہاتھ اُن کے شانے پر رکھ دیا اور اُسی طرح ساتھ ساتھ چلتا اپنی راہنمائی میں اندر لے آیا۔ اس عرصے میں وہ اسے بتا چکی تھیں کہ رات ٹھہرنے کے ارادے سے آئی ہیں...... اور اُس نے کہا تھا۔

''ضرور بڑی ماں...... یہ آپ کے بیٹے کا گھر ہے یعنی ماں کا اپنا گھر......''

انہیں بٹھا کر وہ ''ابھی آتا ہوں'' کہہ کر باہر چلا گیا...... واپس آیا تو لباس تبدیل کر چکا تھا اور تیار تھا۔

''میں نے ملازم سے کہہ دیا ہے، ابھی آپ کے لئے کھانا بھی تیار ہو جائے گا اور کمرے بھی، آپ کو اپنی پسند کے مطابق ملیں گے۔'' وہ صوفے پر ان کے قریب آ بیٹھا اور بولا......

''بڑی ماں، آنے سے پہلے مجھے اطلاع ہی کر دی ہوتی، دیکھیں ناں، اگر اطلاع ہوتی تو آپ کے شاندار سے استقبال کی تیاری تو کر لیتا میں۔''

''اچھا......'' وہ پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ نہ یقین کرنے والے انداز میں کہہ رہی تھیں کہ اس کی بات پر یاد آ گیا تھا، اب کی مرتبہ جب وہ گاؤں گیا تھا تو بڑی حویلی آیا ہی نہیں، ان سے ملے بغیر ہی شہر واپس چلا گیا تھا۔

''کیوں......؟ ایسے کیوں کہہ رہی ہیں آپ......؟'' اُن کے انداز کو پہچان کر وہ کہہ رہا تھا......

وہ سنبھل گئیں اور ہنس کر بولیں

''افسوس...... بتا کر آتے تو شاندار استقبال پر تھوڑا مغرور ہی ہو جاتے......'' تب وہ بھی اُن کے ساتھ ہنس پڑا...... جبکہ گل یہ سب سن کر بھی بظاہر یوں بیٹھی میگزین کے ورق اُلٹ رہی تھی جیسے کوئی دھیان ہی نہیں اُن دونوں کی طرف......

گل اور کبریٰ کے لئے الگ بیڈ روم تھے مگر پتا نہیں کیا بات تھی، وہ یہاں گھبرا رہی تھی...... بڑی ماں سے کہہ دیا کہ آپ کے ساتھ ہی سوؤں گی اور انہوں نے بھی اعتراض نہیں کیا...... اردشیر نے رات کا کھانا اُن کے ساتھ کھایا اور کبریٰ کہہ رہی تھیں۔



''ہماری وجہ سے تم نے اپنا پروگرام کیوں تبدیل کیا تم چلے جاتے......''

''اوہ بڑی ماں...... کیسی باتیں کرتی ہیں آپ، بھلا آپ سے زیادہ اہمیت ہے کسی کی میری نظر میں......؟ آپ یہاں آئیں، مجھے بہت خوشی ہوئی۔''

سارے دن کی شاپنگ نے دونوں کو تھکا دیا تھا مگر اردشیر باتیں کرنے کے موڈ میں تھا، وہ بالکل اسی طرح کبریٰ کے قریب، اُن کے بیڈ پر بے تکلفی اور اپنائیت سے بیٹھا تھا جیسے بچپن میں بیٹھا کرتا تھا اور چھوٹی چھوٹی بہت سی بے سروپا باتیں پوری جزئیات کے ساتھ انہیں سنایا کرتا تھا۔

آج بھی جانے کون کون سے قصے لے بیٹھا تھا جبکہ گل سونا چاہتی تھی، اسے بہت کوفت ہو رہی تھی مگر وہ کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ اسی بیڈ پر ایک جانب وہ کروٹ لئے لیٹی تھی، درمیان میں کبریٰ تھیں اور جہازی سائز کے بیڈ کے ایک کنارے پر وہ بھی بڑے اطمینان سے ٹکا ہوا تھا۔

''بڑی ماں...... آپ کیا سوچ رہی ہیں......؟'' باتیں کرتے کرتے اچانک اُس نے محسوس کیا کہ کبریٰ کی توجہ اس کی جانب سے ہٹ چکی ہے۔

''مجھے تمہارا بچپن یاد آ گیا تھا اردشیر......'' وہ کھل کر مسکرائیں۔ مگر وہ سمجھا نہیں، سوالیہ انداز ان کی جانب دیکھا۔

''تم چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں جو بالکل اہم نہیں ہوتی تھیں مگر شاید ایک چھوٹے بچے کے لئے بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھیں، آ کر مجھے سنایا کرتے تھے، آج مدت کے بعد پھر اُسی طرح میرے قریب بیٹھے ہو۔''

''بڑی ماں...... او بڑی ماں......'' اُس نے آگے ہو کر دونوں ہاتھ ان کے شانوں پر رکھے اور پھر سر بھی گل نے اُس کے یوں پیار بھرے انداز میں بڑی ماں کہنے پر مڑ کر دیکھا تھا اور اب اُس کے اس انداز کو بھی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔

''بیٹے بہت بے وفا ہوتے ہیں اردشیر......'' کبریٰ کا انداز نہ تو جتانے والا تھا اور نہ ہی افسردہ...... یوں لگا، وہ بس اسے چھیڑنے کو ایسا کہہ رہی ہیں۔

''یہ آپ نے کیوں کہا......؟'' اُس نے سر اُٹھا کر پوچھا......

''اپنے اردشیر کو دیکھ کر، پرکھ کر ہی تو کہا ہے میں نے، جسے شہر کی رنگینیوں میں کھو کر اب بڑی ماں یاد بھی نہیں آتی......'' یہ الفاظ خود بخود زبان سے ادا ہوئے تھے، حالانکہ ایسا کچھ بھی کہنے کا ارادہ وہ نہیں رکھتی تھیں۔

''یقین کریں، سب سے زیادہ پیار آپ سے کرتا ہوں۔''

''ہاں...... کیا محبتیں کرتے ہو تم مرد بھی......'' وہ بظاہر ہنس رہی تھیں۔

♦ ♦ ♦

''جویریہ...... یہ تو تمہیں بھی یاد ہوگا کہ جس عورت کے سپرد طلال کو کیا گیا تھا، اسے نگینہ آپا ہی لے کر آئی تھیں، ہم تو واقف بھی نہیں تھے اُس سے۔'' عارفہ بیگم کہہ رہی تھیں اور اُن کی بات سن کر وہ ایک دم سے ٹھٹک گئی تھی۔

''مجھے اپنا بیٹا چاہئے......'' اُس کا انداز اُکھڑا اُکھڑا اور ضدی تھا...... دونوں میاں بیوی خاموش

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



رہے۔

"سنا آپ نے، مجھے طلال چاہئے۔" اب کے وہ چیخ کر بولی۔

"تم یقین کرو جویریہ...... یہاں سے جانے کے بعد ہماری کبھی نگینہ آپا سے ملاقات نہیں ہوئی ہمیں نہیں معلوم کہ وہ ملک میں ہیں یا ملک سے باہر......" اُن کے بھائی نے سمجھانا چاہا۔

"آپ کو کچھ تو علم ہوگا، وہ عورت کہاں رہتی تھی......؟" کیا کام کرتی تھی......؟"

"ہم شرمندہ ہیں مگر وعدہ کرتے ہیں، اس سلسلے میں کوشش ضرور کریں گے۔" عارفہ کی بات پر جویریہ کیا کرسکتی تھی، وہ خود کو سنبھال کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"کچھ دیر تو ٹھہرو......" دونوں نے روکا مگر وہ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی باہر آ گئی اور گاڑی میں آ کر سیٹ پر گر سی گئی۔

جب گھر واپس آئی تو مزیب گھر پر تھا اور اس کی آمد کا شدت سے انتظار کر رہا تھا۔

"آپ اکبر انکل کی طرف گئی تھیں، پھر کیا کہا انہوں نے......؟" وہ بے تابی سے جویریہ کی طرف بڑھا اور پوچھا...... جواب میں چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی...... ایک لمحے کو مزیب کو اپنا دل ڈوب گیا مگر پھر اُس نے آگے بڑھ کر جویریہ کو بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لگا لیا اور بولا

"اچھی مما...... یوں مت روئیں، مجھے بتائیں کیا بات ہوئی......؟" وہ خاصی دیر بعد سنبھل پائی اور ساری بات اسے بتا دی۔ حالات واقعی مایوس کن تھے مگر انہیں تسلی دینا ضروری تھا۔

"آپ ہمت سے کام لیں...... دیکھیں جس طرح کئی سالوں کے بعد اکبر انکل سے ملاقات ہوگئی، اسی طرح نگینہ صاحبہ بھی آپ کو مل جائیں گی۔ اللہ سے اچھی اُمید رکھیں...... ہمیں ضرور کامیابی ہوگی طلال ایک نہ ایک دن مل جائے گا۔"

• • •

شیریں کی شادی کے دن قریب تھے۔ جمشید شاہ شہر میں تھے اور اب گاؤں جانا چاہ رہے تھے کہ بہر حال بہت سی ذمہ داریاں تھیں جو انہیں نبھانی تھیں۔ اُن کا خیال تھا کہ اردشیر کو بھی اپنے ساتھ ہی گاؤں لے جائیں گے اور اس لئے وہ اُس کی طرف آئے تھے۔ اُن کی اچانک آمد پر اردشیر کو بوکھلانا پڑا کہ حالات ہی کچھ ایسے تھے۔ بے شک باپ سے سرگرمیاں پوشیدہ تو نہیں ہوں گی کہ وفادار ملازم بات ادھر سے اُدھر پہنچاتے ہی رہتے ہیں مگر اس سچویشن کے ساتھ اس سے پہلے کبھی آمنا سامنا نہیں ہوا تھا۔

"یہ میری نئی ملازمہ ہے......"

اردشیر نے بوکھلاہٹ کے عالم میں جھوٹ بولا تھا...... مگر لڑکی کس قماش کی ہے چہرے پر لکھا تھا...... اور آنے والا جہاندیدہ تھا، یہ تحریر پڑھنا اس کے لئے کچھ مشکل نہیں تھا۔ انہوں نے اس کے سچ ہرگز نہیں سمجھا مگر بازپرس بھی نہیں کی...... ہاں یہ اردشیر نے بھی ان کے چہرے سے پہچان لیا کہ انہیں اچھا نہیں لگا، ناگواری کی ہلکی سی تحریر اُن کے چہرے پر تھی، اردشیر نے سر جھکا لیا۔

رات کا کھانا باپ بیٹے نے اکٹھے ایک ہی میز پر کھایا اور کھانے کے دوران انہوں نے اپنے یہاں آنے کا مقصد بھی بیان کر دیا۔ اگر ان کے یہاں آتے ہی اسے شرمندگی سے دوچار نہ ہونا پڑتا تو وہ



دیتا......

"شادی سے ایک دو روز پہلے آ جاؤں گا...... ابھی کچھ کام ہے مجھے شہر میں۔"

مگر اب وہ ایسا نہیں کہہ سکتا تھا کہ کام کی نوعیت وہ یہی سمجھتے، سو دل نہ چاہتے ہوئے بھی ان کے ساتھ جانے کی ہامی بھر لی۔ ٹھیک دو روز کے بعد اسے گاؤں کے لئے روانہ ہونا تھا۔

گاؤں میں وہی روایتی انداز کا استقبال، ان کی آمد کی اطلاع پہلے ہی پہنچ چکی تھی، سو منشی اور دوسرے خاص آدمی گاؤں سے باہر نہر کے پل پر موجود تھے اور اُن کی آمد کے منتظر تھے۔

شادی میں دس روز باقی تھے مگر چونکہ بیاہ گاؤں کا تھا تو اتنے روز پہلے ہی چہل پہل اور رونق دکھائی دے رہی تھی۔ دیگیں چڑھ گئی تھیں اور برادری کے لوگ اندر باہر آ جا رہے تھے۔ شاہ جی اور اردشیر پہلے مردانے میں آئے عزیز رشتے داروں سے ملتے اور مبارکباد وصول کرتے رہے، پھر وہ اندر چلا گیا۔

اتنی رونق...... اندر آتے ہی اسے خوشگوار سی حیرت نے گھیر لیا۔ یہاں آنے سے جو بوریت اب تک اس پر سوار تھی، ساری کی ساری ہوا ہوگئی۔ ہر سمت لہراتے آنچل، کھنکتی چوڑیاں، پراندے میں بندھے ننھے گھنگھروؤں کی چھنک، ہنسی کی آوازیں اور ڈھولک کے ساتھ گیتوں کا مدھر شور...... آج تو ملازم لڑکیاں بھی نہائی دھوئی اور صاف ستھری چمکتے دمکتے کپڑوں میں نظر آ رہی تھیں۔

"چھوٹے شاہ جی آ گئے......" اُس نے قدم زنان خانے میں رکھا ہی تھا کہ ہر طرف سے یہی آواز اُبھرنے لگی جیسے یہ محفل اسی کے لئے سجائی گئی تھی اور سب کو انتظار تھا کہ کب وہ آتا ہے۔ جان پڑ گئی تھی محفل میں، کہ محفل کا دولہا جو آ گیا تھا...... کئی آنکھیں اُس کی جانب اُٹھیں اور پھر جھک گئی تھیں۔

چھوٹے شاہ جی نے اس پذیرائی پر کوئی تاثر چہرے سے نہیں دیا۔ ابھی تک دروازے کے قریب ہی کھڑے تھے اور اِدھر اُدھر بظاہر اُچٹتی سی نگاہ ہی ڈالی تھی۔

"بسم اللہ سرکار...... بسم اللہ...... جی آیاں نوں...... چھوٹے شاہ جی سلام...... سرکار سلام...... شاہ جی کی خیر...... اللہ ہزاری عمر دے۔" ملازمائیں دُعا دے رہی تھیں اور باقی تمام مہمان خواتین اپنی اپنی دلچسپیاں چھوڑ کر اِدھر متوجہ تھیں۔ کچھ تو اپنی اپنی نشستوں سے اُٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ وہ سب کی توجہ کا مرکز تھا۔

ملازم عورتوں کے سلام کا جواب دینے کی ضرورت تھی نہ فرصت...... برادری کی لڑکیاں سر پر دوپٹے اوڑھے بظاہر چہرہ چھپانے کی کوشش میں مصروف، مگر برابر اُسے دیکھتی اور آنچل جانے کیوں ڈھلک جاتے تھے جسے فوراً ہی سر پر جمانے کی کوشش بھی کی جاتی حالانکہ کچھ دیر پہلے تک یہ آنچل اتنے شریر نہ تھے جہاں ٹکایا تھا، ٹکے رہے تھے اور بزرگ خواتین اسے ملنے کو آگے بڑھتی ہوئیں۔

وہ چاچی، پھوپی، تائی...... کے آگے رسم کے مطابق سر جھکاتا (کہ یہ بزرگ خواتین کے احترام کی نشانی تھی) ان سے سر پر ہاتھ پھرواتا دعائیں لیتا آگے بڑھ رہا تھا۔ بہت سی خواتین کو وہ نہیں جانتا تھا مگر ان کے لباس اور انداز بتاتے تھے کہ برادری کی ہیں اور سلام کرنا اس پر فرض ہے۔ یہ سلسلہ خاصا طویل تھا اور اس کی نگاہیں برابر بڑی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ جب ملتے ملاتے مہراں کے قریب پہنچا تو پوچھ ہی لیا۔

"بڑی ماں اب تک دکھائی نہیں دیں، کہاں ہیں وہ......؟"

مہراں جو اَب ان کے ایک مزارعے کی بیوی تھی، دو بچوں کی ماں تھی۔ ایک گود میں تھا، دوسرا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ریں کرتا پیچھے پیچھے، جوانی کا سارا کس بل اب خواب ہو چکا تھا، آنکھوں نے بولنا اور ہونٹوں نے چھو... شاہ جی کو دیکھتے ہی مسکرانا بھلا دیا تھا۔ اب وہ بڑے ادب اور احترام کے ساتھ اسے بڑی ماں کے بار... میں بتا رہی تھی کہ وہ اس وقت شیریں بی بی کے کمرے میں ہیں۔

'جاؤ انہیں میری آمد کے بارے میں اطلاع دو۔''

''جی سرکار......'' گود کے بچے کو ایک پہلو سے دُوسرے پر لاتے ہوئے وہ بولی اور پھر حکم کی تعمیل... چل پڑی۔ مگر زیادہ دُور نہیں گئی تھی، جب اردشیر کو کچھ خیال آیا، وہ خود بھی پیچھے چلا آیا اور قریب آ... بولا......

''رہنے دو میں خود جا کر سلام کر آتا ہوں۔''

وہ نظروں سے اوجھل ہوا تو وہ سب کام جو رک گئے تھے پھر سے شروع ہو گئے۔ ڈھولک پر تھاپ پڑنے لگی اور گاؤں کی میراثنوں کے ساتھ ساتھ خاندان کی لڑکیاں بھی گیت گانے لگیں۔ ملازم لڑکیوں کی بھاگ دوڑ شروع ہو گئی اور خواتین پھر سے اپنی اپنی نشستوں پر آ بیٹھیں اور ان کی گفتگو اب اردشیر کے متعلق تھی۔

اردشیر نے شیریں کے کمرے کے دروازے پر پہنچ کر ہلکی سی دستک دی اور ساتھ ہی آواز دی۔

''بڑی ماں......''

''اوہ...... یہ تو اردشیر ہے۔'' کبریٰ نے ہلکی سی آواز میں کہا اور ساتھ ہی بیٹی کی طرف دیکھا کہ......

''اندر بلاؤں یا نہ بلاؤں......؟'' شیریں نے نفی میں سر ہلا دیا...... تب کبریٰ خود کمرے سے باہر آ گئیں۔

''السلام علیکم بڑی ماں......'' اُس نے سعادت مندی سے سر اُن کے آگے جھکا کر پیار لیا...... پھر شیریں کی شادی کی مبارکباد دی۔

شیریں کا پلنگ کھڑکی کے قریب تھا اور کھلی کھڑکی سے اسے اردشیر اور ماں کی گفتگو بخوبی سنائی دے رہی تھی، درمیان میں نیلے اور براؤن پرنٹ کا پردہ حائل تھا۔ شیریں اس گھر سے رُخصت ہونے والی تھی......اور اب اُسے اِس گھر کی ہر بات اچھی لگ رہی تھی یہاں تک کہ اردشیر بھی......

وہ ماں سے مل کر واپس چلا گیا، جب کبریٰ دوبارہ کمرے میں آئیں تو وہ رو رہی تھی، کبریٰ بہت تیز اور باریک ذہن کی عورت تھیں...... اُس کے گالوں پر پھسلنے والے آنسو اور آنکھوں میں محرومی کی تحریر...... انہوں نے بہت جلد اصل بات بھانپ لی تھی۔

وہ پلنگ پر اس کے قریب آ بیٹھیں اور بولیں......

''جو شے ملی ہی نہیں، جس کے ذائقے سے بھی ناواقف ہو، اس کے لئے کیوں روتی ہو......؟''

''امی...... چھوٹی امی کا بیٹا ہونے کے باوجود وہ میرا اور ستارہ کا بھائی بن سکتا تھا...... آج میرا جی چاہتا تھا، اسے روک لوں، ہاتھ پکڑ کر یہیں بٹھا لوں...... اور اُس کے سینے پر سر رکھ کر خوب روؤں۔''

''خود کو سنبھالو شیریں اور میری ایک بات ہمیشہ یاد رکھنا، اچھے یا برے، حالات جیسے بھی ہوں، تم کبھی اردشیر سے اُمید مت رکھنا ورنہ بہت دُکھ اُٹھاؤ گی...... ایسے بچے جنہیں بچپن میں ہی حکم دینے کی عادت ڈال دی جاتی ہے، جن کی ہر خواہش پوری کرنا ایمان سمجھا جاتا ہے۔ وہ خود غرض بن جاتے ہیں، انہیں صرف اپنی ذات سے محبت ہوتی ہے، وہ اکثر انہیں بھی نقصان پہنچا دیتے ہیں جنہوں نے خود کو مشکل



اور مشقت میں ڈال کر ان کی خواہش پوری کی ہوتی ہیں...... اردشیر بھی ناز و نعم میں پلا ہے۔ ہمیشہ اس کی ہر بات مانی گئی ہے اور وہ اب صرف اپنی ذات سے پیار کرتا ہے۔''

''اماں پانی مانگا تھا تم نے۔''

وہ بڑی توجہ سے لڑکیوں کے اس جھرمٹ کو دیکھ رہا تھا۔ جب سبز سوٹ میں ملبوس ایک لڑکی جس کے دوپٹے پر سلور گوٹے کا جال بنا ہوا تھا اور جس نے چاندی کے بڑے بڑے جھمکے پہن رکھے تھے پھوپھی کو پانی کا گلاس پکڑانے کے لئے اس کے...... بالکل قریب آ کر کھڑی ہوئی اور باقی منظر سے نظر ہٹا کر اردشیر نے اس کی جانب دیکھا...... ماں کو پانی پکڑاتے ہوئے لڑکی نے بھی اتنی ساری بزرگ خواتین کو چکمہ دے کر نہ صرف اس کی طرف دیکھا بلکہ دھیرے سے مسکرا بھی دی۔

''یہ میری بیٹی ہے کلثوم......'' پھوپی نے اردشیر کو بتایا اور بیٹی نے جھٹ سلام جھاڑ دیا جس کا جواب اردشیر پر واجب تھا۔ وہ چلی گئی اور جا کر دری پر ایسی جگہ بیٹھی جہاں سے وہ اردشیر کو اور اردشیر کلثوم کو اچھی طرح دیکھ سکتا تھا۔

کلثوم اچھے رنگ و روپ والی اور شوخ سی لڑکی تھی۔ نہ تو شہر والوں کی طرح اسمارٹ تھی اور نہ ہی رنگ کو مزید رنگین بنانے کے گُر سے آشنا تھی۔ میک اپ کے انداز اور لباس میں ہلکا سا گنوار پن جھلک رہا تھا مگر ہاں اتنی ساری لڑکیوں میں وہ بہتر بھی تھی اور نمایاں بھی...... دونوں ایک دوسرے کی جانب متوجہ تھے۔

رات جو کمرہ اس کے حصے میں آیا، وہاں بستر بھی آرام دہ تھا اور کمرے کی صفائی ستھرائی بھی بہت مناسب تھی مگر نئی جگہ ہونے کی وجہ سے تھکا ہوا ہونے کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔ کچھ دیر کروٹیں بدلنے کے بعد وہ چت لیٹ گیا۔ دایاں بازو سر کے نیچے رکھا اور آج کے دن کی مصروفیت پر نظر دوڑائی...... دیر سوچ اِدھر اُدھر بھٹکنے کے بعد پہلے کلثوم پر ٹھہری مگر تھوڑی سی دیر کے لئے کلثوم کے ساتھ ہی اسے سوہا رعنا یاد آ گئی تھی۔

''سوہا...... ہا...... کیا لڑکی ہے اور لگتا ہے خود کو سارے شہر کی مالک سمجھتی ہے مگر ہم بھی بہت جلد بتا دیں گے کہ تمہاری اصل جگہ کہاں ہے...... ایک تو بابا جان اتنی جلدی گاؤں لے آئے ورنہ ملاقات کی کوئی صورت نکال ہی لیتا...... اور ویسے بھی اُس سے ملنا اتنا مشکل تو نہیں گلوکارہ کی بیٹی ہے...... ایسے لوگ تو بغیر کواڑوں کے گھر کے مکین ہوتے ہیں۔ جن سے کسی بھی وقت جا کر ملا جا سکتا ہے۔ ویسے جب تک گاؤں میں ہوں، یہ کلثوم بھی بری نہیں...... مگر خود سے اشارہ تو میں بھی نہیں کروں گا۔ مجھے یقین ہے وہ آپ ہی آپ آ جائے گی لائن پر۔''

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اور اس کا یقین غلط نہیں تھا، وہ واقعی آ گئی تھی اس کے پیچھے، اور جب آ گئی تو پھر اردشیر نے ہاتھ ہاتھ لیا اور اتنے لوگوں کی آنکھوں میں دُھول جھونک کر وہ بڑی کامیابی سے اپنی مرضی کی بات پر رہے۔

اور یہ مہندی کے روز سے ایک روز پہلے کی بات تھی شاہ جی صبح آنکھ کھلنے کے بعد کمرے سے اُٹھ باہر آئے پھر وہ ٹہلتے ہوئے حویلی کے پچھواڑے کی طرف نکل آئے۔ یہاں پھل دار درختوں کی مختلف اقسام کبھی اُنہوں نے بہت شوق سے لگوائی تھیں مگر اب تو یہ حصہ گھر والوں کی بے توجہی کا شکار تھا البتہ ملازم خود ہی کبھی کبھار توجہ دے لیتے تھے، جس کی وجہ سے صفائی نظر آ رہی تھی مگر درخت اور بیلیں بہت پھیل کر ایک دوسرے سے اُلجھ رہے تھے۔

اچانک اُبھرنے والی نسوانی ہنسی سن کر اُن کے بڑھتے قدم رُک گئے مگر اب فضا میں صرف پرندوں کی چہکار تھی۔ وہ رُک گئے اور کان لگا کر سننے کی کوشش کی اور ساتھ ساتھ چاروں طرف نظر بھی دوڑائی۔ ہنسی کی آواز اُبھری، اب صرف عورت کی ہی نہیں کسی مرد کی آواز بھی شامل تھی اور انہوں نے انگور کی بیل کی اوٹ میں کھڑے مرد کا تھوڑا سا چہرہ دیکھ لیا تھا...... پہچاننے میں غلطی کیونکر کر سکتے تھے...... وہ یقیناً اردشیر تھا......

اب وہ بھی ذرا اوٹ میں ہو کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھنا چاہتے تھے، اس کے ساتھ جو لڑکی ہے! کون ہے پھر انہوں نے کلثوم کو بھی دیکھ لیا۔

دبی دبی ہنسی اور سرگوشیاں وہ سن رہے تھے...... اور ان کی جانب سے رُخ پھیر کر کچھ سوچ رہے تھے۔ ان کی یہاں موجودگی میں ہی وہ دونوں حویلی کی طرف چلے گئے اور جمشید شاہ بیٹھک میں آ گئے۔

کیا اردشیر واقعی اس لڑکی کے لئے سنجیدہ ہے یا یہ صرف وقت گزارنے کے لئے ہو رہا ہے۔ ویسے اب اردشیر کا گھر بس جانا چاہئے۔ اگر کلثوم اسے پسند ہے تو پھر کلثوم ہی سہی۔ اپنی ذات برادری کی لڑکی ہے، اچھا ہے جو میری بہو بن کر وہی اس حویلی میں آ جائے اور حویلی کی رونقیں پھر سے لوٹ آئیں۔

انہوں نے ملازم کو آواز دی۔ وہ حاضر ہوا تو کہنے لگے۔ ''زنانے میں کام کرنے والی ملازمہ بیگاں کو فوراً بلا کر لاؤ۔''

کچھ ہی دیر کے بعد گیلے ہاتھ دوپٹے سے پونچھتی بیگاں حاضر تھی۔ تمام دولت مندوں کی طرح یہاں بھی راز دوستوں اور رشتے داروں سے چھپائے جاتے تھے مگر ملازم کو شریک کر لیا جاتا تھا کہ انہیں



انسان کے درجے پر سمجھا ہی کب جاتا تھا...... بے جان شے کی طرح گونگا بہرہ جان کر راز اُن کے سامنے اُگل دیئے جاتے تھے، انہوں نے بھی ایسا ہی کیا...... اور بیگاں نے کہا......

''آپ فکر ہی نہ کریں سرکار، سب پتا لگا لوں گی۔''

پھر آنے والے دنوں میں وہ اردشیر اور کلثوم کی تاک میں ہی رہی تھی مگر یوں کہ انہیں ذرا سا بھی شک نہ ہوا کہ جاسوسی ہو رہی ہے۔

کلثوم کی بے تابی اور اردشیر کا بظاہر یونہی قریب سے گزرتے ہوئے آنکھوں ہی آنکھوں میں کیا جانے والا اشارہ...... بیگاں زمانہ شناس تھی۔ بڑے لوگوں کی حویلیوں میں کام کرتے مدتیں گزری تھیں...... سب سمجھ رہی تھی وہ، اور اس نے ابھی سے پھوپھی (کلثوم کی ماں) کو دوسری خواتین سے زیادہ اہمیت دینا شروع کر دی تھی اور کلثوم بی بی کے بھی صدقے واری ہوتی رہتی تھی۔ جانتی تھی، مالک کے دل میں آج جگہ بن گئی تو کل دیگر ملازموں کے مقابلے میں اسے کئی مراعات حاصل ہوں گی۔

گل رُخ شادی سے دو روز پہلے ہی آئی تھی...... پہلے جا کر ماں کو سلام کیا پھر بڑی ماں اور بہنوں سے ملی۔ وہ شادی میں پورے دل سے شریک ہوئی۔ ستارہ کے ساتھ مل کر مہمانوں کو اٹینڈ کرتی رہی جبکہ فاطمہ شاہ ہمیشہ کی طرح اپنے کمرے میں مقیم تھیں۔ اُنہیں دُنیا اور دُنیاداری کی کوئی پرواہ نہیں تھی۔ لوگ ان کے بارے میں کچھ بھی کہتے رہیں، جیسے بھی قیاس کریں، ان کے لئے سب برابر تھا۔ وہ اپنی مرضی کی نیند سوتی اور اُٹھتی تھیں...... حویلی میں ان کا ہونا یا نہ ہونا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔

''بابا جان جو انہیں یوں دُنیا سے کٹ کر رہنا سکھا گئے ہیں...... وہ میری ماں سے کتنے لاتعلق ہیں۔ ایک بار بھی انہیں میری ماں کا خیال نہیں آیا......'' گل کے ذہن میں بار بار یہ بات آ رہی تھی۔

شادی میں فاطمہ شاہ کے دونوں بھائی بھی شریک تھے اور گل سوچ رہی تھی...... کچھ فیصلہ ہو جانا چاہئے، رات جب وہ سونے کے لئے کمرے میں آئی تو ایک نظر ماں کے کمرے میں بھی ڈالی...... وہ ابھی تک جاگ رہی تھیں...... گل نے پردہ ہٹا کر جھانکا تو اُنہوں نے آواز دے ڈالی۔

''آپ ابھی تک جاگ رہی ہیں امی......''

''ہوں...... نیند نہیں آتی...... تم آؤ بیٹھو میرے پاس......''

اور گل نے سوچا، اگر اس وقت بات کر لی جائے تو اچھا ہے...... وہ ان کے بستر کے قریب رکھی کرسی پر آ بیٹھی اور کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد اصل مقصد کی طرف آ گئی۔

''امی...... نانا جی کی جائیداد میں کچھ حصہ آپ کا بھی بنتا ہے ناں......؟''

''ہاں بنتا ہے۔'' فاطمہ نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ تم آج یہ سوال کیوں کر رہی ہو۔ مختصر جواب دے کر وہ چپ ہو گئیں۔

''یہ حصہ ملا آپ کو......''

''نہیں بھلا بیٹیوں کو جائیداد میں کب حصہ ملا کرتا ہے۔'' وہ پرسکون تھیں۔

''آپ کے دونوں بھائیوں کو کبھی بے اماں بہن کا خیال نہیں آیا...... انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تھوڑا سا ہی اسے دے دیں، مگر اب میں ضرور مانگوں گی اُن سے آپ کا حق......''

''رہنے دو، فضول ہے، اُلٹا میں اپنے بھائیوں کی صورت دیکھنے سے بھی جاؤں گی۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہائے ری ازل سے بے گھر بے اماں، جہاں بچپن گزارا، وہ دہلیز نہیں بھولتی، ماں جائے جیسے بھی ہوں، انہیں دیکھے بنا تجھے چین نہیں پڑتا، بظاہر ہر خوشی غمی سے لاتعلق ہو جانے والی عورت بھائیوں کو ناراض کرنے کا حوصلہ نہیں پاتی تھی۔

"چلو پورا حصہ نہ سہی مگر اتنا تو دیں کہ ہم چھت ڈال کر کچھ جینے کا سامان کر لیں۔"

"گل...... کیا تم یہاں رہنا نہیں چاہتیں......؟" فاطمہ نے پہلی بار حیرت اور توجہ سے پوچھا تھا۔

"ہاں امی، اب میں یہاں رہنا نہیں چاہتی...... اردشیر کے گھر، اُس کے رحم و کرم پر، یہ مجھے ہرگز قبول نہیں...... آپ ماموؤں سے بات کر لیں...... اور اگر آپ ایسا نہیں کر سکتیں تو ٹھیک ہے، پھر میں خود بات کرلوں گی۔"

فاطمہ خاموش رہیں...... گل سونے کے لئے اپنے کمرے میں آ گئی...... وہ جان گئی تھی، ماں یہ بات کرنے سے جھجک رہی ہے۔

"ٹھیک ہے میں خود اُن سے بات کروں گی۔" اُس نے فیصلہ کر لیا۔

اور صبح اُس نے دونوں ماموؤں کو ماں کے کمرے میں بلا کر بات ان کے سامنے رکھ بھی دی۔

"جائیداد میں حصہ......؟" بڑے ماموں کی حیرت بہت زیادہ تھی جبکہ چھوٹے ماموں کے سامنے بہن کی ویران زندگی کا دُکھ تھا۔

"ماموں جی...... آپ بھی دیکھ رہے ہیں...... جائیدادوں والے جمشید شاہ کے گھر فاطمہ شاہ کے پاس صرف یہ چھوٹا سا کمرہ ہے اور کچھ بھی نہیں اور اب تو حکمرانی اردشیر کی ہونے ہی والی ہے، پھر تو شاید یہ کمرہ بھی نہ رہے، میں صرف اتنا پوچھنا چاہتی ہوں، جب بہن دربدر ہوگی، تب اُونچے شملے والے بھائیوں کی عزت کہاں جائے گی...... مانگ تو حق رہی ہوں مگر پھر بھی منت ہے کہ اردشیر کی حکمرانی سے پہلے ہمیں ایک چھت دے دیں۔"

"تم...... جائیداد کا چکر کیوں ڈالتی ہو بیٹی، ہماری اتنی بڑی حویلی ہے، تم دونوں کے لئے بہت جگہ ہے وہاں، تم ہمارے ساتھ چلو۔"

"نہیں ماما جی...... مجھے اپنی چھت چاہئے...... جیسے یہ گھر اردشیر کا ہے، ویسے وہ گھر آپ کے بچوں کا ہے...... میرے لئے تو یہاں سے جا کر بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔"

"یہ صرف تمہارا خیال ہے بیٹی...... ورنہ ایسی کوئی بات نہیں، تم ہمارے ساتھ چل کر تو دیکھو۔" بڑے ماموں کا انداز میٹھا تھا مگر بات کڑوی۔

وہ بولی...... "ماموں چند لاکھ ہی تو مانگ رہی ہوں...... پوری جائیداد (جو حق ہے) کا مطالبہ تو نہیں کیا مگر چند لاکھ بھی بہن سے زیادہ پیارے ہو گئے آپ کو۔"

"چھوڑ بیٹی کیوں جی جلاتی ہے...... ہمیں نہ جمشید شاہ کے آسرے کی ضرورت ہے، نہ بھائیوں کے در کی طرف دیکھنا ہے...... بہت عزت ہے گاؤں میں...... جب فاطمہ شاہ بے گھر ہوگی تو کوئی نہ کوئی اللہ کا بندہ گارے مٹی کی دیوار ہمارے لئے اُٹھا ہی دے گا۔ گھاس پھونس کی چھت ڈال ہی دے گا، بحث نہ کر میرا حساب خدا لے گا۔"

"فاطمہ، میری بہن...... کیسی باتیں کرتی ہو......؟ تم اکلوتی بہن ہو ہماری...... تمہارے لئے تو



حاضر ہے، ہم تمہاری اس خواہش کا ضرور احترام کریں گے۔" چھوٹے ماموں نے پہلی مرتبہ زبان کھولی تھی۔

• • •

بیگاں کی رپورٹ وہی تھی جو شاہ جی کا اندازہ تھا...... اردشیر اور کلثوم ایک دوسرے میں دلچسپی لے رہے تھے۔ شادی کا ہنگامہ سرد ہوا تو شاہ جی نے اس موضوع پر بات کرنے کے لئے اردشیر کو بلا بھیجا۔

"جی بابا سائیں۔" وہ سامنے کی کرسی پر آ کر بیٹھ گیا...... شاہ جی نے مسکرا کر بیٹے کی جانب دیکھا اور پھر دوٹوک بات کی۔

"شادی......؟" اُس نے بھنویں اُچکا کر حیرت سے اُن کی جانب دیکھا۔

"ہاں ہاں شادی...... کلثوم کے ساتھ......" اُنہوں نے اپنی طرف سے خوشخبری سنائی۔

"کلثوم کے ساتھ......؟" اُس نے شاید مذاق سمجھا تھا۔

"ہاں ہاں، کیوں، یقین نہیں آ رہا تمہیں......؟" وہ ہنس رہے تھے۔

"مگر کیوں......؟ یہ اچانک آپ نے ایسا فیصلہ کس لئے کر لیا......؟" وہ کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

شاہ جی نے بھی گاؤ تکیہ چھوڑ دیا...... وہ سیدھے ہو بیٹھے اور بولے۔

"یہ فیصلہ میں نے اچانک نہیں کیا بلکہ بہت سوچ بچار کے بعد اور تمہاری پسند کو مدنظر رکھتے ہوئے کیا ہے۔"

"میری پسند اور وہ گنوار لڑکی...... اوہ یہ آپ نے سوچا بھی کیونکر......؟" اسے باپ کے کہنے پر شدید حیرت تھی۔ یہ نہیں جانتا تھا کہ جو کچھ وہ انتہائی رازداری سے کر رہا تھا، باپ کو خبر ہو چکی ہے۔ اگر وہ کلثوم کے علاوہ کسی اور لڑکی کا نام لیتے تو یوں جھٹکا نہ لگتا اسے۔

"وہ ہماری ذات برادری کی لڑکی ہے اور میں تمہیں کئی مرتبہ اس کے ساتھ بھی دیکھ چکا ہوں۔" انہوں نے بیگاں کے بجائے اپنا نام لیا۔ اردشیر یہ بات سن کر ٹھٹکا ضرور مگر بظاہر کوئی نوٹس نہیں لیا اور بولا۔

"میرا فیصلہ وہی ہے، کہہ چکا ہوں، میں نے شادی نہیں کرنی۔"

"ٹھیک ہے، ابھی مت کرو مگر بات پکی کرنے میں تو کوئی حرج نہیں۔"

"وہ جاہل گنوار لڑکی، کیا دیکھ لیا آپ نے اُس میں......؟" صبر، برداشت اس میں کہاں تھی، اب کے بولا تو انداز جھلایا ہوا اور آواز خاصی بلند تھی۔

شاہ جی بولے کچھ نہیں...... بغور اس کی جانب دیکھا...... اُس نے رُخ پھیر لیا اور باہر جانے کے لئے قدم اُٹھایا۔

"اردشیر......" شاہ جی کی آواز میں جو سختی آج تھی، اس سے پہلے وہ اس سے واقف نہیں تھا اس کے بڑھتے قدم رُک گئے۔ شاہ جی اپنی جگہ سے اُٹھے اور اس کے سامنے آ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ نظروں ہی نظروں میں جیسے اُسے تول رہے تھے...... اور اردشیر اُن کے بولنے کا منتظر بیزار سا کھڑا تھا۔

"اردشیر کم از کم خاندان کا ہی لحاظ کر لیا ہوتا...... تم ساری عمر کے لئے تو یہاں نہیں آئے تھے جو صبر نہ ہو سکا۔" لہجہ بھی گرم نہ تھا، الفاظ بھی بہت سادہ استعمال کئے تھے...... مگر اب لہجے اور الفاظ کے پیچھے جو مفہوم چھپا تھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ نا سمجھ نہیں تھا اور مارے شرمندگی کے سر نہیں اُٹھا پا رہا تھا کہ آخر سامنے باپ تھا...... وہ اتنا کہہ کر کمرے سے چلے گئے۔

''کیا سمجھا ہے انہوں نے مجھے...... ؟ میں ایسا گیا گزرا نہیں ہوں......'' ہر انسان کی طرح وہ اپنی غلطی کو تسلیم کرتے ہوئے ہچکچا رہا تھا اور خود کو صحیح کہہ رہا تھا مگر باپ کے سامنے وضاحت کی ہمت نہ ہوئی کہ سچ تو سچ تھا۔

وہ سخت طیش کے عالم میں بستر پر گرنے کے انداز میں آ کر بیٹھ گیا۔

''کیوں کی بابا نے یہ بات...... ؟ میں نے اگر کلثوم کے لئے انکار کیا ہے تو اس میں اتنا برا ماننے کی بھلا کون سی بات تھی...... وہ لڑکی جس کے لئے آج بابا مجھ پر ناراض ہوئے ہیں، بھلا وہ اس قابل ہے کہ اسے بیوی کا درجہ دیا جا سکے۔

ہونہہ...... ذرا سے اشارے پر پیچھے چلی آئی...... یہ تو میری شرافت ہے کہ صرف لفظوں سے کہہ رہا ہوں...... ورنہ مجھے پورا یقین ہے، وہ تو پھر بھی واپس نہ پلٹتی اگر میں...... اور بابا ایسی لڑکی کو بہو بنانے کی خواہش کر رہے ہیں۔ حیرت ہو رہی ہے مجھے اور سخت افسوس بھی......'' مارے غصے کے اُس نے دونوں تکیے اُٹھا کر نیچے فرش پر پھینک دیئے۔

باپ کا کہا غلط نہیں تھا مگر چونکہ وہ اس پر کبھی ناراض نہیں ہوئے تھے تو اسے اُن کے کہے پر بہت رنج تھا...... اور اس رنج نے جوان خون کو جوش دلا کر غصے میں تبدیل کر دیا تھا۔

کافی دیر تک وہ اپنے کمرے میں اکیلا بیٹھا رہا...... بیگاں کسی کام سے اِدھر آئی۔ اسے یوں سوچ میں گم تنہا بیٹھے دیکھ کر ٹھٹکی اور بولی......

''میں صدقے شاہ جی...... خیر تو ہے ناں، یہاں اس طرح اکیلے کیوں بیٹھے ہو......؟''

''اچھا، تو پھر کیا تمہیں ساتھ بٹھاؤں......؟'' اردشیر کی بیزاری اور بدتمیزی عروج پر تھی...... مگر نوکر پیشہ کیا برا مناتی، اُسی انداز میں بولی......

''میرے سرکار طبیعت تو ٹھیک ہے ناں...... لاؤ میں سر دبا دیتی ہوں، اگر کہو تو چاء بنا کے لاؤں اپنے سائیں کے لئے......''

''تم شاید اُونچا سنتی ہو...... میں نے کہا ہے چلی جاؤ یہاں سے۔'' اردشیر چلایا مگر بچپن سے ڈانٹ ڈپٹ گالی گلوچ سہہ کر بڑھاپے تک آ جانے والے یہ ملازم ایسی ڈانٹ کو تو مسکرا کر پی جاتے ہیں۔

اردشیر اب لیٹ گیا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا......

بیگاں نے اُس کے انداز کو بغور دیکھا...... کچھ سوچ کر معنی خیز مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر رینگ گئی۔ ذرا قریب آئی اور مٹھار کر بولی......

''میرا سوہنا...... اگر حکم کرو تو میں ابھی ابھی کلثوم بی بی کو آپ کا حال بتاؤں اور بھیج دوں آپ کے پاس۔''

اردشیر کو جیسے کرنٹ لگا، یہ نام سن کر، بازو آنکھوں سے ہٹا کر وہ حیران نظروں سے بیگاں کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''سوہنا...... بس حکم کی دیر ہے۔'' اب کے بیگاں کھل کے مسکرائی۔



''میں نے کہا نہیں تم سے، چلی جاؤ یہاں سے...... ایک تو بابا جان نے نوکروں کو بہت سر چڑھا رکھا ہے...... میں ہوں ناں یہاں پر، تو دماغ درست کر دوں سب کے...... نکل جاؤ اور خبردار جو کسی کو یہاں بھیجا۔ میں لعنت بھیجتا ہوں کلثوم پر...... میرا بھلا اس سے کیا تعلق...... ؟ تم نے بھلا یہ نام خاص طور پر کیوں لیا......؟''

بیگاں کی ایک عمر گزری تھی پیسے والوں کے کھیل اور رنگ ڈھنگ دیکھتے، اب تو اندر کے راز پلک جھپکتے جان جاتی تھی...... اب اس نے مزید کچھ نہیں کہا، ادب سے سر جھکا کر خاموشی سے باہر چلی گئی۔

اور اردشیر کو حیرت کے سمندر میں غوطے کھانے کو چھوڑ گئی۔

''یہ بات پھیلی کس طرح...... ؟ کیونکر بابا جان اور اس ادنیٰ ملازمہ کو خبر ہوئی...... ؟ اس کا مطلب ہے، سب جانتے ہیں...... شاید اسی لئے بابا جان پریشان ہو گئے ہیں...... ممکن ہے پھوپھی جی سے بھی اُن کی کوئی بات ہوئی ہو...... برادری نے اکٹھے ہو کر بابا جان پر دباؤ ڈالا ہو...... اگر ایسا ہوا ہے تو پھر واقعی بابا کے لئے یہ بات اہم تھی۔

میرے انکار نے یقیناً انہیں اُلجھن میں ڈالا ہو گا۔

مگر یہ تو طے ہے کہ مجھے اس لڑکی سے شادی نہیں کرنی......

اگر برادری کی طرف سے مجھ پر کوئی دباؤ ڈالا گیا تو سب کے سامنے کھڑا ہو کر کہہ دوں گا۔

''جو لڑکی ماں باپ کی عزت کی پروا کئے بغیر ایک اشارے پر کسی نامحرم کے ساتھ چل پڑے، اُسے بیوی بنانے کا رسک مجھ جیسا شخص تو کبھی نہیں لے سکتا...... اس بات پر اگر یہ سر کھولنے پر اُتر آئیں تو بھی پروا نہیں، کمزور میں بھی نہیں ہوں، وار روک سکتا ہوں اور وار کر بھی سکتا ہوں۔''

اُس کی سوچ میں ضد ہی ضد تھی......

اُسے آنے والے دنوں میں انتظار ہی رہا کہ بابا جان کلثوم والی بات پھر دہرائیں گے مگر شاہ جی نے اس قصے کو پھر نہیں چھیڑا۔ اصل میں بات ابھی اس حد تک نہیں پہنچی تھی جہاں تک اردشیر نے اندازہ لگایا تھا۔ اُس کے خیال میں تو سب واقف ہو چکے تھے جبکہ حقیقت یہ تھی کہ بیگاں اور بابا جان کے علاوہ کوئی کچھ نہیں جانتا تھا...... اور شاہ جی نے تو اس خیال سے یہ بات بیٹے سے کی تھی کہ بیٹا شاید برادری کی لڑکی سے کھیل نہیں کھیل رہا، وہ واقعی سنجیدہ ہے۔ اب جان گئے تھے تو بات دل سے نکال دی تھی۔

کلثوم اردشیر کے بدلے رویے پر بہت حیران تھی۔ کئی بار آتے جاتے اُس نے اردشیر کو متوجہ کرنا چاہا مگر ہر بار وہ انجان بن گیا۔ کلثوم منتظر رہی کہ کب ایسا موقع ملے کہ وہ تنہائی میں بات کر سکے اور یہ موقع بڑی مشکل سے اس کے ہاتھ لگا۔

''کیا بات ہے ناراض ہو مجھ سے......؟'' وہ شہر جانے کی تیاری کر رہا تھا، جب کلثوم دبے قدموں سے اس کے کمرے میں چلی آئی۔

''ناراض......!'' اُس نے ہاتھ میں پکڑی شرٹ بیگ میں پھینکتے ہوئے حیرت سے اُس کی جانب دیکھا، پھر یہ حیرت ایک طرف کر کے سنجیدگی سے بولا......

''بھلا ہم میں ایسی کیا بات ہوئی کہ ناراضگی کا حق استعمال کیا جا سکے۔''

''پھر مجھ سے بات کیوں نہیں کرتے......؟ میری جانب دیکھتے بھی نہیں ہو۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ اس شکایت پر ہنس پڑا......اور عین سامنے آ کر کھڑا ہونے کے بعد بولا۔

''دیکھو، تم بھی چند روز کے لئے یہاں آئی تھیں اور میں بھی......ہم دونوں کو یہ دن گزارنے کے لئے دِلچسپی تو تلاش کرنی ہی تھی......ایک دوسرے کے ساتھ اچھے دن گزر گئے ہمارے اور بس......اب میں شہر جا رہا ہوں......کبھی فرصت کے اوقات میں تمہیں بھی یاد کر لیا کروں گا اور اسی طرح تم بھی کبھی کبھی سوچ لینا مجھے......اب اس سے زیادہ تو ہم کچھ نہیں کر سکتے۔''

''اردشیر......'' کلثوم کی آواز پھٹ گئی۔ وہ دُکھے دل سے اسے دیکھ رہی تھی اور ہونٹ اُدھ کھلے تھے۔

''چلو، اب آ جاؤ اصل حالت میں، یہ تو میں بھی اچھی طرح جانتا ہوں، تمہیں مجھ سے کتنی محبت تھی۔'' وہ تمسخر اُڑا رہا تھا۔

''اتنی ذلت......'' وہ ایک دم سے رونے لگی۔

''مجھے غلط سمجھا تم نے......میں نے دل سے چاہا ہے تمہیں......میں نے سچی محبت کی ہے......یقین کرو......میرا یقین کرو۔''

''اوہو......اچھا چلو کوئی بات نہیں......اگر آج ایسا ہے بھی تو کیا ہوا......؟ وقت کے ساتھ ساتھ خیالات بدل جاتے ہیں......آج اگر دل میں ہم ہیں تو کل کوئی اور بھی ہو سکتا ہے......تم گھبراؤ نہیں۔''

اتنی سفاکی سے دی جانے والی تسلی......کلثوم دوپٹے سے آنسو پونچھتی ہوئی باہر چلی گئی۔ وہ دوبارہ کپڑے رکھنے لگا۔

● ● ●

''گل بی بی......آپ کو شاہ بی بی کمرے میں بلا رہی ہیں۔'' وہ کتاب لے کر طویل برآمدے کے آخری سرے پر آ بیٹھی تھی اور ملازمہ کافی دیر تلاش کے بعد کامیاب ہوئی تھی۔

''امی کیوں بلا رہی ہیں......؟ کوئی کام ہے مجھ سے......؟''

''پتا نہیں گل بی بی، ویسے آپ کے دونوں ماموں بھی اُدھر ہی ہیں۔''

گل جب کمرے میں آئی تو تینوں بہن بھائیوں میں گفتگو جاری تھی۔

''آؤ بیٹی......'' چھوٹے ماموں ہمیشہ کی طرح پر شفقت انداز میں بولے۔

''بلایا تھا آپ نے مجھے......''

''ہاں ہم تمہیں یہ بتانا چاہتے تھے کہ ہم بہت جلد بہن فاطمہ کے نام مکان لکھ رہے ہیں اور دس لاکھ روپے نقد بھی دے رہے ہیں۔''

اُس نے باری باری تینوں کی جانب دیکھا۔ ماں اس وقت بھائیوں کی مشکور دکھائی دے رہی تھی جبکہ خود اُس کا چہرہ سپاٹ تھا......کروڑوں کی جائیداد ہضم کرنے والے اگر چند لاکھ مالیت کا مکان اور کچھ نقد دے رہے تھے تو اس میں احسان والی کوئی بات نہ تھی۔ اُس نے رسمی طور پر بھی شکریہ ادا نہیں کیا۔

''ٹھیک ہے ماموں، پھر یہ مکان اور رقم ہمیں کب تک مل جائے گی......؟''

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں، تم لوگ بے شک ابھی نہر والی کوٹھی میں چلی جاؤ......کاغذات بعد میں دے دیں گے، آخر گھر ہی کی بات ہے۔''



''نہیں ماما جی، بات اصول کی ہے......جب تک کاغذات نہیں مل جاتے......ہم ماں بیٹی اسی جہنم میں رہیں گی......''

''ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی......تم شاید پڑھ رہی تھیں......؟'' اُس کے ہاتھ میں کتاب دیکھ کر بڑے ماموں نے کہا تھا......اور اثبات میں جواب پا کر بولے......

''تم جاؤ، پڑھو جا کر، بس یہی بتانے کے لئے بلایا تھا۔

وہ پھر سے برآمدے میں آ بیٹھی مگر اب کتاب میں دھیان نہیں تھا۔ کچھ دیر بیٹھی رہی، پھر اُٹھ کر اِدھر سے اُدھر ٹہلنے لگی۔

''اچھا بڑی ماں، میں جا رہا ہوں۔''

وہ بڑی ماں کے قریب تھی جب اردشیر ان کے ساتھ یہ کہتا ہوا کمرے سے باہر آیا۔

''اچھا بیٹا......خیر سے جاؤ۔'' وہ سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ رہی تھیں۔

''آپ آئیے گا میرے پاس شہر......''

''شہر میں میرا جی کہاں لگے گا، تم ہی گاؤں کا چکر لگا لیا کرو۔'' انہوں نے رواداری میں کہہ دیا۔

دونوں باتیں کرتے برآمدہ عبور کر گئے......وہ وہیں رُک گئی۔

● ● ●

رابعہ......او رابعہ بیٹی......اُٹھ کر روٹی ڈال لے، عمر آنے والا ہی ہوگا......'' زیتون نل پر بیٹھی کپڑے دھو رہی تھیں......اور ساتھ ساتھ رابعہ کو ہدایات جاری کر رہی تھیں۔

''اماں......ابھی تو بڑا ٹائم پڑا ہے عمر کے آنے میں، میں وقت پر روٹی تیار کر لوں گی۔ بس یہ قمیص تھوڑی سی رہ گئی ہے، آج پوری ہو جائے تو کچھ پیسے ہی ہاتھ آ جائیں گے۔'' زیتون نے پھر کچھ نہیں کہا کپڑے دھوتی رہیں۔

اِس کچی آبادی میں جہاں یہ لوگ پچھلے چند برسوں سے مقیم تھے، کوئی بھی یہ نہیں جانتا تھا کہ رابعہ اور عمر، زیتون کے بچے نہیں ہیں۔ جب طلال کی ماں کی تلاش سے مکمل مایوس ہو کر وہ اسے اپنا عمر بنا کر پرورش کرنے لگی تھیں، تب چند سال بعد تقدیر نے ان کی بھانجی رابعہ کو بھی ان کی گود میں ڈال دیا تھا۔ ان کی بہن اور بہنوئی بس کے ایک حادثے میں ہلاک ہو گئے تھے اور رابعہ بچ گئی تھی۔

وہ طلال سے دو برس بڑی تھی اور ویسے بھی سمجھدار بچی تھی......زیتون کو غریبی کے شدید ترین دنوں میں بھی ان بچوں کی پرورش میں زیادہ مشکل پیش نہیں آئی......یا شاید ان کے حوصلے ہی بہت بلند تھے، مشکل کو اُنہوں نے مشکل سمجھا ہی نہیں......رابعہ ذرا سیانی ہوئی تو اُن کا ہاتھ بٹانے لگی۔

عمر تو زیتون کو ماں کہتا ہی تھا، وہ بھی انہیں ماں کہنے لگی......حالانکہ رابعہ اس حقیقت سے واقف تھی کہ زیتون ان کی ماں نہیں خالہ ہیں اور عمر بھی جانتا تھا کہ رابعہ اس کی سگی بہن نہیں بلکہ خالہ کی بیٹی ہے مگر یہ بات کبھی اُن کے درمیان آئی نہیں، لوگ تو بھائی بہن ہی سمجھتے تھے۔

زیتون نے عمر کے لئے بڑی محنت کی تھی، خود کو مشقتوں میں ڈال کر اسے پڑھایا تھا۔ وہ تھا بھی ذہین اور پڑھنے کا شوق بھی رکھتا تھا......زیتون خوش تھیں کہ اُن کی محنت رائیگاں نہیں گئی اور عمر بھی تو اپنی ماں کی بہت قدر کرتا تھا۔ وہ اُن کے سارے خواب جو اُنہوں نے عمر کے حوالے سے دیکھے تھے، پورے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کرنے کے لئے بہت محنت کر رہا تھا۔

رابعہ قیمص مکمل کر کے اُٹھی اور ابھی پہلی روٹی ہی توے پر ڈالی تھی کہ عمر طلال گھر آ گیا۔ سائیکل چھوٹے سے صحن کے کونے میں لگے نیم کے درخت کے نیچے کھڑی کی اور رابعہ کو دیکھ کر زور سے بستہ جھاڑا۔

''زیادہ خوش ہونے کی ضرورت نہیں، آج میں نے ٹینڈے پکائے ہیں۔''

''ہیں...... واقعی......؟'' ٹینڈوں کے نام پر اُس کا منہ بن گیا۔

''ہاں تو کیا جھوٹ بولوں گی میں۔''

''میری سمجھ میں نہیں آتا آخر تمہیں اور ماں کو ان ٹینڈوں سے اس قدر محبت کیوں ہے......؟''

کتابیں چارپائی پر رکھ کر وہ منہ بناتا رابعہ کے قریب آ گیا۔

اس لئے کہ ان کی شکل تم سے ملتی ہے۔'' اپنی بات پر وہ خود ہی ہنسی۔

''آج مجھے سڑک پر ایک فقیرنی ملی...... اس کی شکل ہو بہو تمہارے جیسی تھی۔''

''شرم نہیں آتی بہن کو فقیرنی سے ملاتے ہو۔''

''تم نے کوئی شرم کی تھی مجھے ٹینڈوں سے ملاتے ہوئے اور اُوپر سے ہنس بھی رہی تھیں۔ ویسے یہ مشورہ ہے کم ہنسا کرو، ہنستے ہوئے تم کچھ زیادہ اچھی نہیں لگتیں۔''

''ہاں، تم تو کہیں کے شہزادے، نوابزادے ہو ناں جیسے...... ابھی جب روٹی اور سالن سامنے رکھوں گی پھر جو تمہاری شکل بنے گی، وہ بھی دیکھنے والی ہوگی......''

''آ گئے عمر......'' زیتون چھت پر کپڑے پھیلا کر نیچے آئیں اور اسے دیکھتے ہی چہرے پر رونق آ گئی۔

''اماں...... آج ٹینڈے کیوں پکا لئے آپ نے......؟''

''اصل میں بیٹے مفت مل گئے تھے...... رحیمہ خالہ دے گئی تھیں، اُن کے گھر کی فصل ہے ناں۔''

''چلو...... مجال ہے جو رحیمہ خالہ کے گھر سے کوئی اچھی چیز آئے، کبھی وہ اُن کی صاحبزادی ریشم بی بی تشریف لے آتی ہیں اور کبھی یہ ٹینڈے......'' اُس نے ٹھنڈی آہ بھری۔

''ہا، ہائے تم نے ریشم کے لئے یہ کہا...... بس آنے دو اسے، سب بتاؤں گی۔''

''میری طرف سے اجازت ہے...... ضرور بتا دینا اسے۔''

''وہ تمہارے لئے پاگل جو ہو رہی ہے، اسی لئے زیادہ اِترا تے ہو۔''

''اچھا اچھا بس......'' وہ چولہے کے قریب سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ چارپائی پر پڑی کتابیں اُٹھائیں اور اندر چلا گیا۔

''رابعہ...... تو ایسا کر پیاز ڈال کر بھائی کے لئے انڈہ بنا لے کیاری میں ہری مرچیں لگی ہیں، وہ بھی ڈال دینا۔''

''ہری مرچیں تو رہنے ہی دو...... اماں پہلے ہی مزاج کافی تیز ہے اس کا۔'' رابعہ کے چہرے پر شرارت تھی اور وہ مسکرا کر کہہ رہی تھی۔ عمر نے سن تو لیا مگر بولا کچھ نہیں...... میز پر کتابیں سیٹ کرتا رہا۔

• • •



جویریہ کی طبیعت اچانک خراب ہو گئی تھی۔ کبیر حسن گھر نہیں تھے۔ انہیں مزیب ہی ہاسپٹل لے کر آیا تھا۔ وہ پچھلے دو روز سے ایڈمٹ تھی۔

''کیا میں نے اپنے طلال کو ہمیشہ کے لئے کھو دیا ہے۔'' آنسوؤں کے درمیان اُس نے مزیب سے کہا تھا۔

کتنی حسرت تھی......

دل چیر دینے والا دُکھ تھا لہجے میں......

ایک لمحے کو مزیب بھی کچھ کہنے کی ہمت خود میں نہ پا سکا۔ خاموشی سے اُن کا ہاتھ اپنے زندگی کی حرارت سے بھرپور ہاتھ میں لے کر لبوں سے لگا لیا پھر کہنے لگا۔

''ایسی باتیں مت کیا کریں...... جب تک سانس ہے آس بھی سلامت رہنی چاہئے۔''

کبیر حسن کا موڈ آج کل خاصا بہتر تھا...... دن میں ایک بار ہاسپٹل کا چکر ضرور لگا لیتے اور نہ بھی آتے تو جویریہ میں شکایت کی مجال نہ تھی۔

رائحہ کو البتہ بہت گلہ تھا باپ سے، وہ ماں کی وجہ سے پریشان تھی اور کبیر حسن نے کبھی بیٹی کو پاس بلا کر پیار نہیں کیا، حوصلہ نہیں دیا۔ مزیب ہاسپٹل میں ہی زیادہ وقت گزارتا۔ وہ منتظر رہتی آتا تو وہ رونے لگتی۔

''کیا ہو گیا ہے میری مما کو......؟ وہ گھر کب آئیں گی......؟'' اُس کے ساتھ لگ کر وہ روز یہی سوال کرتی۔

''وہ ٹھیک ہیں...... جلدی آ جائیں گی۔'' وہ تھکا ہوا تو ہوتا تھا مگر پریشانی اس سے بڑھ کر تھی۔

جویریہ کو ہارٹ کی پرابلم تھی۔ ڈاکٹر انہیں سکون اور اطمینان کا مشورہ دیتے تھے اور یہی تو ان کے پاس نہیں تھا۔

''یہ سب پاپا کی وجہ سے ہوا ہے۔'' رائحہ نے غصے سے کہا۔

مزیب خاموش رہا وہ سوچ رہا تھا اگر طلال نہ ملا تو کیا ہوگا......؟ بہت صبر کیا ہے مما نے مگر اب وہ بھربھری مٹی کی طرح بیٹھ رہی ہیں...... میں کیا کروں......؟ کہاں تلاش کروں طلال کو، پتا نہیں وہ اس شہر میں ہے بھی یا نہیں، اتنا بڑا شہر، اتنا بڑا ملک اور اس سے کہیں بڑی یہ دُنیا، خدایا! تو ہی کارساز ہے۔

ہاسپٹل میں جویریہ کے پاس آیا تو اسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ لڑکا سارا دن کتنا پریشان رہا ہے۔ مسکرا کر انہیں سلام کیا اور حال پوچھنے کے بعد بولا......

''جلدی سے گھر آ جائیں...... ایسا نہ ہو، ہم دونوں کی غیر موجودگی میں پھوپھو قبضہ جما لیں۔ دیکھیں ناں آپ یہاں، میں بھی آپ کے پاس اِدھر...... اور گھر پر بے چاری رائحہ، اس کی کیا مجال کہ پھوپھو کا راستہ روک سکے۔''

''مزیب بیٹا، میری وجہ سے تمہارا بہت حرج ہو رہا ہے۔''

''ارے ماں، آپ سے بڑھ کر کون ہے میرے لئے......؟ آپ ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں، پھر تیاری ہوتی رہے گی، دُعا کریں اچھی سی سروس مل جائے مجھے، پھر کیا شان ہوگی میری ماں کی۔''

''تم کچھ بن جاؤ تو میں تمہارے لئے پیاری سی دُلہن تلاش کروں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''کچھ بن جاؤں، مطلب یہ کہ ابھی آپ کی نظر میں کچھ بھی نہیں، کوئی حیثیت ہی نہیں میری.... ؟'' وہ منہ پھلا کر اس کے بیڈ پر بیٹھ گیا۔

جویریہ کو ہنسی آ گئی اور اس کے بازو پر ہلکا سا ہاتھ مار کر بولی...... ''سچی بات اتنی بری کیوں لگتی ہے تمہیں۔''

''ہوں، لگتا ہے طبیعت ٹھیک ہے آپ کی جبھی تو اتنی شوخ ہو رہی ہیں...... بس مما اب آ جائیں، اپنا نہیں تو میرا اور رائحہ کا ہی خیال کر لیں۔''

''تم لوگوں کے لئے تو جی رہی ہوں بیٹے ورنہ اب کیا ہے......؟''

''رائحہ تو بہت ڈرپوک لڑکی ہے...... یہ ذرا سا دل ہے اُس کا آپ دیکھ ہی رہی ہیں...... یہاں سے ملنے آتی ہے، تب بھی رونے بیٹھ جاتی ہے...... میں گھر جاتا ہوں تو بھی روتی ہوئی ملتی ہے...... مما نے بڑا پریشان کیا ہے مجھے۔'' مزیب چاہ رہا تھا...... جویریہ طلال کے علاوہ بھی کچھ سوچے، رائحہ، مزیب کا خیال کرے اور ہمت سے کام لے۔

''ہاں، وہ بالکل مجھ پر گئی ہے، بہت چھوٹا دل ہے، جلدی حوصلہ ہار دیتی ہے۔ رونے لگتی ہے۔ ہمیشہ اُس کا خیال رکھنا۔''

''میں تو اس کا خیال رکھوں گا ہی مگر یہ تو بتائیں، میرا خیال کون رکھے گا۔ خود تو ساری ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑا کر بیڈ سنبھال لیا ہے آپ نے۔''

جویریہ مسکرا دی اور بولی...... ''فکر نہ کرو، خیال کرنے والی بھی آ جائے گی۔''

''یاد آیا، دادی آپ کا پوچھ رہی تھیں، کہہ رہی تھیں ہر نماز میں باقاعدگی سے آپ کے لئے دُعا کرتی ہوں۔''

''اللہ انہیں اجر دے...... بڑی نیک بہت اچھی خاتون ہیں۔''

''ہاں مگر میری لڑائی ہو گئی اُن سے۔''

''کیا...... اتنی بزرگ خاتون سے لڑائی ہو گئی...... شرم کرو مزیب۔'' اس کی بات پر وہ ہنس پڑا اور بولا......

''میں نے بس اتنا ہی کہا تھا، صحت تو آپ کی ٹھیک ٹھاک ہے، آپ مما کو دیکھنے جانا ہی نہیں چاہتیں، بس پھر کیا تھا وہ سنائیں مجھے کہ میرے بچاؤ کے لئے پھوپھو کو آنا پڑا۔''

''تم نے غلط بات کیوں کی......؟''

''اوہو...... آپ کیوں شرمندہ ہو رہی ہیں......؟ ہمارا تو آپس میں یہ چلتا رہتا ہے اور جب ناراض ہو جاتا ہوں تو پھر آوازیں دینے لگتی ہیں، مجھ سے ناراض نہیں رہ سکتیں۔''

''تم ان کے پیار کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو، بری بات ہے۔''

''وہ بھی تو اپنی بہو اور پوتے پوتیوں کا غصہ مجھ پر نکالتی ہیں اور ہاں مما پھوپھو بھی آپ کا حال پوچھ رہی تھیں۔''

''بہت مہربانی اُن کی......'' جویریہ کا لہجہ بے تاثر تھا۔

''میں نے بھی کہہ دیا، ہاسپٹل اتنا دُور تو نہیں......''



''کیا ضرورت تھی تمہیں جتانے کی......؟''

''کیوں، جب وہ ہر بات جتا سکتی ہیں تو ہم کیوں نہیں، مما آپ ہر کسی سے ڈرنا چھوڑ دیں، میں تو کہتا ہوں، گھر جاتے ہی آستینیں چڑھا لیں اور للکاریں پھوپھو کو۔''

''اُن کے سامنے میری آواز نہیں نکلی تم للکارنے کو کہہ رہے ہو۔''

''چلیں پھر ایسا کرتے ہیں للکاروں گا میں مگر چھپ کر...... سامنے آپ ہوں گی اور میری آواز کے ساتھ ہونٹ ہلائیں گی...... جیسے فلموں میں گانا پکچرائز کراتے ہیں۔''

''ہاں جی، بہت اچھا آئیڈیا ہے...... چلو اب جاؤ...... بہت دیر ہو گئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی آنے والے ہوں گے۔''

''صاف کیوں نہیں کہتیں، یہ وقت آپ کے مجازی خدا کی آمد کا ہے۔''

اتنے میں دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر کاشف اندر چلا آیا۔

مزیب کے دوست جویریہ سے ملنے ہاسپٹل آتے ہی رہتے تھے اور کاشف تو اکثر ہی چکر لگا لیتا تھا۔ جویریہ اسے دیکھ کر شفقت اور اپنائیت سے مسکرائی جبکہ مزیب نے منہ بنا لیا...... اور کہا۔

اچھا تھا جو آپ کا کہا مان کر پہلے ہی چلا جاتا، یہ صورت تو دیکھنے کو نہ ملتی۔''

''قدر کیا کرو نکمے لڑکے، اتنے اچھے دوست ملے ہیں تمہیں۔''

''آنٹی! یہ تو ہمارا ہی حوصلہ ہے جو نبھا رہے ہیں ورنہ مزیب...... اسے کسی کا خیال نہیں۔''

''میری ماں کے سامنے میری برائی...... مما ہمت کریں اور لگائیں زور کا طمانچہ اس کے منہ پر......''

''مزیب بیٹا...... تمیز سے...... آؤ کاشف اِدھر بیٹھو بیٹا......'' وہ مزیب کو ڈانٹ کر پھر کاشف سے بولیں۔

دونوں لڑکے ایک دوسرے کو دیکھ کر ہنس پڑے، پھر بولے......

''ہم تو دن میں جانے کتنی مرتبہ لڑتے ہیں...... آپ گھبرائیں نہیں، دونوں ہی برابر کے ہیں، ایک جیسے بدتمیز......''

پانچ دس منٹ بعد دونوں اجازت لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور جاتے جاتے مزیب بولا......

''آپ کے ہسبینڈ آنے والے ہیں، اب ہمیں چلنا ہی چاہئے۔'' کاشف نے اسے اپنے گھر چلنے کو کہا اور وہ بھی جھٹ مان گیا۔

♦ ♦ ♦

''سوہا...... لگتا ہے ابو گھر آ گئے ہیں...... چلو اب تمہارا کام بن جائے گا۔''

''نہیں عالیہ، اچھا نہیں لگتا...... میں خود ہی چلی جاؤں گی۔''

''کیوں بھئی، اچھا کیوں نہیں لگتا......؟ تم آؤ میرے پاس میں کہتی ہوں ابو سے، تمہیں گھر تک ڈراپ کر دیں۔'' عالیہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کمرے سے باہر لے آئی۔

گیٹ سے مزیب کی گاڑی داخل ہو رہی تھی۔

''ارے یہ تو مزیب بھائی ہیں، چلو اب تو کوئی پرابلم ہی نہیں۔'' عالیہ اتنا کہہ کر بھاگتی ہوئی ان دونوں کی طرف آئی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''کیا ہوا، کہیں آگ لگ گی ہے کیا......؟'' کاشف نے سہم کر بہن کو دیکھا۔

''مزیب بھائی، آپ سے کام ہے مجھے......'' کاشف کو نظر انداز کر کے وہ اس سے کہنے لگی۔

''کام کی نوعیت بتائی جائے۔''

''وہ میری ایک دوست ہے بے چاری......''

''بس بس لفظ بے چاری نے سب کچھ سمجھا دیا ہے......اب تم کہو گی کہ میں اس بے چاری سے شادی کرلوں اور منوں کے حساب سے ثواب حاصل کروں مگر میری طرف سے......''

''اوہو......مزیب بھائی پوری بات تو سن لیا کریں، وہ میری طرف آئی ہوئی ہے، گھر واپس جا رہی ہے، ڈراپ کر دیں اُسے۔''

''اچھا تو یوں کہیں ناں، ایک تو عالیہ تمہیں پوری بات نہ کرنے کی بڑی خراب عادت ہے۔ اب اگر وہ سن لیتی تو کیا رائے قائم کرتی میرے بارے میں۔''

''ہاں بھئی عالیہ، یہ تمہاری بڑی غلط عادت ہے۔'' کاشف نے بھی دوست کا ساتھ دیا۔ اتنے میں سوہا بھی چلی آئی......اور مزیب، کاشف کی بات کے جواب میں کچھ کہتے کہتے رُک گیا۔

سوہا نے اُس کی طرف دیکھا، شناسائی کی چمک اس کے چہرے پر لہرا گئی......اور مسکرا کر سر کے اشارے سے سلام کیا۔

''شکر ہے، آپ نے پہچانا تو......میں تو یہ سمجھا تھا کہ آپ بھول گئی ہوں گی اور آپ کو یاد دلانے پر بھی یاد نہیں آؤں گا۔''

''ارے، آپ دونوں ایک دوسرے کو جانتے ہیں۔'' عالیہ چہک کر بولی۔

''جی ہاں......پچھلے جنم میں طوطا مینا ہوا کرتے تھے......ایک ہی ڈالی پر گھر تھا ہمارا......'' مزیب نے بھی عالیہ کے انداز میں جواب دیا۔

''ہم دونوں ایک ہی اسکول میں پڑھا کرتے تھے......'' بات لمبی ہونے سے پہلے سوہا نے بڑی سنجیدگی سے بتا دیا۔

''اور یہ بھی تو بتائیں نا کہ ہم دونوں کی فرینڈ مشترکہ تھی۔''

''جی، یہ بھی درست ہے۔'' اب کے سوہا مسکرا دی۔

''چلئے پھر میری سفارش کی تو ضرورت ہی نہیں سوہا، تم خود ہی کہہ دو مزیب بھائی سے۔''

''کہنے کی کیا ضرورت ہے، آیئے میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔''

اور سوہا رسمی سا انکار بھی نہ کر سکی۔

''اور سنائیں کیا کرتی ہیں آج کل آپ......؟'' گیٹ سے گاڑی نکالتے ہی اُس نے گفتگو کا آغاز کیا۔

''سروس کرنا چاہ رہی ہوں......'' سوہا نے پہلی ہی ملاقات میں دُکھڑے رونا مناسب نہیں سمجھا اور بڑے نارمل سے انداز میں کہا۔

''اچھی بات ہے......آپ جیسی لڑکیوں کو کچھ نہ کچھ کرتے رہنا چاہئے۔''

''یہ مجھ جیسی سے کیا مراد ہے......؟''



''میرا مطلب ہے ٹیلنٹڈ لڑکیوں کو، پتا ہے سوہا اُس روز جب میں نے آپ کو دیکھا اور......آپ پھر بغیر کوئی اَتا پتا بتائے چھلاوے کی طرح غائب ہو گئیں تو مجھے بہت افسوس ہوا اپنی حماقت پر اور یہی سوچتا رہا اب دوبارہ ملاقات کیسے ہو گی۔؟ مگر دیکھ لیں، نیک بندوں کی خدا مدد کرتا ہے۔'' وہ قریب تھی، مزیب خوش تھا، بہت خوش......

''کیوں......؟ کوئی کام تھا آپ کو مجھ سے......؟'' سوہا کا انداز اب بھی سنجیدگی لئے ہوئے تھا۔

''اچھا......آپ اپنے دوستوں کو بس اُسی وقت یاد کرتی ہیں، جب کام ہوتا ہے۔''

''نہیں، میں نے تو یونہی پوچھ لیا تھا۔''

''اوہو......یہ میں نے کیا آپ جناب لگا رکھی ہے......آخر ہم پرانے واقف کار ہیں......ہمیں یہ تکلف سوٹ نہیں کرتا......ہاں اب یہ بتاؤ تمہارا گھر کہاں ہے......؟''

''ساتھ ساتھ بتاتی جاؤں گی......'' مزیب کے یوں اچانک تم پر آ جانے کا اُس نے برا نہیں مانا۔

''کتنے بہن بھائی ہیں تمہارے......؟'' مزیب ہی سوال کر رہا تھا۔

''بس میں اکیلی ہی ہوں......''

''پھر تو خوب مزے ہوں گے، لاڈ ہی لاڈ......''

''نہیں......میں تو اس کمی کو بہت محسوس کرتی ہوں، بہن بھائی بہت بڑا سہارا ہوتے ہیں......باقی جہاں تک لاڈ پیار کی بات ہے تو امی ابا ہیں نہیں، اپنی آنٹی کے پاس رہتی ہوں......وہ بے چاری بیمار ہیں، زیادہ چل پھر بھی نہیں سکتیں......ہر جگہ مجھے ہی بھاگ دوڑ کرنا پڑتی ہے۔''

''سوہا......زندگی اسی کا نام ہے......ہر کسی کے ساتھ کوئی نہ کوئی مسئلہ لگا ہوا ہے۔ بہر حال کوئی بھی پرابلم ہو، تم مجھ سے کہہ سکتی ہو......ہمیشہ مجھے مخلص دوست پاؤ گی۔''

''شکریہ مزیب صاحب......'' اُس نے دوستی کی آفر قبول کر لی، پھر بولی......

''اپنے بارے میں بھی تو کچھ بتائیں۔''

''ہائے......کہاں تک سنو گی، کہاں تک سناؤں......کہنے کو تو مختصر فیملی ہے ہماری، مگر مسائل بڑے گمبھیر ہیں......پھوپھو بیگم کا مسئلہ......ان کی صاحبزادیوں کا مسئلہ......اُن کی ساس کا مسئلہ......''

''کیا ہوا ہے اُن لوگوں کے ساتھ......'' سوہا نے ہمدردی سے پوچھا۔

''شاید ان کا سب سے بڑا مسئلہ میں ہی ہوں، ہر وقت مجھے پکارتی رہتی ہیں۔''

''اور آپ کی امی، ابو، بھائی، بہن بھی تو ہوں گے۔''

''ہاں ایک والد ہیں نہایت سخت گیر قسم کے، ایک والدہ بہت پیاری بہت اچھی اور ایک بہن ہے نہایت بے وقوف قسم کی۔''

اردشیر کو یقین تھا ابھی جو گاڑی کچھ دیر اس کی گاڑی کے پیچھے رہنے کے بعد قریب سے گزر کر بائیں طرف کو مڑی ہے، اس میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی ہنس ہنس کر لڑکے سے باتیں کرنے والی لڑکی سوہا کے علاوہ کوئی اور نہیں تھی۔

''مجھے دیکھ کر تو کوئی رسپانس نہیں دیا۔ تعارف کے باوجود غرور سے گردن اکڑا کر بیٹھی رہی تھی۔ یہ آج کون تھا اس کے ساتھ......؟ بھائی تو اس کا کوئی ہے نہیں......ورنہ سروس کے لئے پریشانی کے عالم میں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ماری ماری نہ پھرتی۔"

ساتھ میں اگر ملک سرفراز نہ ہوتا تو اردشیر ضرور گاڑی پیچھے ڈال دیتا مگر اب وہ ایسا نہیں کر سکا۔ آ کر بھی اُس کے ذہن پر سوہا سوار رہی۔ خاص ملازم ارشاد کو بلا کر کہا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو گلوکارہ یاسمین بیگم کے گھر کا پتا معلوم کرو، میں ملنا چاہتا ہوں، اُس سے۔"

"یہ تو کوئی مشکل بات ہی نہیں...... ایسی عورتوں کے گھر کا پتا تو بڑی آسانی سے مل جاتا ہے۔" وفادار ملازم نے مؤدبانہ کہا۔

"ٹھیک ہے پھر میں منتظر ہوں......" وہ بیڈروم میں چلا گیا۔ ذہن پر اُلجھن طاری تھی۔

"ایسی کی تیسی......" میز پر رکھا شیشے کا گلاس غصے کے عالم میں فرش پر دے مارا...... اسے سوہا کا اُس روز والا انداز نہیں بھول رہا تھا۔

"سمجھتی کیا ہے خود کو...... میں چاہوں تو ماں بیٹی دونوں کو خرید لوں...... اور اب تو میں ایسا ہی کروں گا۔"

اس فیصلے پر پہنچ کر بھی وہ پرسکون نہیں ہوا...... جی چاہتا تھا ابھی سوہا سامنے آ جائے اور وہ اُسے بتا دے کہ گلوکارہ کی بیٹی کی اوقات کیا ہوتی ہے۔

"ہماری نظرِ کرم کی منتظر ہمیں ہی نخرہ دکھا رہی ہے...... اور وہ ساتھ کون تھا...... دیکھ لوں گا اُسے بھی۔" اردشیر کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

* * *

فاطمہ اور گل رُخ حویلی سے جانے کی تیاریوں میں تھیں۔ کبریٰ خانم کو ملازم کے ذریعے پتا چلا تو حیران سی فاطمہ کے پاس آئیں۔

"تم یہاں سے جا رہی ہو فاطمہ......؟"

"جی آپا......" جواب مختصر تھا اور لہجہ سپاٹ۔

"کیوں جا رہی ہو، یہ گھر تم لوگوں کا ہے اور بھلا کوئی اپنے گھر کو بھی چھوڑتا ہے، گل تم ہی سمجھاؤ اپنی ماں کو، پتا نہیں کیوں یہ ہر جذبے سے عاری ہو چکی ہے۔ کبھی کبھی تو مجھے پتھر کی سِل کی طرح لگنے لگتی ہے۔ تم بتاؤ اسے یہ گھر اس کا بھی ہے...... اور سب سے بڑھ کر تو یہ کہ گل! تم اس گھر کی بیٹی ہو، عزت ہو اس حویلی کی......"

"بیٹی......!" وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی پھر بولی...... "بڑی ماں! کبھی اِس گھر نے مجھے بیٹی سمجھا بھی ہے۔" اس کے لہجے میں دُکھ بول رہے تھے۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے......؟ جو حقیقت ہے وہ تو ہے، اسے کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔"

"جب میرے باپ نے مجھے پیار نہیں دیا، کبھی میری ضرورتوں کے بارے میں نہیں پوچھا تو اب میں بھی یہاں سے کچھ نہیں لوں گی۔ میں انہیں بتا دوں گی کہ ان کی مہربانیوں کے بغیر بھی میں زندگی اچھے طریقے سے گزار سکتی ہوں۔"

"اوہو...... گل! میرا تو خیال تھا تم ماں کو سمجھاؤ گی مگر تم بھی......"

"ہاں بڑی ماں، میں بھی...... بلکہ اصل بات تو یہ ہے کہ ماں سے بھی یہ فیصلہ میں نے ہی کروایا



ہے، جب تک یہاں پر جمشید شاہ صاحب کی حکومت تھی، ہم یہاں رُکے رہے، وقت جیسے بھی گزرا، ہم نے خاموشی سے گزار لیا مگر اب یہاں اردشیر کی حکومت ہوگی اور اس کی رعایا بننا مجھے کسی طور گوارا نہیں" گل نے مضبوط لہجے میں کہا۔

"اوہو گل! تم تو خواہ مخواہ جذباتی ہو رہی ہو...... میں تو یہ چاہ رہی تھی کہ تم ماں کو بھی سمجھاؤ...... میری بات ہوئی تھی اردشیر سے...... اُس کا تو گاؤں آ کر رہنے کا کوئی ارادہ ہی نہیں...... وہ شہر میں ہی رہے گا اور اس گاؤں والی حویلی پر حکمرانی تو تمہاری ہوگی۔"

"چھوڑیں بڑی ماں...... وہ گاؤں میں نہ بھی رہے تو بھی ہمارے لئے یہاں رہنا آسان نہیں ہوگا۔ آپ کا تو لاڈلا بیٹا ہے مگر ہمارے لئے اُس کی آنکھوں میں جو حقارت ہے، وہ میری برداشت سے باہر ہے۔ بہتر یہی ہے ہم ابھی چلے جائیں۔"

"گل...... میرا کام تھا سمجھانا، باقی تمہاری مرضی...... مگر یہ ضرور کہوں گی، تم غلط کر رہی ہو...... صرف ایک گھر لے لینے سے تمام مسائل حل نہیں ہو جائیں گے...... زندگی کی گاڑی کے لئے پیسہ بہت ضروری ہے۔" کبریٰ نے اسے پریشانیوں سے آگاہ کرنا چاہا۔

"مجھے دُنیاداری نہیں کرنی...... صرف دو وقت کی روٹی اور تن کے لئے کپڑا چاہئے اور بہتیرے مرید ہیں میرے۔" فاطمہ کا چہرہ اور آواز آج بھی ہر تاثر سے خالی تھی۔

"جن لوگوں کو ساری عمر دیتی آئی ہو، اب اُن سے لو گی......؟ گل یہ کیا سبق دے رہی ہو تم ماں کو......؟" فاطمہ سے بات کرتے کرتے وہ گل رُخ کی طرف پلٹیں۔

"یہ بات نہیں، بڑی ماں! میں تو اُن لوگوں سے کچھ لینے کا سوچ بھی نہیں سکتی...... میں نے ماموؤں سے مکان کے ساتھ دس لاکھ روپے کی رقم بھی مانگی ہے۔"

"صرف دس لاکھ...... گل رُخ، تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔"

"بس بڑی ماں، یہ میرا فیصلہ ہے......" گل اَب ڈری سہمی بچی نہ تھی...... اُس نے بچپن محرومیوں میں گزارا اور اب کالج اور پھر یونیورسٹی میں ساتھیوں سے تعریف سمیٹی اور اس تعریف نے اسے اعتماد دیا تھا۔ وہ محسوس کرنے لگی تھی کہ اس میں اتنا اسٹیمنا ہے کہ وہ حالات کو اپنی مرضی کے تابع کر سکتی ہے اور وہ اپنی اس قوت کو آزمانا چاہتی تھی۔

اپنی بات کا رَد کیا جانا کبریٰ خانم کو بھی اچھا نہیں لگا تھا...... وہ تیوری چڑھا کر واپس پلٹ آئیں۔ آج گل نے کسی لحاظ کے بغیر اُن کی بات کاٹی تھی، انکار کیا تھا...... شاید تعلیم دلا کر میں نے اچھا نہیں کیا مگر نہیں، مجھے یوں نہیں سوچنا چاہئے...... انہوں نے اپنے ذہن کو ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کی۔

"بڑی بی بی...... شاہ بی بی کدھر جا رہی ہیں......؟" ملازمہ نے آ کر پوچھا تو انہوں نے ڈانٹ کر بھگا دیا۔

"اچھا بڑی ماں، ہم جا رہے ہیں......" کچھ دیر بعد گل رُخ اُن کے قریب کھڑی تھی۔

"خدا حافظ......" کبریٰ نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا۔

"آپ شاید ناراض ہیں مجھ سے......؟" وہ کرسی کے قریب فرش پر بیٹھ گئی۔

"نہیں...... میں کسی سے ناراض نہیں ہوں...... تم سب اپنی مرضی کی مالک ہو، اچھا بُرا جو بھی ہوگا،

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



خود ہی بجھتو گی۔"

"پلیز بڑی ماں ...... اس لہجے میں تو آپ بات مت کریں مجھ سے ...... یقین کریں میرے اس دُنیا میں اگر کوئی آسرا ہے تو وہ آپ کی ذات ہے۔ جب بھی کسی طوفان میں گھر جاؤں گی، آپ پکاروں گی۔ آپ کی مدد چاہوں گی ...... آپ نے ہمیشہ مجھے شیریں اور ستارہ باجی کی طرح سمجھا ہے مجھے تعلیم دلائی ہے ...... پھر اب کیوں ناراض ہو رہی ہیں مجھ سے ......؟"

"اس لئے کہ آج بیٹی نے ماں سے بدتمیزی کی ہے۔"

"بڑی ماں! مجھے معاف کردیں۔ شاید اپنی ماں والی تلخی مجھ میں بھی آ گئی ہے۔ تنہائی کا زہر بہت تیز ہوتا ہے ...... بڑے بڑوں کو مار دیتا ہے۔ میں تو بہت کمزور سی لڑکی ہوں۔"

"گل رُخ ...... کبریٰ نے اس کے ٹھہرے ہوئے اُداس لہجے پر چونک کر کہا کہ وہ تو یہ سمجھی تھیں کہ اب یہ لڑکی بہت مضبوط ہو چکی ہے ...... بڑا اعتماد ہے اس میں ......

"گل رُخ! تنہا کیوں سمجھتی ہو خود کو بیٹا ......؟" ساری تلخی بھلا کر انہوں نے اُس کا چہرہ ہاتھوں میں لے لیا۔

"بچپن کے خوف اور کامپلیکس کبھی کبھی ساری عمر ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔"

"نہیں بیٹا ...... تم خود کو اکیلا مت سمجھو ...... ٹھیک ہے اگر یہاں سے جانے میں ہی اپنی بہتری سمجھتی ہو تو جاؤ لیکن جب بھی بڑی ماں کو پکارو گی، مجھے اپنے قریب محسوس کرو گی۔ تم میری بیٹی ہو، چھوٹی بیٹی اور چھوٹے بہت لاڈلے ہوتے ہیں۔" اُنہوں نے گل کی پیشانی چوم لی۔

کچھ ہی دیر بعد گل رُخ اور فاطمہ شاہ چلی گئیں ...... آج پھر حویلی میں وہ اکیلی تھیں۔ اس حویلی کی مالکن کتنے برس کے بعد آج پھر یہاں کوئی شراکت دار نہیں تھا۔

"شاہ جی! تم مجھ پر فاطمہ شاہ کو لائے، پھر راحت بیگم کو لائے مگر آؤ اور آ کر دیکھ لو، آج میرے علاوہ یہاں کوئی بھی نہیں ...... کوئی شاہ بی بی نہیں، کہیں بھی چھوٹی بی بی کی آواز نہیں ...... یہاں صرف میں ہوں، میں بڑی بی بی، کبریٰ خاتون ...... یہاں پر میری آواز ہے، میرے قدموں کی چاپ ہے۔"

وہ ایک کیفیت کا شکار بے مقصد ہی ساری حویلی میں گھومتی رہیں ...... گزرے وقت کو یاد کرتی رہیں، کبھی آنکھ بھر آتی اور کبھی لبوں پر طنزیہ مسکراہٹ رینگ جاتی۔ وہ حویلی میں پھرتی رہیں یہاں تک کہ تھک گئیں۔

اس شام شاہ جی شہر سے گاؤں آئے۔ قیام بڑی حویلی میں ہی کیا۔ کبریٰ سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے، کھانا بھی یہیں کھایا، فاطمہ اور گل بھی حویلی آ کر کمرے تک ہی محدود رہتی تھیں، کبھی شاہ جی کے سامنے ہی نہیں آئیں کہ وہ اُن کی کمی کو محسوس کرتے، اُن کے بارے میں پوچھتے اور کبریٰ نے خود بھی نہیں بتایا، سوچا ملازم بتا دیں گے۔ انہوں نے پوچھا نہیں، میں بھی نہیں بتاؤں گی۔

کچھ ہی دیر بعد ملازم نے کسی کی آمد کی اطلاع دی۔ وہ اُٹھ کر بیٹھک میں چلے گئے ...... اور کبریٰ سوچنے لگیں، جب انہیں فاطمہ کے [illegible] چھوڑ کر چلے جانے کی خبر ہو گی تو کیا ردِعمل ہو گا ان کا ...... بے شک سالوں خبر نہیں لی ...... مگر ہے تو بیوی [illegible] غیرت پر چوٹ پڑے گی اس کے یوں چلے جانے پر۔

• • •



اردشیر نے ارشاد سے کہا تھا کہ جلد یاسمین بیگم کے گھر کا پتا معلوم کرے ...... اور مالک کے موڈ سے ارشاد خوب واقف تھا، سو جُت گیا اس کام میں اور زیادہ دن نہیں گزرے تھے، اُس نے پتا لگا لیا اور فوراً اردشیر کے پاس چلا آیا۔

وہ بھی اِسی وقت وہاں جانے کے لئے تیار ہو گیا اور ارشاد کو بھی ساتھ چلنے کو کہا۔

"آپ فون کر لیں ...... پتا نہیں وہ گھر ہوں گی یا نہیں۔" ارشاد نے اُس کے خوشگوار موڈ کو دیکھ کر مشورہ دیا جسے اُس نے رَد کر دیا کہ وہ خود اس کے گھر جانا چاہتا تھا، یہ دیکھنے کے لئے کہ اب وہ کن تیوروں کے ساتھ ملتی ہے۔

"اگر محترمہ نے ٹیڑھے لہجے میں بات کی تو لحاظ نہیں چلے گا ...... دو منٹ میں اوقات یاد دلا دوں گا۔ ہونہہ! آواز کا جادو جگا کر ہماری خوشی کی محفلوں میں گا بجا کر پیٹ کا دوزخ بھرتے ہیں اور نخرے بھی ہمارے ساتھ ...... ہمارا دیا کھانے والے ہم پر آنکھیں نکالتے ہیں، فنکار کہلانے والے یہ ٹکے ٹکے کے لوگ پھر عزت مانگتے ہیں۔ کیسی عزت، کس عزت کی بات کرتے ہیں، عزت کے مفہوم سے بھی واقف ہیں یہ۔" اُس نے نفرت سے ہنکارا ابھرا۔

اُس نے فیصلہ کر لیا، وہ سوہا کی طرف بظاہر گلوکارہ یاسمین بیگم سے ملنے کے بہانے جائے گا۔ یاسمین بیگم کو اپنے ہاں ہونے والے ایک فنکشن میں بلانے کی بات کرے گا ...... اور معاملہ طے کر کے ہی اُٹھے گا۔

سوہا خوبصورت لڑکی تھی مگر حسن کی اس دنیا میں کمی تو نہیں ...... خود اس کے حلقۂ احباب میں بھی طرحدار حسینائیں موجود تھیں۔ ان میں بھی کچھ چونکا دینے والے حسن کی مالک تھیں۔ مگر اسے سوہا کا حسن نہیں اس کا نخرہ اس کا غرور یاد رہ گیا تھا۔

اُس نے آذر کی طرف ہی دھیان رکھا تھا۔ اس کی جانب توجہ نہیں دی تھی۔ جب اردشیر نے اُس کی جانب دیکھا تو اس نے منہ پھیر لیا تھا۔ بس اس بات نے اسے غصہ اور ضد دلا دی تھی جو اسے ایک لڑکے کے ساتھ دیکھ کر اور بھڑک اُٹھی تھی۔

بڑی تیاری کے ساتھ وہ باہر آیا۔ ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا اور ارشاد کو ساتھ لے لیا جو اُس کے پروگرام سے واقف نہ ہونے کے باوجود پُرسکون تھا۔

یاسمین بیگم کا گھر اُن کے علاقے سے خاصا دُور تھا اور آبادی بھی اب گنجان ہونے لگی تھی۔ وہ ایک پرانی طرز کی عمارت تھی۔ کم رقبہ پر مگر خوبصورت طرزِ تعمیر کا ایک نمونہ تھی۔

ارشاد نے دُور ہی سے دیکھ کر کہا ......

"صاحب! یہی گھر ہے یاسمین بیگم کا ......"

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ارشاد نے دُور ہی سے اشارہ کیا کہ یہی گھر ہے یاسمین بیگم کا اور اردشیرؔ کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ ڈرائیور کو اشارے سے بتایا کہ اِدھر گاڑی روکنا ہے۔

''یہ لوگ تو شاید گھر پر ہی نہیں......'' اردشیر نے بے قراری سے کہا...... گیٹ پر پڑا بڑا سا تالا اُن کا منہ چڑا رہا تھا۔

''صاحب......تالا تو کل بھی تھا...... میں یہی سمجھا کہ کچھ دیر کے لئے گئی ہوں گی کہیں۔'' اردشیر کا بگڑا ہوا موڈ دیکھ کر ارشاد نے ڈرتے ڈرتے اطلاع دی۔

''کیا کل بھی تالا تھا......؟'' اُس نے ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر مارا، پھر بولا۔

''اُترو...... کسی سے پتا کرو۔''

اُس نے جھٹ حکم کی تعمیل کی اور قریب گزرتے ایک لڑکے کو روک کر یاسمین بیگم کے بارے میں پوچھا......

''وہ تو جی یہ مکان چھوڑ کر جا چکی ہیں۔''

''کیا کہا، جا چکی ہیں......؟'' اردشیر دروازہ کھول کر نیچے اترتے ہوئے تیزی سے بولا۔ لڑکے نے اس کی جانب دیکھا اور بولا......

''کرایہ زیادہ تھا، وہ دے نہیں سکی تھیں، بس چلی گئیں۔''

''کب گئیں......؟ کتنے دن ہو گئے......؟'' اردشیر نے پھر سوال کیا۔

''ایک مہینہ تو ہو ہی گیا ہے، شاید اس سے کچھ زیادہ...... ٹھیک سے کچھ نہیں کہہ سکتا......'' لڑکا اردشیر سے خاصا مرعوب ہو کر ادب سے کہہ رہا تھا۔

''اور تم اس گھر کا ایڈریس لے کر آ گئے ہو، واہ! کیا عقل پائی ہے تم نے۔'' وہ طنز اور غصے سے ارشاد سے مخاطب تھا۔

''سر کا میں نے تو ریڈیو والوں سے پتا کیا تھا اور اُنہوں نے ہی ایڈریس دیا تھا مجھے۔'' صاحب کے تیور دیکھ کر وہ اتنا کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''کیا تم کچھ مدد کر سکتے ہو ہماری......؟'' ابھی تک یہیں موجود لڑکے کی طرف دیکھ کر اُس نے پوچھا۔

''نہیں جی ہمیں کیا پتا وہ تو کسی سے زیادہ ملتی ملاتی بھی نہیں تھیں۔ آپ کیا رشتے دار ہیں اُن



کے......؟''

اردشیر کے چہرے پر جھلاہٹ اور ناکامی کے رنگوں سے اس نے پریشانی اخذ کر کے پوچھا۔ جواب میں اس نے آنکھیں نکال کر اسے گھورا اور تلخ لہجے میں بولا......

''اس طرح کی عورتوں کا ہم سے کیا تعلق......؟''

''وہ بہت اچھی تھیں جی، لگتا ہی نہیں تھا گلوکارہ ہیں......''

''اچھا اچھا...... ٹھیک ہے......'' اردشیر بے نیازی سے کہتا ہوا گاڑی میں آ بیٹھا...... ارشاد نے بھی اُس کی تقلید کی۔

''معاف کر دیں صاحب، وعدہ کرتا ہوں زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑے گا آپ کو، میں ڈھونڈ نکالوں گا اُس کو۔''

''تم دونوں مین روڈ پر اُتر جانا، مجھے کہیں جانا ہے۔'' اردشیر نے ارشاد کی بات نظر انداز کر کے اتنا ہی کہا۔

گاڑی لے کر وہ میڈم فیروزہ سے ملنے اُن کے کالج چلا آیا تھا۔ ابھی چند روز پہلے ہی انہوں نے ایک ملاقات میں بتایا تھا کہ ان کا ایک گرلز کالج میں پرنسپل کی حیثیت سے تبادلہ ہو گیا ہے، ''بڑا نام ہے اِس کالج کا، تم آ ؤ ناں کسی روز۔''

''کیوں نام بدنام کرنا ہے اس کالج کا......'' وہ ہنس پڑا تھا۔

''نہیں نہیں بھئی، ایسا ظلم مت کرنا شرفاء کی بچیاں پڑھتی ہیں...... میں تو صرف وِزٹ کے لئے کہہ رہی تھی۔''

میڈم فیروزہ اچھی خاصی عمر کی تھیں مگر انداز کچھ اور تھے...... بڑی دوستی چلی آ رہی تھی ان کی اردشیر سے۔ آج بھی وہ یہی سوچ کر ان کے پاس جا رہا تھا کہ باتیں اچھی کرتی ہیں، دھیان بٹ جائے گا۔ اُسے یاد تھا، اُس نے کہا تھا...... ''اب اس بہت بڑے کالج کی پرنسپل تم ہو۔ صورت حال خاصی دلچسپ ہو گی۔''

''اوہ نہیں بھئی، جہاں پر یہ کالج ہے، اس سے قریبی علاقے میں اپر مڈل کلاس آباد ہے اور تم جانو ان کی لڑکیاں سادہ اور گھٹی گھٹی سی ہوتی ہیں۔ میں بھی وہاں ایک بالکل بدلی ہوئی میڈم فیروزہ دکھائی دیتی ہوں۔''

''اوہ...... تمہارا وہ روپ بھی چونکا دینے والا ہو گا ہر روپ کی طرح۔'' وہ ہنس کر بولا تھا۔

گیٹ پر کھڑے چوکیدار کو اپنا کارڈ دے کر میڈم فیروزہ کو اطلاع کروائی۔ چوکیدار بہت جلدی واپس آیا تھا اور گیٹ کھول کر گاڑی اندر لانے کو مؤدبانہ گزارش کی تھی جسے اردشیر نے قبول کر لیا۔

''یہ کون حضرت تشریف لا رہے ہیں......'' رائحہ کی دوست فائزہ کتاب بیگ میں رکھتے ہوئے ہاتھ روک کر گاڑی دیکھنے لگی...... اور رائحہ نے بھی اُدھر دیکھا۔

''واہ...... کیا پرسنیلٹی ہے......'' فائزہ نے فوراً ہی کہہ دیا جبکہ رائحہ نے دل کی دل میں ہی رکھی۔

''شاید کسی لڑکی کا بھائی یا کزن ہے...... مگر ایسی حسین لڑکی کون ہے ہمارے کالج میں سوائے تمہارے ہے ناں رائحہ......؟''

''ہمیں کیا، کوئی بھی ہو......'' رائحہ نے دھیرے سے کہا مگر باوجود کوشش کے وہ نگاہ کا زاویہ بدل

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



نہیں ..... جھکتی جھکتی پلکوں سے دیکھتی رہی۔

''ہے ناں شاندار ..... '' فائزہ شوخ ہوئی۔

''نہیں، آؤ چلیں .....'' رائحہ نے اس خیال سے کہ کہیں وہ بھی اِدھر متوجہ نہ ہو جائے، کہا .....

''لو ایسے ہی چلیں ..... ذرا پتا تو چلے، کس سے ملنے آئے ہیں .....؟''

ان کی توجہ اِدھر اُدھر اس لئے نہ ہو سکی کہ میڈم فیروزہ اپنے آفس سے اُٹھ کر اُس کے استقبال کو آئیں۔ لڑکیوں نے تو تب دیکھا، جب وہ برآمدے کو عبور کر کے سیڑھیوں پر آئیں جبکہ اردشیر کی نظر فیروزہ پر تھی۔

''اوہ ..... یہ تو میڈم کے ملنے والے ہیں .....'' فائزہ کو جیسے مایوسی ہوئی، رائحہ یہاں سے ہٹ کر کلاس روم میں چلی گئی۔

شیر گھر واپس آیا تو جمشید شاہ موجود تھے اور کب سے اس کے منتظر بیٹھے تھے۔

''سلام بابا .....'' انہیں دیکھ کر اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا، نہ اچھا لگا، نہ برا لگا ..... جبکہ وہ بیٹے کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھے۔

''کہاں گئے تھے پتر .....؟'' جواب طلبی مقصود نہ تھی، یونہی پوچھ لیا تھا۔

''آپ کب آئے بابا جان .....؟'' ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے اُس نے سوال کیا اور چونکہ ان کی بات کے فوراً بعد ہی پوچھ لیا تھا تو انہوں نے محسوس نہیں کیا کہ ٹال رہا ہے، بولے .....

''مجھے آئے کچھ دیر ہو گئی ہے۔''

''پھر کچھ چائے پانی لیا آپ نے .....؟''

''ہاں ہاں، تم فکر کیوں کرتے ہو .....؟ سب لے چکا ہوں ..... آؤ اِدھر میرے پاس بیٹھو ..... میں تو اپنے پتر کو دیکھنے کے لئے آیا ہوں۔'' وہ تھکے تھکے تھے مگر ہر انداز میں اسے کے لئے پیار تھا۔

''اچھا ..... بابا آپ بیٹھیں میں چینج کر کے آتا ہوں۔''

وہ اپنے بیڈروم میں چلا آیا اور سوچ رہا تھا، شام کو ربانی کی طرف جانا ہے اور بابا جان جس انداز میں بیٹھے تھے، لگتا ہے جلدی ٹلیں گے نہیں۔

کپڑے بدل کر واپس آیا تو وہ صوفے پر نیم دراز تھے، اسے دیکھ کر سیدھے ہو بیٹھے اور بولے .....

''اُدھر نہیں، اِدھر آ کر میرے قریب بیٹھو .....'' وہ مسکرا کر برابر میں آ بیٹھا۔ باپ نے شفقت سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا .....

''بیٹا ..... کبھی گاؤں کا چکر لگا لیا کرو اور میں شہر کی کوٹھی پر بھی اکثر آتا رہتا ہوں۔ اگر گاؤں نہیں آ سکتے تو اُدھر ہی آ کر اپنی شکل دکھا جایا کرو۔ میں تو ترس ہی گیا ہوں تمہارے لئے۔''

''کیا بات ہے بابا جان .....؟ آج اُداس دکھائی دے رہے ہیں آپ .....؟''

''ہاں شاید میں تھک گیا ہوں۔'' جو کیفیت وہ خود نہیں سمجھ رہے تھے، وہ بیٹے سے کیا کہتے۔

تین شادیاں کیں ..... راحت کو موت نے جدا کیا اور فاطمہ کو خود انہوں نے اور کبریٰ نے اس سے پہلے کہ شاہ اس سے نفرت کرتے اپنے دل میں ان کی نفرت کا تناور درخت کھڑا کر لیا۔ تین بیٹیوں کے باپ تھے ..... بیٹیاں تو باپ پر جان دیتی ہیں۔ بابل کو دیکھ دیکھ جیتی ہیں مگر ان کی بیٹیاں بہت فاصلے پر



تھیں، جانتی تھیں باپ کو ان کے ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جوانی تو گزر جاتی ہے، طاقت کے نشے کے ساتھ ساتھ اگر اقتدار بھی حاصل ہو تو سونے پر سہاگا ..... مگر وقت کے ساتھ ساتھ انسان اُن آنکھوں کو تلاشنے لگتا ہے، جن میں اُس کے لئے پیار ہو ..... چہرے جو اس کے اپنے ہوں۔

شاہ جی اب گاؤں جاتے، قیام بڑی حویلی میں ہو یا چھوٹی میں، ان کے گرد ہجوم صرف ملازموں کا ہوتا تھا، آنکھیں جو نظارہ دیکھنا چاہتی تھیں، دل جو محبت چاہتا تھا، اب وہ کہاں تھی۔

کبریٰ اکثر موجود نہیں ہوتی تھیں، پوچھنے پر یہی جواب ملتا، ستارہ بی بی کی طرف ہیں یا شیریں بی بی کے ہاں گئی ہیں۔ فاطمہ اور گل کے جانے کی خبر بھی زیادہ دن ان سے چھپ نہ سکی۔ انہیں ملازموں نے بتا دیا تھا کہ وہ بڑی حویلی سے جا چکی ہیں۔

کچھ بھی تھا فاطمہ سے جیسا بھی تعلق تھا مگر وہ بیوی تو بہرحال تھی اُن کی ..... اس کے یوں بتائے بغیر چلے جانے پر بہت غصہ آیا اور اسی غصے کے اثر میں وہ اس کے میکے والے گاؤں میں اُس کے پاس پہنچ گئے تھے۔ گل شہر واپس جا چکی تھی۔ فاطمہ سے ہی ملاقات ہوئی۔

''تم بتائے بغیر چلی آئیں .....؟''

''نہیں میں بتا کر آئی تھی۔'' فاطمہ نے جیسے ان کی آمد کا نوٹس ہی نہیں لیا گیا ..... تسبیح کے دانے گراتی رہیں۔ ذرا توقف کے بعد ان کی جانب پھر دیکھا اور سپاٹ لہجے میں بولیں۔

''جسے بتا کر آنا چاہئے تھا، میں اسے ہی بتا کر آئی ہوں۔''

''کون .....؟ کس کی بات کر رہی ہو .....؟'' ان کا بے گانہ اور انہیں کچھ نہ سمجھنے کا واضح انداز کمرے کے باہر مریدنیوں کا ہجوم، لہٰذا آواز خود بخود دھیمی ہو گئی۔

''کبریٰ خاتون کو ..... وہی جو بیوی ہے تمہاری، جو حویلی کی واحد مالکن ہے اور جو ہمارا درد رکھتی ہے، جو ہماری ہے۔''

''تمہیں وہاں کیا تکلیف تھی .....؟'' شاہ نے زِچ ہو کر کہا۔

''کبھی بہت تکلیفیں اُٹھائی تھیں ہم نے ..... اب تو شاید راضی ہی تھی مگر میری بیٹی راضی نہیں ہو سکی۔ تو پھر میں بھی چلی آئی ..... میں کیسے ناراض کر سکتی تھی اُس کو، ہیں شاہ، کیسے نہ مانتی اُس کی، تم ٹال سکتے ہو اردشیر کی بات اور اب جاؤ میرے مرید انتظار کر رہے ہیں میرا۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے ..... تم جانتی نہیں، میں کون ہوں، یہ کس لہجے میں مخاطب ہو تم مجھ سے .....'' غصے سے اُن کا برا حال تھا۔ اتنی توہین کہ وہ جانے کو کہہ رہی تھیں۔

''تم ..... نفس کے غلام ..... دُنیا کی معمولی آسائشوں کے پیچھے بھاگنے والے خدا کے وجود کو بھول جانے والے، ایک حقیر بندے ہو کر بھی اکڑ کر چلنے والے ..... میں بڑی اچھی طرح جانتی ہوں تمہیں۔'' انداز میں بے خوفی چہرے کا پتھریلا پن ہاتھ میں پکڑی موٹے دانوں والی تسبیح ..... غلط نہیں کہا تھا انہوں نے، وہ نفس کا غلام کمزور بندہ جو مقابل کو مضبوط محسوس کرنے کے بعد گھبرا جاتا ہے۔ قدم پیچھے ہٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ سرکتے ہوئے پرے چلا جاتا ہے ..... یہی کچھ ہوا جمشید شاہ کے ساتھ ..... وہ واپس آ گئے پھر دوبارہ فاطمہ کی طرف نہیں گئے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



...ں کبریٰ کو لینے کے لئے انہیں بیٹیوں کے گھر جانا پڑا۔ شیریں تو سلام کے لئے بھی سامنے نہ ...ئی ... شوہر اس کا اچھی طرح ملا مگر شیریں کا نہ آنا، انہوں نے محسوس کیا اور کبریٰ سے کہا بھی۔

"آپ کی بیٹی بھی آپ پر ہے، کہنے لگی انہیں کیا فرق پڑتا ہے، وہ صرف بیٹے کی شکل سے واقف ہیں۔" کبریٰ نے بڑے آرام اور سنجیدگی کے ساتھ بات کی تھی۔

"تم حویلی چلو، میں آج کل اِدھر ہی ہوں۔" وہ تھک کر بولے تھے۔

"حویلی ..... ویسے تو اِدھر بھی کچھ کام تھا ..... اور میں ہوں بھی بہت آرام میں ..... اچھا آپ کہتے ہیں تو چلتی ہوں۔ انکار بھی اچھا نہیں ..... " کبریٰ کے انداز میں جو بے دلی تھی۔ وہ انہیں حیران کر گئی دکھ دے گئی۔ کیا اب میں ان میں سے کسی کے لئے بھی کوئی اہمیت نہیں رکھتا اور خاص کر یہ کبریٰ ..... یہ تو وہ عورت ہے جو مجھ سے محبت کرتی تھی۔

آج تنہا ہوئے تو پرانی کہانی یاد آ گئی ..... مگر بھول گئے کہ محبت کرنے والی کے ساتھ انہوں نے کیا سلوک کیا تھا ..... کبریٰ ان کے ساتھ حویلی آ گئی۔ راستے میں بھی خاموش رہی اور حویلی آ کر انہوں نے بہت سی مصروفیات ڈھونڈ لیں اور شاہ جی اب ان سے دل ہی دل میں ناراض ہو کر اپنے بیٹے کے پاس چلے آئے تھے۔

اردشیر ان کا بیٹا ..... بھرپور جوان مگر ان کا جی چاہتا تھا اُسے سینے سے لگا کر اس کا ماتھا چوم لیں اور یونہی ساتھ لگائے ڈھیروں باتیں کریں۔ مگر اب دور بیٹھے کا تھا۔ مرد جوان ہو کر بچپن کی کہانی سننا پسند نہیں کرتا ..... وہ بچہ کہلوانا نہیں چاہتا۔ اس کے لئے دُنیا بڑی وسیع ہوتی ہے اور وہ تحفظ دینے والا بننا چاہتا ہے۔ اس حصار میں خود قید نہیں ہو سکتا۔

باپ کا انداز اردشیر کو اُلجھن میں ڈال رہا تھا۔

"میرے بیٹے ..... میرے بچے ..... میرے شہزادے ..... ناشتا وقت پر لو ..... اب سو جاؤ ..... کہاں جا رہے ہو ..... ؟ کب تک آؤ گے ..... ؟ دیکھو گاڑی تیز مت چلایا کرو۔"

"اوہو ..... کوئی ایک مصیبت ہے۔" اُن کی یہاں آمد پر وہ خوش نہیں تھا۔ اب دو روز یہاں ٹھہرے تو بالکل ہی اُکتا گیا۔ وہ یہاں آئے ہوئے تھے اور اردشیر کوئی نہ کوئی بہانہ بنا کر گھر سے ہی غائب رہتا، اس کے کاموں کی فہرست بہت طویل تھی۔ آخر وہ اپنی کوٹھی پر چلے گئے اور اردشیر نے سوچا چلو اچھا ہوا روک ٹوک سے جان چھوٹی۔

• • •

"ارے ارے ..... یہ آپ سب اکٹھے ہو کر کہاں صفایا کرنے جا رہے ہیں ..... ؟" مزیب پھوپھو کی فیملی کو سیڑھیاں اُترتے دیکھ کر حیران پریشان ہو کر پوچھ رہا تھا۔

"آج ہم تمہارے مہمان ہیں۔" پھوپھو مسکرائیں۔

"مارے گئے ..... " اُس نے دل میں کہا اور مسکرا بھی نہ سکا۔

"ماں تو گھر پر ہی ہے ناں تمہاری ..... "

"پتا نہیں پھوپھو، میں تو گھر پر نہیں تھا ..... ابھی آیا ہوں، ویسے میرا خیال ہے وہ گھر پر نہیں ہیں۔"

"چلو، چل کر دیکھتے ہیں۔" وہ بولیں۔



"ہمارا تو خانساماں بھی چھٹی پر ہے پھوپھو۔" اُس نے انہیں ارادے سے باز رکھنا چاہا۔ انہوں نے جیسے سنا ہی نہیں۔ سیڑھیاں طے کر کے نیچے آئیں۔ پھر آگے پیچھے سب لاؤنج میں آ گئے۔

"سلام پھوپھو ..... " رائحہ نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔

"اے یہ کیا 'سلام پھوپھو ..... ' جیسے سلام منہ پر مارا ہو ..... جویریہ! کچھ تمیز سکھاؤ اسے، ایک ہی بیٹی ہے اور اسے بھی ادب آداب نہیں۔"

"مہناز ..... تم کیا منہ اُٹھائے کھڑی ہو، کیا تم پر ممانی کو سلام کرنا فرض نہیں۔" مزیب نے بھی جھٹ جتا دیا ..... وہ تو دن میں کئی بار چکر لگاتی تھی جویریہ کو سلام کرنے کی کبھی ضرورت ہی نہیں سمجھتی۔ مگر اب جو مزیب نے اچانک کہا تو گھبرا کر جھٹ سلام کر دیا۔ دل ہی دل میں واجدہ شرمندہ تو ہوئیں اور مزیب پر غصہ بھی آیا مگر حیرت زیادہ تھی۔ بولیں کچھ نہیں ..... معاملہ یہیں سمیٹ دیا اور بیٹھتے ہوئے بولیں ......

"میں نے سوچا آج بھائی کے ہاں کھانا کھایا جائے ..... تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں بھابی ..... ؟ انداز تیکھا تھا ..... جویریہ عاجزانہ سی مسکراہٹ کے ساتھ کچھ کہنے والی تھی کہ مزیب بول اُٹھا ......

"ارے پیاری پھوپھی ..... انہیں اعتراض ہو بھی تو آپ کا کیا جاتا ہے ..... کریں گی تو وہی جو آپ چاہیں گی۔" ہمیشہ کی طرح مزیب نے کرسی کے پیچھے آ کر بازو اُن کے شانوں پر رکھے اور بظاہر انتہائی لاڈ کے انداز میں کہا تھا۔ واجدہ کو غصہ تو بہت آیا مگر معقولیت سے بولیں ......

"ایک ہی تو بھائی ہے میرا، اُس کے گھر بھی نہ آؤں، لوگوں کے ڈر سے ملنا چھوڑ دوں تو کہاں جاؤں، کس سے کہوں ..... ؟" ساتھ ہی دوپٹہ منہ پر ڈال دیا۔

"ہائے امی، اب روئیں تو نہیں۔" مہناز اُٹھ کر ماں کے قریب چلی آئی۔ مزیب خوب سمجھتا تھا ان ماں بیٹی کو، آرام سے جا کر رائحہ کے پاس بیٹھ گیا۔ جویریہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے اس بکواس پر سرزنش کی مگر وہ نظر انداز کر گیا۔

"آپا ..... میں چائے بناتی ہوں آپ کے لئے۔" جویریہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔ پھوپھو نے بھی کچھ دیر بعد فرضی آنسو پونچھ لئے اور گلوگیر لہجے میں بولیں ......

"منع کرواسے، مجھے نہیں پینی چائے، ہم تو بس ملنے کو چلے آتے ہیں مگر کوئی دو گھڑی بیٹھ کر بات سننے کو بھی تیار نہیں۔"

یہ سن کر مزیب تو جیسے تڑپ ہی اُٹھا، ایک چھلانگ میں ان تک آیا اور بولا ......

"کیا کہہ رہی ہیں پھوپھو، میں جو ہوں آپ کا پیارا بھتیجا، جو کچھ سنانا ہے مجھے سنائیں اور رائحہ کتنی بدتمیز لڑکی ہو تم، سنا نہیں پھوپھو کہہ رہی ہیں، چائے نہیں پینی، جاؤ منع کرو مما کو۔"

"مگر بھیا ..... " وہ ہچکچائی، ایسی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔

"جاؤ جلدی جاؤ ..... وہ بنانے ہی لگی ہوں گی۔" رائحہ پھوپھو سے بہت ڈرتی تھی۔ بھائی کی یہ بات نہیں مان سکی کہ سمجھ رہی تھی۔ انہوں نے یونہی چائے سے انکار کیا ہے۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔" وہ اتنا کہہ کر چلی گئی۔

"ہاں پھوپھی کے پاس تو کبھی نہیں بیٹھے گی، جیسی ماں ویسی بیٹی۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''دادی کا کیا حال ہے......؟ میں بھی مصروف رہا، اُن کے پاس جا نہیں سکا۔ بے چاری بھرے پُرے گھر میں بھی اکیلی ہوتی ہیں۔ بڑا ترس آتا ہے مجھے اُن پر۔''

''اکیلی ہوتی ہیں تو اُن کی اپنی مرضی...... ہم نے کبھی کہا تو نہیں کہ ہمارے درمیان آکر نہ بیٹھیں۔''

جویریہ چائے لے آئی جبکہ رائحہ اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔

''یہ کام بیٹی سے کہا ہوتا۔'' اُنہوں نے پھر طنز بھرے انداز میں منہ بنا کر کہا۔

''اوہو مما...... مہناز سے کہیں بنا دے گی چائے، آپ آرام سے اِدھر آکر بیٹھیئے۔'' مزیب نے بھرپور حملہ کیا......

واجدہ کو محسوس تو پہلے ہی ہونے لگا تھا، آج تو پورا یقین ہو گیا، یہ لڑکا بدل رہا ہے۔ اکثر بڑے دا... انداز میں ماں کی حمایت کر جاتا ہے۔

''اچھا بیٹا جی، کرتی ہوں تمہارا بھی علاج۔'' اُنہوں نے پکا فیصلہ کر لیا۔ جویریہ کے اس حمایتی کو ضرور اس سے کاٹ لیں گی۔

مہناز کو واجدہ نے بھی چائے بنانے کو کہا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ جویریہ مزیب سے کافی فاصلہ رکھ کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ نند کی موجودگی میں تو وہ بیٹے سے بات کرتے ہوئے بھی ڈرتی تھیں۔

''طبیعت ٹھیک ہے ناں آپ کی......؟'' اُس کو خاموش ایک طرف بیٹھے دیکھ کر مزیب نے پوچھا۔

جویریہ مسکرا دی۔ سر اثبات میں ہلا دیا۔

وہ رات کا کھانا کھا کر واپس گئیں۔ رائحہ برتن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آئی اور سونے کے لئے بستر پر لیٹی تو ''وہ'' یاد آ گیا۔

''میڈم سے ملنے آیا تھا، اُن کا کوئی عزیز ہو گا...... فائزہ تو بعد میں بھی کافی دیر تک یاد کرتی رہی، میں خاموش رہی...... مگر یہ حقیقت ہے۔ وہ اتنی جلدی بھلانے والے نہیں...... گرے شلوار سوٹ میں سلّے تلّے کے کھُسّے اطراف سے بے گانہ...... کچھ پراؤڈ، کچھ لئے دیئے سے انداز کے ساتھ بہت منفرد، بہت بہت......''

''یہ میں کیا سوچ رہی ہوں......'' مجھے ایسا نہیں سوچنا چاہیئے...... وہ کوئی بھی ہوں...... مجھے اُن سے کیا......؟''

اس نے کروٹ بدلی مگر وہ صورت پھر سامنے تھی۔

''اتنی جلدی کوئی بھول نہیں سکتا مجھے......''

''ہاں مجھے اس سے اختلاف بھی نہیں......'' رائحہ نے بڑی جلدی ہار مان لی۔

• • •

''آنٹی کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں رہتی...... میں بہت فکرمند ہوں اُن کی طرف سے۔'' سوہا فکرمند لہجے میں عالیہ سے کہہ رہی تھی۔

''تم اتنی پریشان کیوں ہو جاتی ہو سوہا...... انشاءاللہ آنٹی جلدی ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔'' عالیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر تسلی دیتے ہوئے کہا۔



''کبھی کبھی تو بہت گھبرا جاتی ہوں میں، اکیلی ہوں ناں شاید اس لئے۔''

''خود کو تنہا مت سمجھو، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جب بھی بلاؤ گی، کبھی مایوس نہیں کروں گی۔''

''تمہاری دوستی پر تو فخر ہے مجھے۔'' سوہا اُس کے کاندھے پر سر رکھ کر بولی۔

''چائے بنواؤں تمہارے لئے......؟''

''نہیں عالی! بس میرے پاس بیٹھی رہو۔ کسی بھی چیز کو جی نہیں چاہ رہا۔''

''سوہا...... تم اس روز مزیب بھائی کے ساتھ گھر گئی تھیں ناں......؟'' عالیہ کو یاد آ گیا۔ اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا، پھر سوالیہ انداز میں عالی کی جانب دیکھا۔

''وہ بہت تعریف کر رہے تھے تمہاری۔''

''ارے میری تعریف......؟ مگر ہماری تو کچھ زیادہ بات بھی نہیں ہوئی۔ تم یونہی گپ نہ لڑاؤ۔''

''سچ کہہ رہی ہوں بابا، بہت بہت تعریف کی اُنہوں نے...... اصل میں جوہر شناس ہیں وہ۔''

''اچھا بھلا کیا کہہ رہے تھے میرے بارے میں......؟'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ پوچھ بیٹھی۔

''کہہ رہے تھے بہت مہمان نواز لڑکی ہے...... تم نے چائے بھی تو پلائی تھی ناں اُنہیں...... اُس چائے کی بہت تعریف کرتے رہے۔''

''لو اور ابھی تم کہہ رہی تھیں میری تعریف کر رہے تھے۔'' سوہا کے لبوں پر بے ساختہ سی مسکراہٹ تھی مگر کوشش تھی لہجہ بے زاری ظاہر کرے۔

''تمہاری بنائی ہوئی چائے کی تعریف بھی تو تمہاری ہی تعریف ہوئی کہ نہیں۔''

''ہاں یار، زیادہ مرچیں کھانے سے صحت پر برا اثر پڑ تو سکتا ہے مگر......''

''آہا...... اسے کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے...... میں اِدھر آنا نہیں چاہ رہا تھا مگر کوئی قوت برابر مجھے انہی راستوں پر دھکیل رہی تھی۔''

اس پر نظر پڑتے ہی مزیب، عالی کے ملازم کو مرچوں کی نقصانات بتانا بھول گیا۔

''بھئی، وہ قوت تو بڑی ہی زبردست ہو گی، جس نے آپ کو دھکیل دیا۔'' عالیہ مسکرا کر گویا ہوئی۔

''یہ تم تعریف کر رہی ہو یا تنقید......؟'' مزیب نے ہاتھ اُٹھا کر پوچھا۔

''تعریف بھائی، سو فیصد تعریف......''

''پھر میری جانب سے شکریہ قبول کرو......''

''بائی داوے...... یہ دل کو دل سے راہ کب سے ہے۔'' عالیہ نے شریر انداز میں کہا تو سوہا نے اُس کا بازو دبا کر سرزنش کرنا چاہی۔

''کب سے ہے......؟'' اُس نے سوہا کی جانب دیکھا اور ہنس پڑا۔

''میں آنٹی کو سلام کر کے آتی ہوں۔'' سوہا اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میری طرف سے بھی کہہ دیجئے گا۔'' مزیب کا انداز شریر تھا۔

''جی نہیں......'' وہ اُس کی طرف دیکھے بغیر ڈرائنگ روم سے چلی گئی۔

''دیکھا، میں یہاں آیا، محترمہ بہانہ بنا کر چلی گئیں۔'' مزیب نے جیسے عالیہ سے شکایت کی۔

''یہ کیا چکر ہے بھائی......؟'' عالی نے سنجیدگی سے پوچھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''چکر..... کیسا چکر.....؟ بڑے افسوس کی بات ہے، تم نے مجھے چکر باز سمجھ رکھا ہے۔''

''میں صاف صاف کہے دیتی ہوں، میری فرینڈز کے ساتھ دھوکا کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔''

''یہ کاشف کہاں ہے.....؟ وہ ہوتا تو میری سائیڈ لیتا..... عالی میں سیریس ہوں ہنڈرڈ پرسنٹ سیریس۔''

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ اس کا بیک گراؤنڈ کیا ہے.....؟''

''عرض ہے کہ شادی مجھے سوہا سے کرنی ہے، نہ کہ بیک گراؤنڈ سے۔''

''پھر بھی بھائی، آپ سوچ لیں، آپ کے والدین مان جائیں گے.....؟''

''میری مما تو ضرور میرا ساتھ دیں گی۔''

''اور آپ کے والد.....؟''

''اوہو عالی، اتنے عرصے سے میں تمہارے ہاں آ رہا ہوں اب تک سمجھی نہیں مجھے، بھئی کیا مجال جو پپا انکار کر جائیں۔ ایسا کھیل رچاؤں گا کہ پپا خود مجھ پر بندوق تان کر کہیں گے۔ اگر تم نے سوہا کے ساتھ شادی سے انکار کیا تو میں تمہیں شوٹ کروں گا۔''

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے بھیا.....''

''تو مجھ میں کیا برائی ہے.....؟'' اُس نے منہ پھلایا۔

''اوہو..... آپ تو ناراض ہو گئے، میرا یہ مطلب تھوڑی تھا۔'' وہ مسکرائی پھر کہنے لگی۔

''وہ آپ کی بن جائے میرے لئے اس سے زیادہ خوشی کیا ہو سکتی ہے۔''

''اگر یہ خوشی چاہتی ہو تو اسے ہموار کرو میرے لئے آخر بہن..... ہو تم میری۔''

''میں کیا سائیڈ لوں آپ کی، آپ تو خود ہی بڑے تیز جا رہے ہیں۔ پہلی ہی ملاقات میں آپ تو۔''

''کیا کیا ہوا، کچھ کہہ رہی تھیں محترمہ.....؟'' بے تابی عروج پر تھی۔ عالیہ کو فقرہ بھی مکمل نہیں کر دیا۔

''نہیں کہا تو کچھ نہیں، میں ہی آپ کی باتیں سنا رہی تھی اور وہ سن کر مسکرائے جا رہی تھی۔

''اوہ..... سنائی ہوں گی تم نے میری اوٹنگی بوٹنگی حرکتیں۔''

''آپ جیسے جینئس اوٹنگی بوٹنگی حرکتیں کرتے ہی کب ہیں.....؟''

''ہاں، یہ تو ہے۔'' مزیب نے بھی فوراً اتفاق کیا اور پھر بولا..... ''تم میری کیا باتیں کر رہی تھیں کے ساتھ جو سن کر مسکرائے ہی چلی جا رہی تھیں۔''

''اوہو..... بس یونہی ایک دو باتیں کی تھیں..... میں نے اندازہ لگایا..... وہ آپ کو ناپسند ہرگز نہ کرتی۔''

''خیر میں نے کون سا اُس کا اُدھار دینا ہے جو ناپسند کرے گی۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ پسند کرنے لگے۔'' مزیب ذرا سنجیدہ ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ سوہا چلی آئی۔

''کیا حال ہے آپ کی آنٹی کا.....؟'' اُس نے سوہا سے پوچھا۔

''بس ویسی ہی ہیں، کہیں آ جا بھی نہیں سکتیں..... سارا دن گھر میں بند رہتی ہیں..... بس اللہ



سے زیادہ بیمار ہو گئی ہیں..... ہمت ہی ہار بیٹھی ہیں وہ تو.....''

''میں آؤں گا کسی روز آپ کی طرف سمجھاؤں گا انہیں۔''

''ہاں..... اس روز آپ آئے تھے، اُن سے باتیں کرتے رہے..... کئی بار آپ کا ذکر کر چکی ہیں۔''

''دیکھو لو عالی، یہ ہوتی ہے بندے کی پرسنالٹی جہاں سے گزرے لوگ مدتوں یاد کرتے رہیں۔''

جواب میں عالیہ نے منہ بنا کر شانے اُچکا دیئے۔

''آپ گھر کب جائیں گی سوہا.....؟''

''کیا مطلب آپ کا، ابھی تو میں آئی ہوں۔''

''ہاں اور اتنی جلدی تو میں جانے ہی نہیں دوں گی مزیب بھائی، آپ میری فرینڈ پر قبضہ جمانے کی کوشش مت کریں۔''

عالیہ کے اس فقرے پر سوہا گڑبڑا گئی اور گھور کر اس کی جانب دیکھا۔ یہ حرکت مزیب سے چھپ نہ سکی۔ وہ ہنس رہا تھا۔

''جائیں آپ امی کے پاس جا کر بیٹھیں، ہم دونوں کو اپنی باتیں بھی کرنا ہیں۔'' عالیہ، سوہا کی سنجیدگی اور چپ کی وجہ سے کہہ رہی تھی۔

''کاشف کہاں ہے.....؟ میں تو اُس کے پاس آیا تھا۔''

''جی..... اُس کے پاس آئے تھے مگر یہاں آتے ہی بھول گئے..... ہوں بڑی جلدی خیال آیا ہے دوست کا۔''

''عالی..... تم ضرورت سے زیادہ تیز ہوتی جا رہی ہو..... ایسا نہ ہو میں آنٹی جان سے شکایت لگا دوں۔''

''آپ اتنے تیز ہیں، میں نے کبھی جو یہ آنٹی سے شکایت کی ہے آپ کی، خیر چھوڑیں یہ بتائیں آپ کی مہناز کا کیا حال ہے.....؟'' وہ پھر شرارت کر گئی۔

''میری مہناز.....'' سوہا کے سامنے اس کا یوں کہنا مزیب نے کن انکھیوں سے سوہا کی جانب دیکھا، وہ پوری طرح متوجہ تھی اور بالکل سنجیدہ بیٹھی تھی۔

''اوہ بس یونہی منہ سے نکل گیا تھا، ویسے کزن تو ہے ناں آپ کی.....؟''

''خدا نہ کرے وہ میری ہو، یہ تم کس جرم کا بدلہ لے رہی ہو مجھ سے.....''

''بدلہ کوئی نہیں، ذکر بڑا سا ہے تو کہہ دیا۔''

''ذکر تو میں اپنی تمام محترم پھوپھوزادیوں کا کرتا ہوں اور اُن کی تعداد چار ہے۔'' پھر سوہا کی طرف پلٹا اور بولا..... ''یقین کرو ایسی کوئی بات نہیں عالیہ کو تو سوچے سمجھے بغیر بولنے کی عادت ہے۔''

''اگر ایسی بات ہو تو مجھے کیا.....؟'' وہ ایک دم سے انجان بن جایا کرتی تھی۔

مزیب نے خفا سے انداز میں گھور کر عالیہ کی طرف دیکھا اور عالی کو بھی ترس آ گیا۔ اس کی مدد کی ٹھان لی، بولی.....

''اوہو، سوہا تم نے تو سیریس ہی لے لیا..... ہم تو یونہی آپس میں مذاق کرتے رہتے ہیں۔''

''کیا مطلب.....؟ کیسی باتیں کر رہے ہیں آپ لوگ.....؟ اگر مزیب صاحب کی کوئی کزن ہیں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تو مجھے اُن سے کیا، پتا نہیں آپ لوگ کس انداز میں سوچ رہے ہیں......؟''

''اچھا اچھا...... اب بھائی کے ساتھ ساتھ مجھ سے بھی آپ جناب مت کرو ورنہ بری طرح جاؤ گی۔''

''عالیہ...... تمہیں اتنا بھی علم نہیں کہ جب مہمان گھر آئے تو اُن سے چائے پانی کے لئے بھی پو جاتا ہے۔''

وہ عالیہ کو یہاں سے ہٹانے کے بعد سوہا سے کھل کر بات کرنا چاہتا تھا...... عالیہ بھی اس کی بات گئی اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں بھی تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔'' سوہا نے کہا۔

''کیوں بھلا مجھے آپ سے کیا خطرہ ہوسکتا ہے......؟'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دی۔

''اچھا...... پھر بیٹھ جائیں......'' اور وہ بھی صرف یہ جتانے کے لئے کہ میں کترا نہیں رہی، بیٹھ گئی۔

''بہت شکریہ......'' جونہی عالیہ باہر گئی۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا کر بیٹھی سوہا سے مسکراتے ہوئے کہا......

''کس بات کا......؟'' سوہا نے تھوڑا اُرخ پھیر کر کہا۔

''میری بات مان کر رُک جانے کا اگر یونہی مانتی رہو تو کیا ہی اچھا ہو۔''

''ایک بات تو بتاؤ، وعدہ کرتا ہوں کسی سے نہیں کہوں گا۔ یہ میری کزن کے بارے میں سن کر موڈ کیوں آف ہوگیا ہے تمہارا......؟''

''نہیں تو ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' وہ شرمندہ سی ہوگئی، سوچا کس قدر بے وقوفی کی ہے میں نے، کیا سوچتا ہوگا مزیب کہ لڑکی تو ملتے ہی نہ جانے کیا کیا آس لگا بیٹھی ہے۔''

''میری چاہت بہت پرانی ہے سوہا...... اس وقت ہم اسکول میں پڑھا کرتے تھے...... میں اس لفظ سے ناواقف تھا مگر میرا دل تو جانتا تھا ناں۔''

''چھوڑیں......'' وہ سنبھل چکی تھی اور خود کو سرزنش بھی کی تھی۔ اسے یاد آ گیا کہ وہ کون ہے اور اُسے زندگی سے اپنا حصہ بہت جدوجہد کے بعد وصول کرنا ہوگا۔

مزیب صوفے کی بیک سے ٹیک لگائے بیٹھا تھا۔ اب آگے ہو کر اُس کی جانب جھکا اور بولا......

''کیسے چھوڑ دوں......؟ کیا یہ اتنا آسان ہے......؟''

''میں نہیں جانتی......'' سوہا کا دل پھر دھڑکا مگر اُس نے دل کی بات پر کان نہ دھرنے کا فیصلہ ابھی ابھی کیا تھا۔

''تم تو کچھ بھی نہیں جانتیں سوہا جی...... یہ بھی نہیں کہ چاہت دل میں گھر کرلے تو پھر جاتی نہیں۔ محبت میں ناکامی ہو تو دل ساری عمر ماتم کرتا ہے، کیا تم چاہتی ہو میری عمر بھی ناکام محبت کا ماتم کرتے ہوئے کٹ جائے۔''

''پتا نہیں یہ عالیہ کہاں رہ گئی...... بھلا چائے بنانے میں اتنی دیر......'' سوہا نے بات پلٹنا چاہی۔

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔'' مزیب اپنی جگہ سے اُٹھ کر اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ جو عالیہ کے پاس جانے کا ارادہ باندھ رہی تھی، اس کے یوں قریب اور سامنے آ کر کھڑے ہو جانے پر بیٹھ



رہ گئی۔

''جو ممکن نہیں، اس کی خواہش کیوں کرتے ہیں آپ۔''

''تم اسے ناممکن کیوں سمجھتی ہو......؟''

''اِس لئے کہ حقائق پر نظر رکھتی ہوں، خوابوں کے نگر میں کبھی نہیں رہی۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں...... میرے نام کے ساتھ گلوکارہ یاسمین بیگم کا نام بھی لیا جاتا ہے اور گانے والی کی اس معاشرے میں کیا حیثیت ہے، یہ مجھ پر پوری طرح واضح ہے جبکہ آپ کا تعلق ایک معزز فیملی سے ہے، آپ کے گھر والے بھلا کسی ایسی لڑکی کو کیونکر قبول کرسکتے ہیں......؟''

''یہ تمہارا نہیں میرا مسئلہ ہے، انہیں کیسے منانا ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں۔''

''رہنے دیں، مجھے پتا ہے آپ کبھی بھی اپنے گھر والوں کو قائل نہیں کر پائیں گے۔ ایک روز ایسا آئے گا، جب آپ مجھ سے معذرت کرکے نئی راہ اپنا لیں گے۔ میں اپنی تنہائیوں کے ساتھ خوش ہوں، آپ مجھے خوش رہنے دیں۔ محبت میں ناکامی زندگی کو موت سے ہمکنار کردیتی ہے۔ میں ابھی مرنا نہیں چاہتی، مجھے زندگی نے کچھ نہیں دیا مگر پھر بھی مجھے جینا ہے تب تک جب تک آنٹی زندہ ہیں۔ میں اُن کے لئے محنت کرنا چاہتی ہوں۔ زندگی سے جنگ کے لئے تیار ہوں۔ آپ یہ نئی راہ مت دکھائیں مجھے۔''

''میں سمجھ رہا ہوں عالیہ نے جو کزن والی بات مذاق میں کی تھی، تم نے دل پر لے لی ہے۔'' اُس کی اتنی باتوں کے باوجود وہ ڈٹا ہوا تھا۔

''نہیں میں تو خوش ہوں، شکر کر رہی ہوں کہ بروقت ہوش میں آ گئی۔ عالیہ کی بات سے ہی مجھے آپ کی اور اپنی حیثیت کا فرق یاد آ گیا ورنہ پتا نہیں کیسے میں تو بھول ہی گئی تھی مگر اب ہمیشہ یاد رکھوں گی۔''

''اس عالیہ کی بچی کے تو کان کھینچوں گا اور آنے دو کاشف کو اس سے بھی شکایت کروں گا۔ بنا بنایا کام بگاڑ کر رکھ دیا اس کی بے وقوفی نے۔''

''مگر یہ یاد رکھو، تم جو بھی کہتی رہو، میں باز آنے والوں میں سے نہیں...... تمہارے پیچھے آتا رہوں گا......اور منا کر ہی دم لوں گا۔

اُس کی آنکھوں میں عزم تھا، سوہا نے سر جھکا لیا۔

● ● ●

اردشیر کہنے کو فارغ تھا مگر پھر بھی ڈھیروں مصروفیات تھیں اس کی، گھر میں کم ہی ہوتا تھا وہ اور جب ہوتا تو پھر ارشاد کی شامت آ جاتی...... یہ سوال ضرور کیا جاتا...... پتا چلا اُس گانے والی کے نئے گھر کا......؟ ارشاد لگا ہوا تو تھا مگر قسمت کی خرابی، گھر مل کے نہیں دے رہا تھا......اور صاحب کی ڈانٹ پھٹکار روز بروز بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

آج تو وہ گھر پر ہی تھا...... صبح معمول کے مطابق خاصی دیر سے اُٹھا۔ اس کے بعد کوئی ملنے والا آ گیا۔ پھر ارشاد کی طلبی ہوئی۔

''مجھے پوری اُمید ہے آج بھی تمہارا جواب ہمیشہ کی طرح نفی میں ہوگا۔'' لفظ اور چہرہ دونوں میں خوفناک سنجیدگی تھی۔

''میں پتا چلا لوں گا سرکار، آپ مجھے تھوڑا سا وقت تو دیں۔'' ارشاد اندر ہی اندر ڈر کر بظاہر یقین

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



سے کہہ رہا تھا۔

''شٹ اَپ ...... مجھے پہلے ہی پتا تھا تم مفت کی کھانے والے کچھ نہیں کر سکتے۔ تمہیں صرف بیٹھ کر کھانے کی عادت ہوگئی ہے، کام کرنے کو کہو تو ...... مجھے یہ بتاؤ اتنے دن سے کر کیا رہے ہو، صبح سے شام تک کہاں مرے رہتے ہو...... ؟'' وہ چلا رہا تھا۔

''صاحب ...... سرکار ...... سنا ہے عرصہ ہوا یاسمین بیگم نے گانا چھوڑ دیا ہے اور اب وہ گمنامی کی زندگی گزار رہی ہے۔ کسی سے ملتی ملاتی بھی نہیں ...... ؟''

''میں کچھ نہیں جانتا مجھے اُس سے ملنا ہے۔''

''جی سرکار......'' اُس نے ادب سے سر جھکا لیا۔

''کیا جی سرکار...... دفع ہو جاؤ یہاں سے۔''

ارشاد سلام کر کے عجلت کے عالم میں کمرے سے چلا گیا کہ چلو جان چھوٹی، آج کا دن اب خیریت سے گزر جائے گا۔

اس کے جانے کے بعد دس پندرہ منٹ تک تو اردشیر اخبار لے کر بیٹھا رہا پھر اُٹھ کر ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

''صاحب! اگر کوئی ملنے کے لئے آئے تو کیا کہوں......؟'' جب وہ ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہہ رہا تھا تو ایک ملازم نے ادب سے پوچھا۔

کہہ دینا جہنم میں گئے ہیں، ملنا ضروری ہے تو وہیں آجاؤ۔''

گاڑی ڈرائیو وے پر لا کر ڈرائیور نے سیٹ اس کے لئے چھوڑ دی۔ وہ اسی بیزاری کے عالم میں گھر سے نکل گیا اور ملازم جو اب تک باادب کھڑے تھے، قہقہہ لگا کر ہنس پڑے۔

''ویسے مجھے تو یقین ہے، صاحب جائیں گے جہنم میں ہی۔'' قہقہہ پھر بلند ہوا۔

• • •

''نبیلہ تمہاری ٹانگیں شاید لوہے کی بنی ہیں مگر میں تو بہت تھک گئی ہوں۔ اب زیادہ دیر تک تمہارے ساتھ یہاں ٹہل نہیں سکتی۔ مما بھی انتظار کر رہی ہوں گی۔ مجھے اب گھر واپس جانا ہے ...... زیادہ دیر ہو جائے تو وہ پریشان ہونے لگتی ہیں۔''

''اوہو ...... رائحہ، ایک تو تمہیں ساتھ لے آؤ تو یہ بڑی مصیبت ہے، ہر بات میں جلدی کا شور کر دیتی ہو، صبح بتا کر کیوں نہیں آئیں اپنی مما کو آج کالج ٹائم آف ہونے کے بعد تمہیں میرے ساتھ بازار جانا ہے۔''

''بتا کر تو آئی تھی مگر اب تو بہت زیادہ دیر ہوگئی ہے اور تم نے صرف یہ ایک دو چیزیں ہی خریدی ہیں، ابھی ساری شاپنگ باقی ہے۔''

''توبہ رائحہ بی بی، ایک تو تم دوست کم اور بزرگ اس سے کہیں زیادہ ہو، میری ہر بات پر نصیحت ہر بات پر اعتراض مگر آج تو میں نے بھی پکا فیصلہ کر لیا ہے، تمہاری ایک نہیں سنوں گی۔ بہتر ہے چپ چاپ میرے ساتھ چلتی رہو اور دیکھو آج ہم کیا کیا نظارے دکھاتے ہیں تمہیں۔''

''مجھے کچھ نہیں دیکھنا، جو کچھ خریدنا ہے جلدی کرو اور واپسی کی راہ لو، میں تھک گئی ہوں۔''



''ساری تھکن اُتر جائے گی ...... ابھی تمہیں میں ایک ٹھیلے سے چاٹ کھلاؤں گی۔ سچ بہت مزے دار ہوتی ہے۔''

''کیا...... ؟ نبیلہ تم یہاں روڈ پر کھڑی ہو کر چاٹ کھاؤ گی، شرم تو نہیں آئے گی تمہیں ......؟''

اور پارکنگ ایریے سے اِدھر آتے ہوئے اردشیر نے اس نرم اور جادو بھری آواز پر بے اختیار ہی ان لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ سر پر سلیقے سے چادر اوڑھے، وہ لڑکی تھکی تھکی سی اپنی دوست سے ناراض، اسے سمجھا رہی تھی ...... جتنی خوبصورت اُس کی آواز تھی، اس سے کہیں زیادہ پیاری نازک سی وہ خود تھی۔

اُس کی سہیلی اس کی کوئی بات ماننے کو تیار نہیں تھی اور اب وہ کہہ رہی تھی ...... ''ٹھیک ہے، اگر تمہیں سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر الا بلا کھانی ہے تو ضرور کھاؤ، میں ساتھ نہیں دوں گی۔ مجھے اچھا نہیں لگتا آتے جاتے لوگ گھور رہے ہیں، اُلٹے سیدھے فقرے اُچھال رہے ہیں اور آپ کھڑے چاٹ کھا رہے ہیں نان سینس ......'' اُس نے چھوٹی سے ناک چڑھا کر ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس کے انداز پر اردشیر کے لبوں پر بے ساختہ مسکراہٹ بکھر گئی دونوں لڑکیاں اس کے قریب سے گزرتی ہوئی، آگے چلی گئیں۔

وہ بھی کچھ شاپنگ کے ارادے کے ساتھ ہی اِدھر آ نکلا تھا۔ ایک مارکیٹ میں داخل ہو گیا۔ تیس منٹ کے بعد وہ کچھ خریدے بغیر ہی واپسی کے لئے نکلا اور اُس نے دیکھا دائیں طرف سے وہی دونوں لڑکیاں آ رہی ہیں۔ اس پیاری سی لڑکی نے بہت سے پیکٹ اُٹھا رکھے ہیں جبکہ دوسری شاید شرارت کے موڈ میں خالی ہاتھ تیز تیز آگے چلی جا رہی تھی۔

''نبیلہ ...... او نبیلہ کی بچی، میں یہ سب کچھ یہیں پھینک دوں گی۔'' اُس نے دھمکی دی تھی...... دھیان آگے جاتی ہوئی نبیلہ کی طرف تھا اور وہ پیچھے آوازیں دیتی چلی جا رہی تھی۔

اردشیر اس کی بالکل سیدھ میں کھڑا تھا۔ چاہتا تو ایک طرف ہٹ کر اسے راستہ دے دیتا مگر وہ پوری دلچسپی اور دھیان سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

''نبیلہ......'' اُس نے پھر پکارا اور ایک دم سے اردشیر سے آ ٹکرائی ...... سارے پیکٹس اِدھر اُدھر بکھر گئے اور اگر وہ تھام نہ لیتا تو یقیناً وہ بھی گر جاتی۔

''چوٹ تو نہیں آئی ......؟'' اردشیر کے انداز میں عادت کے مطابق آوارہ سی شرارت تھی اور آنکھیں اس پر جیسے جم کر رہ گئی تھیں۔

رائحہ نے ایک نظر اُس پر ڈالی ...... یہ تو وہی ہے جو کالج بھی آیا تھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا ...... تھوڑا فرق تھا اس روز اسے دیکھنے میں اور آج یوں ملنے میں ...... تب وہ کتنا اچھا لگا تھا مگر آج جس انداز میں گھور رہا تھا، ایک چھوٹا سا جملہ جو اب تک ادا ہوا۔ وہ کتنا عجیب سا لگا تھا کہ ادا کیا ہی کچھ اس طرح گیا تھا۔

رائحہ کو جھرجھری سی آ گئی۔ اُس نے کوفت بھرے اور کچھ شرمندہ سے انداز میں پھر اُس اونچے لمبے خوب صورت خوبرو شخص کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت میں کسمسائی ...... تب اردشیر نے لڑکی کے وجود کو تھامنے والے اپنے ہاتھ ہٹا لئے مگر نظر کے حصار میں رکھ کر گہرے سے لہجے میں بولا

''دیکھ کر چلا کرو، میری جان! تھام نہ لیتا تو گر ہی پڑتیں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُس کا جی چاہا، کہہ دے، گر جاتی تو اچھا تھا، اتنی تکلیف تو نہ ہوتی جو تمہارے چھونے اور یوں... سے ہو رہی ہے مگر بزدل تھی کچھ کہہ نہیں پائی۔ خاموش اس کے سامنے کھڑی تھی جیسے قدم بھی جڑ... ہوں۔

"رائحہ...... رائحہ...... کیا ہوا......؟" نبیلہ نے دُور سے کہا...... اور تیزی سے اس کے پاس... آئی اور جھک کر گرے ہوئے پیکٹ عجلت میں اکٹھے کرنے لگی۔

رائحہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا اور نہ ہی اس کا انتظار کیا، چپ چاپ چل پڑی۔ نبیلہ بھی اس سے آن ملی...... اور برابر آتے ہی بولی......

"اچھا تھا، ہے ناں......؟" انداز شرارت سے بھرپور تھا۔

"بکومت......" رائحہ کو حقیقتاً غصہ آ گیا۔

"اوہ اتنی ناراض کیوں ہو رہی ہو...... چلو یوں کہتی ہوں، اچھا تھا پر تم سے زیادہ اچھا نہیں تھا، تم تو جواب ہی نہیں، تم لاجواب ہو بے مثال ہو۔"

"میں نے فیصلہ کر لیا ہے آئندہ تمہارے ساتھ کبھی کہیں نہیں جاؤں گی۔" افسوس اور شرمندگی... رائحہ کا لہجہ گلوگیر تھا۔

"لو جی، منہ اُٹھا کر تو خود چلے آ رہے تھے اور اب الزام دھر دیا ہمارے سر...... ہا آہا...... کیا ہو گیا... زمانے کو۔" نبیلہ پر کوئی اثر نہیں تھا بلکہ خاصا لطف لیا تھا اُس نے ابھی ابھی رونما ہونے والے اس حا... سے۔

"تم کیوں سب کچھ مجھے پکڑا کر آگے آگے بھاگی چلی جا رہی تھیں۔" اب تو آنسو آنکھوں... تیرنے لگے۔

"میں تو چاٹ کھانے جا رہی تھی...... اب مجھے کیا پتا پیچھے تمہارا اتنا مزیدار چاٹ سے بھی... چٹ پٹا ایکسیڈنٹ ہو جائے گا۔" وہ کھلکھلائی اور نظر جو سہیلی پر گئی تو حیران ہو گئی۔

"ہا...... پاگل تم رو رہی ہو...... ارے بھلا اس میں رونے والی کون سی بات ہے......؟"

"کیوں رونے والی بات کیوں نہیں......؟ اتنے لوگوں نے دیکھا اور اکثر ہنس بھی رہے تھے۔"

اور وہ خود بھی تو، اس کے انداز کو سوچ کر اس نے سر جھٹکا اور چپ رہ گئی۔ دل میں یہ افسوس بھی تو... جب پہلی بار میں نے دیکھا تو میں نے کتنا سوچا اسے، وہ اچھا لگا تھا مگر میرا اندازہ کتنا غلط تھا۔ چہرے... دھوکا دیتے ہیں یا شاید میں ہی بے وقوف ہوں، پہچان نہیں پاتی۔

"بہت زور سے ٹکرائی تھیں، کیا تمہیں چوٹ لگ گئی ہے رائحہ......؟" اُس کی اُداس شکل، آنکھوں... تیرتے آنسو، نبیلہ کو ہمدردی پر مجبور کر گئے۔

اُس نے نفی میں سر ہلایا اور آنسو پونچھ ڈالے۔ واقعی یوں رونا دھونا بے وقوفی ہی تو ہے۔

"کیا پتا اُسے لگی ہو، ہم بھی کیسے بے مروت ہیں، پوچھا تک نہیں، بے چارے دُور تک... دیکھتے رہے۔" نبیلہ کو پھر شرارت سوجھی کہ بات ہی کچھ ایسی تھی۔ اگر رائحہ کی جگہ کوئی اور سہیلی ہوتی تو... خوب ریکارڈ لگاتی مگر رائحہ کی حالت اسے حیران کر رہی تھی۔ بھلا اس میں اتنا محسوس کرنے والی کیا بات... ہے، وہ بار بار کوئی نہ کوئی بات مذاق میں کہہ کر رائحہ کو غصہ دلا دیتی۔



"ہائے، سچی بڑی غلطی ہوئی، ہمیں پوچھنا تو چاہئے تھا۔"

"تو اب پوچھ آؤ......" رائحہ نے سخت غصے سے کہا۔

"تم چلو گی میرے ساتھ......؟" وہ مسکرائی۔

"مجھے کیا ضرورت ہے...... ہمدردی تو تمہیں ہو رہی ہے۔"

"ہمدردی سے زیادہ بے چینی ہو رہی ہے۔ ممکن ہے حضرت جان بوجھ کر ٹکرائے ہوں۔"

"بکومت......" رائحہ زچ ہو گئی۔

کچھ دیر نبیلہ خود ہی ہنستی کبھی مسکراتی خاموشی سے ساتھ چلتی رہی، پھر بولی......

"کیا خیال ہے، اس خوشی میں ایک ایک پلیٹ چاٹ کی ہو جائے...... پیمنٹ میں کروں گی۔"

"مجھے گھر جانا ہے......؟" رائحہ قطعیت سے گویا ہوئی۔

"اچھا بابا چلو......" نبیلہ بھی مان ہی گئی کہ واقعی دیر تو ہو گئی تھی۔

اچانک ایک گاڑی بالکل قریب آ کر رکی، دونوں نے چونک کر دیکھا۔ وہ تو وہی تھا اور مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔

"کہاں جانا ہے آپ کو......؟ آیئے آپ کو میں ڈراپ کر دوں۔"

رائحہ نے نبیلہ کی طرف دیکھا اور پیچھے ہٹ کر اس کے پیچھے چھپنے کی کوشش کی۔

"آیئے ناں......"

اب نبیلہ سامنے تھی۔

نبیلہ نے اپنے پیچھے کھڑی رائحہ کی طرف دیکھا...... پھر اردشیر کے فریش جگمگاتے چہرے پر نظر ڈالی اور کچھ کہنے کے لئے لب کھولے۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''آیئے ناں......'' وہ پھر کہہ رہا تھا۔ نبیلہ نے جواب طلب انداز میں رائحہ کی جانب دیکھا اور پھر اردشیر کے مسکراتے فریش چہرے پر نگاہ ڈالی اور کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر پھر رُک گئی۔

اِس وقت اردشیر کے چہرے پر انتظار کے ساتھ ساتھ جو دوستانہ مسکراہٹ تھی، وہ نبیلہ کو انکار سے روک رہی تھی۔ اردشیر کے ساتھ جانے میں کوئی حرج محسوس نہیں ہو رہا تھا مگر وہ رائحہ کو اچھی طرح جانتی تھی، اس لئے جواب اُسی سے چاہ رہی تھی۔

''بہت شکریہ آپ کا، ہم خود ہی چلے جائیں گے۔'' رائحہ کے انداز میں رکھائی نہیں، جھجک اور خوف تھا۔

''میرے ساتھ جانے پر کیوں اعتراض ہے، کیا میں صورت سے ناقابل اعتبار لگتا ہوں......؟'' اُس نے رائحہ کی آنکھوں میں جھانک کر کہا۔ پھر فوراً ہی نبیلہ سے مخاطب ہوا۔

''پلیز...... آپ ہی کچھ سمجھائیں انہیں......'' انداز ایسا تھا جیسے نبیلہ سے تو برسوں کی جان پہچان رہی ہو۔ اسے نبیلہ کی رضامندی کا احساس تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ محض اپنی دوست کی وجہ سے خاموش ہے۔

رائحہ کو نبیلہ پر غصہ تو پہلے ہی آرہا تھا، اب اور بھی بڑھ گیا کہ آخر ضرورت ہی کیا تھی، ایک اجنبی کی آفر پر غور کرنے کی...... بجائے نبیلہ کے جواب کا انتظار کرنے کے اُس نے بہتر یہی سمجھا کہ خود یہاں سے چل پڑے کہ وہ تو جان چھوڑنے کی موڈ میں نظر نہیں آرہا تھا...... اور نبیلہ کی بچی بھی چپک کر رہ گئی تھی۔

وہ آگے بڑھی تو اس کی دوست بھی معذرت خواہانہ انداز میں اردشیر کی جانب دیکھ کر اس کے پیچھے لپکی۔

''بہت فضول لڑکی ہو تم رائحہ...... بھلا کیا بگڑ جاتا جو اس کی بات مان لیتیں......؟'' نبیلہ نے اُس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے ناراضگی سے کہا......

''تم میرے پیچھے کیوں چلی آئیں......؟ بیٹھ جاتیں گاڑی میں......'' رائحہ نے تیکھے لہجے میں کہا۔

''ہاں، بیٹھ جاتی مگر تمہارا خیال آگیا...... ہائے اتنے ڈیسنٹ بندے کی انسلٹ کرتے ہوئے تمہیں ذرا ترس نہیں آیا......'' نبیلہ نے مصنوعی افسردگی سے کہا۔

''اب یا تو خاموش ہو جاؤ یا پھر کوئی اور بات کرو......'' رائحہ اس ذکر سے کترا رہی تھی...... مگر نبیلہ نے اس کی بات نہیں مانی...... خوب باتیں کیں اُس انجان شخص کے متعلق......



رائحہ گھر آئی تو ملازمہ نے بتایا...... ''کوئی مہمان آئے ہیں...... شاید آپ لوگوں کے رشتے دار ہیں۔ بیگم صاحب نے تو ڈرائنگ روم میں بٹھایا تھا پر وہ اُٹھ کر اندر چلے آئے۔''

''اچھا، کون ہو سکتے ہیں......؟'' وہ کتابیں کمرے میں رکھ کر بڑی تیزی سے واپس آئی۔ ماں کو سلام کیا تو انہوں نے پہلی بات یہی کہی......

''بڑی دیر کر دی تم نے بیٹا......''

''بس مما...... وہ نبیلہ ساتھ تھی، اُس کی وجہ سے دیر ہو گئی...... میں تو کب سے کہہ رہی تھی واپس چلو...... بہت دیر ہو گئی ہے۔'' اُس نے جلدی سے جواب دیا۔

''یہ تمہاری بیٹی ہے جویریہ......'' اکبر علی اُٹھ کر دونوں کے قریب آ کھڑے ہوئے۔

جویریہ نے سپاٹ سے انداز میں اُن کی جانب دیکھ کر خفیف سا سر ہلا دیا۔

انہوں نے بڑی شفقت کے ساتھ اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بولے......

''بہت پیاری بچی ہے......'' پھر رائحہ سے مخاطب ہوئے اور بولے...... ''کیا نام ہے بیٹی کا......؟''

''رائحہ......'' جواب دے کر رائحہ نے سوالیہ انداز میں...... ماں کی جانب دیکھا اور آہستہ سے نام بتا دیا۔

اُس کی آنکھوں میں جو سوال تھا، وہ اکبر علی نے پڑھ لیا...... اور جویریہ سے پہلے بولے......

''ہم تمہارے ماموں ہوتے ہیں اور یہ ممانی ہیں تمہاری......'' اکبر علی نے اپنے ساتھ بیٹھی خاتون کا بھی تعارف کروایا۔

''یہ ماموں ممانی اچانک کہاں سے آگئے......؟ مما نے تو کبھی ذکر نہیں کیا......'' حیرت تو اسے بہت ہوئی مگر ادب سے عارفہ کو سلام کیا اور یہ سوال مہمانوں کے سامنے نہیں اُٹھایا...... عارفہ نے اس کے گال پر بوسہ دیا، پھر بولی......

''ارے یہ تو بالکل اپنی جویریہ جیسی ہے، وہی ناک نقشہ اور چہرے پر ویسا ہی بھولپن...... آؤ بیٹی! ادھر میرے قریب بیٹھو......'' انہوں نے اپنے برابر میں اس کے لئے جگہ بنائی۔

رائحہ نے ماں کی جانب دیکھا اور محسوس کیا...... انہیں مہمانوں کی آمد سے کوئی خوشی نہیں ہوئی ہے، اُلجھی اُلجھی سی کھڑی ہیں جبکہ مہمان خصوصاً خاتون بہت چہک رہی تھیں۔ کبھی رائحہ سے تو کبھی جویریہ سے کوئی نہ کوئی بات نکال ہی لیتی تھیں کرنے کے لئے، ماموں بھی خاصے خوش اخلاق تھے مگر اس کی ماں، یہ آج اتنی چپ اور بیزار سی کیوں ہیں......؟

''کب تک آجاتے ہیں کبیر بھائی......؟'' عارفہ بیگم نے بڑی اپنائیت سے کبیر حسن کا ذکر کیا۔

''اُن کے آنے کا کوئی ٹائم تو مقرر نہیں......'' جویریہ خوب سمجھ رہی تھی، اُن کے محبت بھرے انداز کو، یقیناً کبیر ہی سے ملنے آئے تھے اور جویریہ نہیں چاہ رہی تھی کہ وہ اس کے شوہر سے ملیں۔ کبیر حسن کی نظر میں بیوی کی جو حیثیت تھی، وہ بھائی، بھابی کے علم میں آجائے اسے گوارا نہیں تھا، پھر یہ دھڑکا بھی تھا، انہیں اپنے گھر میں موجود پا کر کبیر طنز کے تیروں سے وجود چھلنی کر ڈالیں گے، یہ بھی ممکن ہے مہمان بھی لپیٹ میں آجائیں، وہ چاہ رہی تھیں، یہ دونوں اُن کی آمد سے پہلے ہی یہاں سے چلے جائیں۔

شکر ہوا کبیر حسن آج کچھ زیادہ ہی لیٹ ہو گئے اور ان دونوں کو ان سے ملاقات کئے بغیر ہی واپس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جانا پڑا...... جاتے ہوئے عارفہ بار بار اپنے ہاں آنے کی دعوت دے رہی تھیں...... مگر جویریہ نے اقرار نہیں کیا۔ انہیں دیکھ کر ماضی کے زخم رسنے لگے تھے اور تکلیف برداشت سے باہر ہو رہی تھی۔

''مما...... کون لوگ تھے یہ......؟'' اُن کے جانے کے فوراً بعد اُس نے ماں سے پوچھا

''بتا تو رہے تھے وہ ماموں اور اُن کی بیگم تھیں۔''

''وہ واقعی میرے ماموں ہیں، اصلی والے ماموں ہیں مما......؟'' رائحہ کی حیرت یقینی تھی۔

جویریہ اثبات میں سر ہلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی مگر بیٹی نے ہاتھ پکڑ لیا...... اور بولی......

''مما، کتنے بچے ہیں اِن کے، کوئی بیٹی بھی ہوگی......؟'' رائحہ کے لہجے میں اشتیاق تھا۔

''رائحہ...... ہاتھ چھوڑ میرا...... میں اتنی دیر بیٹھ کر تھک گئی ہوں اور دوا بھی لینا ہے مجھے۔'' جویریہ نے بیزاری سے ہاتھ چھڑوایا......

''ممانی...... مزیب گھر آیا یا نہیں......؟'' یہ مہناز کا تیسرا چکر تھا۔ وہ دو مرتبہ پہلے بھی آچکی تھی جب اکبر علی اور عارفہ موجود تھے مگر ان سے ملاقات نہیں ہوئی اس کی۔ باہر ملازمہ سے پوچھ کر ہی چلی گئی تھی۔

''نہیں، وہ گھر پر نہیں ہے۔''

''کچھ نہ کچھ کہہ کر تو گیا ہی ہوگا......'' اُس کا انداز برابر کا تھا۔

''نہیں، کچھ بتا کر نہیں گیا۔''

''یہ کیسے ہو سکتا ہے......؟'' اُس نے سر کچھ اور اونچا کر کے بے یقین انداز میں کہا...... جویریہ کو اُس کا یہ انداز اچھا نہیں لگا لیکن وہ خاموشی سے چلی گئی۔

''جب مزیب آئے تو اُسے اوپر بھیج دینا......'' اب اُس نے رائحہ کو کہا۔

رائحہ نے کچھ کہنے کے بجائے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''بھیج دینا...... ایسا نہ ہو کہ جان بوجھ کر بھول جاؤ......''

وہ اتنا کہہ کر واپس چلی گئی اور جا کر ماں سے کہا......

''ممانی یہ بات پسند نہیں کرتیں کہ ہم لوگ مزیب سے ملیں۔'' میں اس کے بارے میں پوچھنے گئی تو سیدھے منہ بات بھی نہیں کی۔'' اوپر جا کر مہناز نے مزیب سے ملاقات نہ ہونے کا غصہ جویریہ پر اُتارا اور واجدہ تو ویسے بھی جلی بھنی بیٹھی تھیں، فوراً بولیں۔

''آنے تو دو مزیب کو، ایک بات بتاؤں گی، یہ خود کو سمجھتی کیا ہے، اس کا کیا حق ہے اس لڑکے پر، ہمارا خون ہے، چاہیں تو اس کے پاس جانے سے ہی روک دیں۔

ہونہہ...... اسمگلروں کے خاندان سے ہے اور بن بیٹھی اتنے اچھے خاندان کی بہو...... اب اسی لئے تو پیر زمین پر نہیں ٹکتے...... مگر آ جائے مزیب گراتی ہوں اسے تو منہ کے بل......'' واجدہ تو کب سے یہ فیصلہ کئے بیٹھی تھیں کہ مہناز کے لئے مزیب سے بہتر اور کوئی نہیں لیکن اب انہیں یہ معاملہ اتنی آسانی سے طے ہوتا نظر نہیں آ رہا تھا۔

رائحہ، ماں کے انداز پر اُلجھ کر رہ گئی تھی۔ اُن کی خاموشی، اُداسی اور تھکن پریشان بھی کر رہی تھی۔ اُسے انتظار تھا، مزیب جلدی گھر آ جائے کہ وہی ماں کو خوش رکھتا تھا۔ کچھ دیر جویریہ کے پاس بیٹھنے کے بعد



کچن میں آ گئی کہ خانساماں نیا تھا، اسے خود بھی ساتھ لگنا پڑتا تھا۔

مزیب لائبریری گیا تھا، اُس کی واپسی خاصی دیر سے ہوئی۔ رائحہ کا ذہن ماں کی طرف سے اُلجھا ہوا تھا، اب مزیب کی طرف سے پریشانی ہو رہی تھی۔

''کہاں رہ گئے تھے آپ......؟ جہاں جاتے ہیں، وہیں رہ جاتے ہیں...... یہ خیال نہیں آتا کہ ہم فکرمند ہوں گے......؟'' اسے دیکھتے ہی رائحہ بولی۔

''کیا ہوا...... ؟ آج موڈ کچھ بدلا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ لگتا ہے کام زیادہ کرنا پڑ گیا ہے۔''

''کام سے میں نہیں گھبراتی۔''

''اچھا تو پھر کیا پھوپھو نے ازراہِ شفقت پھول سا ہاتھ رسید کر دیا ہے۔'' مزیب نے شرارت سے کہا......

''وہ بھی کر دیں گی کسی دن، انہیں کوئی روک سکتا ہے بھلا......'' رائحہ کی اُداسی اُس سے چھپی نہ رہ سکی۔

''کیوں، روک کیوں نہیں سکتا......؟'' وہ بھی سنجیدہ ہو گیا، پھر بولا...... ''اُس کا مطلب ہے کوئی بات ہوئی ہے آج......؟''

''نہیں...... کچھ نہیں ہوا، میں تو مما کی طرف سے پریشان ہوں...... ان کی طبیعت شاید زیادہ خراب ہے آج جب میں گھر آئی تو ایک صاحب اور اُن کی بیگم ہمارے گھر آئے ہوئے تھے۔ مجھ سے بہت پیار سے ملے...... مما سے بھی باتیں کرتے رہے مگر مما تو چپ چپ سی تھیں۔

پھر ان صاحب نے ہی بتایا کہ وہ میرے ماموں ہوتے ہیں...... مجھے تو یقین ہی نہیں آیا۔ اُن کے جانے کے بعد مما سے پوچھا تو اُنہوں نے بھی یہی کہا...... وہ ماموں ہی ہوتے ہیں...... مگر بھائی، اُن کی آمد سے مما کو بالکل خوشی نہیں ہوئی...... حالانکہ وہ بے چارے تو بہت اچھے لگ رہے تھے۔

''او...... تو اکبر علی یہاں آئے تھے، کیا کہا پھر انہوں نے......؟'' بھائی کی بے تابی رائحہ کے لئے حیران کن تھی۔

''میرے سامنے تو کوئی خاص بات نہیں ہوئی۔''

''اچھا...... میں مما سے پوچھ لیتا ہوں۔'' وہ عجلت میں نظر آ رہا تھا...... اسے جاتا دیکھ کر رائحہ بولی......

''اگر مما سو رہی ہوں تو جگائیے گا نہیں...... اور یہ آپ اتنے ایکسائیٹڈ کیوں ہو رہے ہیں، کچھ مجھے بھی بتائیں۔''

''پھر کبھی سہی......'' وہ چلا گیا...... مگر جلد ہی واپس بھی آ گیا۔ جویریہ دوا کھا کر سو گئی تھی۔

''ہاں اب بتائیں......'' رائحہ نے اسے دیکھتے ہی کہا۔

''کیا بتاؤں، کوئی بات میرے علم میں تو ہے ہی نہیں۔''

''پھر...... یوں بے چین ہو کر کیوں بھاگے تھے......؟'' رائحہ مطمئن نہ ہوئی۔

''خود یہ تو بتایا تھا مما کی طبیعت اچھی نہیں ہے...... اچھا یہ بتاؤ، کھانا بننے میں کتنی دیر ہے......؟''

''ابھی تو وقت لگے گا...... وہ رمضان کو ٹماٹر لینے بھیجا تھا، واپسی نہیں ہوئی اور کھانا بھی مجھے بنانا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہے، وہ کسی کام کا نہیں……اور ہاں مہناز صاحبہ بہت یاد کر رہی تھیں آپ کو۔"

"جہنم میں ڈالو مہناز کو…… یہ بتاؤ پپا گھر آ کر دوبارہ گئے ہیں یا آئے ہی نہیں۔"

"نہیں وہ گھر نہیں آئے……اور بھائی، وہ ممانی آپ کا بہت پوچھ رہی تھیں۔ آپ گھر پر ہوتے تو ملاقات ہو جاتی……"

مزیب نے اثبات میں سر ہلا دیا، وہ سوچ رہا تھا۔

شاید وہ لوگ طلال کے بارے میں کوئی اطلاع دے کر گئے ہیں جو مما پریشان ہو گئی ہیں……وہ چینج کرنے اپنے کمرے میں چلا گیا۔

مہناز نے اوپر سے اسے گھر آتے دیکھ لیا تھا اور وہ کب سے اس کی آمد کی منتظر تھی، اب خود نیچے آ گئی……

"میں نے تمہیں کہا تھا جب مزیب آئے تو میرے پاس بھیج دینا……" وہ رائحہ سے مخاطب تھی، انداز سراسر حاکمانہ تھا۔

"آپ نے کہا تھا بھائی کو بتا دینا، میں نے بتا دیا ہے۔" رائحہ کو بھی برا لگا۔ اُس کی جانب دیکھے بغیر فرج میں سلاد کی پلیٹ رکھتے ہوئے کہہ دیا۔

مہناز نے شانے جھٹک کر "ہونہہ" کہا اور چلی گئی……ذرا دیر کے بعد وہ مزیب کے کمرے میں موجود اس سے کہہ رہی تھی……

"میں تم سے سخت ناراض ہوں۔"

"تم بھی خفا ہو ، لوگ بھی برہم ہیں دوستو
اب ہو چلا یقین کہ برے ہم ہیں دوستو"

"مذاق میں مت ٹالو مزیب یاد ہے کل تم نے کچھ وعدہ کیا تھا مجھ سے۔"

"کیا ہو گا…… وعدے تو دن میں جانے کتنے کرتا ہوں اور کس کس کے ساتھ کرتا ہوں۔" وہ اس وقت اسے ٹالنے کی کوشش میں تھا۔

"تم نے کہا تھا مجھے اپنے ساتھ شاپنگ کے لئے لے کر جاؤ گے۔"

"اور اب میں ہی کہہ رہا ہوں، نہیں لے جا سکتا۔"

"کیوں……؟" مہناز منہ پھلا کر اس کے بیڈ پر دھپ سے بیٹھ گئی۔

اس سے پہلے کہ وہ جواب میں کچھ کہتا، دروازے پر دستک ہوئی اور پھر ملازم دُھلے کپڑے لے کر اندر چلا آیا۔

رائحہ دن بھر تو کاموں میں اُلجھی رہی مگر رات تو اپنی تھی۔ دوپہر کو بازار میں ہونے والا ٹکراؤ یاد آ گیا۔ بدن میں سنسنی سی دوڑ گئی……اس کی آنکھیں بہت سحر انگیز تھیں…… شخصیت غیر معمولی ایک دم سے ڈسٹرب کر دینے والی مگر اس کا انداز……رائحہ نے جیسے گھبرا کر کمبل اچھی طرح اپنے اردگرد لپیٹ لیا۔

"بہت برا انداز تھا اس کا……" اُس نے گہرے دُکھ کے ساتھ یاد کیا اور بازو آنکھوں پر رکھ لیا۔

وہ بہت منفرد بارعب اور پراؤڈ سا لگا تھا۔ پھر بھی اُس نے ہم سے بات کی، ڈراپ کرنے تک کی آفر کر ڈالی مگر وہ ایسا نہیں تھا جس پر آنکھیں بند کر کے میں یقین کر سکتی، اچھا ہی ہوا جو میں چل پڑی ورنہ



نبیلہ تو پوری طرح تیار دکھائی دے رہی تھی۔ وہ ضرور……قبول کر لیتی اس کی آفر اور زبردستی مجھے بھی اپنے ساتھ کھینچ لیتی۔ وہ شاندار تھا مگر کوئی ایسی بات جو میں سمجھ تو نہیں سکتی مگر تھی ضرور جو مجھے ڈر لگا تھا۔" وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی مگر ہزار کوشش کے باوجود ناکام تھی۔ وہ تھا یا اس کا خیال، ایک ہی بات تھی ناں، بس قابض تھا وہ اس کے دل و ذہن پر۔

"نبیلہ سب دوستوں کو میرے اس ٹکراؤ کی داستان خوب نمک مرچ لگا کر سنائے گی، پھر سب خوب ہنسیں گی مجھ پر، کتنا مذاق بنائیں گی میرا اور سب سے آگے تو یہ نبیلہ کی بچی ہو گی۔ ہائے نبیلہ ہے بڑی ذلیل اور وہ……شاید وہ بھی میرے ہی بارے میں سوچ رہا ہو گا، ہنسا ہو گا……مزا لیا ہو گا…… کتنی غلطی ہوئی مجھ سے…… مجھے راستہ دیکھ کر چلنا چاہئے تھا……سارا قصور نبیلہ کا ہے کیوں وہ آگے آگے بھاگی جا رہی تھی"

رائحہ کی جوانی نوخیز تھی اور یہ حادثہ پہلا پہلا بھی تو تھا ذہن سے چپک کر رہ گیا اور پھر وہ بھولنے والی……چیز بھی تو نہیں تھا۔

• • •

یاسمین بیگم نے گلوکاری تو عرصہ ہوا چھوڑ دی تھی مگر گمنامی میں پناہ کی ہزار کوشش کے باوجود وہ ناکام رہی، لوگ جانتے تھے لہٰذا پہچان لیتے تھے۔

اور اسی لئے اردشیر کے ملازم کو ذرا سی کوشش کے بعد اس کے نئے گھر کا ایڈریس معلوم ہو گیا تھا……اور وہ اس کامیابی پر بہت خوش تھا، اطلاع دینے کے لئے فوراً اپنے صاحب کے پاس پہنچا تھا۔

جونہی اردشیر تک یہ خبر پہنچی، وہ ملنے کے لئے تیار ہو گیا حالانکہ کچھ دیر پہلے تک وہ آذر کی طرف جانے کا ارادہ کئے بیٹھا تھا۔

"تم نے اچھی طرح پتا کروا لیا ہے ناں، وہ وہیں رہتی ہے، ایسا نہ ہو پہلے کی طرح ناکام لوٹنا پڑے، اب ایسا ہوا تو یاد رکھنا تمہاری خیر نہیں……"

جی صاحب…… میں نے پوری معلومات حاصل کر لی ہیں…… اس مرتبہ غلطی نہیں ہوئی مجھ سے……"

ارشاد کے ساتھ وہ سوہا کے فلیٹ تک آیا اور ارشاد نے آگے بڑھ کر کال بیل کا بٹن پُش کیا۔

ذرا دیر انتظار کے بعد دروازہ کھل گیا، اب ان کے سامنے بکھرے بالوں والی ایک بوڑھی سی عورت کھڑی سوالیہ انداز میں ان کی جانب دیکھ رہی تھی۔

چہرے مہرے اور حلیے سے وہ ملازمہ دکھائی دیتی تھی۔

"کس سے ملنا ہے آپ کو……؟"

اردشیر کی شخصیت اور لباس سے مرعوب ہو کر اس نے بڑے اَدب سے پوچھا۔

"یاسمین بیگم یہیں رہتی ہیں……؟" اُس نے ٹھہرے ہوئے انداز میں پوچھا۔

جواب اثبات میں ملا۔

"ہم ان ہی سے ملنا چاہتے ہیں۔" منصوبے کے مطابق اسے سوہا کا نہیں بلکہ یاسمین بیگم کا ہی نام لینا تھا۔

"جی ہاں، بیگم صاحبہ گھر پر موجود ہیں……" ملازمہ اب بھی دروازے کے عین درمیان راستہ روکے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کھڑی تھی۔

"عجیب بدتمیز ملازمہ ہے......" اردشیر نے اُلجھ کر سوچا، پھر ہاتھ کے اشارے سے اسے پیچھے رُ کہا اور اندر آ گیا جبکہ ارشاد باہر ہی رُک گیا تھا۔

ملازمہ کی رہنمائی میں وہ کمرے تک آیا اور دیکھا یہاں پر جو خاتون موجود تھیں، وہ کہیں سے گانے والی دکھائی نہیں دیتی تھیں، سادہ کمزور سی خاتون وہیل چیئر پر بیٹھی اخبار دیکھ رہی تھیں۔

"یقیناً یہ کوئی اور ہوگی......" یہ سوچ کر اردشیر نے سوالیہ انداز میں ملازمہ کی جانب دیکھا۔

"یہ یاسمین بیگم ہیں......" اُس نے بتایا...... تب اُس نے ایک حیران سی نظر ان پر ڈالی...... ملاز کو حیرت تھی، ملنے آیا ہے مگر پہچانتا تک نہیں۔

یاسمین بیگم نے پہلے اخبار میز پر ڈالا، پھر عینک آنکھوں سے ہٹائی اور اسے دیکھ کر بولیں۔

"کون صاحب ہیں آپ......؟ معاف کیجئے گا میں پہچان نہیں پا رہی......" اجنبی یوں چلا آ بیگم یاسمین کو اچھا نہیں لگا۔ مگر جب مخاطب ہوئیں تو لہجہ شائستہ اور مضبوط تھا۔

"مجھے اردشیر شاہ کہتے ہیں، آپ کی شہرت سن کر ملنے کے لئے آیا ہوں۔"

"شہرت، کیسی شہرت......؟" وہ استہزائیہ انداز میں ہنس پڑیں پھر ایک دم سے بے حد سنجیدہ ہو ہوئے بولیں۔

"اب آ ہی گئے ہیں تو تشریف رکھئے......" (الفاظ جو بھی تھے مگر لہجہ کھردرا نہیں تھا)۔

"بہت دُکھ ہوا آپ کو اس حال میں دیکھ کر، کب سے بیمار ہیں آپ......؟ مجھے تو علم ہی نہیں تھا ا ئے چونک گیا تھا۔"

وہ مسکرائیں اور بغیر کسی تاثر کے بولیں...... "جو قسمت میں لکھا ہو، وہ تو ہو کر ہی رہتا ہے اردشیر صاحب اور میں اپنے رب کی رضا پر راضی ہوں۔ اچھا ہے گناہوں کی سزا دنیا میں ہی بھگت لی جائے۔ کیوں آپ کا خیال ہے اس بارے میں......؟"

"جی......" وہ صرف اتنا ہی کہہ سکا...... ایک گانے والی کے منہ سے اس طرح کی باتیں سن کر حیرت ہو رہی تھی...... پھر ذرا توقف کے بعد بولا

"اکیلی رہتی ہیں آپ یہاں......؟"

"ہاں...... مگر نہیں...... یہ ملازمہ اس سے تو آپ ملے ہیں یہ یہیں رہتی ہیں...... چوبیس گھنٹے میرے ساتھ...... جیسے یہ بھی حصہ ہو میرے وجود کا......" یاسمین بیگم نے دنیا کو بہت قریب سے پرکھا تھا لفظوں سے زیادہ کہنے والے کا چہرہ اور آنکھیں پڑھنے کو ترجیح دیتی تھیں۔

اردشیر کو دیکھتے ہی پہچان گئی تھیں یہ امیرزادہ کس قماش کا ہے سو اسی لئے سوہا کا ذکر بڑے آرام گول کر گئیں۔

ان کے اس سوال پر اردشیر کو بڑی اُلجھن ہوئی جس کے پیچھے وہ یہاں تک آیا تھا، اس عورت مطابق وہ تو یہاں رہتی ہی نہیں تھی۔ یہ عورت جھوٹ بول رہی ہے...... اُس نے تولتی نگاہوں سے یا بیگم کو دیکھا مگر مقابل اس سے کہیں زیادہ ہوشیار تھا، وہ اس کے چہرے سے اس جھوٹ اور سچ کا اندا لگانے میں ناکام رہا مگر اتنی جلدی ہار نہیں مانی۔



"گھر کا خرچ کیسے چلاتی ہیں......؟ میرا مطلب ہے بیماری پر تو بہت رقم اُٹھ جاتی ہوگی......" اُس نے دوبارہ کھوجنا چاہا......

"اب تو علاج کروانا ہی چھوڑ دیا ہے شاہ صاحب، ویسے میں کچھ اتنی بھی بیمار نہیں ہوں، چلنے پھرنے سے معذور ضرور ہوگئی ہوں مگر اس پر راضی ہوں تو معذوری اب معذوری لگتی ہی نہیں...... باقی صحت اللہ کے فضل سے ٹھیک ٹھاک ہے۔"

"میں نے سنا ہے آپ گانا چھوڑ چکی ہیں۔"

"ہاں ٹھیک سنا ہے آپ نے، گانا میرا خاندانی پیشہ نہیں تھا، بس حالات لے آئے تھے اس طرف...... مگر جی نہ لگا تو میں خود کو اس ماحول میں ڈھال ہی نہ سکی۔ اب اس پروفیشن کے لوگوں نے مجھے چھوڑ دیا ہے اور میں نے انہیں چھوڑ دیا...... اب بالکل نہیں گاتی......"

"اگر کوئی معقول معاوضے کی بات کرے اور اپنے ہاں بہت عزت سے مدعو کرے تب آپ کا جواب کیا ہوگا یاسمین بیگم......؟" اردشیر ایسا ہی تو منصوبہ بنا کر آیا تھا سو یہ سوال کرنا تو بہت ضروری تھا۔

"اُس کی مہربانی بہت بہت شکریہ...... مگر میں معذرت ہی کرلوں گی...... اب جی ہی نہیں لگتا اس کام میں۔" وہ اس کی بات سمجھ گئیں اور تمیز سے انکار کر دیا...... اُس کی یہاں موجودگی انہیں پریشان تو بہت کر رہی تھی۔ وہ چاہ رہی تھیں سوہا کی آمد سے پہلے پہلے وہ یہاں سے چلا جائے۔

دوسری طرف اردشیر کے لئے یہاں کوئی کشش نہیں تھی۔ وہ موسیقی کا کوئی ایسا رسیا نہیں تھا اور نہ ہی گانے بجانے والوں کو اچھی نگاہ سے دیکھتا تھا۔

عجیب اُلجھن میں تھا کہ آذر نے تو یہی بتایا تھا، وہ لڑکی اپنی آنٹی کے پاس رہتی ہے اور آنٹی مشہور گلوکارہ یاسمین بیگم ہے تو پھر کہاں ہے وہ لڑکی......؟

"کوئی عزیز، رشتے دار بھی تو ہوں گے آپ کے......؟" پھر کچھ سوچ کر یہ سوال اُٹھایا۔

وہ یاسیت بھرے انداز میں مسکرائیں اور اُس کی جانب یوں دیکھا جیسے اس کی عقل پر شبہ ہوا اور یہ بچگانہ سوال انہیں کچھ کوفت میں مبتلا کر گیا ہے۔ سمجھانے والے انداز میں لفظوں پر زور دے کر گویا ہوئیں......

"عرض کیا ہے ناں شاہ جی...... حالات نے مجھے گانے پر مجبور کیا تھا، نہ تو خاندانی گلوکارہ ہوں اور نہ ہی شوق مجھے اس راستے پر لایا تھا اگر اتنی بڑی دُنیا میں کوئی اپنا ہوتا تو پھر ادھر آ کر کیوں خوار ہوتی......؟"

"ہاں یہ تو ہے......" اردشیر کو ان کے اس انداز پر غصہ تو بہت آیا مگر ضبط کر گیا اور معقولیت سے سر ہلا کر یوں بولا جیسے اب ان کی بات پوری طرح سمجھ میں آ گئی ہو۔

کچھ دیر دونوں طرف خاموشی رہی، ان کا انداز اردشیر کو مزید کچھ کہنے سے روک رہا تھا...... اور یاسمین بیگم وہ تو چاہ رہی تھیں اب بس یہ یہاں سے چلا جائے، آخر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"اب چلتا ہوں......"

"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی......" انہوں نے اطمینان کا سانس لیا......

"میں پھر آؤں گا......" جانے سے پہلے اُس نے کہہ دیا۔

"کیا کریں گے یہاں آ کر آپ کی دلچسپی کے لئے یہاں پر کچھ بھی نہیں۔" اُنہوں نے عینک

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آنکھوں پر جماتے ہوئے ہاتھ اخبار کی جانب بڑھایا۔

اردشیر منہ بنا کر کمرے سے چلا گیا۔ انہوں نے ملازمہ کو اشارہ کیا، جا کر بیرونی درواز

''بی بی...... کون تھا یہ......؟ میں نے پہلے تو اسے کبھی نہیں دیکھا۔'' دروازہ بند کر کے واپ پوچھنے لگی۔

''ان لوگوں کا الگ سے نام کب ہوتا ہے سرداراں، یہ سب تو ایک ہوتے ہیں...... بالکل جیسے، تم سمجھ رہی ہو ناں میری بات......''

''ہاں بی بی، اب تو سمجھ گئی ہوں......'' ملازمہ اثبات میں سر ہلا کر ہنس پڑی پھر بولی......

''پر بی بی، اب یہ یہاں کیا لینے آیا تھا......؟''

''اسی بات پر تو میں حیران ہوں، آخر کون سی کشش اسے یہاں تک لائی ہے اور سنو دوبارہ کوشش کرنا دروازے سے ہی ٹل جائے، اندر نہ آنے پائے، یہ تو اچھا ہوا آج سوہا گھر پر نہیں ضروری تو نہیں ہے کہ آئندہ بھی وہ گھر پر نہ ہو۔''

''ٹھیک ہے بی بی، اس بار تو مجھے پتا نہیں تھا کہ یہ کون ہے، اب جان گئی ہوں، کہہ دوں گی کوئی ہے ہی نہیں۔''

اردشیر کو سوہا کے نہ ملنے پر سخت غصہ تھا اور اس غصے میں وہ آذر کے آفس چلا آیا، خیال تھا سوہا کے بارے میں پوچھنے کی کوشش کرے گا مگر وہاں جا کر غصہ اور بھی سوا ہوا کہ آذر موجود ہی نہیں سیکرٹیری نے بتایا......

''شفا کمپنی کے ساتھ میٹنگ تھی، وہیں گئے ہیں...... آپ بات کر لیں۔'' مگر وہ آمنے سامنے گفتگو کر سکتا تھا۔ اس نے ارشاد کو یہیں سے واپس بھیج دیا...... اور خود گاڑی لے کر میڈم فیروزہ کی طر چلا آیا۔

ملازم نے بتایا تھا میڈم گھر پر ہیں، پھر بھی اسے بیس منٹ انتظار کی کوفت اٹھانا پڑی۔ گر انہونی نہیں تھی۔ اس قسم کی خواتین مہمانوں کے سامنے آنے سے پہلے تیاری میں کم از کم اتنا ٹائم تو لی ہیں۔

''اوہ شاہ...... تم آئے ہو، مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا بھئی......'' ہاف سلیولیس بلاؤز، بلیک سا چہرے پر میک اپ کی موٹی تہہ، فربہ اندام، ادھیڑ عمر میڈم فیروزہ...... اُسے دیکھ کر خوشی کے اظہار کے لی چلائی تھیں اور اب کسی نازک اندام حسینہ کی مانند اٹھلاتی چلی آ رہی تھیں۔

اردشیر صوفے پر بیٹھا تھا۔ ٹانگ پر ٹانگ جما رکھی تھی، میڈم کو دیکھ کر نہ تو چہرے پر مسکراہٹ آئی نہ ہی منہ سے کچھ بولا۔ بس یونہی بیٹھا دیکھتا رہا۔ قریب آ کر انہوں نے گرمجوشی سے ہاتھ ملا بولیں......

''کہو آج تم ادھر کیسے آ گئے......؟ تمہیں تو بلانے کے لئے مجھے ہمیشہ کوئی نہ کوئی فنکشن ارینج کر ہے۔''

''تمہاری یاد نے کھینچا اور ہم کھنچے چلے آ گئے۔'' اردشیر اب ذرا سیدھا ہو کر بیٹھا تھا۔ عمر کا ف احترام کا جذبہ ابھارتا ہے مفقود تھا...... مگر نہ تو کہنے والے کو احساس تھا اور نہ ہی سننے والا اس کے انداز



مانا تھا۔ میڈم فیروزہ سے اُس کی ملاقات تقریباً ایک سال پہلے ہوئی تھی۔ اُس وقت اردشیر کے ساتھ جو دوست تھا، اُس نے ہی اِن دونوں کا تعارف کرایا تھا...... پھر دو تین بار کی ملاقاتیں...... اُن کی گہری دوستی کا باعث بن گئیں۔

میڈم فیروزہ اردشیر کے گھر جب پہلی مرتبہ آئی تھیں، تب ہی اندازہ لگا لیا تھا، یہ امیرزادہ شاہ خرچ ہے اور انہیں ایسے لوگ بڑے اچھے لگتے تھے۔ پھر ان کے ہاں نیو ائیر کا فنکشن، نئی کوٹھی میں شفٹ ہونے پر دی جانے والی پارٹی اور اس کے علاوہ دیگر چھوٹی موٹی تقریبات ان سب میں اردشیر کی شرکت لازمی تھی۔

اگر کبھی وہ انکار کرتا تو میڈم بڑے ناز سے ناراض ہونے کی دھمکی دے ڈالتیں۔ اس کی بھانجی نورین بھی خوب ہی اصرار کرتی اور اردشیر کو آنے کا وعدہ کرتے ہی بنتی، ویسے یہ سچ تھا کہ اُن کے ہاں ہونے والی ہر تقریب ہوتی تو بہت شاندار تھی۔

میڈم فیروزہ کے بارے میں طرح طرح کی افواہیں تھیں، لوگ کہتے تھے...... کئی کئی شوہر کر چکی ہیں، بڑی دبنگ خاتون ہیں، جس کام میں ہاتھ ڈال دیں پیچھے نہیں ہٹتیں...... مرد تو بہت مانتے تھے جبکہ خواتین کی اکثریت خاصا ناپسند کرتی تھی۔

''کیا بات ہے، بہت تھکے ہوئے دکھائی دے رہے ہو، کہو تو نورین کو بلا دوں، وہ ابھی کل ہی ذکر کر رہی تھی تمہارا......''

''نہیں فی الحال میں کسی سے بھی ملنا نہیں چاہتا۔'' اُس نے صاف منع کر دیا۔

''یہ بتاؤ، چائے، کافی یا ٹھنڈا...... کیا لینا پسند کرو گے......؟''

''کچھ بھی نہیں، بس میں تھوڑی دیر بعد چلا جاؤں گا۔''

''آخر ہوا کیا تمہیں، کچھ تو بتاؤ اگر یہاں ایزی فیل نہیں کر رہے تو بیڈروم میں آ جاؤ۔''

اردشیر نے جواب نہیں دیا۔ دائیں ہاتھ سے پیشانی سہلاتا رہا۔ سوہا سے ملاقات نہیں ہو سکی تھی، اس وجہ سے جھنجھلاہٹ ابھی تک دل و دماغ پر ہلکے سے غبار کی طرح چھائی ہوئی تھی۔ دل اس کا کہیں بھی نہیں لگ رہا تھا۔

''شاہ...... چند روز بعد میرے کالج میں ایک فنکشن ہے، کیا خیال ہے چیف گیسٹ تمہیں نہ بنا لوں۔''

''مجھے......؟'' وہ مذاق سمجھا...... ''آئیڈیا تو بہت اچھا ہے۔''

''ہاں ہاں، تم سے بہتر اور کون ہوگا۔ بس کچھ ڈونیٹ ہی تو کرنا پڑے گا اور یہ تمہارے لئے کوئی ایسی بڑی بات تو نہیں۔''

''ارے میڈم تم تو واقعی سیریس ہو۔'' اب وہ چونکا۔

''تو اور کیا میں تم سے ایسا مذاق کروں گی۔''

''سوچ لو میڈم اور یہ بھی دھیان میں رکھو اس سے پہلے مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا۔ کہیں کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔''

''کچھ نہیں ہوگا یہ کوئی ایسی مشکل بات تو ہے نہیں، تم نے بھی اپنے تعلیمی دور میں مختلف موقعوں پر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



دیکھیں تو ہوں گے۔ چیف گیسٹ، کچھ بھی تو نہیں کرنا پڑتا بس ادارے کی کارکردگی پر اطمینان کا اظ
کرتے ہوئے چھوٹی سی تقریر اور رقم کا چیک۔"

"تقریر...... نہ بھئی یہ کام میرے بس کا نہیں۔"

"اب انکار نہیں چلے گا، میں تو فیصلہ کر چکی ہوں۔ جلد ہی ڈیٹ بھی بتا دوں گی...... اور تم بے شک تقریر بھی مت کرنا لیکن آنا ضرور......"

"اچھا...... چلو ٹھیک ہے آ جاؤں گا۔" اسے بھی یہ بات نئی اور دلچسپ لگی سو مان ہی گیا۔

• • •

وہ سائیکل پر سوار گھر کی طرف آ رہا تھا، آج ٹیوشن...... پڑھاتے ہوئے خاصا ٹائم ہو گیا تھا۔ ا
میں بچہ تھا ہی اس قدر کند ذہن، کئی بار عمر کا جی چاہا کہ اس کے والدین سے صاف کہہ دے۔ "کوئی ا
انتظام کر لیں، میں اس کے ساتھ سر نہیں کھپا سکتا۔"

مگر پھر جب اپنی خالی جیب اور گھر کی ضرورتوں کا خیال آتا تو وہ کہتے کہتے رُک جاتا۔

"اماں تو کب سے میری منتظر ہوں گی...... صبح اُن کی طبیعت بھی اچھی نہیں تھی اب میری طرف سے پریشان ہو رہی ہوں گی۔ پتا نہیں دوا بھی کھائی ہے اُنہوں نے یا بھول گئیں۔"

اپنے خیالوں میں اُلجھا ہوا تھا، اچانک سامنے سے گاڑی آ گئی۔ عمر نے بروقت سائیڈ پر ہو کر خود کو اس کی زد سے تو بچا لیا مگر سائیکل سمیت سڑک پر گر جانے سے خود کو نہیں بچا سکا۔

"تمہیں چوٹ تو نہیں آئی بھائی......" گاڑی سے ایک لڑکا اُتر کر پریشانی کے عالم میں اس کی جانب لپکا۔

روڈ پر گرنے سے کچھ چوٹ لگی تھی...... اور کچھ اس متوقع حادثے کی وجہ سے اس کے اعصاب بُری طرح متاثر ہوئے تھے۔

وہ فوری طور پر نہ تو کچھ سن سکتا تھا اور نہ ہی اسے کچھ دکھائی ہی دے رہا تھا۔

گاڑی والے نے سہارا دے کر کھڑا کیا اور دیکھا، اس کے بازو سے خون بہہ رہا ہے۔

"قصور میرا نہیں، تم پتا نہیں کن خیالوں میں گم سائیکل لہراتے چلے آ رہے تھے، شکر کرو بچت ہو گئی۔"

عمر نے اب اُس کی جانب دیکھا مگر بولا کچھ نہیں، آنکھوں کے سامنے ماں اور رابعہ کے چہرے آ گئے تھے۔ اگر اُسے کچھ ہو جاتا تو ان دونوں کا کیا بنتا۔

اجنبی نے پہلے سہارا دے کر اسے گاڑی میں بٹھایا پھر سائیکل اُٹھا کر ڈگی میں رکھی۔ "یہ آپ کیا کر رہے ہیں......؟" اُس نے پہلی مرتبہ زبان کھولی۔

"خون بہہ رہا ہے...... تمہاری ڈریسنگ کروا دیتا ہوں۔"

گاڑی والے بھی سینے میں دردمند دل رکھتے ہیں، عمر نے کچھ حیران سا ہو کر اس کی طرف دیکھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو چھوٹے بھائی......؟" وہ مسکرا دیا۔

"میں حیران ہوں، دولت مند ہو کر بھی آپ کا دل غریبوں کے لئے حساس ہے۔"

"ارے دل مردہ ہونے کے لئے جتنی دولت درکار ہوتی ہے، اُتنی میرے پاس نہیں ہے۔" وہ



ہنس پڑا......

"مگر میں تو بہت غریب سا لڑکا ہوں۔"

"جبکہ میری مما کہتی ہیں، سب انسان برابر ہوتے ہیں، نام کیا ہے تمہارا......؟" ڈرائیونگ کے دوران وہ اس سے باتیں بھی کئے جا رہا تھا۔

"عمر...... مجھے عمر کہتے ہیں......"

"عمر...... بہت اچھا نام ہے اور میں مزیب حسن ہوں...... تم مجھے بھائی کہو یا دوست، مجھے خوشی ہو گی۔" اجنبی بہت مہربان صاف اور کھرا تھا...... عمر کو بہت اچھا لگا۔

ڈریسنگ کروانے کے بعد جب مزیب نے گھر تک ڈراپ کرنے کی آفر کی تو وہ صرف اسی لئے انکار نہیں کر سکا کہ وہ اور اس کی باتیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ وہ اس کی کمپنی میں کچھ دیر رہنا چاہتا تھا۔

اس تھوڑے سے سفر کے دوران ہی اُس نے عمر سے بہت سی باتیں پوچھ لیں...... وہ کہاں رہتا ہے......؟ کیا کرتا ہے، کتنے بھائی بہن ہیں اور اُس کی محنت کے بارے میں سن کر بہت متاثر ہوا۔

"اچھا عمر...... پھر بھی ملاقات ہو گی......" اُس گلی میں اُتار کر وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں مزیب بھائی، یوں نہیں...... بے شک یہ گھر آپ کے لائق نہیں ہے مگر پھر بھی میری خواہش ہے آپ آئیں اور میرے ساتھ چائے پئیں۔"

"بھائی کہہ دیا ہے تو پھر میں بھائی کی بات کیسے ٹال سکتا ہوں۔" وہ بھی فوراً راضی ہو گیا۔

دروازہ اماں نے کھولا اور بیٹے کے بازو پر پٹی بندھی دیکھ کر دل تھام لیا۔

"ارے ماں...... کچھ نہیں ہوا، بس سائیکل سے گر پڑا تھا...... تھوڑی سی چوٹ لگ گئی۔ پٹی کی ضرورت بھی نہیں تھی مگر انہوں نے زبردستی بندھوا دی۔" وہ ماں کو تسلی دے رہا تھا۔

مزیب نے آگے آ کر سلام کیا...... اُنہوں نے دُعاؤں سے نوازا۔ وہ اسے جانتی پہچانتی نہیں تھیں، مگر بیٹے کے ساتھ آیا تھا تو کوئی اپنا ہی تھا۔

"میں عمر کا دوست ہوں۔" اُس نے خود ہی اپنا تعارف کرایا۔

"اچھا بیٹے...... عمر کے دوست ہو تو میرے بیٹے ہو...... ویسے پہلے تمہیں دیکھا نہیں میں نے۔"

"جی پہلے میری شکل اور طرح کی ہوتی تھی، حال ہی میں تبدیل کروائی ہے۔" زیتون سمجھیں نہیں، عمر ہنس پڑا...... اور ہاتھ پکڑ کر اسے بیرونی دروازے کے قریب بنے کمرے میں لے آیا۔ یہ یقیناً اس گھر کا ڈرائنگ روم تھا۔ وہ اُسے بیٹھنے کا کہہ کر ماں کے پاس چلا آیا۔

"اچھی سی چائے بنائیں، کسی بچے کو بھیج کر سموسے بھی منگوائیں...... یہ کون ہے، بعد میں بتاؤں گا...... اور یہ رابعہ آپی کہاں ہیں، دکھائی نہیں دے رہیں۔"

"ہاں، وہ سامنے والوں کی طرف گئی ہے، کوئی کام ہے تو بلوا دیتی ہوں۔"

"نہیں نہیں رہنے دیں، میں تو ویسے ہی پوچھ رہا تھا۔"

اس عرصے میں مزیب نے کمرے کا جائزہ لے لیا...... چار کرسیاں اور ایک میز جس پر سفید میز پوش تھا، اور اس پر ایک خوبصورت سا پھول شوخ رنگوں سے کڑھا ہوا تھا...... کمرے کا ایک دروازہ صحن کی جانب کھلتا تھا اور ایک باہر کی گلی میں اور ایک کھڑکی بھی تھی جو گلی میں کھلتی تھی...... اور وہ دیکھ رہا تھا بچے اُس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کی گاڑی کے گرد اکٹھے ہو رہے ہیں، پھر سامنے کے گھر سے ایک لڑکی باہر نکلی۔

"رابعہ آپا تمہارے گھر گاڑی والا مہمان آیا ہے۔" بچوں نے کورس کے انداز میں اسے اطلا دی..... مزیب جو بڑی دلچسپی سے انہیں دیکھ رہا تھا، مسکرا دیا۔

"گاڑی والا مہمان......" لڑکی نے بے یقینی سے دُہرایا...... پھر اونچی آواز میں بولی...... "چلو چلو، ہر وقت کوئی نہ کوئی جھوٹ بولتے رہتے ہو، میرا بھائی تمیز سکھانے کے چکر میں آدھا رہ گیا ہے، پر لوگوں کو تمیز نہیں آئی۔"

"نہیں نہیں آپا...... ہم سچ کہہ رہے ہیں، مہمان آیا ہے اور عمر بھائی بھی اُس کے ساتھ ہی آئے ہیں۔"

تبھی رابعہ کی نظر اپنی بیٹھک کی کھلی کھڑکی پر پڑی، وہ سامنے ہی بیٹھا یقیناً سب سن رہا تھا۔ جبھی ا چہرے پر مسکراہٹ نمایاں تھی۔

رابعہ حیرت اور تجسس میں گلی پار کر کے گھر میں داخل ہوئی اور ہمیشہ کی طرح گھر میں داخل ہو کر عمر کو اُونچی آواز میں بلا کر ہمسایوں کی باتیں مزے لے لے کر سنانے کے بجائے دبے قدموں اماں کے پاس چولہے کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی اور بولی......

"کون آیا ہے ہمارے گھر میں......؟"

"عمر کا دوست ہے......"

"عمر کا دوست اور گاڑی والا......" رابعہ نے حیرت کا اظہار کیا۔

"پتا نہیں کیا بات ہے، عمر زخمی ہے، پٹی بندھی ہوئی ہے مگر کہہ رہا ہے معمولی سی چوٹ ہے، میرا دل پریشان ہو رہا ہے بچے کے لئے۔"

"ہائے اللہ زخمی ہے۔" رابعہ گھبرا کر اُس کے کمرے کی طرف چل دی۔ عمر کمرے سے باہر آ رہا تھا۔ رابعہ اسے دیکھ کر رُک گئی اور بولی......

"چوٹ کیسے لگی...... لڑائی ہو گئی تھی کسی سے......؟"

"میں تمہیں ایسا نظر آتا ہوں کیا......؟"

"تم ایسے نہیں پر لوگ تو بڑے ذلیل کمینے ہیں۔"

"اچھا اچھا...... زیادہ جذبات میں آنے کی ضرورت نہیں...... میں سائیکل سے گر پڑا تھا۔ چوٹ لگ گئی ہے۔"

چھوٹے سے آنگن میں جو باتیں ہو رہی تھیں، اُس کی آواز مزیب تک بخوبی پہنچ رہی تھی اور اب اسی کے بارے میں ان الفاظ میں پوچھ رہی تھی۔

"یہ نمونہ کہاں سے پکڑ لائے ہو، وہ بھی گاڑی سمیت......؟"

"سوچ سمجھ کے، بھائی ہے وہ میرا......" عمر نے ڈپٹ کر کہا۔

"لو اماں، تمہیں بیٹھے بٹھائے ایک اور بیٹا مل گیا۔" رابعہ نے تمسخر اُڑایا۔

مزیب کا جی چاہا، یہ تیز طرار سی لڑکی سامنے آ جائے تو ذرا مقابلہ ہو، سمجھتی کیا ہے خود کو، بیٹھے بٹھائے مجھے نمونہ کہہ دیا ہے۔



عمر اس کے پاس بیٹھک میں آ گیا۔ ذرا دیر اماں اور اُن کے پیچھے چائے کی ٹرے اُٹھائے رابعہ بھی آئی۔ بظاہر بڑے سلیقے سے سلام کیا۔

"یہ ملازمہ ہے آپ لوگوں کی......" اُس نے سنجیدگی سے پوچھا اور رابعہ نے غصے سے ٹرے میز پر پٹخ دی۔

"نہیں نہیں، یہ میری بہن ہے۔ رابعہ نام ہے اس کا۔"

"اچھا...... سوری......" مزیب نے بدلہ تو لے لیا تھا۔

"عمر، میں اندر جا رہی ہوں، چائے خود ہی بنا لینا۔" وہ پلٹ گئی۔

"یہ شاید برا مان گئیں......" مزیب نے بظاہر بڑی شرمندگی سے کہا۔

"نہیں نہیں، تم چائے پیو بیٹے، اس لڑکی کا تو دماغ خراب ہے۔"

جانے سے پہلے مزیب نے پورے خلوص کے ساتھ عمر کو اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔

"مزیب بھائی! میں بھلا آپ کے گھر......؟ کیا پتا جب تک آپ بھول ہی چکے ہوں، مجھے وہاں جا کر شرمندہ ہونا پڑے۔"

"ارے ایسی کمزور یادداشت نہیں ہے میری، تم ضرور آنا۔"

"مزیب بیٹا...... تم بھی چکر لگاتے رہنا۔" زیتون کو بھی یہ لڑکا بہت اچھا لگا تھا۔

"جی خالہ ضرور، میں تو اب آتا جاتا ہی رہوں گا۔"

عمر گلی میں اس کے ساتھ آیا اور جب تک مزیب کی گاڑی نظروں سے اوجھل نہیں ہو گئی، ہاتھ ہلاتا

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"رائحہ چندا...... کیوں اِدھر اُدھر چکر لگا رہی ہو...... بیٹھ جاؤ کہیں دماغ نہ گھوم جائے تمہارا"

مزیب کب اس کے کمرے میں آیا اُسے پتا ہی نہ چلا، وہ تو پورے خشوع وخضوع سے تقریر یاد کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"آپ کب آئے بھائی......؟" اُس نے رُک کر اُس کی جانب دیکھا۔

"پورے سوا چار منٹ سے یہاں کھڑا ہوں اور تمہیں مسلسل چکر لگاتے دیکھ رہا ہوں، کس نے پٹی بھر دی ہے کیا......؟"

"میں نے ڈبیٹس میں نام لکھوایا ہے۔" اُس کے بتانے کا انداز بڑا پر جوش تھا۔

"جواب میں مزیب نے برا سا منہ بنایا اور بولا......

"تم ضرور نام ڈبوؤ گی کالج کا۔"

"آپ ہمیشہ ایسی باتیں ہی کرتے ہیں...... مجال ہے جو کبھی حوصلہ بڑھایا ہو...... جبکہ کالج کی سب لڑکیاں میری اتنی تعریف کرتی ہیں اور ٹیچر بھی بہت پسند کرتی ہیں مجھے......"

"اور تمہیں کسی کے کہے کا یقین نہیں، تم مان نہیں سکتیں، جب تک میں بھی نہ کہہ دوں اور میری مجبوری ہے کہ میں جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔" اُس نے شرارت سے کہا۔

"اچھا...... جب میں فرسٹ پرائز لے کر آؤں گی تب پتا چلے گا آپ کو۔" رائحہ خفگی سے بولی۔

"کیا پتا چلے گا...... ہوگی اندھوں میں کانا راجہ بلکہ رانی......"

"ٹھیک ہے، اب مجھ سے بات مت کریں اور جائیں یہاں سے، مجھے تیاری کرنا ہے۔"

"اچھا...... یہ بتاؤ، یہ لکھوائی کس سے ہے......؟" مزیب جانے کے بجائے بیڈ پر آ بیٹھا۔

"آپ کو اس سے کیا......؟" وہ منہ بنا کر بولی۔

"میں تو اس لئے کہہ رہا تھا کہ ایک نظر دیکھ لیتا ہوں، کوئی کمی بیشی ہو تو ٹھیک کردوں...... کہیں ایسا نہ ہو میری گڑیا کو انڈے ٹماٹر نہ پڑجائیں۔"

"آپ بیٹھیں یہاں، میں چلتی ہوں......"

"ارے...... تم کہاں چلیں، سنو تو......" وہ اس کے پیچھے دوڑا۔

"سنائیں...... مگر ذرا جلدی......" وہ رُک گئی مگر پلٹے بغیر بولی۔

"یہ تقریریں وغیرہ کچھ کام نہیں آئیں گی...... کچھ ہانڈی چولہے کی بھی فکر کرو اور کچھ نہیں تو میرے



لئے کباب ہی فرائی کر کے لے آؤ...... ساتھ میں چائے ہو تو کیا ہی بات ہے۔"

"آپ نے جو کچھ بنوانا ہے کچن میں جا کر فیقے سے کہیں، بن جائے گا...... اور پلیز مجھے ڈسٹرب مت کریں۔"

"پتا ہے مہناز اتنے اچھے کھانے بناتی ہے، بندہ اُنگلیاں چاٹتا رہ جاتا ہے۔"

"اچھا پھر میری دُعا ہے، آپ کی شادی مہناز باجی سے ہو جائے، کھاتے رہیے عمر بھر اچھے کھانے......"

"او رائحہ کی بچی......" مزیب نے چلا کر کہا مگر وہ کمرے سے چلی گئی، مزیب اکیلا بیٹھ کر کیا کرتا، وہ بھی باہر چلا آیا......

جویریہ اخبار دیکھ رہی تھی، وہ اُن کے سامنے والی کرسی پر آ بیٹھا اور بولا......

"کیا پڑھ رہی ہیں، ڈاکے کی خبر ہے یا قتل کی......؟"

"نہ ڈاکے کی خبر ہے نہ قتل کی......" اُنہوں نے اخبار ایک طرف ڈال دیا اور بولیں...... "آج تم اس وقت گھر پر کیسے نظر آرہے ہو......؟"

"جی...... میں نے سوچا آپ کا گلہ بھی دُور کردوں...... مگر دیکھ لیں رائحہ کو میری ذرا بھی پروا نہیں، لگی ہے اپنے کاموں میں...... چائے تک نہیں بنا کر دی مجھے......"

"اچھا میں ابھی پوچھتی ہوں اُس سے......"

"اوہ نہیں...... نہیں مما میں نے تو یونہی کہہ دیا تھا۔" وہ اُٹھنے لگی تو ہاتھ پکڑ کر اُس نے پھر بٹھا لیا اور بولا......

"پتا ہے، دو روز پہلے میری گاڑی سے...... ایک لڑکے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"ہائے اللہ...... مزیب دیکھ کر چلایا کرو...... کچھ زیادہ نقصان تو نہیں ہوا۔" جویریہ بے حد پریشان ہو کر بولی۔

"میں تو دیکھ بھال کر ہی ڈرائیو کرتا ہوں مگر وہ لڑکا پتا نہیں کن سوچوں میں گم تھا، سائیکل سمیت آ ٹکرایا۔"

"زیادہ چوٹ تو نہیں لگی تھی اُسے......" وہ فکر مند تھی۔

"نہیں، بالکل نہیں، بس معمولی خراشیں ہی آئی تھیں اور میں نے خود ڈریسنگ کروائی، پھر گھر تک ڈراپ بھی کیا...... حالانکہ میرا تو کوئی قصور بھی نہیں تھا۔"

"بہت اچھا کیا تم نے...... لیکن یہ اتنی اہم بات تم دو روز کے بعد بتا رہے ہو مجھے......"

"بس بھول گیا تھا، اگر اُسے یا مجھے زیادہ چوٹ لگتی تو بتا بھی دیتا...... ویسے وہ لڑکا ہے بہت اچھا...... بہت مخلص اور سادہ سا...... عمر نام ہے اُس کا...... میں اُس کے گھر گیا تو والدہ اور بہن سے بھی ملاقات ہوگئی...... والدہ بھی بیٹے کی طرح ملنسار اور سادہ سی ہیں، ہاں بہن بہت تیز ہے مگر پریشانی کی بات نہیں، آپ کے بیٹے کے مقابلے کی پھر بھی نہیں۔"

جویریہ ہنس پڑی اور بولی

"تم تو یوں مقابلہ کر رہے ہو جیسے رشتہ کرنا ہے اُن کے ہاں......"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''وہ بھی ہنس پڑا اور بولا......

''میں تو جا نہیں رہا تھا، عمر زبردستی گھر لے گیا، چائے بھی پلائی...... مجھے اُن کے گھر کے مالی حالات اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ گھر بھی بہت چھوٹا سا ہے مگر وہ لڑکا عمر بہت محنتی ہے، پڑھ بھی رہا ہے اور ٹیوشن بھی پڑھاتا ہے۔ وہ مجھ سے متاثر ہوا اور میں اُس سے...... یوں ہم دونوں متاثرین کی دوستی ہوگئی۔ کہہ رہا تھا ''مزیب بھائی دوبارہ ہمارے گھر ضرور آنا۔''

''تمہاری دوستی تو ہر کسی سے ہو جاتی ہے۔'' جویریہ نے تعریفی انداز میں کہا۔

''ہاں مجھے لگتا ہے دُنیا میں اچھے لوگ زیادہ ہیں اور برے بہت کم۔''

''تم خود اچھے ہو، اس لئے تمہیں سب اچھے لگتے ہیں۔'' جویریہ نے محبت سے دیکھا۔

● ● ●

گرلز کالج کا ہال لڑکیوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ مہمانِ خصوصی کی آمد کا انتظار تھا۔

رائحہ اور دوسری لڑکیاں جنہوں نے حصہ لے رکھا تھا، اُن کی عجیب کیفیت تھی، خود کو ہزار بار سمجھانے کے باوجود گھبراہٹ تھی...... رائحہ کو سہیلیاں بار بار تسلی دیتیں۔

''دیکھنا پہلا پرائز ہوگا تمہارا، تم گھبرانا نہیں، ہم تمہیں حوصلہ دیتے رہیں گے۔''

''ہائے...... مجھے تو لگتا ہے اسٹیج پر جا کر میں سب کچھ بھول جاؤں گی۔''

''کچھ نہیں ہوگا......'' نبیلہ اور فائزہ سمجھاتیں۔

پھر چیف گیسٹ کی آمد کا شور اُٹھا...... اساتذہ نے اسٹوڈنٹس کو خاموشی اور تمیز کے ساتھ بیٹھنے کو کہا۔

یہ تو کسی کو بھی علم نہیں تھا کہ چیف گیسٹ ایسی حواسوں پر چھا جانے والی شخصیت ہوگی۔ خاموشی میں کچھ بے ساختہ تحیر آمیز آوازیں اُبھری تھیں کہ آخر یہ شوخ شوخ نوجوان لڑکیوں کا تعلیمی ادارہ تھا۔

تالیوں کا شور اگر فوراً بلند نہ ہو جاتا تو یقیناً یہ آوازیں اسے چونکا دیتیں، وہ تو ویسے بھی بہت چوکنا رہتا تھا۔

تقریب کا آغاز ہوا، وہی روایتی انداز، اردشیر اسٹیج پر آنے والی ہر لڑکی کو ایک نظر دیکھتا پھر میڈم فیروزہ سے باتیں کرنے لگتا۔

''بور تو نہیں ہو رہے......؟'' میڈم فیروزہ پوچھ رہی تھیں۔

''اتنا بدذوق نہیں ہوں۔'' آس پاس کی سچویشن اور اپنی پوزیشن کا خیال بات کے ساتھ بے ساختہ قہقہہ لگانے سے تو روک گیا مگر یہ جملہ کہنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکا۔

میڈم فیروزہ نے کچھ گھبرا کر اسٹاف کی طرف دیکھا، جن میں سے اکثر کے چہروں پر بے گانگی اور بے زاری طاری تھی یقیناً انہوں نے اس کی آمد کو پسند نہیں کیا تھا، دل ہی دل میں میڈم سے اختلاف تھا مگر کہنے کی جراٴت نہیں کر سکتی تھیں۔

میڈم فیروزہ نے پھر دوبارہ اردشیر کی جانب دیکھا اور آنکھوں میں سرزنش کی کہ ''خدا کے لئے اس ماحول کا ہی کچھ خیال کر لو اور آرام سے بیٹھے رہو، نہ زبان سے گفتگو کرو اور نہ ہی آنکھوں کو تکلیف دو۔''

توقع تو نہیں تھی کہ وہ مانے گا مگر اسے بھی شاید میڈم کی حالت پر ترس آ گیا اور میڈم سے گفتگو کا سلسلہ روک دیا......



''ارے...... یہ لڑکی......'' آنے والی کو دیکھ کر وہ چونک گیا تھا...... ایک کے بعد دوسری، تیسری اور پھر برابر نگاہ جمانے پر مجبور تھا۔ وہ ذہن کے کسی گوشے میں موجود تھی...... اسے سوچنے میں ذرا بھی تو نہیں لگا۔

یہ تو وہی ہے جو بازار میں اس سے ٹکرا گئی تھی۔ کمال ہے اتنے چہرے ہر روز دیکھتا ہوں، بھول جاتا ہوں مگر اسے نہیں بھولا...... یہ شکل ذہن میں پوری طرح محفوظ ہے۔ آج پھر دیکھا تو یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی کہ کہاں دیکھا تھا۔

''کون ہے یہ لڑکی......؟'' اُس نے میڈم فیروزہ کی جانب جھک کر سرگوشی کی مگر وہ اس وقت کسی ٹیچر سے مخاطب تھیں، اس کی سرگوشی سنی ہی نہیں۔

''پتا نہیں کیا نام ہے اس لڑکی کا...... ابھی اناؤنسمنٹ تو ہوئی تھی۔ میں نے دھیان ہی نہیں دیا۔ مجھے کیا پتا یہ یہاں پڑھتی ہے۔ کتنی پیاری ہے اور کیا معصوم سا چہرہ ہے، ہر ہر انداز دلکش ہے۔

وہ جانے کیا کہہ رہی تھی، کیا موضوع تھا جس پر اسے بولنا تھا وہ تو پوری دلچسپی سے صرف اسے دیکھ رہا تھا۔

پھر آخر میں رائحہ نے پورے اعتماد کے ساتھ بولتے ہوئے مہمان خصوصی کی جانب دیکھا اور حیرت، شدید حیرت...... اچھا ہوا جو پہلے اِدھر نہیں دیکھا لیا ورنہ یہ اعتماد کہاں رہتا۔ وہ چلی گئی تھی مگر اب تو اردشیر کے لئے یہ ماحول بہت دلچسپی لئے ہوئے تھا، وہ پوری طرح حاضر تھا۔

تقریب کے اختتام پر وہ انعامات کی تقسیم کے لئے میڈم فیروزہ کے ساتھ اسٹیج پر موجود تھا۔ پہلے کھیلوں میں مختلف پوزیشن لینے والی لڑکیوں کو انعامات دیئے گئے۔ وہ ہر لڑکی کو انعام کے ساتھ تمیز دار مسکراہٹ بھی تھما رہا تھا اور ہاتھ بھی ملا رہا تھا۔

اور پھر رائحہ سامنے تھی بہت قریب مگر اس کی جانب دیکھنے سے گریزاں، وہ ارادہ باندھ کر آئی تھی، اس کے چہرے کی جانب نہیں دیکھے گی مگر کب تک ایک لمحے کے لئے نگاہ اُٹھ ہی گئی اور پہچان کا جو رنگ اردشیر کی آنکھوں میں اس وقت دیکھا۔ گھبراہٹ بڑھ گئی اسے سامنے پا کر اردشیر تمیز دار مسکراہٹ کا دامن چھوڑ چکا تھا۔ اب تو اس کے چہرے پر شوپ اور شرارت تھی۔ اُس کی فسوں گر نگاہیں ٹکراؤ کا واقعہ پوری جزئیات کے ساتھ دُہرا رہی تھیں۔

اوّل پوزیشن لینے پر اُس نے مبارکباد دی تھی۔ رائحہ نے سنا ہی نہیں۔ پھر اُس نے پرائز تھما کر ہاتھ بڑھا دیا مگر گھبراہٹ میں وہ اس بڑھے ہوئے ہاتھ کی طرف دیکھے بغیر انعام لے کر تیزی سے واپس مڑی اور چلی گئی۔

لڑکیوں کی دبی دبی آوازیں اور ہنسی ہال کے ہر کونے سے اُٹھ رہی تھی۔ میڈم فیروزہ بھی رائحہ کی اس بدتمیزی پر ناراض تھیں اور یہ ناراضگی ان کے چہرے پر لکھی جا چکی تھی جسے اردشیر نے بھی پڑھ لیا تھا۔

''کیا نام ہے اس لڑکی کا......؟'' وہ اب بھی انہیں جانتا تھا مگر اُلجھن نہیں تھی کہ نام کیا وہ تو بڑے آرام سے ایڈریس بھی معلوم کر سکتا تھا۔

وہ میڈم فیروزہ کے کالج میں زیرِ تعلیم تھی گویا اس کی دسترس میں تھی۔

پہلے تو اس لئے ملنا تھا کہ وہ چھپی ہی تھی مگر اب تو ملنا بہت ضروری تھا، وہ ہاتھ ملائے بغیر جو چلی گئی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھی۔

• •

منشی غلام علی کو تو وہ پہچان ہی نہیں سکے، اسی نے بڑھ کر سلام کیا، نام بتایا، تب جمشید شاہ چونکے۔

''او غلام علی، یہ تم ہو......'' اُن کے لہجے میں خوشی تھی، وہ بہت بے تابی سے اُس کی جانب بڑھے اور اپنائیت سے ملے یوں جیسے وہ اُن کا ملازم نہیں بلکہ بچھڑا ہوا دوست ہے۔

اتنی گرمجوشی کی توقع تو غلام علی کو بھی نہ تھی۔ پہلے پہل وہ پہچان نہیں پائے تو اسے شدید مایوسی ہوئی تھی کہ شاہ جی کے پاس اتنے برس کام کیا۔ ان کے اس قدر قریب رہا اور آج یہ پہچان ہی نہیں پا رہے۔

''تم تو ایسے غائب ہوئے کہ پھر پلٹے ہی نہیں۔ میں نے تمہیں اکثر یاد کیا۔ تم جیسا محنتی اور دیانتدار منشی مجھے دوبارہ نہیں ملا۔''

''شاہ صاحب، میں آپ کو بھولا تو کبھی نہیں، بس دُنیا کے جھنجھٹ مجھے آپ کے پاس آنے سے روکتے رہے۔ آپ جیسا مہربان مالک میں نے پھر نہیں دیکھا۔''

''تم یہاں کیا کر رہے ہو......؟''

''شاہ صاحب! جہاں دانہ پانی لکھا ہو بندہ وہاں پہنچ کر ہی رہتا ہے۔ میں پچھلے دو برس سے اِدھر ہی ہوتا ہوں۔''

یہ بہت سال پہلے کی بات تھی جب جمشید شاہ کی جوانی کا آفتاب پوری آب و تاب سے جگمگا رہا تھا، اور وہ پور پور کبریٰ کی محبت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ تب منشی غلام محمد اُن کی زمینوں کا حساب کتاب سنبھالے ہوئے تھا اور انہیں بہت سی مصیبتوں سے بچائے رکھتا تھا۔

پھر ان کی کبریٰ سے شادی ہوگئی۔ بیٹیاں آگئیں تو محبت دبے پاؤں رُخصت ہوگئی۔ شاہ جی کے مزاج میں تبدیلی آئی ۔وہ تھکے تھکے، اُلجھے اُلجھے سے رہنے لگے۔ ان دنوں غلام علی بیمار ہوگیا اور کام پہلے کی سی جانفشانی سے نہ کر سکا۔

اِس سے پہلے کہ شاہ جی اسے ڈانٹ ڈپٹ کرتے یا سوال و جواب کرتے وہ خود ہی ملازمت چھوڑ کر چلا گیا کہ عزت سے وقت گزارا تھا۔ بہت اچھی یادیں وابستہ تھیں۔ وہ انہیں ایسا ہی خوشگوار رہنے دینا چاہتا تھا۔

شاہ جی کی اس سے ملاقات گاؤں سے شہر آتے ہوئے ہوئی، اُن کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ ملے تو شہر میں ہی رہے، علاج کروایا، پھر یہ سوچ کر کہ کھلی فضا طبیعت پر اچھا اثر ڈالے گی۔ وہ گاؤں چلے آئے اور سیدھے بڑی حویلی ہی آئے۔

مگر حسب معمول کبریٰ خاتون وہاں موجود نہیں تھیں صرف ملازمائیں ہی تھیں جو مالکوں کی غیر موجودگی میں عیش کر رہی تھیں۔ انہوں نے فوراً ڈرائیور کو اس پیغام کے ساتھ کبریٰ کو لانے کے لئے بھیجا کہ شاہ جی حویلی آئے ہوئے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔

ڈرائیور ان کے اندازے سے جلدی واپس آگیا مگر اکیلا ہی...... کبریٰ خاتون کے سارے میں اُس نے بتایا کہ وہ شیریں بی بی کے ساتھ شہر گئی ہوئی ہیں اور یہ علم نہیں ہوسکا کہ شہر سے اُن کی واپسی کب تک ہوگی۔



وہ بیمار تھے، ایک آس لے کر شہر سے یہاں آئے تھے مگر جب یہاں بھی تنہائی ملی تو غم و غصے نے اُن کی بری حالت کردی۔ ملازم خیال رکھنے کی کوشش تو بہت کر رہے تھے مگر انہیں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

ہو خواہ مخواہ ہی ملازموں پر برستے رہے۔ رات کا کھانا بھی نہیں کھایا۔ یہ بھی سوچا کہ جا کر خود کبریٰ کو لے آئیں مگر یاد آگیا، وہ تو یہاں ہے ہی نہیں، پتا نہیں کون سے شہر گئی ہے۔ ڈرائیور بے وقوف پوری بات کرکے بھی نہیں آیا۔

وہ مشکل سے ایک رات اور ایک دن ہی وہاں قیام کر سکے۔ پھر شہر دوبارہ واپسی کے لئے تیاری کر لی۔ راستے میں اپنے ایک جاننے والے چوہدری نذیر کا ڈیرہ پڑتا تھا اُس نے کئی بار اپنے ہاں آنے کی دعوت دی۔ سوچا چلو آج وہاں چلتے ہیں، کچھ وقت اچھا کٹ جائے گا۔

اور یہیں پر اُن کی ملاقات اپنے پرانے منشی غلام علی سے ہوگئی اور اُسے دیکھ کر انہیں یوں لگا، انہیں کوئی اپنا مل گیا ہو ایسا جس کے ساتھ وہ ہر بات بلا خوف و خطر کر سکتے ہیں جو ان کا ہمدرد، سچا خیر خواہ اور اپنا ہے۔

چوہدری نذیر تو ڈیرے پر نہیں تھا مگر غلام علی کا اصرار تھا آپ شہر جانے کے بجائے میرے ساتھ چلیں اور مجھے خدمت کا موقع دیں۔ شاہ جی نے رسمی سا انکار کیا...... مگر پھر مان گئے۔

غلام علی کا چھوٹا سا گھر جس کی دیواریں پکی تھیں، آنگن بھی کچا تھا مگر وہاں چیزوں پر دُھول نہیں تھی۔ آنگن میں جھاڑو لگی ہوئی تھی۔ سبزیوں کی کیاریاں ہریالی لئے ہوئے اور چند پھولوں سے لدے ہوئے پودے، صحن میں دو درخت بھی تھے، ایک نیم کا، ایک پیپل کا......سامنے تین کمرے تھے۔

شاہ جی صحن میں بیرونی دروازے سے ذرا آگے آکر رُک گئے۔

''آیئے ناں سرکار، آپ کا اپنا گھر ہے۔'' وہ بہت خوش تھا اُن کی آمد پر۔

جس کمرے میں انہیں بٹھایا گیا، وہ بہت بڑا نہیں تھا مگر سلیقہ یہاں پر بھی دکھائی دے رہا تھا۔ رنگین پایوں والے پلنگ پر ڈالے گئے سرخ، سبز اور سیاہ ڈیزائن کا صاف ستھرا کھیس، تکیے پر سفید غلاف جس کے گرد کروشیے سے بیل بنا کر لگائی گئی تھی ......اور خوبصورت کشیدہ کاری بھی نظر آ رہی تھی۔

پلنگ کے ساتھ میز پر ہاتھ کا پنکھا رکھا تھا۔ چار کرسیاں جن پر ڈھلے ہوئے سفید غلاف چڑھے ہوئے تھے اور دیوار پر پچھلے سال کا کلنڈر لگا تھا۔ غالباً جو تصویر سب سے زیادہ خوبصورت تھی وہ سامنے کی گئی تھی۔

بے شک سجاوٹ کا سارا انداز خالص دیہاتی تھا مگر صفائی کی وجہ سے...... بہت اچھا لگ رہا تھا۔

کبھی ان کا گھر بھی کتنا نکھرا نکھرا اور روشن ہوا کرتا تھا...... چہل پہل اور رونق دکھائی دیتی تھی مگر اب تو یہ سب کچھ خواب کی طرح تھا اور وہ حیران تھے حقیقت خواب میں کیونکر بدل گئی ہے وہ تو مستقبل کے بارے میں بہت پر اُمید تھے، بڑی آس لگائی تھی مگر جو کچھ ہوا، وہ انہیں توڑ رہا تھا۔

کبریٰ کی لاتعلقی اور اردشیر کا لااُبالی پن...... وہ تو اکیلے ہوتے جا رہے تھے...... گہری سانس کھینچ کر وہ پلنگ پر آ بیٹھے۔

''میں ابھی آیا سرکار......'' غلام علی ادب سے کہہ کر کمرے سے چلا گیا۔ اُنہوں نے آنکھیں موند

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



لیں اور تکیے سے ٹیک لگا کر نیم دراز ہو گئے۔

کچھ دیر کے بعد جب وہ دودھ میں تازہ شکر ڈال کر لے آیا تو انہیں اتنے آرام سے بیٹھے دیکھ کر مسکرا دیا۔

"شاہ جی جوتے اُتار کر پیر بھی اُوپر کر لیجئے، میں نے آپ کو کھانا کھلائے بغیر نہیں جانے دینا۔"

"اوہو......تم کن چکروں میں پڑ رہے ہو، میں یہاں آ کر خوش ہوا ہوں۔ کچھ نہ بھی کرو تو بھی مطمئن ہوں۔"

"سرکار......میں بھی آپ کی اپنے ہاں آمد سے بہت خوش ہوں اور میرا بس نہیں چل رہا کہ آپ کی کیا خدمت کروں۔"

"بابا......" دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور نسوانی آواز میں کسی نے غلام علی کو پکارا۔

"ڈمی رانی، اندر آ جاؤ......اپنے شاہ سائیں آئے ہیں، ان سے کوئی پردہ تھوڑی ہے۔"

شاہ جی جو نیم دراز تھے، جلدی سے سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

ذرا دیر کے بعد دوپٹہ سر پر سلیقے سے اوڑھے پچیس چھبیس سالہ ایک بھرپور سی لڑکی اندر آ گئی۔ سانولا رنگ، صحت مند جسم اور نقش کھڑے کھڑے۔

اُس نے ادب سے شاہ سائیں کو سلام کیا۔ پھر غلام علی سے بولی......

"بابا میں یہ دینے آئی تھی......" اور ہاتھ میں پکڑی پلیٹ شاہ جی کے سامنے میز پر رکھ دی۔

گاجر کا گرم گرم حلوہ جس پر بادام چھڑکے گئے تھے اور جس کی مہک سے سارا کمرہ مہکنے لگا تھا۔ پلیٹ رکھ کر فوراً ہی واپس چلی گئی۔

"کتنے بچے ہیں تمہارے......؟" شاہ جی نے پوچھا۔

"بس یہی ایک بیٹی ہے سرکار۔"

"یہیں رہتی ہے......؟" اُنہوں نے یونہی بالکل سرسری سے انداز میں پوچھا تھا۔

"ہاں جی بڑی لاڈلی ہے میری مگر نصیب اچھا نہیں لکھوا کر لائی۔ اب یہیں ہوتی ہے میرے پاس۔" غلام علی کے لہجے میں دُکھ گھل گیا تھا۔

"کیا ہوا......؟" جمشید شاہ نے ہمدردی لئے ہوئے پوچھا۔

"چار سال پہلے شادی کی تھی، میں نے اس کی، مگر صرف چھ مہینے بعد اس کا گھر والا اللہ کو پیارا ہو گیا اور میری لاڈلی بیٹی بیوگی کی چادر اُوڑھ کر ایک بار پھر باپ کی دہلیز پر آ گئی۔"

"اوہ بہت افسوس......" انداز بے ساختہ تھا کہ انہیں واقعی یہ جان کر دُکھ ہوا تھا۔

"تم نے دوبارہ شادی کر دی ہوتی اس کی......" یہ مشورہ تھوڑے وقفے کے بعد دیا تھا۔

"بیوہ سے کون شادی کرتا ہے، آپ تو جانتے ہی ہیں جی اپنے دیہاتوں کے رسم و رواج کو۔ اب تو ساری عمر میرے ساتھ ہی رہے گی۔"

"اور تمہاری بیوی کہاں ہے......؟ کیا گھر پر نہیں ہے اس وقت......"

"وہ اس دُنیا میں ہی نہیں ہے بس میں اور میری بیٹی زینت ہم دونوں ہی ہوتے ہیں اس گھر میں۔ بہت فکر ہے مجھے اپنی بیٹی کی۔ میں بوڑھا تو ہوں مگر ساتھ ساتھ بیمار بھی رہتا ہوں۔ سوچتا ہوں میرے بعد



کیا بنے گا اس کا۔"

"اللہ مالک ہے غلام علی، تم فکریں پال کر خود کو مت گھلاؤ، وہ بہتر کرنے والا ہے۔"

• • •

"عمر......او عمر......تم جتنا مرضی سر کھپا لو یہ عقل کے اندھے انسان بن ہی نہیں سکتے۔ میں تو کہتی ہوں، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو۔"

"اوہو رابعہ آپی......ایک تو تم درمیان میں ضرور ہی ٹوکنا، اس طرح خاک پڑھیں گے یہ بچے۔"

عمر، رابعہ کی بات پر چڑ کر بولا۔

"یہ نہ ایسے پڑھیں گے، نہ ویسے، تم انہیں سمجھا سمجھا کر اپنا گلا خراب کر لیتے ہو اور یہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔ نصیحت کرتے ہو تو بھول جاتے ہیں اور سارا دن محلے میں ایک دوسرے سے لڑائی کرتے ہیں، تم نے منع کیا تھا، گالی مت دینا اور یہ اتنی بڑی بڑی گالیاں دیتے ہیں۔"

اُس نے باقاعدہ ہاتھوں سے سائز بتایا۔

"ہیں......سچ کہہ رہی ہیں آپا......؟" عمر نے گھور کر بچوں کی طرف دیکھا......

وہ سب کے سب معصوم شکل بنا کر بیٹھ گئے، اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔

"چلو ادھر لائن میں لگ جاؤ اور سچ سچ بتاؤ کون کون گندی باتیں کرتا ہے۔"

"سب کے سب ایک جیسے ہیں بدتمیز، لڑاکا، جھگڑالو۔"

"اوہو آپا، تم تو چپ کر جاؤ بلکہ یہ اچھا ہوگا کہ یہاں سے جاؤ اور کوئی کام کرو۔"

"ہاں ہاں رابعہ آپا تم تو جاؤ یہاں سے، ہمیں پڑھنے دو۔" سب بچے شور مچانے لگے تو رابعہ مارنے کو لپکی مگر اسی وقت دروازہ بجا کر کسی نے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ سب نے بیک وقت دروازے کی طرف دیکھا۔

"گاڑی والا آیا ہے۔" سب بچے کورس کے انداز میں چلائے۔

رابعہ جو بچوں کو مارنے کو لپکی تھی، اب جہاں کی تہاں رُک گئی تھی اور عمر جلدی سے اُٹھ کر حیرت اور خوشی سے بھرپور مسکراہٹ لئے اس کے استقبال کو لپکا تھا۔

"مزیب بھائی آپ......" اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے وہ کہے بغیر رہ نہیں سکا۔

"دیکھ لو کہا تھا ناں تمہیں دوست اور بھائی بنایا ہے، ویسے تم لوگ ڈسٹرب تو نہیں ہوئے میری آمد سے......"

"اوہ بھائی......کیسی بات کرتے ہیں......میں بتا نہیں سکتا، آپ کی آمد سے مجھے کتنی خوشی ہوئی ہے، آیئے اندر آ جایئے۔" ہاتھ پکڑ کر وہ اسے کمرے میں لے آیا۔

"یہاں پر شاید کسی معرکے کی تیاری تھی۔" مزیب، رابعہ کو بچوں کے پیچھے لپکتے دیکھ چکا تھا اور اب شرارت بھرے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

"کیوں، آپ نے بھی شریک ہونا ہے......؟" رابعہ جھٹ سے بولی......

"اُوں ہوں آپا......" عمر نے سرزنش کی......جبکہ مزیب بولا......

"کہنے دو انہیں، میری بھی ایک بہن ہے مگر تمہاری بہن سے بالکل مختلف۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"ہوں، خوب سمجھ رہی ہوں، آپ یہی کہنا چاہتے ہیں ناں کہ وہ بڑی اچھی ہے۔" رابعہ نے بتایا......

"نہیں نہیں، بہنیں تو ساری اچھی ہوتی ہیں اور عمر کی بہن بھی تو میری ہی بہن ہوئی ناں......؟"

"اب رابعہ نے پہلی بار تیزی طراری کو ایک طرف رکھ کر اس کی جانب دیکھا پھر اثبات میں سر ہلا کر ہنس پڑی......

"عمر، میں نے اپنی والدہ سے بھی تمہارا ذکر کیا تھا اور اپنی دوستی کے بارے میں بتایا تھا......وہ تم سے ملنا چاہ رہی ہیں، اب بتاؤ کب آنے کا ارادہ ہے ہماری طرف......؟"

عمر چپ سا ہو گیا، کچھ دیر بعد بہت سنجیدگی کے ساتھ گویا ہوا۔

"مزیب بھائی، مجھے آپ کے گھر آنے پر اعتراض تو نہیں، آپ بہت اچھے ہیں اور یقیناً وہ ماں بھی بہت اچھی ہوگی جس نے آپ کی تربیت کی ہے مگر پتا نہیں کیوں پھر بھی ایک جھجک سی ہے۔"

"اوہو......تم کوئی وہم دل میں مت لاؤ، بس ابھی ابھی فیصلہ ہو جانا چاہئے کہ کب آ رہے ہو ہماری طرف، دیکھو میں تو بن بلائے ہی چلا آیا ہوں۔"

"بن بلائے کیوں، میں نے اُس روز آپ سے کہا تو تھا، دوبارہ ضرور آیئے گا۔"

"اچھا کہا ہوگا، ویسے میں خود ہی چلا آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بھائی، آپ جب کہیں گے، میں چلا آؤں گا۔" عمر بھی مان گیا۔

"ٹھیک ہے، پھر تیار رہو، عنقریب میں تمہیں اپنے گھر لے کر جاؤں گا۔"

"ارے شاہ، تم آئے ہو......؟" میڈم فیروزہ اُسے دیکھ کر کھل گئی تھیں۔

"کیا کر رہی تھیں تم......؟ کب سے منتظر بیٹھا ہوں۔" اردشیر کے انداز میں ناراضگی تھی۔

"باتھ لے رہی تھی، تم بتاؤ اس وقت کیسے آنا ہوا......؟" یہ سوال ہوا تو حیرت انگیز طور پر اردشیر کا موڈ بحال ہو گیا، وہ بولا......

"اصل میں، میں تم سے کچھ پوچھنا چاہتا تھا اس لڑکی کے بارے میں۔"

"کون سی لڑکی شاہ......؟" وہ سمجھی نہیں۔

"نام میں نہیں جانتا، بس اتنا بتا سکتا ہوں، اس روز تقریری مقابلے میں فرسٹ پرائز لیا تھا اُس نے......بہت خوبصورت لڑکی ہے اور اُس کی آواز بھی بہت اچھی ہے۔"

"سمجھ گئی، تم رائحہ حسن کی بات کر رہے ہو، بڑی تفصیل سے دیکھا ہے۔" میڈم ہنس پڑیں، پھر بولیں......

"واقعی بہت کیوٹ ہے، لائق بھی ہے اور ذہین بھی مگر خیر تو ہے ناں، تم نے اتنا یاد کیوں رکھا اسے......؟" میڈم کی دلچسپی فطری تھی۔

"یہ بھی کوئی کرنے کا سوال ہے فیروزہ، جب اردشیر کسی لڑکی کے بارے میں پوچھنے کے لئے تمہارے پاس آئے گا تو مطلب تو صاف ہوگا۔" وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔

"اوہ شاہ......وہ تو بڑی معصوم بھولی بھالی سی لڑکی ہے، غالباً کسی سرکاری افسر کی بیٹی ہے اور غالباً



روایت پرست واقع ہوئی ہے۔ وہ ان لڑکیوں سے بالکل مختلف ہے، جن سے تمہاری روز کی ملاقات رہتی ہے۔"

اردشیر نے یہ سب صبر سے سنا پھر بولا...... "کیا اپنے کالج میں پڑھنے والی ہر اسٹوڈنٹ کے بارے میں اتنی ہی معلومات رکھتی ہو......؟"

"نہیں، اصل میں رائحہ بہت بریلنٹ اسٹوڈنٹ ہے اور خاصی پاپولر ہے کالج میں......"

"اچھا، مجھے تو بس یہ بتاؤ، ملاقات کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔"

"کسی کو تو بخش دو میرے شاہ، اتنا ہی خیال کر لو، وہ میرے ہی کالج میں پڑھتی ہے، کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو ساکھ خراب ہو جائے گی۔" میڈم فیروزہ بڑے لائیٹ موڈ میں کہہ رہی تھیں۔

اردشیر نے اُن کی جانب دیکھا، پھر صوفے کی بیک سے کمر ٹکا کر بائیں ٹانگ دائیں پر رکھی اور ریلیکس موڈ میں بیٹھتے ہوئے بولا......

"یہ میری اُس کے ساتھ دوسری ملاقات تھی۔"

"ہا......اچھا تو پہلی بار کہاں ملے تھے......؟" میڈم نے حیرت کے بھرپور انداز کی اداکاری کرتے ہوئے سوال کیا۔

اردشیر نے پہلی ملاقات کی تفصیل بتا دی۔

"پھر تو کوئی مشکل ہی نہیں تمہارے لئے، یقیناً وہ بھی تمہیں پہچانتی ہوگی کہ یہ طے ہے، تم بھول جانے والی چیز نہیں ہو۔"

"تم میری ہیلپ کر سکتی ہو......؟" اردشیر تو ارادہ باندھ کر آیا تھا۔

"او......یہ بھی تو سوچو میں پرنسپل ہوں اس کالج کی، کوئی ایسا رول ادا کروں گی تو ساکھ ضرور متاثر ہوگی کہ ایسی باتیں زیادہ دیر چھپی تو نہیں رہ سکتیں۔" میڈم فیروزہ کے انداز میں ہچکچاہٹ تھی۔

"تو تم انکار کر رہی ہو......؟" اردشیر کے موڈ نے پلٹا کھایا۔

ابھی یہ بات ہو رہی تھی کہ فیروزہ کی منہ بولی بھانجی نورین چلی آئی۔ بہت تیز لڑکی تھی وہ اور اس کی آنکھیں اس عمر میں کسی تجربہ کاری کی آنکھیں دکھائی دیتی تھیں۔

"اوہ شاہ، ہمیں پتا نہ تھا، آج آپ سے ملاقات ہو جائے گی ورنہ کچھ تیاری کے ساتھ آنٹی کی طرف آتے۔" انداز بے حد پر جوش اور شوخ تھا۔

"ہمیں پہلے خیال ہی نہیں آیا، اس کام کے لئے نورین سے بہتر کوئی نہیں۔" میڈم نے اردشیر کو راہ دکھائی......

اردشیر نے بھی نورین کو دیکھا۔

"ہاں یہ لڑکی میری ہیلپ کر سکتی ہے، اس کے ذریعے رائحہ تک پہنچنا بہت آسان ہوگا۔"

"کیا کام لینا ہے مجھ سے......؟" نورین نے دونوں کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"رائحہ حسن دل و ذہن پر چھائی ہوئی ہے آج کل......" انہوں نے ہنس کر اپنی بھانجی کو بتایا۔

"اوہ نو شاہ، وہ تو بڑی سویٹ لڑکی ہے۔" نورین کو افسوس ہوا تھا یہ بات سن کر۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"تو ہمیں بھی تو سویٹ لوگ ہی اچھے لگتے ہیں ڈیئر اور میں اس کے ساتھ دوستی چاہتا ہوں، بلکہ سننا چاہتا ہوں اُس کی...... بس صرف یہی ہے پتا نہیں کیوں مگر یہی حقیقت ہے۔"

"کوئی مشکل نہیں، وہ کلاس میں مجھ سے جونیئر ضرور ہے مگر میرے لئے اسے دوست بنانا ہے اور بہت جلد تم سے بھی ملاقات کی صورت نکل آئے گی۔"

"ہاں کچھ کرو مگر جلدی...... تاخیر میرا موڈ بگاڑ دیتی ہے۔"

"زیادہ انتظار نہیں کراؤں گی۔" نورین یہ کہتے ہوئے صوفے پر اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔

• • •

"وہ تو وہی تھے اور شاید انہوں نے بھی مجھے پہچان لیا تھا روزانہ کتنے ہی لوگوں سے ملتے ہوں مگر پھر بھی میرا چہرہ انہیں یاد رہا مگر کیوں یہ کوئی اچھی بات تو نہیں اور میں کتنا گھبرا گئی تھی، میری گھبراہٹ کو لڑکیوں نے بھی محسوس کیا۔ وہ بار بار ہنس رہی تھیں۔

مجھے کسی نے کہا بھی تھا کہ تم نے ان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو بھی نظر انداز کر دیا تھا اور وہ صرف ہاتھ ہی تو ملانا چاہ رہے تھے، ہمیشہ کے لئے تھامنے کی خواہش تو نہیں کی تھی، جو تم شرما کر بھاگ آئیں۔

اوہو، مجھے اتنا پریشان نہیں ہونا چاہئے تھا، شکر ہے تقریر کے دوران میں نے ان کی جانب نہیں دیکھا ورنہ بھول جاتی سب کچھ...... مگر کیوں، میں ایسا کیوں سوچ رہی ہوں......؟ ایسا کیوں محسوس کر رہی ہوں...... شاید میں نے بھی انہیں بہت اچھی طرح یاد رکھا ہے۔ واقعہ تو چھوٹا سا تھا مگر میں بھلا نہیں سکی۔

اور نبیلہ...... وہ مجھے بھولنے دیتی بھی نہیں، ذرا جو خاموش بیٹھتی ہوں تو کہتی ہے، کیا ہوا، کیا وہ خوبرو اجنبی یاد آ رہا ہے۔ پھر بہت ریکارڈ لگاتی ہے، کہتی ہے کالج تک صرف تمہاری کشش لے آئی تھی انہیں اور تمہیں پہلا انعام بھی اُن کی سفارش پر ملا ہے۔

نبیلہ ہے بہت بدتمیز مگر ایک بات ہے اُس نے ابھی تک یہ بات فائزہ وغیرہ سے چھپائی ہے، میں نے منع کیا تھا تو اُس نے کسی سے ذکر تک نہیں کیا۔ اُس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

کمرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ سامنے کتاب کھول رکھی تھی مگر سوچوں میں وہ تمام منظر تھے جن میں اردشیر تھا، کبھی میڈم فیروزہ سے ملنے کالج آیا ہے اور وہ فائزہ کے ساتھ کھڑی دیکھ رہی ہے، کبھی مارکیٹ میں ہونے والی ملاقات اور پھر کالج میں چیف گیسٹ کے طور پر اُس کا آنا۔

"پتا نہیں وہ کون ہیں، کیا نام ہے اُن کا......؟"

سوچیں تھیں کہ پلٹنے کا نام ہی نہیں لیتی تھیں۔

"وہ یقیناً مجھے یوں تو نہیں سوچتے ہوں گے اور انہیں بھلا کیا ضرورت ہے، یہ تو میں بے وقوف ہوں، پتا نہیں کیوں میں خود کو اس سوچ سے الگ کر ہی نہیں پاتی حالانکہ جانتی ہوں۔ یہ غلط ہے مگر پھر بھی......"

رائحہ کا خیال غلط تھا، وہ بھی اسے سوچتا تھا مگر تب جب کوئی بہت اچھی بات سوچنا چاہتا تھا۔ وہ لڑکی اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو اتنے لوگوں کی موجودگی میں نظر انداز کر کے چلی گئی مگر اردشیر کے اندر غصہ نہیں تھا۔ ضد نے سر نہیں اُٹھایا تھا کہ سوہا رعنا کی طرح اس لڑکی کے کسی بھی انداز میں بے نیازی اور اکڑ پن نہیں تھا۔



وہ سہمی سہمی، گھبرائی ہوئی لڑکی تھی، اس کے گالوں پر سرخی تھی جیسے نگاہوں کی گرمی نے انہیں دہکا دیا ہو۔ اس کی پلکیں جھکی ہوئی تھیں اور ہونٹوں کی بالائی سطح پر شاید ہلکا سا پسینہ تھا۔

پہلی ملاقات بھی اور پھر دوسری ملاقات پر بھی ایک سی لگی...... بے ریا...... معصوم...... اَن چھوئی...... اس کا نازک سراپا بے شک اتنی کشش رکھتا تھا کہ دیر تک دیکھنے والوں کو یاد رہ جائے۔

اردشیر اس مرتبہ جس جذبے کا شکار ہوا تھا، وہ مختلف تھا، اسے اس لڑکی نے متاثر کیا تو وہ اسے دیر تک ساتھ رکھنے کی سوچ رہا تھا، کسی قیمتی چیز کی طرح، وہ اس کے سامنے بیٹھ کر اسے بولتے ہوئے سننا اور دیکھنا چاہتا تھا۔ اُس کی سوچوں میں اُترنے کی خواہش نے دل میں جگہ بنائی تھی...... ورنہ اگر لمحوں کی بات ہوتی تو پھر کچھ بھی مشکل نہ تھا مگر اب مسئلہ یہ تھا کہ دل تک رسائی کا خیال آ گیا...... یہ اور بات کہ اس کی سوچ میں پاکیزگی کا دخل کبھی رہا ہی نہیں۔

نورین نے بڑے یقین کے ساتھ کہا تھا۔ بہت جلد وہ لڑکی تمہارے سامنے بیٹھی ہوگی اور اردشیر کو اس گھڑی کا بڑی شدت سے انتظار تھا۔

• • •

ایکسیڈنٹ شدید تھا، غلام علی کو ہاسپٹل جا کر ہوش آیا تو اُس نے شاہ جی سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔ شاہ جی کو پیغام ملا، وہ اس وقت کہیں جانے کو تیار تھے مگر پروگرام ملتوی کر دیا۔ اس کے گھر میں ملنے والا سکون اس کی تابعداری انہیں بھولی نہیں تھی، وہ فوراً ہاسپٹل پہنچ گئے۔

اس کی حالت اچھی نہیں تھی شاہ جی ملنے آئے تو انہیں دیکھ کر رونے لگا۔ جمشید شاہ نے تسلی دی، اچھی صحت کے لئے دُعا دی مگر وہ کہتا تھا۔

"شاہ جی، میری زینت بیٹی گھر میں اکیلی ہوگی، وہ تو اپنے بابا کی راہ دیکھ رہی ہوگی۔ گاؤں میں کسی کو اس حادثے کی اطلاع نہیں ہے، وہ پریشان ہوگی۔"

"تم فکر نہ کرو غلام علی میں خود گاؤں جا کر اسے تسلی دوں گا اور سنو ہاسپٹل میں اُٹھنے والے اخراجات کی بھی فکر مت کرنا۔"

جب شاہ جی کی گاڑی غلام علی کے گھر کی گلی میں داخل ہوئی تو شام رات میں ڈھل رہی تھی، پریشان زینت باپ کے انتظار میں دروازے پر کھڑی تھی اور ہاتھ میں پکڑی لالٹین سے باپ کی راہ میں اُجالے کی کوشش کر رہی تھی۔

گاڑی اسی کے دروازے کے سامنے آ کر رُکی، دل کسی انجانے خدشے کے تحت دھک دھک کرنے لگا۔

"یا اللہ خیر...... یہ کون ہو سکتا ہے اور کس لئے آیا ہے......؟ شاہ جی گاڑی سے اُتر کر دروازے کے قریب آئے اور سلام کے بعد بولے......

"میرا نام جمشید شاہ ہے، تم زینت ہو ناں......؟"

"جی جی شاہ سائیں، میں زینت ہوں اور بابا تو ابھی تک گھر ہی نہیں آیا۔ میں بہت فکرمند ہو رہی ہوں......" اس کا گلا اتنا کہہ کر رُندھ گیا۔

"تمہارے بابا اس وقت شہر میں ہیں...... میں اُن سے مل کر اُن کے کہنے پر ہی تو یہاں پر آیا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہوں۔"

"بابا خود کیوں نہیں آیا شاہ سائیں......؟" زینت نے بات کاٹ کر عجلت میں کہا۔

"تمہارے بابا کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ وہ ہاسپٹل میں ہیں مگر گھبراؤ نہیں، وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔" زینت رونے لگی شاہ جی نے تسلی دی مگر اس کا دل قابو میں نہیں آ رہا تھا۔

"یہ لڑکی بہت پریشان ہے، پھر یہاں اکیلی بھی ہے۔ رات کیسے گزارے گی، بہتر ہے اسے ساتھ شہر لے جاؤں۔" انہوں نے زینت سے اس خیال کا اظہار کیا تو وہ فوراً تیار ہو گئی کہ باپ کو دیکھنے کے لئے بے تاب تھی۔

ہاسپٹل میں شاہ جی کے دو ملازم غلام علی کے پاس موجود تھے۔ جب وہ زینت کے ساتھ پہنچے غلام علی کی سانسیں اُکھڑ رہی تھیں۔

"شاہ جی، میری بیٹی......" اسے اب بھی زینت کی فکر تھی۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو......؟ اس کی حالت دیکھ کر ان کی آواز بھی لڑکھڑا رہی تھی۔

"شاہ جی...... یہ نیچ ذات ہے مگر اس کے سر پر چادر ڈال دینا، بے آسرا مت کرنا، سہارے کو نہ سہی، اپنے نکاح میں لے لینا۔" زینت کی آہیں، اُس کی چیخیں بہت شدید تھیں مگر زندگی رُوٹھ گئی جانے والا کیسے رُکتا اور جاتے وقت اسے جمشید شاہ کے حوالے کر گیا۔

بھری دُنیا میں اب وہ تنہا تھا۔ شاہ جی نے اسے بڑی حویلی اس خیال سے بھیج دیا کہ اب تک کبریٰ آ چکی ہو گی، وہ نہ بھی ہوئی تو ملازمائیں سنبھال لیں گی۔

بعد میں فون کیا تو پتا چلا کبریٰ ابھی تک واپس نہیں آئی۔ حویلی میں خدمت گار تو بہت تھے مگر دلجوئی کرنے والا کوئی نہ تھا۔

شاہ جی ایک ہفتے کے بعد گاؤں آئے۔ رات کا وقت تھا، زینت کو نیند نہیں آ رہی تھی، وہ برآمدے میں ٹہل رہی تھی...... اِدھر شاہ جی نے قدم رکھا، اُدھر وہ سلام کو لپکی پھر کھانے کو پوچھا...... جواب اثبات میں پا کر کسی ملازمہ کو جگانے کے بجائے خود ہی باورچی خانے میں چلی آئی جب تک وہ نہا کر آئے کھانا تیار کر چکی تھی اور ان کی آمد کی منتظر تھی۔

"آپ بہت دنوں کے بعد آئے ہیں۔"

"میں آنا چاہتا تھا مگر کاموں میں گھِر ارہا، تم ٹھیک ہو ناں......؟" لہجہ خود بخود نرم اور اپنائیت بھرا ہو گیا۔

"ہاں جی...... میں ٹھیک ہوں، آپ ٹھہریں گے ناں گاؤں میں......؟"

"شاید ایک دو روز......"

"میں آپ کا کمرہ ٹھیک کرتی ہوں۔"

وہ چلی گئی...... شاہ جی کو محسوس ہوا ابھی ابھی راحت یہاں موجود تھی...... یہ سب کچھ کتنا صاف اُجلا ہوا کرتا تھا اور اب اتنے سالوں کے بعد گرد صاف ہوئی ہے...... ہر شے چم چم کر رہی ہے۔

انہیں یاد آیا، غلام علی نے کہا تھا...... "زینت کو اپنے نکاح میں لے لینا۔"

اور وہاں اردشیر سوچ رہا تھا، گاؤں کا چکر لگا لینا چاہیے...... بڑی ماں سے بھی ملاقات ہو جائے گی۔

• • •



"آذر صاحب! میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں آپ کا کس طرح شکریہ ادا کروں......؟" اُس نے سروس دلائی تھی اور سوہا از حد ممنون ہو کر کہہ رہی تھی۔

"ہم پڑوسی رہ چکے ہیں سوہا اور اس ناتے تم نے مجھے ہیلپ کے لئے کہا تھا، میں انکار کیسے کر سکتا تھا، اُسی دن سے تمہارے لئے کوشش کر رہا تھا...... اپنی فرم میں جگہ نہیں تھی مگر میں اِدھر اُدھر بھی دیکھتا رہا۔ بہت سے لوگوں سے بات بھی کی اور آخر کامیابی ہو ہی گئی...... ادارے کے مالکان اچھی شہرت کے حامل ہیں...... مجھے یقین ہے تمہیں کسی پرابلم کا سامنا نہیں ہو گا...... لیکن پھر بھی اگر کوئی بات ہو، کوئی مشکل پیش آئے تو مجھے ضرور بتانا۔"

"بہت شکریہ......" وہ خوشی سے کھِلی پڑ رہی تھی۔

آذر جب اس ملازمت کے بارے میں بتانے کے لئے خود اُس کے گھر آیا تھا۔ تب وہ کتنی مایوس ہو رہی تھی، ہر طرف اندھیرا تھا مگر جب اُس نے یہ خوشخبری بنائی تو کتنی دیر یقین ہی نہیں آیا۔

"اچھا سوہا، اب اجازت......" اُسے فلیٹوں کی اُس دُنیا سے کچھ فاصلے پر وہ ڈراپ کر کے کہہ رہا تھا۔

"نہیں، اس طرح تو نہیں، آپ اندر آئیے، آنٹی سے بھی ملیں اور چائے بھی پیتے جائیں۔"

"سوہا...... اس وقت تو میں جلدی میں ہوں، ہاں وعدہ رہا کسی روز آؤں گا ضرور، آنٹی کو تمہاری ملازمت پر مبارکباد بھی دینا ہے اور چائے بھی ضرور پیئوں گا۔"

خدا حافظ کہہ کر وہ گاڑی بڑھا لے گیا...... سوہا مسرور کھڑی ہاتھ ہلاتی رہی۔

آذر کی کل شام اردشیر سے بات ہوئی تھی اور بہت ناراضگی کے ساتھ اردشیر نے کہا تھا......

"میں تمہاری طرف نہیں آیا تو اتنا بھی نہیں ہوا کہ آ کر شکل دکھا دیتے، اب مجھے پورا یقین ہو چلا ہے آذر محمود، دوستی صرف میں نبھا رہا ہوں، تمہیں میرا کوئی خیال نہیں۔"

اُس کی بات سن کر آذر شرمندہ ہو گیا تھا۔ واقعی وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ پچھلے دنوں بزنس میں وہ کچھ ایسا اُلجھا تھا کہ اُس کی طرف نہ تو جا سکا تھا اور نہ ہی بات کر سکا۔

آج وعدہ کیا تھا اور وقت بھی طے کر لیا تھا کہ ضرور آؤں گا...... اب سوہا کو ڈراپ کرنے کے بعد وہ اردشیر کی جانب ہی جا رہا تھا...... ریسٹ واچ پر ٹائم دیکھا، وہ دس منٹ لیٹ ہو چکا تھا۔

جب وہ اردشیر کے ہاں پہنچا تو اُسے ڈرائنگ روم میں ہی موجود پایا۔ وہ اکیلا نہیں تھا، ساتھ میں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ایک شوخ سی لڑکی تھی۔ اردشیر نے اپنے دوست کا ادھورا سا تعارف کروایا۔ یہ سن کر آذر اس کا دوست سے وہ فوراً ہی بے تکلیف ہونے لگی۔ مگر آذر ہمیشہ ان باتوں سے دُور رہا تھا۔ لہٰذا حد برقرار رہی رکھی۔

"اچھا...... اب چلتی ہوں۔" وہ سمجھ گئی تھی کہ دونوں یہی چاہ رہے ہیں۔

"ٹھیک ہے، میں کل خود میڈم فیروزہ کی طرف آؤں گا۔ تم سے بھی وہیں ملاقات ہوگی۔"

"نہیں شاہ، اتنی جلدی تو نہ کرو۔" اردشیر نے اُس کی جانب دیکھا، سر کو افسوس کے انداز میں جھکا اور بولا......

"تم اسے جلدی کہہ رہی ہو نورین، میرے دل سے پوچھو، کتنی اُلجھن میں ہے اس دیر پر......"

"خوب سمجھتی ہوں تمہارے دل کو، ہر بات میں عجلت اچھی نہیں ہوتی...... ویسے تم فکر مت کرو دوستی تو میں نے کر ہی لی ہے۔ مگر وہ ہے بڑی روایت پرست سی لڑکی اور ہر بات میں پہلے صحیح اور غلط کا اندازہ لگاتی ہے پھر قدم اُٹھاتی ہے۔ میں جلد ہی تمہیں ساری رپورٹ دے دوں گی۔"

"چلو ٹھیک ہے مگر یاد رکھو، رپورٹ اچھی ہونی چاہئے۔" اردشیر کا شوق اور بے چینی اُس کے چہرے سے آذر بخوبی پڑھ سکتا تھا۔

"کیا وہ بہت پسند آ گئی ہے شاہ......؟" نورین نے شاہ کو لمبا کر کے کہا اور پھر ہنس پڑی۔

اردشیر نے جواب نہیں دیا۔ نچلا لب دانتوں تلے دبا کر بغور نورین کو دیکھا، پھر ہنس پڑا۔

آذر سمجھ گیا تھا چکر بے چاری کسی لڑکی کا ہے۔ اردشیر کے انداز پر غصہ بھی آ رہا تھا، اُلجھن بھی سوار تھی اردشیر نے اس سے تو صرف سلام ہی کیا تھا، گفتگو تو برابر نورین نامی اس لڑکی سے ہو رہی تھی۔

"مجھے صرف شکل دیکھنے کو بلایا تھا۔" اُس نے جل کر سوچا اور واپسی کے ارادے اُٹھنے لگا۔ اردشیر بھی خوب سمجھ رہا تھا، نورین سے گفتگو کرتے ہوئے درمیان آذر کی جانب تھا۔ وہ اُٹھا تو برابر میں صوفے پر بیٹھے اردشیر نے بازو پکڑ لیا۔ مجبوراً اسے پھر بیٹھنا پڑا۔

نورین چلی گئی، تب وہ پوری طرح اِدھر متوجہ ہوا اور بولا......

"اتنے دنوں کے بعد آئے ہو، وہ بھی میرے بلانے پر اور اس پر نخرے بھی دکھا رہے ہو، سبحان اللہ...... تمہارا بھی جواب نہیں۔"

"یہ کیا باتیں ہو رہی تھیں ابھی......؟" آذر پوری طرح سنجیدہ تھا۔

"کچھ نہیں، بس یونہی ٹائم پاس کر رہے ہیں۔" انداز ٹالنے والا تھا۔

"میں سمجھ رہا ہوں۔" آذر نے ابھی تک اُس کی گرفت میں موجود اپنا بازو آزاد کراتے ہوئے سخت ناراضگی سے جتایا۔

"آ...... اچھا...... یہ تو بڑی اچھی خبر ہے میرے لئے، یہ چند دن جو ہم نے ایک دوسرے سے ملے بغیر گزارے اس میں آپ بڑے ہو گئے ہیں، سب سمجھنے لگے ہیں۔"

"میں مذاق کے موڈ میں بالکل نہیں ہوں اردشیر......" وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تو پھر کس موڈ میں ہیں سرکار...... ہیں......" وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور پھر ایک دم سے دھکا دے کر آذر کو صوفے پر گرا دیا...... اور بولا......

"تمہیں اتنی تکلیف کیوں ہو رہی ہے......؟ سمجھاؤ گے یہ بات مجھے......"



"آج سے پہلے تم اپنے جیسوں کے ساتھ ہی نظر آتے رہے ہو جبکہ بقول تمہاری اس دوست کے وہ لڑکی روایت پرست اور شریف ہے۔"

اردشیر نے اس کی ناراضگی کا مزا لیا...... اسے نظر میں رکھ کر بولا......

"ہاں، ٹھیک کہہ رہے ہو پیارے، لیکن اب میری سوچ بدل گئی ہے۔ سوچا ہے اِدھر بھی نظر ڈالی جائے...... تجربات میں جتنا اضافہ ہو سکے، اتنی ہی اچھی بات ہے۔"

"کیا ہی اچھا ہوتا جو میں یہاں تمہارے پاس آنے کی حماقت نہ کرتا۔"

"اب تو یہ حماقت ہو ہی چکی ہے تو یہ بتاؤ چائے پیو گے یا کافی......؟"

"کچھ نہیں......" وہ واقعی اُداس ہو رہا تھا۔

"تم مجھے یہ بتاؤ، میرے دوست ہو یا اس لڑکی کے......؟" اردشیر نے سختی سے کاندھا دبا کر اسے اپنی جانب متوجہ کرنا چاہا۔

"تمہارا دوست ہوں اسی لئے تو تمہیں یوں تباہ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔" اُس کا ہاتھ کاندھے سے ہٹا کر وہ جھلاہٹ میں کہہ رہا تھا۔

اردشیر نے سر پیچھے کو کر کے اُونچا قہقہہ لگایا اور بولا......

"اوہو...... مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ میں تباہ و برباد ہو رہا ہوں...... اگر تم اب بھی اطلاع نہ دیتے تو برا کیا بنتا، دوست ہو تو تم جیسا......"

"مذاق اُڑا رہے ہو، اُڑا لو، جتنا جی چاہئے ہنس لو...... مگر میری باتیں ایک دن تمہیں بہت یاد آئیں گی۔"

"اچھا...... ویسے یہ بات تم پچھلے آٹھ دس سالوں سے کہہ رہے ہو۔ اب پتا نہیں وہ وقت کب آئے گا، جب مجھے تمہاری باتیں یاد آئیں گی۔"

"کون ہے وہ لڑکی......؟" آذر نے صاف صاف بات کی...... یوں جیسے یہ مذاق اُس کا نہیں کسی اور کا اُڑایا گیا ہو۔

"اتنا بے وقوف نظر آتا ہوں میں کہ تمہیں اس کے بارے میں بتا دوں گا...... ارے وہ تو میری جان ہے۔" اردشیر کی شوخی ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

"تم نے بلوایا کیوں تھا مجھے......؟" آذر کی سنجیدگی گہری ہوتی جا رہی تھی۔

"اوہ یار...... یہ جلی بھنی شکل دیکھے کافی دن ہو گئے تھے پھر میرا ڈانٹ کھانے کو بھی جی چاہ رہا تھا، بس اسی لئے التجا کی تھی، حضور تشریف لائیے کبھی غریب خانے پر...... ویسے تم لیٹ آئے ہو، اس کا خمیازہ بھی ادا کرنا پڑے گا۔" اب اردشیر بھی شرافت کی جون میں نظر آنے لگا تھا۔ وہ لہجہ جو کچھ دیر پہلے تک تھا، اب چھوڑ کر نارمل انداز میں بولا تھا۔

"دراصل میں یہاں آنے سے پہلے میں مس......" آذر سوہا کے بارے میں بتاتے ہوئے رُک گیا تھا۔ اردشیر نے اسے جب اُس کے آفس میں دیکھا تو سوہا کے جانے کے بعد کس قسم کی گفتگو

"ہاں ہاں، کیا ہوا...... کون سی مس......؟"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آذر نے بات نہیں بتائی، بتانے سے صاف صاف انکاری ہوا۔

اردشیر نے اس کے شانے پر زور کا ہاتھ رسید کیا اور بولا...... ''ہائے...... تیری پردہ داریاں...... تمہاری یہی باتیں تو اچھی لگتی ہیں مجھے۔''

• • •

''کبھی آؤ ناں ہمارے ہاں......''

''میں......؟'' رائحہ تذبذب کا شکار ہوئی۔

''کیوں......؟ ایسے کیوں کہہ رہی ہو......؟ آخر میں بھی تو تمہاری طرف آئی ہوں، میری ماں نے بھی تو اعتماد کر کے مجھے اجازت دے دی ہے۔ اب تمہیں بھی میری بات ماننا پڑے گی۔''

''اصل میں میری مما پسند نہیں کرتی اس بات کو......'' رائحہ نے ہولے سے کہا کہ نورین کو انکار اسے واقعی مشکل لگ رہا تھا۔

''آنٹی کی تو فکر ہی نہ کرو، انہیں میں منالوں گی...... یہ بتاؤ پھر تو تمہیں کوئی اعتراض نہ ہوگا......؟'' رائحہ نے مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔

''ٹھیک ہے، پھر میں جلد ہی آنٹی سے بات کرلوں گی۔''

کھانے کے بعد رائحہ نے اُسے مزید رُکنے کو کہا مگر وہ نہیں مانی...... جویریہ کو سلام کرنے اور اجازت لینے کے لئے آئی تو اُس نے بھی یہی کہا کہ اتنی جلدی کیوں جا رہی ہو۔

''نہیں آنٹی...... اب تو اجازت چاہتی ہوں...... امی گھر میں اکیلی ہوتی ہیں...... انتظار کر رہی ہوں گی۔ میں کبھی اتنی دیر گھر سے باہر نہیں رہی...... اجازت لے کر تو آئی تھی مگر پھر بھی وہ فکر مند ہوں گی، ہم دو ہی تو ہیں، ایک میں اور ایک میری والدہ۔''

''اور آپ کے والد...... کیا وہ آپ کے ساتھ نہیں رہتے بیٹا......''

''آنٹی میں بہت چھوٹی تھی، جب اُن کی ڈیتھ ہوگئی تھی، مجھے تو ان کی صورت بھی ٹھیک سے یاد نہیں۔'' نورین بات پر بات بنائے جا رہی تھی۔ جویریہ نے یہ سن کر افسوس کا اظہار کیا۔

''بس آنٹی...... میرے لئے تو میری ماں ہی سب کچھ ہے۔''

''خدا تمہاری ماں کو سلامت رکھے۔'' جویریہ نے دُعا دی۔

''اچھا...... آنٹی، خدا حافظ میں پھر آؤں گی اور وعدہ رہا زیادہ دیر تک بیٹھوں گی۔''

وہ چلی گئی، رائحہ گیٹ تک ساتھ گئی۔ کہا بھی کہ ڈرائیور تمہیں چھوڑ آئے گا مگر نورین نے انکار کر دیا۔

• • •

اردشیر، آذر کے ساتھ گاؤں اچانک ہی پہنچا تھا۔ پہلے سے اطلاع نہیں دی کہ مقصد چند دن انجوائے کرنا تھا، وہ باپ کی نصیحت کے احترام میں ان کا کام میں ہاتھ بٹانے تو آیا نہیں کہ انہیں کہتا میں گاؤں جا رہا ہوں، آپ بھی وہیں آ جائیں۔

شہر سے گاؤں آنے میں آموں والی کوٹھی پہلے آتی تھی اور بڑی حویلی بعد میں...... مگر وہ کوٹھی پر نہیں رکا، سیدھا بڑی حویلی آیا، اس خیال سے کہ بڑی ماں بھی یہیں موجود ہوں گی، ان سے بھی ملاقات ہو جائے گی اور دوست کی خاطر داری بھی وہ دل و جان سے کریں گی۔



آذر کو بیٹھک میں چھوڑا، اپنی آمد پر گھبرائے ہوئے ملازموں کو ہدایات دیں اور بڑی ماں کو سلام کرنے کے لئے اندر چلا آیا۔

''سلام چھوٹے شاہ......'' گیٹ سے قریب کام کرتی ملازمہ نے پہلے تو سرسری نظر ڈالی مگر اردشیر کو دیکھتے ہی کام چھوڑ کر اُدھر لپکی اور ہونٹوں پر عاجزانہ سی مسکراہٹ سجا کر سلام کیا۔

''بڑی ماں کدھر ہوں گی......؟'' اس کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے اردشیر نے گہری سنجیدگی اور کھردرے پن سے پوچھا......

''وہ جی...... وہ ستارہ بی بی کی طرف گئی ہوئی ہیں......''

''اچھا...... کب آجائیں گی......؟'' اُسے یہ سن کر خاصی اُلجھن ہو رہی تھی۔

''پتا نہیں جی...... ویسے بڑی بی بی سائیں کو گئے کافی دن ہوگئے ہیں۔''

''ہوں ٹھیک ہے...... تم اپنا کام کرو......'' کاندھے پر رکھی لوئی کو درست کرتا وہ آگے بڑھ گیا۔

طویل برآمدہ اس کے گول ستون، ان ستونوں پر چڑھی بیلیں...... سب کچھ وہی تو تھا مگر پھر بھی لگتا تھا، جیسے بدلا بدلا سا ہے۔ شاید اس لئے ایسا لگ رہا ہے کہ آج ہر شے دُھلی دُھلائی نکھری ہوئی ہے۔

برآمدے کی سیڑھیوں پر قدم رکھنے سے پہلے اُس نے گہری سانس لے کر بغور یہ سب دیکھا اور قدم پہلی سیڑھی پر رکھ دیا، اُس سے پہلے کہ دوسرا قدم اُٹھاتا، وہ سامنے کے کمرے سے نکلی...... گلابی سوٹ اور گلابی، نیلی دھاریوں والا دوپٹہ جو سلیقے سے سر پر اُوڑھ رکھا تھا۔

ایک دو لمحے ہی کی بات تھی...... اُس نے ایک اجنبی نوجوان کو دیکھا ٹھٹھکی اور پھر تیزی سے واپس مڑ کر دوبارہ اسی کمرے میں چلی گئی جہاں سے ابھی ابھی آئی تھی۔ اب صرف دروازے کے بھاری پردے ہل رہے تھے۔

''کون ہو سکتی ہے......؟'' اردشیر کا سوچنا یقینی تھا کہ وہ لباس سے ملازمہ نہیں لگ رہی تھی اور پھر ملازمہ اسے دیکھ کر اُلٹے قدموں واپس نہ ہو جاتی، آگے بڑھ کر ادب سے سلام کرتی۔

شاید کوئی رشتے دار ہو مگر جب بڑی ماں ہی یہاں نہیں تو پھر کسی رشتے دار لڑکی کی موجودگی کے کیا معنی......؟ ہاں یہ ممکن ہے پوری فیملی ہی یہاں مہمان ہو......

اُس نے کام کرتی لڑکی کو آواز دی۔

''جی چھوٹے سائیں......'' وہ جلدی سے حاضر ہوئی۔

''اِدھر حویلی میں کوئی آیا ہوا ہے کیا......؟''

''ہاں جی، بڑے سائیں اِدھر ہی آئے ہوئے ہیں اپنی بڑی حویلی میں......''

''اوہو...... میرا مطلب ہے کوئی مہمان...... رشتے دار لڑکی، عورت، کوئی فیملی وغیرہ......''

''ہاں جی، وہ زینت بی بی آئی ہوئی ہیں اِدھر حویلی میں......''

''کون زینت......؟'' پیشانی پر بل ڈال کر وہ سوالیہ انداز میں اُس کی جانب دیکھنے لگا۔

''یہ تو مجھے خود بھی پتا نہیں شاہ جی...... بس وہ زینت بی بی ہیں، شاہ جی کے ساتھ اِدھر آئی تھیں، اسی کمرے میں ٹھہری ہوئی ہیں۔''

''اکیلی ہی آئی تھی، میرا مطلب ہے ساتھ کوئی اور عورت یا مرد نہیں تھا۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"نہیں جی اور تو کوئی بھی نہیں، بس شاہ جی کے ساتھ آئی تھیں۔"

"کب سے ہے یہاں......؟" اردشیر کچھ اُلجھ گیا تھا۔

"انہیں تو کافی دن...... ہو گئے ہیں جی......"

"تب بڑی ماں حویلی میں تھیں......؟"

"نہیں چھوٹے شاہ جی، وہ تو اُدھر ہی ہوتی ہیں، کبھی ستارہ بی بی کے پاس، کبھی شیریں بی بی کے پاس۔ میں چائے لاؤں جی چھوٹے سرکار......؟"

"نہیں چائے کے لئے میں نے باہر غلاموں سے کہہ دیا تھا...... اب تک اُس نے کچن میں پیغام بھیج دیا ہوگا۔ تم جاؤ جا کر اپنا کام کرو۔"

"تو آپ کو یاد نہیں آیا چھوٹے شاہ جی کہ زینت بی بی سے آپ کی کیا رشتے داری نکلتی ہے۔" لڑکی نئی تھی، اردشیر سے زیادہ سامنا نہیں ہوا تھا، اس لئے مزاج سے واقفیت نہیں تھی۔ اُس نے دو باتیں کیا پوچھ لیں، وہ سوالوں پر اُتر آئی۔

اس کے سوال سے پہلے اردشیر مردانے میں جانے کے لئے قدم بڑھا چکا تھا۔ اب رُک کا مڑ کر اُس کی جانب یوں دیکھا کہ بے چاری لرز گئی۔

"اپنی اوقات نہ بھول جایا کرو...... چلو چل کر اپنا کام کرو...... ذرا منہ کیا لگا لو، سر پر سوار ہونے لگتے ہیں۔" وہ ڈانٹ ڈپٹ کر واپس بیٹھک میں چلا گیا جہاں آذر اسی کا منتظر تھا۔

"مل آئے گھر والوں سے......؟" اُسے دیکھ کر آذر نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں یار، ہم اتنی دُور سے یہاں ملنے کے لئے آئے ہیں اور یہاں گھر والے غائب ہیں۔" وہ تلخی سے مسکرایا......

"غائب ہیں، کہاں......؟" آذر نے پوچھا۔

"ہوں...... بڑی ماں تو اپنے بھائی کی طرف گئی ہوئی ہیں اور بابا جان کے بارے میں پتا چلا ہے وہ آج کل گاؤں آئے ہوئے ہیں مگر گھر پر وہ بھی موجود نہیں۔"

"کیا کہا...... ماں اپنے بھائی کی طرف گئی ہوئی ہیں تو ماں کے بھائی تمہارے کچھ نہیں لگتے......؟"

"بات مت پکڑا کرو یار، تمہیں پتا تو ہے سوتیلی ماں ہیں...... یہ ٹھیک ہے کہ میرے لئے سگی ماں کی طرح ہیں، وہ بھی مجھے اپنا بیٹا سمجھتی ہیں مگر اُن کی باقی فیملی کے ساتھ میرا مطلب ہے کہ میں اُن لوگوں کے ہاں شاید ایک دو مرتبہ ہی گیا ہوں۔"

"یار...... لگتا ہے گاؤں میں بڑے رعب داب سے رہتے ہو تم لوگ...... یہ ملازم بے چارے مجھ سے بھی بات کرتے ہوئے گھبرا رہے ہیں۔"

"ہم لوگ نہیں صرف میں...... بابا جان نے تو سر پر چڑھا رکھا ہے۔ بدتمیز ہو گئے ہیں یہ مگر میں جب بھی آتا ہوں، انہیں اُن کی اوقات یاد دلا دیتا ہوں۔" آذر کے چہرے پر افسوس کا تاثر اُبھرا...... اردشیر سمجھ گیا کہ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی...... لہٰذا بولا......

"یقیناً یہ فرمان آپ کا اپنا ہوگا......" آذر طنز بھرے انداز میں مسکرا کر کہہ رہا تھا۔

ابھی وہ دونوں چائے ہی پی رہے تھے کہ ملازم

"...... سائیں آ گئے ہیں چھوٹے شاہ جی......"



نے آ کر جمشید شاہ کی آمد کی اطلاع دی۔

"ٹھیک ہے، انہیں ابھی میری آمد کے بارے میں مت بتانا، میں خود چائے پی کر مل لوں گا اُن سے......"

"اب صرف خود ہی سلام کر کے نہ آ جانا، میں بھی ملنا چاہ رہا ہوں۔"

"ہاں ہاں، مجھے پتا ہے آپ کو سعادت مندی کی دھاک بٹھانے کا بہت شوق ہے۔"

اردشیر چائے پی کر ایک بار پھر اندر آیا...... ملازمہ سے بابا جان کے بارے میں پوچھا تو اُس نے بتایا بڑے سائیں اپنے کمرے میں آرام کر رہے ہیں، وہ اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔ دروازے پر دستک کے بعد رُک کر انتظار نہیں کیا۔ ساتھ ہی پردہ ہٹا کر اندر داخل ہو گیا۔

وہ لڑکی جو اُسے دیکھ کر فوراً ہی کمرے میں واپس چلی گئی تھی، اس وقت بابا جان کے پلنگ کے قریب رکھی میز پر کھانا لگا رہی تھی اور بابا جان اردشیر کو دیکھ کر جس انداز میں گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے، وہ ضرور چونکانے والا تھا۔

سلام کرنا یاد نہیں رہا تھا...... باپ سے نگاہ ہٹا کر لڑکی کی طرف دیکھا...... وہ سر جھکائے کھڑی تھی اور چہرہ دوپٹے کی اوٹ میں چھپا لیا تھا۔

"یہ کون ہے بابا جان......؟" اردشیر کا انداز اچنبھا لئے ہوئے تھا۔

"نہ سلام نہ دُعا...... آتے ہی سوال کر دیا۔" اب وہ سنبھل چکے تھے، اُسے جتا گئے۔

"السلام علیکم......" اسے اُن کا یوں جتانا اچھا نہیں لگا۔ بے رنگ سے انداز میں سلام کیا اور بولا......

"میں اور میرا دوست یہاں آئے ہوئے ہیں، وہ ملنا چاہ رہا ہے آپ سے، اب آپ کی مرضی ہے جب بھی بیٹھک میں آئیں......" اس کا لہجہ خاصا سرد تھا اور سوچا تھا باپ نے نہیں بتایا اس کے بارے میں، میں دوبارہ نہیں پوچھوں گا۔" وہ کمرے سے باہر آ گیا۔

جب بیس منٹ کے بعد شاہ جی اِدھر آئے تو وہ اکیلا ہی بیٹھا تھا۔

"کہاں ہے تمہارا دوست......؟"

"پتا نہیں شاید باہر نکل گیا ہو...... آپ جائیں جب آئے گا میں بلا لوں گا۔" نہ چاہتے ہوئے.. ایسا کہہ گیا تھا۔

"تم زینت کو یہاں دیکھ کر حیران ہوئے ہو گے۔" خلاف توقع اُنہوں نے خود ہی یہ موضوع چھیڑ دیا۔

اردشیر نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ کرسی پر آ بیٹھے اور بولے......

"یہ منشی غلام علی کی بیٹی ہے...... تم غلام علی کو نہیں جانتے...... بلکہ اس نام سے تو تمہاری ماں بھی واقف نہیں تھی۔ وہ بہت عرصے پہلے میرے پاس ملازم تھا، سلجھا ہوا اور نڈر انسان تھا۔ میرے لئے بہت کام کیا اُس نے...... یہ زینت اس کی اکلوتی بیٹی ہے۔ غلام علی کی وفات کے بعد میں اسے اپنے ساتھ یہاں لے آیا ہوں کہ اکیلی عورت بھلا کہاں جاتی، بیوہ ہے بے چاری۔" اُن کے لہجے میں اُس کے لئے کافی ہمدردی موجود تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''کب تک یہاں رہے گی......؟'' اردشیر کا لہجہ ہر جذبے سے عاری تھا گویا ابھی جو انہوں نے کہا وہ ضائع ہی گیا۔

''ابھی کیا کہہ سکتا ہوں، تھوڑے دن ہی ہوئے ہیں اسے یہاں آئے ہوئے، غم تازہ ہے بے چاری کا...... اُداس رہتی ہے۔''

''کیوں، آپ گھر پر نہیں ہوتے کیا......؟'' وہ کس انداز میں کہہ گیا تھا پھر جیسے خود ہی خیال آ گیا کہنے کے ساتھ ہی زبان دانتوں تلے دبا کر نظر جھکا لی۔

اردشیر کا اس انداز میں جتانا، بے شک وہ اپنی اس حرکت پر خود بھی شرمندہ دکھائی دے رہا تھا مگر شاہ جی ضرور ٹھٹک گئے۔

شاہ جی سے آذر کی ملاقات شام کو ہوئی...... اُس کی سنجیدگی اور متانت نے انہیں بے حد متاثر کیا...... خوشی ہوئی کہ اتنا اچھا لڑکا ان کے بیٹے کا دوست ہے، فیصلہ کر لیا وہ آذر سے بات کریں گے کہ اردشیر کو سمجھائے، ذمہ داریوں کا احساس دلائے کہ باپ کی تو وہ سنتا نہیں تھا، شاید دوست کی بات ہی دل کو لگ جائے۔

صبح ناشتے کے فوراً بعد وہ آذر سے تیار ہونے کو کہہ رہا تھا۔

''اب کہاں کی تیاری ہے......؟''

''ہم بڑی ماں سے ملنے جا رہے ہیں۔ تم دیر نہ کرو، فوراً اُٹھ کر تیار ہو جاؤ۔''

وہ دونوں پہلے کبریٰ خاتون کے بھائی کی طرف گئے۔ پتا چلا وہ ستارہ کے ہاں ہے، ماموں نے کہا بھی...... ''چائے پانی ہی پیتے جاؤ۔'' مگر اُسے کبریٰ سے ملنے کی بہت جلدی تھی، شکریہ کہہ کر گاڑی میں آ بیٹھا۔

کبریٰ نے اردشیر کی آمد کا سنا تو ملازمہ سے کہہ کر اپنے کمرے میں ہی بلوا لیا۔ وہ اور آذر اندر آئے تو کمرے میں وہ اکیلی اُن کی آمد کی منتظر تھیں۔ اردشیر ہمیشہ آذر کے سامنے بڑی ماں کی بہت تعریف کرتا تھا۔ وہ انہیں ایک غیر معمولی عقل والی عورت کہتا تھا اور اسے دعویٰ تھا کہ انہوں نے مجھے میری سگی ماں سے بھی بڑھ کر محبت دی ہے۔

آج وہ عورت آذر کے سامنے تھی مگر وہ محبت، وہ پیار جس کا ذکر اس کا دوست ہمیشہ کرتا آیا تھا، وہ تو سرے سے موجود نہیں تھی۔ آذر اُن کے انداز پر حیران ہوا کہ وہ اردشیر سے بڑے عام سے انداز میں ملیں، ..... ان دونوں کی ملاقات کافی عرصے کے بعد ہوئی تھی۔ آذر کے ساتھ بھی تکلف سے سلام دعا ہوئی اور انہوں نے دونوں کو بیٹھنے کو کہا۔ اردشیر باتیں کرتا رہا جبکہ آذر انہیں بغور دیکھتا رہا۔

اور اسے احساس ہوا، واقعی ان میں کوئی ایسی بات ہے ضرور جو انہیں ممتاز کرتی ہے۔ آنکھوں میں ذہانت کی چمک اور اس کے ساتھ ساتھ بے پناہ عزم جھلک رہا تھا۔ چہرے پر حد درجہ سنجیدگی، وہ مسکراتی تھیں تو بھی اس سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں آتا تھا، اپنے ارادوں میں چٹان دکھائی دیتی تھیں۔

اُس عورت پر ایک نہیں، دو دو سوکنیں لائی جا سکتی ہیں...... کیسے برداشت کیا اس نے......؟ آذر حیران بھی تھا اور متاثر بھی۔

وہ دونوں آپس کی گفتگو میں سے بھلا ہی چکے تھے، وہ اس وقت سے فائدہ اُٹھا کر انہیں دیکھ رہا



تھا۔

• • •

چھوٹے سے آنگن میں پہلے تین چار مرغیاں اور ایک عدد مرغ ایک شان سے واک کیا کرتے تھے۔ اس مرتبہ وہ آیا تو درجن بھر چوزے بھی ہمراہ تھے۔

''ارے یہ کب آئے......؟'' مزیب اپنے گرد جمع چوزوں کے قریب فرش پر بیٹھ گیا۔

''کب آئے ہیں......؟'' رابعہ اُس کی بات سن کر ہنسی پھر بولی...... ''یہ سویرے والی گاڑی سے ہی پہنچے ہیں۔''

''واؤ...... کتنے پیارے ہیں...... کیا نام ہیں ان کے......؟''

''ارے بیٹا...... تم کہاں بیٹھ گئے...... آؤ اندر آ جاؤ۔'' زیتون اس کی آواز سن کر کمرے سے نکلیں...... اور اسے چوزوں کے پاس فرش پر بیٹھے دیکھ کر بولیں۔

''عمر کہاں ہے خالہ......؟ میں تو اُسے لینے آیا ہوں...... آج اپنے گھر لے جانے کا ارادہ ہے اپنی امی سے ملواؤں گا۔'' مزیب نے کہا۔

''ابھی آ جائے گا یہاں قریب ہی سبزی لینے گیا ہے۔ آج کالج سے چھٹی تھی ناں۔''

''ہاں ہاں، میں جانتا ہوں، اسی لئے صبح صبح ہی آن دھمکا ہوں۔''

''ناشتا کرو گے بھائی......؟''

''نہیں شکریہ، ناشتا تو کر کے آیا ہوں۔''

''اچھا پھر مرونڈا کھا لیں، میں نے خود بنایا ہے اپنے ہاتھ سے۔''

جب عمر گھر آیا، وہ مرونڈا کھانے میں مصروف تھا۔

''کیا کھایا جا رہا ہے بھئی......؟'' اسے اپنے ہاں دیکھ کر وہ خوش ہو گیا۔

''ارے تم آ گئے......؟ اب حصہ بھی مانگو گے......'' مزیب نے منہ بنایا۔

عمر نے سبزی کا تھیلا چولہے کے قریب پیڑھے پر رکھا اور خود اُس کے برابر آ کر بیٹھتے ہوئے بولا......

''کیسا حصہ......؟ کچھ پتا بھی تو چلے......''

''ہاہا مرونڈے کا حصہ اور کیسا حصہ، تم فوراً اُٹھو اور چل کر کپڑے بدلو، بالوں میں برش کرو اور پھر میرے ساتھ میرے گھر چلو......''

''مزیب بھائی، سوچ لیں آپ کے گھر والے مجھ سے ملنا پسند بھی کریں گے یا نہیں۔'' وہ ہچکچا رہا تھا۔

''بکومت، جلدی سے تیار ہو کر آؤ، میں مما سے کہہ کر آیا تھا، آج اس نمونے کو لے کر ہی آؤں گا، وہ منتظر ہوں گی ہماری......''

''مزیب بھائی، میں ڈرتا ہوں، آپ نے انہیں میرے بارے میں جانے کیا کیا بتا رکھا ہو گا...... مل کر یقیناً مایوس ہوں گی۔''

''او چندا...... ایک نہ ایک دن تو ملاقات ہونا ہی ہے کہ آخر تم دوست ہو اُن کے بیٹے کے تو میرے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



خیال میں یہی بہتر ہے، ابھی مل لو اور مایوس کر دو، چلو شاباش جلدی کرو۔"

عمر تیار تو نہیں تھا اُس کے ساتھ جانے کو مگر مزیب کے آگے چل نہیں رہی تھی۔

وہ سوچ رہا تھا ضروری تو نہیں بھائی کے گھر والے بھی ان ہی جیسے ہوں، امیر غریب کا فرق نہ رکھنے والے اور کھلے دل کے مالک، اگر انہوں نے اچھے رویے کا مظاہرہ نہ کیا تو مجھے تو افسوس ہوگا ہی مگر بھائی کو بھی شرمندگی اُٹھانا پڑے گی...... لیکن اب بار بار انکار کیا کرتا، وہ اتنے شوق سے ساتھ لے جانے کے لئے کہہ رہا تھا، اُسے ماننا ہی پڑی۔

• • •

صبح کالج جانے سے پہلے نورین خود جویریہ کے پاس آئی تھی اور درخواست کی تھی کہ رائحہ کو میرے گھر آنے کی اجازت دے دیں۔ جویریہ سوچ میں پڑ گئی تھی۔

"پلیز آنٹی، مان جائیں ناں، وہاں پر میرے اور میری ممی کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوتا۔"

اور جویریہ انکار نہیں کر سکی...... اسے اجازت دیتے ہی بنی۔

نورین نے کل اردشیر سے بات کی تھی اور پورے یقین کے ساتھ کہا تھا۔

"کل دوپہر کو تم میری طرف آ جانا شاہ...... رائحہ تمہیں ضرور میرے گھر پر ملے گی۔"

"مگر تم تو کہتی تھیں، اُس کی ماں کہیں آنے جانے نہیں دیتی۔" اردشیر کو یقین نہیں آیا تھا۔

"ٹھیک کہا تھا میں نے مگر تم نورین کو نہیں جانتے شاہ، میں جو کہہ دیتی ہوں، ہر صورت میں پھر کر کے ہی دکھاتی ہوں...... بس تم دو اور تین بجے کے درمیان آ جانا...... وہ میرے بیڈروم میں موجود ہوگی۔"

"ٹھیک ہے...... میں پہنچ جاؤں گا، اگر تم واقعی کامیاب ہو گئیں تو انعام کی حقدار ہو گی۔"

"وہ تو خیر میں لوں گی، اس کے علاوہ کل رات کا کھانا بھی تمہارے ساتھ کسی اچھی جگہ پر۔"

نورین نے جوریہ سے اجازت لے تو لی تھی...... مگر پھر بھی کالج کا ٹائم ختم ہونے کے بعد رائحہ، نورین کے ساتھ اس کے گھر جاتے ہوئے گھبرا رہی تھی۔

"تمہاری امی برا تو نہیں منائیں گی......؟"

"پاگل، بھلا اس میں برا ماننے کی کیا بات ہے......؟" نورین اُس کا گال چھو کر پیار سے بولی تھی۔

وہ دو بیڈروم کا جدید اسٹائل کا کم رقبے پر بنا مکان تھا۔ دروازہ ملازم نے کھولا تھا اور نورین سیدھی اُسے اپنے بیڈروم میں لے آئی تھی۔

"تمہاری ممی سے تو مل لوں......" رائحہ کہنے لگی۔

"ٹھہرو میں دیکھ کر آتی ہوں۔ پتا نہیں وہ گھر پر ہیں یا نہیں۔" نورین نے بات بنائی۔ کچھ دیر کے لئے کمرے سے باہر گئی، پھر واپس آ کر وہ بولی......

"ملازم بتا رہا ہے، وہ گھر پر موجود نہیں ہیں، کسی دوست کی طرف گئی ہیں، واپسی پر دیر ہو جائے گی اور یہ تم بیٹھی کیسے ہو، یوں لگتا ہے موقع ملتے ہی اُٹھ کر بھاگ جاؤ گی، ٹھیک ہو کر بیٹھو، میں نے کہہ دیا ہے۔ ابھی کھانا لگ جائے گا۔ میں بس ابھی دو منٹ میں چینج کر کے آتی ہوں۔" اُس نے ریسٹ واچ پر نظر ڈالی۔ ابھی دو بجنے میں تیس منٹ باقی تھے۔



بہت بے تابی ہوگی شاہ کو، میرا خیال ہے وقت سے پہلے ہی پہنچ جائے گا۔" اُس نے میگزین کے صفحے پلٹتی بے خبر انجان رائحہ پر ایک نظر ڈالی پھر مسکرا کر بالوں کو کلپ کی قید سے آزاد کر دیا۔

کپڑے بدل کر آئی تو بولی......

"تم بھی منہ ہاتھ دھو کر فریش ہو جاؤ۔"

رائحہ اثبات میں سر ہلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

جب واپس آئی تو نورین ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی میک اپ کر رہی تھی۔

"ارے کیا گھر میں بھی میک اپ کرتی ہو......؟"

"نہیں بس ایسے ہی آج جی چاہ رہا ہے۔" پھر اس کی جانب دیکھا اور بولی......

"یوں سمجھ لو تمہارے آنے کی خوشی میں یہ اہتمام ہو رہا ہے...... تم یہیں بیٹھو، میں کھانا یہیں منگواتی ہوں۔ تمہیں بھوک تو لگی ہوگی۔" وہ اردشیر کی آمد سے پہلے یہ کام نمٹا لینا چاہتی تھی۔

اردشیر کو یقین تھا، نورین نے وعدہ کیا ہے تو پورا بھی کرے گی، بہت تیز لڑکی تھی وہ، میڈم فیروزہ کہتی تھیں، بھانجی ہے میری، باقی اصل حقیقت کیا ہے اس کے بارے میں کسی کو علم نہیں تھا۔

وہ پوری طرح تیار تھا۔ جب گھر سے نکلنے لگا تھا، تب جمشید شاہ نے اتنی دُور گاؤں میں بیٹھ کر ایک ایسی خبر سنا دی جس نے سارے موڈ کا ستیاناس مار دیا۔

وہ بتا رہے تھے...... "میں نے زینت سے نکاح کر لیا ہے، بے آسرا تھی اور اس کے باپ نے مرتے وقت وعدہ بھی لیا تھا مجھ سے، میں نے اسی وعدے کا پاس کیا ہے۔" یقیناً جوان بیٹے کو یہ اطلاع دیتے ہوئے وہ خود بھی کچھ شرمندہ تھے، جبھی تو وہ وضاحت پر وضاحت کئے جا رہے تھے۔

اردشیر ایک لفظ نہیں بولا۔ اُسے باپ سے اس کی اُمید نہیں تھی۔

"ہونہہ...... بے آسرا، بے سہارا، بے چاری، تو کسی دارالامان میں بھیج دیتے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ نیت خراب ہو گئی تھی آپ کی اور میں سوچ رہا ہوں اس شادی کے نتائج کیا نکلیں گے کہیں میرے لئے مصیبت نہ بن جائے۔ بوڑھے شوہر کی جوان بیوی تو انگلیوں پر نچائے گی۔

ایسی کئی مثالیں اس کے ملنے والوں میں موجود تھیں۔ جوان بیوی کو پاتے ہی باپ نے اولاد سے آنکھیں پھیر لیں...... جائیداد سے عاق کر دیا تھا...... اولاد سب سے بڑی دُشمن نظر آنے لگی۔ کیا اولاد ہونے کا امکان بھی ہو سکتا ہے۔ سب سے زیادہ یہی بات پریشان کن تھی۔

اوہ بابا جان نے بیٹھے بٹھائے یہ کیا مصیبت کھڑی کر دی ہے۔

پتا نہیں بڑی ماں کے علم میں اِن کا نکاح ہے یا نہیں، اگر ہے تو اُن کا ردِّعمل کیا ہے، کیا وہ بھی میری طرح اُس آنے والی کو خطرہ سمجھ رہی ہیں...... یا ابھی تک وہ لاعلم ہیں۔ اُس روز گل رُخ کی وجہ سے بدمزگی ہوگئی ورنہ میں بڑی ماں کو زینت کے بارے میں بتانے کا ارادہ رکھتا تھا...... اور وہ وقت پر اس مصیبت کا کوئی نہ کوئی حل نکال لیتیں...... اب بھی بڑی ماں سے ملنا اور یہ بات کر کے مشورہ لینا بہت ضروری ہے۔

"مجھے جلد گاؤں جانا چاہئے...... صبح ہی نکل جاؤں گا۔" اُس نے ٹائم دیکھا...... دو بجنے میں پانچ منٹ ہی باقی تھے۔

"اوہ...... مجھے تو نورین کے ہاں جانا تھا...... اب دیر ہو جائے گی۔" وہ عجلت کے عالم میں گاڑی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تک آیا۔

نورین حیران تھی ...... وہ ابھی تک آیا کیوں نہیں ...... وہ باتیں تو رائحہ سے کر رہی تھی مگر سارا دھیان اردشیر کی جانب تھا۔ چپکے چپکے کئی بار ٹائم دیکھ چکی تھی۔

ڈھائی بجے کے قریب اسے محسوس ہوا کوئی آیا ہے۔ گاڑی کا شور اور پھر گیٹ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی اور وہ رائحہ سے ''ابھی آتی ہوں'' کہہ کر باہر نکل آئی۔ اندازہ غلط نہیں تھا۔ آنے والا وہی تھا جس کا اُسے انتظار تھا۔

''اتنی دیر ......؟'' نورین نے کہا۔

''ہاں بس کچھ کام پڑ گیا تھا، تم بتاؤ کیا وہ موجود ہے ......؟''

''یقیناً ...... وہ میرے بیڈروم میں بیٹھی ہے، تم چلو میرا کام ختم ہوا، میں ڈرائنگ روم میں ہوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ سر ہلا کر آگے بڑھ گیا۔

دروازہ کھلا تو تصویروں کے البم دیکھتی رائحہ یہی سمجھی کہ نورین آئی ہے، سر اٹھائے بغیر بولی ......

''اب مجھے چلنا چاہئے، کافی دیر ہو گئی ہے، مما انتظار کر رہی ہوں گی۔''

فقرے کے اختتام پر نظریں اُٹھائیں تو گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

آنے والے کی نظر اُس پر جمی ہوئی تھی، وہ یقیناً اس کی گھبراہٹ سے لطف لے رہا تھا۔

• • •



''آ ...... آپ ......؟'' بے ساختہ ہی رائحہ کے منہ سے نکلا۔

''اور یہ تم ہو، مجھے یقین نہیں آ رہا ......'' اردشیر جواب تک دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھے کھڑا تھا۔ حیرت کی بڑی اچھی اداکاری کے ساتھ کہتے ہوئے آگے آ گیا۔

رائحہ اسے یہاں دیکھ کر اچھی خاصی گھبرا گئی تھی ...... اُس نے اس شوق کو نہیں دیکھا جو اردشیر کی آنکھوں میں نمایاں تھا، وہ اُٹھی اور جانے کے ارادے کے ساتھ بیگ اُٹھا کر کاندھے پر ڈال لیا۔

''کیسی ہو رائحہ حسن ......؟'' وہ اس کا ارادہ بھانپ چکا تھا مگر اظہار نہیں کیا۔ اس کے سوال کا رائحہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

''نورین کی دوست ہو۔'' اردشیر آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ تب رائحہ نے صرف اثبات میں سر ہلا کر اُس کی بات کا جواب دے دیا البتہ منہ سے کچھ نہیں بولی، نہ ہی جھکی پلکیں اُٹھانے کی ہمت ہوئی۔

وہ جسے تنہائیوں میں سوچتی رہی نہ چاہتے ہوئے بھی جس کا خیال ساتھ ساتھ رہتا تھا، وہ اتنا قریب تھا، اس سے مخاطب تھا، رائحہ کا دل بہت تیز دھڑک رہا تھا۔

''بیٹھو ناں ...... کھڑی کیوں ہو ......؟'' اردشیر کے انداز میں شوق تھا، کچھ التجاء بھی تھی۔ باقی کے جو انداز ایسے وقت میں خود بخود آن وارد ہوتے تھے، آج غائب تھے، وہ اشتیاق کے عالم میں اُسے ایک ٹک دیکھ رہا تھا اور اُس کی باتیں سننے کا مشتاق دکھائی دیتا تھا، آج اس کے لہجے میں، اُس کی آنکھوں میں فی الحال ایسا ویسا کوئی رنگ نہیں تھا جو رائحہ کو چونکا دیتا خوف میں مبتلا کر دیتا۔

''اب میں جانا چاہ رہی تھی، بہت دیر ہو گئی ہے، مجھے یہاں آئے ہوئے۔'' رائحہ اپنی کیفیت سے قطعی واقف نہیں تھی۔

''چلی جانا ابھی کوئی زیادہ وقت تو نہیں ہوا، آؤ اِدھر آ کر بیٹھو۔''

''آپ یہاں ......؟'' وہ اسی قدر پوچھ سکی حالانکہ کہنا یہ چاہ رہی تھی، کیا آپ نورین کے رشتے دار ہیں ......؟ اُسے یاد آ رہا تھا پہلی بار جب اُسے دیکھا تھا، وہ میڈم سے ملنے ہی اُن کے کالج آیا تھا اور نورین میڈم کی بھانجی ہے۔

''میں نورین کا کزن ہوں، نورین بہت اچھی لڑکی ہے ...... میں نے جب بھی اسے کسی کام کے لئے کہا، اُس نے کبھی مجھے مایوس نہیں کیا۔'' اردشیر کی ہنسی رائحہ کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

''تم ابھی تک کھڑی کیوں ہو ......؟'' وہ پھر کہہ رہا تھا، تب اُسے بیٹھتے ہی بنی۔ ''میرا نام

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اردشیر شاہ ہے اور میں......"

"یہ نورین پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے، میں اسے دیکھ کر آتی ہوں۔" رائحہ نے پورا تعارف بھی کروانے دیا اُسے......

"یہیں کہیں ہوگی، شاید میرے لئے چائے بنانے میں لگ گئی ہو، تم پریشان کیوں ہو رہی ہو تمہیں کیا معلوم رائحہ، کہ یہاں تمہاری موجودگی مجھے کتنی خوشی دے رہی ہے۔ تم مجھے پہلی ہی ملاقات میں اچھی لگی تھیں......اور میں نے سوچا تھا، کاش دوبارہ ملاقات ہو سکے۔ خواہشیں اتنی جلدی بھی پوری ہو جاتی ہیں، یقین نہیں آتا۔"

رائحہ نے پہلی بار سیاہ لمبی پلکیں اُٹھا کر اُس کی جانب دیکھا اور رائحہ کی آنکھوں میں حیرت ہی حیرت تھی۔ اُسے اردشیر کی بات پر یقین جو نہیں آیا تھا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔" اُس کی بے یقینی بھانپ کر اُس نے یقین دلایا تھا، تب پلکیں پھر جھک گئیں اور اس نے چہرہ بھی نیچے کر لیا۔

"تم بھولنے والی چیز ہو ہی کب......اتنی پیاری، اتنی معصوم لڑکی میں نے پہلے کبھی نہیں دیکھی، تمہارا حسن ٹھٹکنے پر مجبور کرتا ہے......اور تمہاری آواز گھٹا بن کر سننے والے پر چھا جاتی ہے......اتنی مکمل لڑکی، سوچتا ہوں، پہلے کیوں نہیں ملیں......اب تک کہاں چھپی رہیں تم......"

یہ تعریف تو جو تھی تو تھی مگر اس کی آواز، لہجے کا اُتار چڑھاؤ، یہ سب اُس چھوٹی موئی سی لڑکی کے لئے بہت زیادہ تھا، وہ گھبرا گئی اور ملتجیانہ انداز میں اسے دیکھا......اُس کی حالت پر وہ ہنس پڑا اور بولا......

"یہ تو کچھ نہیں، مجھے تو وہ الفاظ ہی نہیں مل رہے جن میں تمہاری تعریف کر سکوں۔"

"آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں......؟" دبے دبے لفظوں میں اُس نے اپنی گھبراہٹ اور اس کی بے باکی کا احساس دلانا چاہا......وہ اس گھبراہٹ اور شرم کا لطف پوری طرح لے رہا تھا، پھر بولا......

"اچھا تو پھر تم بتاؤ، کیسی باتیں سننا پسند کرتی ہو......؟" رائحہ کیا کہتی خاموشی سے دوپٹے کا کونا مروڑنے لگی......

"سچ بتاؤ، کبھی تمہیں میرا خیال آیا تھا......؟"

یہ سوال ایسا تھا کہ رائحہ کو ایک دم سے اندر کا چور پکڑے جانے کا احساس ہوا۔ دوپٹے کے کونے کے ساتھ مصروف ہاتھ رُک گیا......اور اسے لگا پورا بدن ہلکے ہلکے پسینے میں بھیگ گیا ہو......جبکہ وہ اپنے سوال کے جواب کا منتظر تھا......رائحہ نے لمبا وقفہ دیا پھر ہمتیں مجتمع کر کے بولی......

"آپ تو نورین سے ملنے آئے تھے، جا کر مل لیجئے۔"

"اب نورین سے ملنا اتنا ضروری بھی نہیں رہا۔" اُس کا انداز معنی خیز تھا۔

"مگر یہاں پر میں اور آپ......میرا مطلب ہے کہ نورین آ گئی تو......؟"

"تو کچھ بھی نہیں......ہم دونوں اگر یہاں موجود ہیں یا باتیں کر رہے ہیں تو اس میں کیا برائی ہے......؟"

"آپ کے نزدیک نہیں، لیکن میری مما کہتی ہیں......" بات کرتے کرتے جو اردشیر کی جانب دیکھا تو اعتماد پھر سے اُڑ گیا، وہ بات مکمل نہیں کر سکی۔



"کہو ناں، کیا کہہ رہی تھیں تم......؟" وہ شوق اور توجہ سے اس کی بات سن رہا تھا۔

"کچھ نہیں، بس یہی کہ کسی غیر مرد کے ساتھ یوں بیٹھ کر باتیں کرنا اچھی بات نہیں، دیکھیں ناں، ہم مسلمان ہیں، ہمارا مذہب ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتا، جس سے اللہ میاں نے منع کر دیا، وہ بات ہم کیوں کریں۔" جس انداز میں رُک رُک کر اعتماد کو بمشکل بحال کر کے وہ بول رہی تھی۔ اردشیر کو اچھا لگ رہا تھا......اور ہنسی بھی آ رہی تھی۔

"ارے واہ......مذہب کے متعلق تو بڑی مکمل معلومات رکھتی ہو۔"

"سب کو رکھنی چاہئے، مذہب سے بڑھ کر تو کچھ بھی نہیں، اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ اُس نے ہمیں مسلمان گھرانے میں پیدا کیا۔"

"کتنے بہن بھائی ہیں تمہارے......؟" اردشیر کو مذہب سے بھلا کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ لہٰذا جلدی سے موضوع بدل دیا۔

"دو......ایک میں اور ایک میرا بھائی......بھائی بڑے ہیں مجھ سے......"

"میری تین بہنیں ہیں اور میں اکلوتا ہوں۔" اُس نے خود ہی بتا دیا اور اس کے ساتھ ہی اسے باپ کے نکاح والی بات یاد آ گئی......رائحہ کو دیکھ کر اس کے ساتھ باتوں میں وہ بھول ہی گیا تھا مگر اب یاد آیا تو طبیعت ایک دم سے مکدر ہو گئی۔

"کیا ضرورت تھی بابا جان کو، خیر انہیں تو ضرورت ہوگی ہی، جبھی تو کی ہے مگر بندہ اپنی عمر کا ہی کچھ احساس کر لیتا ہے، اور میرے لئے تو خواہ مخواہ میں مصیبت کھڑی کر دی ہے، پتا نہیں کس قسم کی عورت ہے۔ کیا عزائم ہیں اس کے......؟ محترمہ مجھ سے تو پردہ فرما رہی تھیں اور بابا جان کے کمرے میں موجود اُن کے لئے کھانا چُنا جا رہا تھا۔ ہونہہ، دیکھ لوں گا سب کو، اپنا حق کسی کو چھیننے نہیں دوں گا۔) وہ اسی سوچ میں اُلجھا اور اُلجھتا چلا گیا۔

رائحہ نے بھی اس کی خاموشی اور چہرے پر پھیل جانے والی سختی کو دُزدیدہ نگاہ سے دیکھا اور حیران بھی اچھی خاصی ہوئی۔

"اب میں چلتی ہوں، اتنی دیر تو کبھی گھر سے باہر نہیں رہی، میری مما انتظار کر رہی ہوں گی۔" اُس کے انداز میں التجا تھی......اردشیر اس کی آواز پر سوچ سے پلٹا، اسے دیکھا اور بولا......

"بہت زیادہ جلدی میں ہو، زیادہ نہیں تو تھوڑا سا خیال میرا بھی کر لو۔" اس بات کا وہ کیا جواب دیتی۔

پھر جیسے اسے رائحہ پر ترس آ گیا، بولا......

"اچھا جاؤ......مگر اس وعدے کے ساتھ کہ پھر ملو گی۔"

"جی ٹھیک ہے......" اسے تو جانے کی جلدی تھی، جھٹ سے ہامی بھر لی کہ بعد میں ملنا یہ نا ملنا تو اپنے اختیار میں تھا۔

وہ تیزی سے قدم اُٹھاتی کمرے سے باہر آ گئی۔ جیسے یہ خدشہ ہو، اگر ذرا بھی رفتار سست پڑی تو پھر کبھی جا نہیں پائے گی۔

"ارے تم جا رہی ہو رائحہ......؟" چھوٹے سے لان میں کھڑی نورین نے اسے دیکھا تو حیرت

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



سے کہے بغیر نہیں رہ سکی۔

''ہاں مجھے بہت دیر ہوگئی ہے اور تم اِدھر کھڑی کیا کر رہی ہو......؟ اندر کیوں نہیں آئیں تمہارے کزن بھی منتظر ہیں تمہارے......''

نورین کو اس طرح کے جملوں کی اس وقت توقع نہیں تھی، اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ اُس نے سر سے پاؤں تک بغور رائحہ کو دیکھا پھر چہرے پر نظر جما کر بولی......

''تم سے کیا باتیں ہوئیں شاہ کی......؟''

''کوئی خاص تو نہیں اور تم تھیں کہاں، آئیں کیوں نہیں، جانتی ہو مجھے اُن کے ساتھ اکیلے بیٹھنا اچھا نہیں لگا۔''

اردشیر کے سامنے تھی تو گویا طلسم کے اثر میں تھی مگر باہر آتے ہی اسے سب غلط لگنے لگا تھا۔ جبھی تو نورین کے پوچھنے پر کہ شاہ نے اس سے کیا کہا ہے، کوئی خوبصورت رنگ اس کی آنکھوں میں نہیں آیا بلکہ صاف کہہ دیا کہ کوئی خاص بات چیت نہیں ہوئی...... وہ اب جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی...... اُس نے نورین سے کہا......

''اپنے ڈرائیور سے کہو مجھے گھر تک ڈراپ کر دے۔''

''گاڑی تو شاہ کے پاس بھی ہے...... وہ تمہیں لے جائیں گے۔''

''نہیں نہیں...... ایسا غضب مت کرنا، تم میرے گھر والوں کو جانتی نہیں ہو۔'' رائحہ نے جان بوجھ کر گھر والوں کا ذکر کیا کہ اگر اپنے طور پر منع کرتی تو یقیناً نورین نہ مانتی اور شاہ کو بلا لاتی...... اب نورین کو بھی قائل ہونا پڑا۔

رائحہ چلی گئی، تب نورین شاہ کے پاس اندر چلی آئی۔ وہ کسی سوچ میں گم دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی سہلاتے ہوئے ملا......

''تمہیں کیا ہوا شاہ......؟'' اُس کی حیرت اور ہلکا سا غصہ ضروری بھی تھا کہ کتنا شور کر رکھا تھا اردشیر نے، لگتا تھا وہ لڑکی اس کے حواسوں پر چھا گئی ہے۔ نورین نے بہت سا وقت رائحہ پر ضائع کیا تھا اور اب جب وہ شاہ کے سامنے آئی تو ایسا کچھ بھی نہ ہوا جس کی توقع نورین کو تھی۔

اس کی آواز پر پیشانی سہلانے کا عمل روک کر اُس نے نورین کی طرف دیکھا اور بولا......

''کچھ بھی تو نہیں ہوا، تم مجھے ایسے کیوں دیکھ رہی ہو......؟''

''مجھے تو جناب شاہ صاحب کی طبیعت ٹھیک نہیں لگتی، کتنا شور مچا رکھا تھا اس کے لئے، اگر چند منٹ دیکھنا ہی چاہتے تھے تو پھر مجھے اتنا لمبا گیم کھیلنے کو کیوں کہا تھا۔''

''صرف چند منٹ کی بات نہیں میری جان، میں اسے بار بار دیکھنا چاہتا ہوں، وہ بہت اچھی بہت پیاری ہے، اسے توڑنے کو نہیں سنبھال کر احتیاط سے کسی مضبوط حصار میں رکھنے کو جی چاہتا ہے۔''

''یہ باتیں تم کر رہے ہو شاہ...... مجھے یقین نہیں آ رہا۔''

وہ ہنس پڑا، پھر آہ بھر کر بولا...... ''یقین تو مجھے بھی نہیں آ رہا، کیا ہے یہ سب اور کیوں ہو رہا ہے، ایسا نہیں ہونا چاہئے مگر میں بے بس ہوں، یہ دل بھی میرے اختیار میں نہیں رہا۔ اس نے ہمیشہ من مانی کی ہے۔'' اُس کے انداز میں اُلجھن تھی۔



''بولو...... کیا پیئو گے......؟'' نورین نے میزبانی نبھائی۔

''کچھ نہیں، اب چلتا ہوں، پھر آؤں گا۔''

''آخر اتنی عجلت کیوں سوار ہے......؟'' وہ کھڑا ہوا تو نورین نے آگے بڑھ کر بازو پر ہاتھ رکھ دیا جسے اُس نے نرمی سے الگ کیا اور بولا......

''بہت اُلجھا ہوا ہوں، پھر کبھی سہی......'' اور وہاں سے چلا آیا۔

♦ ♦ ♦

''آ جاؤ، عمر رُک کیوں گئے۔'' مزیب نے ہاتھ پکڑ کر اسے کہا۔

''آپ کا گھر بہت اچھا ہے۔'' عمر راستے بھر خاموش رہا تھا اور یہاں آ کر تو ٹھٹک گیا تھا۔

''گھبراتے کیوں ہو......؟ میری مما بہت اچھی ہیں جیسے تمہاری ماں مجھ سے پیار سے ملتی ہیں۔ اسی طرح میری ماں بھی بیٹے کے دوست کے ساتھ اپنائیت سے ملیں گی، آؤ، آ جاؤ شاباش......''

ہاتھ پکڑے ہوئے ہی وہ اسے ڈرائنگ روم تک لایا۔ صوفے پر ہلکا سا دھکا دے کر بٹھایا اور بولا......

''کیا خاطر کروں تمہاری......؟''

''سادہ پانی لے آئیں...... سچ اس وقت پیاس سے حلق خشک ہو رہا ہے۔''

''تم تو بالکل پاگل ہو عمر...... ارے بابا ایسا بھی کیا گھبرانا، ابھی جب تم میری والدہ سے ملو گے، تو یقیناً خوش ہو گے۔ بہن تو اِس وقت کالج گئی ہوگی۔ تم میری دادی بلکہ میری کزن کی دادی سے ملو گے تو سوچو گے کاش میں بھی اس گھر میں پیدا ہوا ہوتا۔ تم میرے گھر والوں سے ملنے کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو جاؤ گے کہ گھر والے مزیب سے زیادہ اچھے ہیں۔''

عمر ہلکا سا مسکرا دیا۔ کہا کچھ نہیں۔

''میں ذرا زوردار قسم کی چائے کا کہنے جا رہا ہوں، تم میری غیر موجودگی میں اِدھر اُدھر سر گھما کر جائزہ لے سکتے ہو، میں بالکل برا نہیں مانوں گا۔''

''زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ مزیب جویریہ کے ساتھ آ گیا اور بولا

''اِن سے ملئے، یہ ہیں میرے دوست جناب عمر صاحب......'' مزیب نے مسکرا کر خوشگوار انداز میں تعارف کرایا تھا۔ عمر بھی احترام سے اُٹھ کھڑا ہوا...... اور نہایت اپنائیت بھرے انداز میں ''السلام علیکم آنٹی'' کہا۔

بلیک، پنک اور وائیٹ پرنٹڈ ساڑی، بالوں کا سادہ جوڑا بنائے، وہ خاتون سوبر تو تھیں ہی مگر اس کے علاوہ بھی کوئی بات تھی، عمر کو انہیں دیکھتے ہی اپنائیت کا احساس ہوا تھا، یہ عورت تو اس سے کہیں اچھی تھی، جتنا مزیب بتایا کرتا تھا، وہ سراپا شفقت اور نیک دکھائی دیتی تھیں، عمر پلکیں جھپک نہیں سکا۔

وقت تو کتنا بھی تیز چل لے، تیرے بڑھتے قدم کتنوں کو روند ڈالیں، تیری رفتار کا ساتھ دیتے ہوئے ہاتھ ہاتھوں سے چھوٹ جائیں مگر دل نہیں بدلتے یاد رکھنا، جذبے نہیں مرتے، تیرے بے رحم فیصلوں کا شکار ہونے والے بظاہر سر جھکا کر اُن فیصلوں کو قبول کر لیتے ہیں جو تو اِن کے لئے کرتا ہے مگر یادیں ہر پل ساتھ ساتھ رہتی ہیں، بظاہر ہنستے لوگ، اندر سے روتے ہی رہتے ہیں۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



دل کو جھٹکا لگا تھا، یہ صورت یہ قربت......"ارے ناصر سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے یہ لڑکا......" وہ ٹھٹکی تھی، پھر سنبھلی۔

"مما...... یہ عمر ہے...... میرا دوست......" مزیب نے تعارف کرایا۔

"عمر......" اُسے یہ نام اجنبی لگا...... دل نے کہا اس کا نام طلال ہونا چاہئے تھا۔

"تم عمر ہو بیٹا......؟" اُس نے کراہوں کو دبا کر عمر سے تصدیق چاہی، اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

مگر جویریہ کی آس ابھی باقی تھی۔

"مما، اچھا ہے ناں میرا دوست......؟" مزیب بڑے لاڈ سے پوچھ رہا تھا۔

"ارے بیٹا...... صرف اچھا...... یہ تو بہت اچھا ہے۔" جویریہ اپنی کیفیت پر بہت کوشش کے باوجود پوری طرح قابو نہیں پا سکی تھی۔ مزیب نے یہی اندازہ لگایا تھا کہ شاید ماں کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے جبکہ عمر سمجھ نہیں سکا...... کہ خود اپنی جو حالت تھی، وہ سمجھ سے بالاتر تھی۔ نظر بار بار جویریہ کی طرف اُٹھ جاتی تھی۔

"میں کب سے تمہاری آمد کا سن رہی تھی، اتنی دیر کیوں کردی بیٹا یہاں آنے میں......"

"مما...... میں تو اسے کہتا تھا مگر یہ مانتا نہیں تھا، ٹالتا رہا ہے مجھے، اصل میں اس کا خیال تھا میرے گھر والے پتا نہیں ملنا پسند بھی کریں گے یا نہیں......"

"کہاں رہتے ہو بیٹا......؟" تیزی سے دھڑکتے اور ایک ہی دُعا مانگتے دل کے ساتھ اُس نے پوچھا۔

جواب میں عمر نے جھجک کر محلہ بتا دیا۔

"اور بہن بھائی بھی ہیں بیٹا......؟" جویریہ کے لب خشک ہو رہے تھے۔

"جی...... ایک بڑی بہن ہے رابعہ...... میرے والد کا انتقال ہو چکا ہے، میری والدہ بہن اور میں...... بس ہم تینوں ہی ہیں۔"

"بڑی بہن......" آس کا محل دھڑام سے گر گیا...... اسے یاد تھا، نگینہ نے بتایا تھا، بیوہ عورت ہے، ایک ہی بیٹا تھا جو مر چکا تھا اور عمر بتا رہا تھا کہ بہن مجھ سے بڑی ہے اوہ میرے طلال...... میرے لال! تمہاری تلاش نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔ مزیب کے دوست میں ناصر کی مشابہت...... یہ کوئی انوکھی بات تو نہیں، اکثر لوگ جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا، پھر بھی چال ڈھال، شکل وصورت میں حیرت انگیز طور پر ملتے ہیں۔

یہ جان کر بھی وہ اُس کا طلال نہیں ہے، جویریہ کی پیاسی نگاہ بار بار بڑے پیار سے عمر کی جانب اُٹھتی رہی، وہ اس سے چھوٹی چھوٹی بہت سی باتیں کرتی رہی حالانکہ اتنا بولنے کی وہ عادی نہیں تھی...... زیادہ تر خاموش رہتی تھی، آج اسے اتنی باتیں کرتے دیکھ کر مزیب کو حیرت کے ساتھ ساتھ خوشی بھی ہو رہی تھی۔

عمر بھی بہت اپنائیت سے باتیں کر رہا تھا۔ مزیب خاموش ہی رہا اور ان دونوں کی باتیں توجہ اور دلچسپی سے سنتا رہا۔ ایک دو بار جویریہ نے ٹوکا بھی مگر یہی کہا...... "آپ دونوں کی باتیں اچھی لگ رہی ہیں، بولتے رہیے، میں سن رہا ہوں۔"

"تم اب آتے جاتے رہنا بیٹا، مجھے تمہارا انتظار رہے گا۔" جب وہ جانے کی اجازت طلب کر رہا تھا تو جویریہ بہت اصرار کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔



"جی آنٹی......" میں ضرور آؤں گا......" وہ کہہ نہیں سکا کہ آپ مجھے بہت اپنی اپنی سی لگ رہی ہیں، وہ تمام باتیں جو آج تک کسی سے نہیں کہیں، جی چاہتا ہے آپ سے کہہ دوں...... میں بار بار آپ سے ملنا چاہتا ہوں، آپ کی باتیں سننا چاہتا ہوں، کس قدر سکون ملا ہے آپ کو دیکھ کر آپ کے پاس بیٹھ کر۔" مگر وہ کچھ بھی تو نہ بول سکا۔

• • •

سوہا آفس سے آتے ہی کچن کی جانب متوجہ ہوئی تھی، روزانہ تو وہ صبح ہی دوپہر کا کچھ نہ کچھ کام کر کے جاتی تھی اور باقی کا تھوڑا...... بہت ملازمہ سرداراں دیکھ لیتی مگر وہ آج کل چھٹی پر تھی۔ سوہا کی بھی آنکھ دیر سے کھلی...... جیسے تیسے ناشتا بنایا اور گھر سے نکل گئی۔

ڈور بیل کی آواز پر خیال بھی نہیں تھا کہ مزیب، عالیہ اور کاشف ہوں گے۔

"ارے آپ لوگ......؟" انہیں اچانک سامنے پا کر وہ حیرت سے کہے بغیر نہ رہ سکی۔

"دیکھا...... میں پہلے ہی کہہ رہا تھا، ہمارا آنا اچھا نہیں لگے گا محترمہ کو......" مزیب نے مایوسی سے منہ بنایا اور اُن دونوں سے کہا......

"اچھا...... کب اور کسے کہا تھا...... ہماری تو جان کھائے ہوئے تھے کہ سوہا کے گھر چلو......" کاشف نے بھانڈا پھوڑ دیا۔

"آیئے......" سوہا نے دروازے سے ہٹ کر انہیں راستہ دیا...... پہلے عالیہ، پھر کاشف اندر آئے جبکہ مزیب باہر ہی کھڑا رہا۔

سوہا خوب سمجھ رہی تھی، ہنس پڑی اور بولی......

"مجھے پتا ہے جب تک پر زور اصرار نہیں کروالیں گے، اندر قدم نہیں رکھیں گے، سو میں کہہ رہی ہوں پلیز مزیب صاحب، آپ اندر تشریف لا کر غریب خانے کو رونق بخشیں۔"

"ہاں، یہ ہوئی ناں بات......" اُس نے بچوں کی طرح خوشی کا بھرپور اظہار کیا اور دروازہ عبور کر لیا۔ اُس کی اس حرکت پر سوہا کی ہنسی بڑی بے ساختہ تھی۔

"آنٹی اس وقت سو رہی ہیں، اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، سردار بی بی آج کل اپنی بہن سے ملنے گاؤں گئی ہوئی ہے۔ میں آفس چلی جاتی ہوں اور وہاں جا کر ان کی طرف سے فکرمند ہی رہتی ہوں۔"

جب یہ دونوں آنٹی کے کمرے میں آئے تو عالیہ اُن کے بیڈ پر بیٹھی تھی اور شاید ان ہی دونوں کے بارے میں بتا رہی تھی۔ انہوں نے ادب سے سلام کیا۔

کاشف کو دیکھ کر وہ مسکرائیں، پھر ذرا پیچھے کھڑے مزیب پر نظر ڈالی اور بولیں......

"بڑے دنوں کے بعد چکر لگایا ہے بیٹا......؟"

"آنٹی...... سوہا سے ایک دو بار عالی کے گھر میں ملاقات ہوئی تھی۔ میں نے کہا بھی آنٹی سے ملنا چاہتا ہوں مگر صاف منع کر دیا، کہنے لگی، وہ اجنبی لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتیں۔ بس اسی وجہ سے آنے کی ہمت نہیں پڑی۔"

"لوگوں میں بھی بڑا فرق ہوتا ہے اور میں یہ فرق پہچان جاتی ہوں، تم یقیناً بہت اچھے لڑکے ہو، تمہاری آمد پر خوشی ہوتی ہے۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"بہت شکریہ آنٹی ..." مزیب کو کافی تسلی ہوئی......اور بے تکلف انداز میں ان کے کہنے سے پہلے ہی کرسی پر بیٹھ گیا۔

"آنٹی......آپ کی طبیعت کیسی ہے......؟" عالیہ نے پوچھا۔

"شکر ہے خدا کا اب تو کافی بہتر ہوں۔"

"دوا لیں گی آپ......؟" سوہا نے پوچھا۔

"نہیں ابھی کچھ نہیں، تم پہلے مہمانوں کے لئے چائے بناؤ۔"

"جی......چائے تو میں بنانے ہی جا رہی تھی۔" وہ اُٹھی اور کاشف کو بھی باہر آنے کو کہا......وہ بات سننے کے لئے اُٹھا تو مزیب بھی ساتھ ہو گیا۔ سوہا کاشف سے کہہ رہی تھی......

"خالی خولی چائے پلانا اچھا نہیں لگتا، آپ قریبی مارکیٹ سے کچھ لے آئیں۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، کھانا بھی تو ہم نے ہے۔" کاشف فوراً تیار ہو گیا۔

"اچھا میں پیسے لے کر آتی ہوں۔"

"رہنے دو، اب اتنا بھی غریب نہیں۔" وہ اتنا کہہ کر چل پڑا، سوہا نے روکا بھی مگر رُکا نہیں۔

"چائے بنانا اتنا مشکل تو نہیں......آپ اندر چل کر بیٹھیں، میں بنا لوں گی۔" وہ مزیب سے کہہ رہی تھی۔

"آپ تو تکلف سے کام لے رہی ہیں، ہم کوئی مہمان تھوڑی ہیں۔" وہ اس کی بات سمجھ کر بھی نہیں سمجھا پیچھے کچن میں آ گیا۔

"زیبو بھائی، آپ کو آنٹی بلا رہی ہیں۔" عالی نے آکر اطلاع دی۔

"اوہ ظالم سماج......دو منٹ بھی بات نہیں کرنے دی......اور عالیہ بی بی تم کس مرض کی دوا ہو گھر سے کہہ کر لایا تھا......آنٹی کو باتوں میں لگائے رکھنا مگر تم سے اتنا سا کام بھی نہیں ہو سکا۔"

"آنٹی بہت سیریس ہیں، جلدی جائیں آپ......"

"کہیں پٹائی کا پروگرام تو نہیں، اگر ایسا ہے تو کاشف کو آنے دو، پہلے وہ اندر جا کر انہیں ٹھنڈا کرنے کی کوشش کرے گا......اتنی دیر میں، میں کھڑکی کے راستے اندر جا کر ان کی عینک چھپا دوں گا۔ اگر کاشف انہیں ٹھنڈا کرنے میں ناکام بھی رہا تو بھی بغیر عینک کے پٹائی میں دقت ہو گی بلکہ عین ممکن ہے سارے طمانچے ہمارے بچاؤ کے لئے آنے والی سوہا کو ہی پڑ جائیں۔"

"میں بچانے کے لئے ہرگز نہیں آؤں گی۔" سوہا نے شرارت سے شانے اُچکا کر انکار کر دیا۔

"تو ٹھیک ہے پھر جب میرے گھر والے تمہاری پٹائی کیا کریں گے تو مجھے مت پکارنا۔"

"توبہ زیبو بھائی......کتنا بولتے ہیں آپ، اب چل بھی چکیے، آنٹی انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"جا رہا ہوں، تم دونوں اپنی باتوں کے دوران میری چیخوں کا بھی دھیان رکھنا۔ سوہا نے تو صاف جواب دے دیا ہے مگر تم فوراً میری مدد کو آنا پیاری بہن......"

"اچھا اچھا......ٹھیک ہے، آپ جانے والے تو بنیں۔"

مزیب جب آنٹی کے کمرے میں آیا تو چہرے پر حد درجے سنجیدگی اور متانت طاری تھی۔

"آپ نے بلایا تھا آنٹی......"



"ہاں بیٹا، آؤ بیٹھو، میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں۔"

وہ اُن کے بیڈ سے کچھ فاصلے پر دائیں جانب رکھی دو کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گیا اور سوالیہ انداز میں اُن کی جانب دیکھا۔

"تم پہلے بھی دو مرتبہ یہاں آ چکے ہو۔"

"جی ہاں آنٹی، ہماری ملاقات پہلے بھی ہو چکی ہے۔"

"عالیہ تو سوہا کی دوست ہے اور اس کا بھائی کاشف وہ بھی کبھی کبھار بہن کے ساتھ ہی یہاں آتا جاتا ہے مگر بہت کم، عام طور پر عالیہ اکیلی ہی آتی ہے لیکن مزیب بیٹا، تمہارا یہاں آنا، تمہاری یہاں دلچسپی، تم اس کی وضاحت کر دو تو اچھا ہوگا بیٹا......؟"

وہ اس سوال کے لئے تیار تو نہیں تھا مگر چونکہ دل صاف تھا تو فوری جواب میں بھی مشکل نہیں ہوئی......دھیرے سے مسکرایا اور اعتماد کے ساتھ بولا......

"میری جو دلچسپی ہے وہ میں سوہا سے کہہ چکا ہوں آنٹی۔"

"یقیناً سوہا سے کہہ چکے ہو گے مگر میں تم سے پوچھنا چاہ رہی ہوں کیا مجھ سے کہتے گھبراتے ہو......؟"

"نہیں تو آنٹی، گھبراتا وہی ہے، جس کے دل و دماغ میں کشمکش ہو، دل کچھ اور کہتا ہو اور ذہن کچھ اور سوچتا ہو، نیت میں کھوٹ ہو تو بات کرنا مشکل ہوتا ہے، میرا فیصلہ ہے کہ زندگی کا ساتھی سوہا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہوگا۔"

"اچھا......کیا تمہارا آخری فیصلہ ہے۔" اُن کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ اور آنکھوں میں بھی تمسخرانہ رنگ تھا۔ مزیب کو اُلجھن محسوس ہوئی۔ اُن کا یہ انداز اچھا نہیں لگا۔

"جب میں کہہ رہا ہوں کہ مخلص ہوں تو پھر آپ مان کیوں نہیں لیتیں۔" اُس نے اُلجھ کر کہا۔

"تمہارے والد اور والدہ، وہ کیا کہتے ہیں اس سلسلے میں بیٹا......؟"

اور اب مزیب کا سر غیر محسوس انداز میں جھک گیا۔

"وہ مان جائیں گے۔" اب کے اُس نے نظر ملائے بغیر کہا تھا۔

"مان جائیں گے، اس کا مطلب ہے ابھی وہ اس رشتے کے حق میں نہیں ہیں......؟"

"ایسی بات نہیں ہے آنٹی، میں اپنی والدہ کو اچھی طرح جانتا ہوں، وہ ماں ہی نہیں، میری دوست بھی ہیں، میری بات نہیں ٹال سکتیں۔ انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"تمہاری بات سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے مزیب......کہ تم نے ابھی تک گھر والوں سے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی۔"

"میں ان سے بات کر لوں گا۔" غلطی کا احساس اسے بھی ہوا۔ واقعی اب تک اسے ماں سے تو ضرور بات کر لینی چاہئے تھی۔

"مجھے تم سے ایسی اُمید نہیں تھی بیٹا، مجھے تو دعویٰ تھا کہ میں چہرے پہچان لیتی ہوں، کھرے کھوٹے کی بڑی پہچان ہے مجھے، مگر جانے کیسے دھوکا کھا گئی......؟"

"پلیز آنٹی یوں مت کہیں، آپ نے دھوکا نہیں کھایا مگر اب میں لفظوں سے یقین نہیں دلاؤں گا۔ پہلے ماں سے بات کرنے کے بعد ہی یہاں آؤں گا......تاکہ آپ اور سوہا پوری طرح مطمئن ہو سکیں۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"ہاں بیٹا، ہم سب کے لئے یہی بہتر ہوگا۔"

"خدا حافظ آنٹی......"

وہ اُٹھ کھڑا ہوا، جواب میں یاسمین بیگم نے روکا نہیں، یہ نہیں کہا کہ چائے پی کر جانا...... بڑا کڑا وقت دیکھا تھا انہوں نے، یہ بھی جانتی تھیں۔ ذرا سی غلطی تمام عمر کا پچھتاوا بن جاتی ہے۔

عالیہ اور سوہا کچن میں تھیں، مزیب نے اتنا ہی کہا کہ میں جا رہا ہوں، جانے کی وجہ پوچھی تو بولا......

"یہ تم آنٹی پوچھ لینا۔"

سوہا پریشان ہوگئی اور آوازیں دیتی پیچھے آگئی۔ وہ بھی چلتے چلتے رُک گیا اور مُڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"آپ ایسے کیوں جا رہے ہیں......؟ آنٹی کی کوئی بات بری لگی ہے آپ کو......؟" وہ فکرمند تھی پریشانی اس کے چہرے پر لکھی تھی۔

"ایسی تو کوئی بات نہیں، میں ہرگز ناراض ہو کر نہیں جا رہا، آنٹی نے آج جو کچھ مجھ سے کہا مجھے افسوس ہے کہ انہیں یہ کہنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آئی...... مجھے ان باتوں کا خیال خود سے کیوں نہیں آگیا۔ میں نے ابھی تک تمہارے بارے میں گھر میں بات نہیں کی...... مگر اب میں اپنی مما سے تمہارے سلسلے میں بات کر کے ہی یہاں آؤں گا اور تم یقین رکھو، بہت جلد آؤں گا۔"

آخری فقرہ اُس نے اُس کی تسلی کے لئے مسکرا کر کہا، اُس کا ہاتھ بھی ہاتھوں میں لے کر تھپکا۔

"چائے تو پیتے جائیں، یوں جا رہے ہیں مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔"

"اُدھار رہی......" وہ ہاتھ چھوڑ کر چل پڑا۔

• • •

اردشیر نے پہلے ستارہ کے ہاں بات کی اور ستارہ کے شوہر امین شاہ نے بتایا کہ کبریٰ خاتون اُن کی طرف نہیں ہیں، وہ اپنے چھوٹے بھائی کی طرف گئی ہوئی ہیں۔

"پتا نہیں بڑی ماں بھی کیا سوچے بیٹھی ہیں، حویلی کی کوئی فکر نہیں، وہ کمیوں کی بیٹی، اُن کی جگہ مالکن بن کر بیٹھ گئی ہے۔ اگر بڑی ماں حویلی میں ہوتیں تو کبھی ایسا نہ ہوتا (وہ بھول رہا تھا کہ اسی بڑی ماں پر دو دو سوکنیں آچکی تھیں اور تب تو وہ حویلی میں ہی رہا کرتی تھیں)۔

اس پر اُلجھن طاری تھی، وہ جلد از جلد کبریٰ خاتون سے اس سلسلے میں بات کرنا چاہ رہا تھا کہ اُن کے مشورے سے ہی چلنے کا ارادہ تھا۔

"اب کہاں ملوں ان سے، پتا نہیں کس شہر گئی ہیں، کتنے روز کے لئے گئی ہیں، یہ بھی ممکن ہے وہ شاہ بی بی (فاطمہ شاہ) کی طرف چلی جائیں۔ اگر ایسا ہوا تو وہاں میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔" وہ کمرے میں اِدھر سے اُدھر ٹہل رہا تھا۔

"کیا مجھے خود حویلی جانا چاہئے...... وہاں جا کر رنگ ڈھنگ دیکھنے چاہئیں۔ ہاں یہی مناسب ہے مجھے وہاں ضرور جانا چاہئے۔ بابا سائیں کی نئی نویلی دلہن کو پتا تو چلے کہ یہ جائیداد اس کے بوڑھے شوہر کی نہیں بلکہ میری ہے۔

"جو خواب لے کر وہ اُن کے نکاح میں آنے پر راضی ہوئی ہے۔ وہ میں کبھی پورے نہیں ہونے



دوں گا۔ اس کا شوہر میرا مقابلہ نہیں کر سکے گا۔ میں اپنے ساتھ زیادتی کرنے والوں کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔" اُس نے فیصلہ کر لیا وہ کل صبح ہی گاؤں جانے کے لئے نکل کھڑا ہوگا۔

گاڑی ڈرائیو وے پر آ کر رُکی تھی۔ چوکیدار جمشید شاہ کو نہ صرف پہچانتا تھا بلکہ یہ بھی جانتا تھا کہ وہ ان کے صاحب کے والد ہیں...... لہٰذا جھک کر سلام کرنا لازم تھا۔

شاہ جی اکیلے نہیں تھے، اُن کے بڑی سی چادر میں اپنا وجود چھپائے آنے والی خاتون بھی تھی۔

"وہ تمہارا صاحب تو سو رہا ہوگا۔ اس وقت تک اس کی صبح ہی کہاں ہوتی ہے۔"

بڑے خوشگوار موڈ میں ہنسی کے دوران انہوں نے بیٹے کے بارے میں پوچھا تھا۔ جواب میں موجود تمام ملازموں کا ہنسنا تو ضروری ہو جاتا تھا۔ اسی ہنسی کے دوران سب کے سر اثبات میں ہلے۔

"چلو ٹھیک ہے، سویا رہنے دو اُسے، جاگے گا تو مل لیں گے تم فٹافٹ ناشتا بنواؤ ہمارے لئے" وہ زینت کو ساتھ لئے ڈرائنگ روم میں آگئے...... اور بولے......

"ہاں تو یہ ہے جی ہمارے پتر کا گھر، کہئے پسند آیا۔"

"جی بہت اچھا ہے۔" اُس نے ستائشی نگاہ سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے ہولے سے کہا۔

"کیوں نہ ہو بھئی، بڑا لاڈلا اور نازک مزاج بیٹا ہے میرا، گاؤں نہیں آتا، کہتا ہے گرد اُڑتی ہے اور ملازم ٹھیک سے صفائی بھی نہیں کرتے۔" بیٹے کے بارے میں بتاتے ہوئے اک فخر آپ ہی آپ اُن کے لہجے میں اُمنڈ آیا۔ پھر کچھ یاد آیا...... زینت سے بولے......

"تم نے تو دیکھا ہوا ہے اردشیر کو، آیا تھا ایک بار گاؤں۔"

"جی...... وہ آئے تو ضرور تھے مگر میں یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ کون ہیں، اس لئے پردہ کیا تھا۔" وہ عزت واحترام سے ذکر کر رہی تھی۔

شاہ جی نے اس کی جانب دیکھا...... کچھ عجیب سا لگا تھا، ماں ہو کر بیٹے کے لئے "آئے تھے، گئے تھے" کا استعمال وہ اردشیر کی ہمعمر ہوگی یا شاید کچھ بڑی ہی رہی ہو تو بھی جمشید شاہ سے تو بہت چھوٹی تھی۔ وہ چپ سے ہو گئے پھر جیسے لفظوں کو ترتیب دے کر گویا ہوئے......

"قد بُت مجھ پر گیا ہے، میری طرح وہ بھی اپنی عمر سے بڑا دکھائی دیتا ہے، تم سے تو کافی چھوٹا ہوگا یہ آپ جناب، عزت واحترام سے مت بلانا، تمہارا بیٹا ہوتا ہے وہ......"

وہ بھرپور جوان بیٹا...... زینت اس رشتے کو قبول کرتے ہوئے ہچکچائی، بے شک اُس نے فوراً پردہ کر لیا تھا، ٹھیک سے اسے دیکھا نہیں تھا مگر قد بُت کا اندازہ تو اک ذرا سی نظر میں بھی ہو جاتا ہے۔ اُس نے شاہ جی کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

اور شاہ جی منہ زور جوانی والے خوبرو بیٹے کی تعریف کر کے ایک بار پھر گھبرا گئے تھے۔ کیا ضرورت تھی مجھے قد کاٹھ کے بارے میں کہنے کی۔

"شاہ جی، آپ تھک گئے ہوں گے، تھوڑا آرام ہی کر لیتے۔" زینت نے ایک اچھی بیوی کی طرح شوہر کا خیال کر کے یہ بات کہی تھی مگر شاہ جی کو یہ بات گولی کی طرح لگی۔

"میں تھک گیا ہوں، یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تم جانتی نہیں زینت بیگم میں تو کئی سالوں سے کبھی بیمار نہیں ہوا۔ چار راتیں یونہی بٹھائے رکھو تو بھی کچھ نہیں بگڑے گا میرا، ہاں اردشیر کی طرف سے مجھے فکر رہی ہے،

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



نازک مزاج ہے، بیمار پڑ جاتا ہے۔'' نہ چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گئے۔

''جی..... ایک ہی تو بیٹا ہے آپ کا..... خیال تو رہتا ہوگا۔''

''صرف خیال..... زینت بیگم اُس میں تو میری جان ہے۔'' باپ کی شفقت نے پھر سر اُٹھایا اور وہ گہری محبت کے ساتھ کہنے لگے۔

ملازم ناشتا لے کر آیا تو ساتھ یہ اطلاع بھی تھی کہ صاحب جاگ چکے ہیں اور انہیں آپ لوگوں کی آمد کے بارے میں بتا دیا گیا ہے۔

اور جب یہ دونوں ناشتے سے فارغ ہو چکے تھے۔ وہ شاید کہیں جانے کا ارادہ رکھتا تھا (فارمل ڈریس یہی بتا رہا تھا) اور ذرا کی ذرا ملنے ہی آیا تھا۔

''السلام علیکم! کب آئے آپ لوگ.....؟'' اس کا انداز سپاٹ تھا۔

''اوہ پتر..... آج تو جلدی آنکھ کھل گئی تمہاری، میرا تو خیال تھا بارہ بجے تک انتظار کرنا پڑے گا۔''

شاہ جی کا انداز الفاظ سے کہیں کم پر جوش تھا۔ وہ کچھ جھینپے جھینپے سے اس کے تاثرات جاننے کی کوشش پر دکھائی دے رہے تھے کہ آخر جوان بیٹے کے گھر اپنی نئی بیوی کے ساتھ آئے تھے۔

اردشیر نے باپ کی طرف دیکھا، بالوں کی سفیدی کو سیاہ کیا گیا تھا۔ مونچھوں کو تاؤ دیئے وہ تن کر کھڑے تھے، اسے ہنسی آ گئی۔ اُن کی طرف سے منہ پھیر کر زینت کی طرف دیکھا تو وہ جلدی سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور ادب سے سلام عرض کیا۔

(آخر ہے ناں کمی کی اولاد..... اسے یاد نہیں رہا کہ اب یہ شاہ کی بیوی ہے رشتے میں میرے لئے احترام کی جگہ ہے، کسی ملازمہ کی طرح سلام کیا ہے) اردشیر نے صرف سر کے اشارے سے جواب دیتے ہوئے سوچا۔

''تمہاری ماں ملنا چاہتی تھی تم سے، یہی مجھے لے کر آئی ہے۔'' شاہ جی نے اسے زینت کی طرف سے خوش کرنے کو کہا۔

''ماں.....'' اردشیر کا جی چاہا قہقہہ لگا کر ہنس پڑے..... گوٹے کنارے والے سبز جوڑے میں ملبوس مہندی سے سجے ہاتھ، بازو میں چھنکتی لال چوڑیاں۔

اس کی ماں کہلانا ابھی زینت سے بھی ہضم نہیں ہو رہا تھا، جو یوں دکھائی دیتی تھی۔

''بڑی مہربانی، بڑا احسان ہے، بہت نوازش ہے۔'' اردشیر سنجیدہ تھا اور ٹانگ پر ٹانگ جما کر بیٹھ گیا تھا جبکہ یہ دونوں اس سے ملنے کے لئے کھڑے ہوئے تھے اور اب تک کھڑے تھے۔

شاہ جی نے محسوس کر لیا تھا کہ وہ اس شادی پر ناخوش ہے مگر اس کی ناراضگی کو عارضی خیال کر رہے تھے۔ کچھ دنوں کی بات ہے، پھر ٹھیک ہو جائے گا۔

انگریزی سوٹ میں ملبوس یہ جوان مرد جس کا ہر انداز بیگانوں والا تھا، باپ کے لئے اس کے کسی انداز میں کوئی احترام نہیں تھا، کیا بیٹے ایسے ہوتے ہیں۔ زینت نے سوچا۔

اس نے اردشیر کی طرف نگاہ کی..... اس وقت وہ بھی اِدھر ہی دیکھ رہا تھا۔ نظر ملی تو زینت نے پلکیں جھکا لیں۔

• • •



''مما..... کیا کر رہی ہیں آپ.....؟'' مزیب کچن میں کھڑی جویریہ سے پوچھ رہا تھا۔

''تھوڑا سا کام تھا، اب تو نبٹا چکی ہوں، تم بتاؤ کوئی کام ہے مجھ سے.....''

''نہیں، کام تو کوئی نہیں، بس ایک بات کرنا ہے مجھے آپ سے.....''

''ہاں ہاں، کہو میں سن رہی ہوں۔''

''اوں ہوں..... یہاں نہیں اپنے کمرے میں چل کر آرام سے بیٹھیں اور پھر پوری توجہ سے میری بات سنیئے۔''

''اچھا، کوئی اہم مسئلہ ہو گیا ہے کیا.....؟''

''میرے لئے تو اہم ہی ہے، باقی آپ سن کر فیصلہ کیجئے گا۔'' وہ مسکرا دیا۔

''چلو.....'' جویریہ اس کو لے کر آگے بڑھ گئی۔ اپنے کمرے میں آ کر چیئر پر بیٹھ گئی اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا..... اور بولی.....

''تم کہو، میں پوری توجہ سے سن رہی ہوں۔''

وہ سامنے آ بیٹھا..... کچھ دیر خاموش رہا..... نگاہ اُٹھا کر جویریہ کی جانب دیکھا۔ کچھ کہنے لگا پھر ہنس پڑا۔

''ایسی کیا بات ہو گئی.....؟'' جویریہ مسکراہٹ کے درمیان حیران ہو کر کہہ رہی تھی۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بات کہاں سے شروع کروں۔''

''ارے، مجھ سے بھی جھجک رہے ہو، بس اب جلدی سے کہہ چکو، زیادہ سسپنس مجھ سے نہیں ہوتا۔''

''وہ اصل میں بات کچھ یوں ہے کہ میری ایک لڑکی سے دوستی ہو گئی ہے۔'' آخر کار تمہید چھوڑ کر اُس نے صاف سیدھی بات کر دی۔

''اوہ، تو یہ بات ہے..... اب سمجھی.....'' جویریہ نے مسکرا کر زور سے سانس کھینچا پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی.....

''دوستی تو تم نے یونہی کہہ دیا، اصل میں کہنا تو یہ تھا کہ محبت ہو گئی ہے، کیوں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا میں.....؟''

''آپ بہت جینئس ہیں۔'' پہلی بات کرنا ہی مشکل تھا، کہہ چکا تو اعتماد بحال ہو گیا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''جینئس کے کچھ لگتے، یہ تو بتاؤ وہ ہے کون......؟'' جویریہ بھرپور دلچسپی لے رہی تھی۔

''ایک لڑکی ہے۔'' اُس نے مزے سے کہا۔

''ہاں، یہ تو تم بتا ہی چکے ہو کہ لڑکی ہے، میرا مطلب تھا، کیا نام ہے اُس کا......؟ کہاں رہتی ہے، تم سے ملاقات کب اور کیسے ہوئی......؟''

''ملاقات تو بہت پرانی ہے، اسکول ایک ہی تھا ہمارا، وہ مجھ سے جونیئر تھی، پھر بھی ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ اصل میں وہ میری ایک دوست کی دوست تھی۔ اُس سے ملنے اکثر ہماری کلاس میں آیا کرتی تھی، مزے کی بات ہے کہ اب بھی وہ کاشف کی بہن عالیہ کی فرینڈ ہے اور اُن کے گھر خاصا آنا جانا ہے اُس کا۔''

''ہوں......تو اب سمجھی کہ کاشف کے گھر کے اتنے چکر کیوں لگائے جاتے ہیں۔ کب سے ہے یہ سلسلہ......؟''

''ہو گیا ہے کچھ عرصہ......؟''

''اور مجھے اب بتا رہے ہو، پھر کہتے ہو مما ہم دونوں دوست ہیں۔'' جویریہ نے مصنوعی خفگی دکھائی۔

وہ ہنس پڑا، پھر سر جھٹک کر بولا......

''اوہو......بھلا کیسے بتاتا، آپ دیکھ تو رہی ہیں، کس قدر شرمیلا ہوں، کتنی مشکل سے بات کی ہے میں نے......''

''آپ کس قدر شرمیلے ہیں، یہ تو میں خوب جانتی ہوں اور ہاں نام تو تم نے اب بھی نہیں بتایا۔''

''بتانے ہی والا تھا، آپ نے درمیان میں ناراضگی دکھانا شروع کر دی۔ سوہا نام ہے اُس کا، سوہا رعنا......''

''بہت پیارا نام ہے، خود بھی یقیناً بہت پیاری ہوگی، مجھے کب ملوا رہے ہو اُس سے......؟''

''عنقریب اسے آپ سے ملوانے کے لئے گھر لے کے آؤں گا، تیار شیار ہو کر رہا کریں میری ماں کا امپریشن بہت اچھا سا ہونا چاہئے۔ جیسے اُس روز آپ بہت اچھی لگ رہی تھیں اور میں نے محسوس کیا تھا، آپ خود بھی بہت تھیں۔''

اُسے عمر کا اپنے ہاں آنا اور ماں سے عمر کی ملاقات یاد آ گئی تھی۔

''کس روز......؟'' وہ سمجھی نہیں۔

''اُسی روز......جب میں عمر کو لے کر آیا تھا......وہ تو یہاں آتے ہوئے بہت گھبرا رہا تھا، اُس کا خیال تھا، میری ماں ایک روایتی موٹی سی نک چڑھی بیگم ہوگی مگر آپ کو دیکھ کر تو حیران ہی رہ گیا ہوگا۔''

عمر کے ذکر پر جویریہ کے سینے میں ہوک اُٹھی......کاش وہ میرا طلال ہوتا......اگر یہ ممکن نہیں تو پھر وہ یہاں آیا ہی نہ ہوتا......عمر تو اسے بھولتا ہی نہیں تھا۔ کتنی بار خود کو سمجھایا۔ وہ اگر قد بُت میں ناصر کی طرح ہے تو کیا ہوا، اس دُنیا میں سے ایسے لوگ ہیں، جن کا آپس میں کوئی رشتہ نہیں ہوتا مگر پھر بھی وہ حیرت انگیز حد تک مماثلت رکھتے ہیں۔

مگر پھر بھی دل نہیں مانتا تھا، بار بار اُس سے ملنے کی تمنا جاگ اُٹھتی، جویریہ پریشان ہو جاتی۔ وہ سوچتی، ابھی تو ایک بار ملاقات ہوئی ہے اور میرا یہ حال ہے، اگر وہ بار بار یہاں آیا تو ٹھیک نہیں۔ جب



''وہ نہیں ہے جس کی مجھے تلاش ہے تو پھر میں اسے دیکھ کر ایسا کیوں محسوس کرنے لگتی ہوں۔ اس کے لئے اندر بے تابی کیوں ہے۔ وہ تو کسی اور گھر کا چراغ ہے۔ کسی ماں کے دل کا سکون ہے۔ میں اُس کے پیچھے کیوں جانا چاہ رہی ہوں۔''

''کیا ہوا مما، آپ کہاں کھو گئی ہیں......؟'' جویریہ کا ایک دم سے چپ ہو جانا اور یہاں موجود ہونے کے باوجود ذہنی طور پر غائب لگنا، مزیب کو حیران کر رہا تھا۔

''کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں ہوا مجھے، تم بتاؤ کیا بات کر رہے تھے ابھی، شاید عمر کے متعلق کچھ کہا تھا۔'' وہ اُس کی آمد سے خوفزدہ تھی، اُس کے خیال سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی مگر بار بار اس کا ذکر سننے کی بھی خواہش مند تھی۔

عمر کی طرف تو میں کتنے دنوں سے جا ہی نہیں سکا۔ کاشف کی ممی بیمار تھیں۔ میں زیادہ تر وقت اُن کے گھر پر رہا۔ کاشف بھی تو آج کل پنڈی گیا ہوا ہے، میں تو آپ سے سوہا کا ذکر کر رہا تھا۔''

''آہاں......تم سوہا ہی کے بارے میں بتا رہے تھے مجھے......'' وہ سنبھل گئی۔

مزیب ذرا کی ذرا چپ ہوا پھر دھیمے سے بولا......

''وہ بہت اچھی لڑکی ہے......ہر لحاظ سے اچھی ہے لیکن مما، ایک بات ہے اور مجھے خدشہ ہے کہ پاپا شاید اس رشتے کے لئے آسانی سے راضی نہ ہو سکیں۔''

''ایسی کیا بات ہے......؟''

''اصل میں مما......وہ گلوکارہ یاسمین بیگم کی بھانجی ہے، وہ بہت چھوٹی تھی جب اُس کے والدین کی ڈیتھ ہو گئی تھی۔ اسے آنٹی یاسمین نے ہی اپنے پاس رکھا ہوا ہے......اور پرورش کی ہے۔ ان کے علاوہ سوہا کا اس دُنیا میں کوئی اور نہیں۔''

''گلوکارہ کی بھانجی......'' جویریہ نے آنکھوں میں حیرت اور لہجے میں بے یقینی لئے دہرایا تھا۔

''پلیز مما......آپ تو ایسے مت کہیں، وہ بہت اچھی لڑکی ہے......اور یاسمین آنٹی بھی بہت اچھی ہیں۔ اب تو وہ گلوکاری ترک کر چکی ہیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کبھی ان کا تعلق شوبز سے بھی رہا ہوگا۔ سادہ طبیعت کی مالک ہیں اور بہت محبت کرنے والی خاتون ہیں۔''

''وہ تو ٹھیک ہے مگر تم خود سوچو، کیا تمہارے پاپا مان جائیں گے......؟''

''پاپا کی بات تو بعد میں آتی ہے، میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کو بھی میری بات اچھی نہیں لگی۔''

''ہاں......سچ کہہ رہے ہو......دیکھو ناں بیٹے، شادی گڈے گڑیا کا کھیل نہیں ہے، یہ عمر بھر کا ساتھ ہوتا ہے، نوجوانی میں انسان جذبات کے دھارے میں بہہ کر ایسا بہت کچھ کر گزرتا ہے۔ جس پر بعد میں پچھتانا پڑتا ہے، ہم جو تمہارے بڑے ہیں، تمہیں سمجھانا، غلط اور صحیح کی پہچان کروانا ہمارا فرض بنتا ہے کہ تمہیں دُکھ میں دیکھنے کا تصور بھی ہمارے لئے محال ہے۔''

''مما......آپ کی محبت اپنی جگہ مگر آپ ایک بار سوہا سے مل تو لیجئے، مجھے پورا یقین ہے، پھر آپ کو میرا ساتھ دیتے ہوئے ہچکچاہٹ نہیں ہوگی۔''

''اوکے......تم کسی روز اسے یہاں لے آؤ......میں بھی اس لڑکی کو دیکھنا چاہ رہی ہوں۔''

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اس شام مزیب سوہا سے ملا اور اسے بتایا کہ میری امی تم سے ملنا چاہ رہی ہیں۔"

"اچھا تم نے میرا ذکر کر ہی دیا اُن سے......"

"ہاں، وہ تو کرنا ہی تھا، میں تم سے کوئی کھیل تو نہیں کھیل رہا سوہا۔"

"انہیں اچھا تو نہیں لگا ہوگا......" سوہا کا انداز درست تھا مگر مزیب اس بات کا جواب اثبات میں دے کر سے افسردہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

"بھئی ایسے وہ کوئی فیصلہ نہیں دے سکتیں، تم سے ملنے کے بعد ہی مجھے اپنی رائے سے آگاہ کریں گی......"

"اور اگر ان کی رائے میرے حق میں نہیں ہوئی تو پھر کیا کرو گے......؟"

"یہ ممکن ہی نہیں...... میری اور میری ماں کی پسند الگ نہیں ہو سکتی اور پھر انہیں میری خوشی ہر حال میں عزیز ہوگی...... تم ایسا تو کوئی خیال دل میں لاؤ بھی نہیں۔ وہ تو بس تم سے ملنا چاہ رہی ہیں، دیکھنا چاہتی ہیں، کون ہے وہ لڑکی جو ان کے بیٹے کے حواس پر چھا گئی ہے۔ اب اسے سوہا کے سوا کچھ سوجھتا ہی نہیں۔"

"تم نے یہ تو بتا دیا ہے ناں کہ میں گلوکارہ یاسمین کی بھانجی ہوں......؟" سوہا اپنے خدشات میں گھری ہوئی تھی۔

"او ہو بابا، سب بتا دیا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اگر خود تم گلوکارہ ہوتیں تب بھی مجھے کوئی اعتراض نہیں ہوتا کہ میں تمہاری آنکھ سے جھانکتی پاکباز عورت کو بخوبی دیکھ سکتا ہوں...... اور آنکھ تو باطن کا عکس ہوتی ہے۔"

اُس کی بات سن کر سوہا نے سر جھکا لیا اور کچھ سوچنے لگی، مزیب کچھ دیر منتظر رہا پھر بولا......

"کہاں کھو گئی ہو......؟"

اُس نے سر اُٹھایا اور گہری سنجیدگی کے ساتھ مگر رُک رُک کر بولی......

"برا نہیں ماننا مزیب، میں تمہارے ساتھ تمہارے گھر نہیں جاؤں گی۔"

"اچھا تو پھر کیا اکیلی آؤ گی......؟" وہ مصنوعی حیرت اور ناراضگی سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں...... میرا مطلب ہے میں تمہارے گھر نہیں آؤں گی۔"

"کیا یہ بتانا پسند کریں گی کہ یہ فیصلہ کس بنیاد پر کیا گیا ہے......؟" وہ ٹھٹکا تو تھا مگر بظاہر مطمئن تھا۔

"اس لئے کہ لڑکی خود کبھی یوں نہیں جایا کرتی، بیٹے کے لئے خواہش مند خود چل کر لڑکی کے گھر آیا کرتے ہیں۔"

"اوہ...... تو یوں کہو ناں، میری ماں کی جوتیاں گھسانے کا پروگرام بنائے بیٹھی ہو۔ شادی ابھی ہوئی نہیں، ساس بہو والی دشمنی شروع ہو گئی...... میں تو مارا جاؤں گا اس جھگڑے میں......"

"اچھا، اب یوں منہ مت بنائیں، میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی...... اگر ایسا چاہا ہے تو یہ میرا حق ہے۔ مجھے تمہارے ساتھ تمہارے گھر جا کر خود کو ان کے سامنے پیش کرنا اچھا نہیں لگتا۔ سوری میں ایسا نہیں کر سکوں گی۔"

"ٹھیک ہے، جی آپ کا فیصلہ سنا دیں گے انہیں اور لے آئیں گے آپ کے دولت خانے پر، اب یہ بھی بتا دو کب آئیں......؟"



"پہلے اُن سے بات تو کر لیں، ممکن ہے وہ نہ مانیں۔"

"ارے بابا، بڑی غلط سوچ رکھتی ہو میری ماں کے بارے میں، یقین رکھو، وہ ضرور آئیں گی...... تم ٹائم بتا دو۔"

"جب جی چاہے آ جائیے گا شام کو میں گھر ہی میں ہوتی ہوں۔"

"انتظار کرنا ہم بہت جلد آئیں گے۔"

"ہم سے کیا مطلب ہے، کیا سارا محلہ جانچنے آئے گا......؟" اب وہ مسکرائی اور شرارت سے بولی......

"اُوں ہوں...... بس میں اور میری ماں...... اور یہ جانچنے والی کیا بات ہوئی، مغرور حسینہ جسے گھر کا ر دیکھنا ہوتا ہے، اس کو ملنا، ایک نظر دیکھ لینا کوئی غلط تو نہیں ہے۔"

"ہاں تو ٹھیک ہے، میں کب کہہ رہی ہوں، غلط ہے۔" وہ مسکرا دی۔

● ● ●

شیریں کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا۔ کبریٰ بیٹی کو لے کر آج صبح ہی شہر کے ہاسپٹل سے واپس گاؤں چلی گئی تھیں۔

"بی بی صاحب! چھوٹے شاہ جی آئے ہیں، میں نے بیٹھک میں بٹھا دیا ہے جی انہیں، بلا رہے ہیں آپ کو......" ملازمہ بتا رہی تھی۔

"کون چھوٹے شاہ جی......؟" وہ سمجھی نہیں کہ اردشیر کی آمد کا گمان جو نہ تھا۔

"آپ کے بیٹے بی بی......"

"اوہ اچھا...... اردشیر آیا ہے...... ٹھیک ہے تم جاؤ میں مل لیتی ہوں۔"

وہ سوچ رہی تھیں، وہ اچانک یہاں کیسے چلا آیا۔ ممکن ہے شیریں کے ہاں بیٹے کی ولادت کی اطلاع ملی ہو اور مبارکباد دینے چلا آیا ہو۔" خوش فہمی سر اُٹھا رہی تھی۔

وہ جب بیٹھک میں آئیں تو اردشیر صوفے پر پھیل کر بیٹھا تھا۔ ایک بازو بیک پر رکھا تھا اور دروازے کی سمت ہی نگاہ تھی۔ انہیں آتے دیکھ کر وہ اُٹھ کھڑا ہوا...... اور سلام کیا۔

"کیسے ہو اردشیر......؟" وہ مسکرا کر پوچھ رہی تھیں۔

"یاد ہے بڑی اماں، کتنا عرصہ ہو گیا ہے آپ کو اپنی حویلی سے آئے ہوئے اور آپ نے پلٹ کر خبر تک نہیں لی۔"

"یاد ہے بالکل یاد ہے مگر مصروف رہی ہوں۔ شیریں کے ہاں بیٹا ہوا ہے ناں۔"

"ہوں...... پتا ہے مجھے، آپ کو پوچھتا رہا ہوں، فون کرتا رہتا تھا۔ ملازمہ نے بتایا کہ آپ شیریں کے ساتھ شہر گئی ہوئی تھیں، کون سے شہر یہ اُسے پتا نہیں تھا۔ ویسے اب اور کب تک یہاں رہنے کا ارادہ ہے۔"

کتنا سرسری لیا تھا اُس نے، رسمی طور پر بھی مبارکباد نہیں دی۔ کبریٰ کے لبوں کی مسکراہٹ کافور ہو گئی۔ وہ بیٹھیں نہیں، کھڑے کھڑے ہی بولیں......

"تم کہو، کیسے آنا ہوا......؟"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''آپ کو پتا تو ہوگا کہ بابا جان نے شادی کر لی ہے۔'' اسے اندازہ تھا۔ وہ اتنی لاعلم نہ سکتیں...... یقیناً جانتی ہوں گی اور یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ وہ کہہ رہی تھیں۔

''ہاں مجھے علم ہے، انہوں نے منشی غلام علی کی بیٹی سے نکاح پڑھوا لیا ہے اور اس کا نام زینت ہے۔''

''اچھا تو سب جانتی ہیں، حیرت ہے پھر بھی اتنے اطمینان کے ساتھ اِدھر بیٹھتی ہیں۔ بڑی ماں مجھے بھی تو سمجھائیں، اس میں کیا مصلحت ہے......؟ وہ عورت سارے گھر پر قابض ہو چکی ہے اور مجھے ہے، بابا جان کے حواس پر بھی چھائی ہوئی ہے کہ آخر جوان عورت ہے اور بابا کو اپنے بارے میں خوش فہمی ہے جو شادی رچا بیٹھے......؟''

اس کا انداز دیکھ کر کبریٰ چونکیں، وہ زینت کی باتیں کرتا رہا، ایسی صورت ہے، اتنی عمر ہے وغیرہ۔

اور اُن کے ذہن میں بڑی تیزی سے ایک منصوبہ بننے لگا۔ پہلے جو وہ بیزار کھڑی تھیں، اب بیٹھ گئی تھیں...... اور چہرے پر مسکراہٹ کھیلنے لگی تھی۔

''تم کیا چاہتے ہو اردشیر......؟''

انہیں لگ رہا تھا، منزل بہت قریب آ چکی ہے۔ جو کچھ انہوں نے چاہا تھا۔ اردشیر کی پیدائش پر طرح انہوں نے اپنے جذبات چھپا کر ایک پلان ترتیب دیا تھا اور پھر دن رات اُس کے لئے کام کیا میں کیا ہے، کبھی کسی پر عیاں نہیں ہونے دیا۔

ایک ہی خواہش تھی اور وہ اس پلان کی تکمیل چاہتی تھیں۔ مگر یہ اتنی جلدی ممکن نہ تھا آہستہ آہستہ اُس کی طرف اردشیر کے بڑھتے قدم...... مگر اب ایک دم سے وہ ہو جائے گا جو انہوں نے چاہا تھا، خود کے بدن میں سوچ کر ہی سنسنی سی دوڑ گئی تھی۔

''میں یہی بات آپ سے پوچھنے آیا ہوں بڑی ماں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں اس بات خوش کیسے ہو سکتا ہوں...... اور میں تو اس کا اظہار بھی کر دیتا مگر میرے گاؤں جانے سے پہلے بابا جان روز صبح ہی صبح اُسے ساتھ لے کر شہر میں میرے گھر پر آ گئے۔ اب گھر آئے مہمانوں سے کیا کہتا۔ ویسے میں نے سوچا پہلے آپ سے مل لیا جائے۔ پھر ہی کوئی قدم اُٹھانا بہتر ہوگا۔''

''ہاں، یہ تم نے بہت اچھا کیا، جوان ہو، گرم خون ہے تمہارا، یونہی کوئی ایسی بات کر جاتے جو کے حالات میں غلط ثابت ہوتی تو سوائے افسوس کے تمہارے پاس کچھ نہ رہتا۔ ہاں تم بتا رہے تھے آئی تھی تمہارے پاس......''

''ہاں، بابا بڑے خوش تھے اور وہ ابھی تو بڑے اخلاق دکھا ہی تھی مجھے مگر کب تک جلدی پُرزے نکال لے گی۔ آخر ایک بوڑھے سے بیاہ کچھ سوچ کر ہی تو رچایا ہوگا اُس نے......''

''اور تمہارے بابا، اُن کا رویہ کیسا تھا تمہارے ساتھ......؟''

''اچھا تھا، ویسے میرے سامنے جھینپ رہے تھے جو بات انہیں پہلے سوچنا چاہئے تھی۔ اُس کا انہیں میرے سامنے آ کر آیا تھا......'' پھر خود کلامی کے انداز میں بولا...... ''عورت کے بغیر رہ نہیں سکتے تو بھی بیوی کا جھنجھٹ پالنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک ایک کو دیکھ لوں گا، ابھی یہ مجھے جانتے نہیں۔''



کبریٰ کچھ نہیں بولی...... اردشیر کی سوچ عین وہی تو تھی جس کی تربیت بچپن سے وہ دیتی آئی تھی۔ حاکمیت، غرور، سنگدلی، انسانیت تو بہت دُور ہو گئی تھی اُس سے۔

''بڑی ماں مجھے تو لگتا ہے، بہت کچھ اپنے نام لکھوا لے گی وہ غریب گھرانے کی عورت......'' دانت پیس کر کہا تھا اُس نے۔

''وہ ملنے آئے تھے تو تمہیں بھی گاؤں آنے کو کہا ہوگا۔''

''ہاں، میں نے بتایا ناں، ابھی تو بڑا خوش اخلاقی کا مظاہرہ کر رہی تھی۔''

''تم نے بہت اچھا کیا جو میرے پاس چلے آئے، اطمینان سے بیٹھو میں چائے منگواتی ہوں، تم چائے پیو، کچھ دیر سونا چاہو تو سو لو پھر باتیں ہوں گی اس مسئلے پر......''

''مجھے جلدی ہے، آپ نے جو کچھ بھی کہنا ہے کہہ دیں۔''

''تم بڑے ٹھیک وقت پر آئے ہو...... شاہ جی کی جائیداد کے وارث تم ہو، کسی کو حق نہیں پہنچتا کہ اُسے اُڑائے اور اس پر عیش کرے مگر باپ کے مقابلے میں کھل کر سامنے آ جانا کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔ یوں وہ چڑ جائیں گے۔ ضد میں آ کر وہ...... کوئی ایسا فیصلہ کر سکتے ہیں جو تمہارے لئے سراسر نقصان کا باعث ہو۔

بڑھاپے میں جوان بیوی نشے کی طرح ہوتی ہے، مرد ہر رشتہ بھول جاتا ہے، ہمیں سیاست سے کام کرنا پڑے گا اور اس کے لئے صبر اور ضبط کی ضرورت ہوتی ہے جو تم میں سرے سے موجود نہیں ہے۔''

''نہیں نہیں، آپ کہیں تو بڑی ماں، میں آپ کی بات پر پوری طرح عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کو میری طرف سے مایوسی نہیں ہوگی۔'' وہ اُن کا پلان جاننے کو بے چین تھا۔

''ایک تو تم نے یہ جو گاؤں نہ آنے کی قسم کھا رکھی ہے، یہ بڑی غلط ہے، بھئی اپنی جائیداد کی حفاظت تو کرنا ہوتی ہے، تم نے کبھی پرواہ ہی نہیں کی...... آ کر دیکھتے ہی نہیں کہ باپ یہ تمام مسئلے مسائل کس طرح حل کر رہا ہے، جائیداد کے کیا کیا بکھیڑے ہیں اور انہیں کس طرح حل کرنا ہے۔ منشی کون ہے، کن لوگوں کو باغ ٹھیکے پر دیئے گئے ہیں۔

اردشیر تم ان سب باتوں سے ناواقف ہو...... ایک زمیندار کے بیٹے ہو کر بھی تم کچھ نہیں جانتے، بس میں تمہارے لئے فکرمند ہو رہی ہوں۔''

''آپ نے جو کچھ کہا، وہ درست ہے، واقعی میں ہمیشہ ان معاملات سے الگ تھلگ رہا ہوں مگر فکرمند ہونے والی کوئی بات نہیں ہے، اب میں گاؤں آیا کروں گا۔''

''ہاں یہ تم نے اچھا فیصلہ کیا ہے، تم ضرور گاؤں آؤ مگر دیکھو، اب فوراً ہی جائیداد کے بارے میں پوچھنے مت بیٹھ جانا...... اور نہ ہی توجہ زمینوں کی طرف کر لینا، وہ کھٹک جائیں گے کہ کہاں تو پرواہ ہی نہ تھی اور کہاں اب توجہ ہی اس جانب ہے۔

تم بس آتے رہو اور جب بھی آؤ، ان سے بڑی رقم مانگو، ایسا کرنا ضروری ہے، جبھی تو انہیں احساس رہے گا کہ جائیداد کا وارث موجود ہے اور وہ اپنی نئی نویلی دلہن کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے باپ دادا کی زمینیں برباد نہیں کر سکتے اور ایسا کرنے سے تمہیں بھی تو اندازہ ہو سکے گا کہ بیوی کے آنے کے بعد ان کے دل میں تمہارے لئے محبت ویسی کی ویسی ہے یا کم ہو گئی ہے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اپنے انداز سے انہیں یہ احساس دلاتے رہنا کہ تم ان کی اس شادی پر خوش نہیں ہو مگر دیکھو، بڑ میں مت اُلجھنا اور ان سے جھگڑا بالکل نہ کرنا۔ ایک بات اور...... اور یہ بات بے حد ضروری ہے، تم زینت کے ساتھ اپنے رویے کو دوستانہ رکھو تا کہ تمہیں یہ علم ہو سکے کہ وہ کس قسم کی عورت ہے اور کن عزائم کے تحت اُس نے شاہ جی کے ساتھ نکاح قبول کیا ہے......؟"

"اُس سے دوستی......؟" اردشیر نے اختلاف کرنا چاہا۔

انہوں نے ہاتھ اُٹھا کر اسے خاموش کرا دیا اور بولیں......

"جذباتی مت بنو، جو میں کہہ رہی ہوں، غور سے سنو اور اس پر عمل بھی کرو۔ اگر تم زینت سے دوستانہ رویہ رکھو گے تو وہ تمہارے باپ کو تمہارے خلاف بھڑکائے گی نہیں، دوسری صورت میں وہ اُن کے کان تمہارے خلاف بھرنے لگے گی...... اور نقصان تمہیں ہی اُٹھانا پڑے گا۔

بس تم کچھ اور مت سوچو، فوراً گاؤں آنا جانا شروع کر دو۔ جب بھی آؤ شاہ جی سے بڑی رقم مانگو اور...... زینت سے ہمیشہ اچھی طرح پیش آؤ، اسے کبھی یہ احساس نہ ہونے دو کہ تم اسے اپنے باپ کی بیوی کے طور پر قبول نہیں کرتے۔"

"ٹھیک ہے بڑی ماں، جیسا آپ نے کہا ہے، میں ویسا ہی کروں گا اور سچ تو یہ ہے کہ مجھے پتا تھا، آپ سے بہتر مشورہ مجھے اور کوئی نہیں دے سکتا۔ اب بس جلدی سے چائے پلوائیں، مجھے بابا سے ملنے گاؤں جانا ہے۔"

"ہاں ہاں، کیوں نہیں، اتنی دیر بعد تو تم آئے ہو، لال میں تو تمہاری صورت دیکھنے کو ترستی ہی رہتی ہوں۔" آج پھر وہ بہت سال پہلے والی کبریٰ کے رُوپ میں آئی تھیں۔ اردشیر سے پیار جتانے والی، اس کے صدقے واری ہونے والی۔

"بڑی ماں، اب تو آتا جاتا رہوں گا کہ بابا سے ملنے ان کے گاؤں جو آنا ہو گا اور آپ میرے پاس شہر کیوں نہیں آتیں، وہاں آئیں میرے پاس رہیں، ہم اکٹھے کھانا کھایا کریں گے...... اور بہت سی باتیں بھی کریں گے۔"

"اتنا وقت کہاں ہو گا جوان بیٹے کے پاس کہ بوڑھی ماں کے ساتھ کھانا کھائے اور اُس سے باتیں بھی کرے۔"

"ارے ماں، آپ کے لئے تو وقت ہی وقت ہے۔" وہ اُٹھ کر اُن کے قریب آ گیا۔ پہلے شانوں پر ہاتھ رکھے پھر مسکرا کر گلے لگا لیا۔

"اتنے عرصے تک بڑی ماں یاد نہیں آئی، اب آئے ہو تو پیار جتانے لگے ہو، مجھے تو سب دکھاوے کی محبت لگتی ہے۔" وہ ہنس کر کہہ رہی تھیں۔

اردشیر سنجیدہ ہو گیا اور بولا...... "یوں مت کہیں بڑی ماں، میں نے محبت کی ہے تو صرف آپ سے...... آپ میرے لئے کیا ہیں، میں بتا نہیں سکتا۔ بڑی ماں، آپ ہی وہ ہستی ہیں جس کے سامنے ا دل کھول سکتا ہو، رونا چاہوں تو رو بھی لوں اور جو کبھی بے اندازہ خوشی ملے تو دیوانوں کی طرح رقص بھی کر لوں آپ کے لئے میں وہی اردشیر ہوں جو بچپن میں تھا، آپ سے کوئی پردہ نہیں ہے۔"

وہ اُس کا چہرہ تھپک کر بولیں......



"مجھے یقین ہے اردشیر، مجھے پورا یقین ہے تم وہی ہو تم نہیں بدل سکتے تم کل بھی میری بات مانتے تھے اور آج بھی مانو گے۔"

چائے پیتے ہی وہ جانے کے لئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"واپسی پر ہوتے ہوئے جاؤ گے......؟"

"نہیں بڑی ماں یوں تو بہت دیر ہو جائے گی۔ اب جب اگلی مرتبہ آؤں گا تو اِدھر کا بھی چکر لگاتا جاؤں گا۔"

"چلو یہ ٹھیک ہے......" اُنہوں نے اتفاق کیا۔

• • •

اردشیر بڑی حویلی آیا...... پہلے تو خیال آیا کہ اندر جانے سے پہلے اپنے یہاں آنے کی اطلاع بھیج دے مگر پھر سوچا، یہ میرا اپنا گھر ہے مجھے بھلا اجازت لے کر جانے یا زنان خانے میں اطلاع بھجوانے کی کیا ضرورت ہے۔ گاڑی باہر کے احاطے میں کھڑی کی اور چھوٹا پھاٹک کراس کر کے اندر چلا آیا۔

وہ خاصا آگے تک آ گیا مگر ہر سو خاموشی محسوس ہوئی۔ برآمدے تک وہ یونہی آ گیا۔ نہ تو کسی ملازمہ نے سلام کیا اور نہ ہی کوئی اسے دیکھ کر گھبراہٹ کے عالم میں باقیوں کو اطلاع دینے کے لئے دوڑی۔ ہاں برآمدے میں آتے ہی اُس نے زینت کو دیکھ لیا۔ وہ کرسی پر ایک شان سے بیٹھی تھی، فرش پر دو ملازمائیں بیٹھی ہوئی تھیں۔ ایک پراندہ بنا رہی تھی۔ دوسری کے ہاتھ میں کڑھائی کا فریم تھا دونوں کی نظر اس پر نہیں پڑی، البتہ زینت نے اسے دیکھ لیا۔

"آپ......" وہ نگاہ پڑتے ہی اضطراری انداز میں اُٹھ کھڑی ہوئی۔ ملازمائیں چونکیں اسے دیکھا تو کام کرتے ہاتھ رُک گئے۔ مؤدب ہو کر سلام پیش کیا اور پھر توجہ سے اسے دیکھنے لگیں کہ دیکھیں سوتیلی ماں کے ساتھ خودسر چھوٹے شاہ جی، کیا رویہ اختیار کرتے ہیں۔

"تم لوگ میرا منہ کیا دیکھ رہی ہو، چلو جاؤ یہاں سے......"

اُس نے اُن دونوں کو ڈانٹا...... وہ گئی نہیں، اس کی جانب دیکھنا چھوڑ کر پھر کام میں لگ گئیں کہ آئندہ حالات انہیں خاصے دلچسپ محسوس ہو رہے تھے، وہ یہ منظر دیکھنے سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھیں۔

"سنا نہیں تم دونوں نے، میں کہہ رہا ہوں، جاؤ مرو یہاں سے......" اب کے چھوٹے شاہ جی کا انداز کاٹ کھانے والا تھا سو انہیں اُٹھنا پڑا۔

اُن کے جانے کے بعد اُس نے زینت کی جانب توجہ کی اور گہری سنجیدگی کے ساتھ بولا......

"لگتا ہے میرا حویلی آنا کچھ پسند نہیں آیا بیگم جمشید شاہ کو، ہے ناں......؟"

"نہیں نہیں، مجھے بھلا کیوں برا لگنے لگا، آپ کا اپنا گھر ہے آپ جب چاہیں یہاں آئیں۔" زینت کا انداز بے حد صلح جُو تھا۔

اردشیر تو اسے دیکھتے ہی بڑی ماں کی نصیحت بھول گیا تھا جو غصہ دل میں زینت کے لئے تھا۔ وہ زبان پر بھی آ گیا۔ زینت نے بیٹھنے کو کہا مگر وہ یہاں رُکا نہیں، اپنے کمرے میں آ گیا، یہ دیکھنے کہ وہ اب بھی ویسا ہی ہے یا نئی بیگم نے اپنی مرضی سے کچھ تبدیلی کی کوشش کی ہے۔

کمرہ ویسا ہی تھا البتہ صفائی اچھی طرح کروانے کی وجہ سے بہت اچھا لگ رہا تھا۔ وہ آ کر بیڈ پر بیٹھ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



گیا اور ساتھ ہی اسے بڑی ماں کی سمجھائی باتیں بھی یاد آ گئیں۔

"یہ اتنا آسان ہرگز نہیں جتنا کہ میں اس وقت سمجھا تھا۔ میں صاف اور کھرا بندہ ہوں، یہ چکر مجھے نہیں آتے اور یوں بھی چالیں تو وہ آزماتے ہیں، جنہیں سیدھے راستے پر شکست کی اُمید ہوتی ہے، مُر نے ہارنا نہیں سیکھا......"

جب زینت خود چائے بنا کر اس کے کمرے میں لائی، تب تک وہ فیصلہ کر چکا تھا، وہ بھی ویسا ہی رویہ رکھے گا۔ جیسا زینت اس کے ساتھ رکھے گی...... اگر وہ ٹھیک رہی تو بھی ٹھیک رہوں گا۔ اگر ذرا بھی اکڑ دکھائی تو ساری شیخی نکال دوں گا۔

"یہ چائے......" اُس نے میز پر برتن رکھتے ہوئے کسی ملازمہ کی طرح ہی ڈرتے ڈرتے نرم انداز میں کہا تھا۔

"ٹھیک ہے...... میں بنا لیتا ہوں......" وہ دونوں پاؤں جوتوں سمیت بیڈ پر رکھے اور گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے نیم دراز اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

"چینی کتنی......؟" اُس نے پوچھا۔

اردشیر نے بیڈ سے اُتر کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے سپاٹ لہجے میں کہا......

"میں خود بنا لیتا ہوں۔"

"کھانے میں کیا پسند کریں گے......؟" وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی اور پوچھنے لگی۔

"جو بنائیں گی کھا لیں گے۔" اُس کی جانب دیکھے بغیر وہ کہہ رہا تھا۔

"نہیں آپ بتا دیں، مجھے پتا ہے آپ اپنی مرضی کے خلاف کچھ بھی پسند نہیں کرتے۔"

"یہ کس نے بتایا آپ کو......؟" وہ پہلی بار مسکرایا تھا اور سوالیہ انداز میں اُس کی جانب دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی مسکرا دی...... یہ نہیں بتایا کہ ملازمائیں تمہارے مزاج کی سختی پسند ناپسند کا ذکر کرتی ہیں۔ اسی ڈر سے تو میں تمہارا کمرہ ہر روز بہت دھیان سے صاف کرواتی رہی ہوں کہ پتا نہیں کس روز اچانک آ جاؤ اور کمرہ صاف نہ ہونے پر بگڑ جاؤ...... جبکہ وہ اس کے ساتھ بگاڑنا نہیں چاہتی تھی۔ بھری دُنیا میں اکیلی تھی شاہ جی نے اسے تحفظ دیا تھا، بیوہ تھی دوسری شادی کی آس تھی، نہ ارمان سوا سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا شاہ جی کس عمر کے ہیں وہ تو دل بھی اسے دے چکی تھی جواب قبر کے اندھیروں میں اُتر گیا تھا۔

زندگی جتنی بھی ملی تھی، وہ عزت کے ساتھ بسر کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے سوچا تھا بڑی بیگم یہاں آئیں تو اُن کی بھی خدمت کرے گی۔ لیکن وہ ابھی تک حویلی آئی نہیں تھیں۔ زینت کی ان سے ملاقات نہیں ہو سکی۔ ویسے یہاں اردشیر کی طرح ان کا بھی بہت ذکر ہوتا تھا جبکہ فاطمہ اور گل کو کبھی کبھی یاد کیا جاتا تھا۔

"جو بھی پکے گا کھا لوں گا، آپ تردد نہ کریں۔" پہلی بار اس کے لہجے میں نرمی اور دوستانہ پن چھلکا تھا۔ زینت کو حوصلہ ملا اور بولی......

"اب آپ آئے ہیں تو رہیں گے ناں یہاں پر......؟"

"آپ کیا چاہتی ہیں......؟" اردشیر اس کی جانب دیکھے بغیر چائے کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔



"آپ کا اپنا گھر ہے مرضی کے مالک ہیں، میں نے بھلا کیا کہنا ہے۔"

"ہوں تو ابھی محترمہ کے دماغ پر ملکیت کا کیڑا نہیں کلبلایا۔" اردشیر نے سوچا اور اس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ وہ کچھ دیر منتظر رہی پھر چلی گئی۔

◆ ◆ ◆

"یہی گھر ہے سوہا کا......" مزیب، جویریہ کو لے آیا تھا اور بتا رہا تھا۔ سارے راستے وہ اِدھر اُدھر کی نمی کرتا آیا تھا مگر کوشش کے باوجود جویریہ کا موڈ بحال کرنے میں ناکام رہا۔ وہ سمجھ گیا کہ ماں بالکل خوش نہیں ہے۔

اور وہ واقعی خوش نہیں تھی۔ مزیب اس کا سگا بیٹا نہ سہی مگر اُس نے تو ہمیشہ اپنا بیٹا ہی سمجھا تھا اور بیٹے کے لئے کسی ایسی ویسی لڑکی کے لئے ہاں کہہ کر اس کا دل بھلا کیسے مطمئن ہو سکتا تھا۔ اُس نے مزیب سے کہا تھا......

"مجھے تم سے ایسی توقع ہرگز نہیں تھی...... اتنے سمجھدار ہو کر بھی تم اسے معاملے میں ناسمجھی کا ثبوت دے رہے ہو۔ پسند کی شادی کرنے میں کوئی برائی نہیں مگر عقل کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے تو بہتر ہوتا۔"

مزیب اس بات کے جواب میں ہنس پڑا تھا۔ یقین تھا سوہا سے ملنے کے بعد ماں کی رائے بدل جائے گی۔ سوہا یقیناً انہیں پسند آئے گی۔

دروازہ سوہا نے ہی کھولا...... مزیب کے ساتھ ایک سوبر اور نفیس سی خاتون کو دیکھا، سمجھی نہیں کہ یہ مزیب کی کون ہو سکتی ہیں۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر کیا دیکھ رہی ہو، یہ میری مما ہیں۔" مزیب نے تعارف کرایا۔

اُس نے بوکھلا کر مزیب کی طرف دیکھا، پھر جویریہ کی جانب اور ساتھ ہی سلام کر دیا۔

"مما یہی سوہا ہے...... سوہا رعنا۔" مزیب بتا رہا تھا، جویریہ نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"آیئے...... اندر آ جایئے۔" سوہا دونوں سے مخاطب تھی۔ اپنی رہنمائی میں یاسمین بیگم کے کمرے تک لائی اور تعارف کرایا۔ یاسمین بیگم ایک اچھی میزبان کی طرح جویریہ سے ملیں۔

سوہا کچھ ہی دیر یہاں بیٹھی پھر چائے بنانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کی آنٹی ان دونوں سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔ ان دونوں کو باتیں کرتا چھوڑ کر مزیب چپکے سے کھسک آیا۔

"اے لڑکی، کیسی لگیں میری والدہ محترمہ......؟" کچن کے دروازے پر ہاتھ رکھے، وہ اندر جھانکتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا۔

"یاد رہے میں انہیں نہیں بلکہ وہ مجھے دیکھنے اور پرکھنے آئی ہیں۔"

تو تم نے آنکھیں تھوڑی بند کر رکھی ہیں اور یہ پرکھنے والی تو خوب ہی کہی۔"

"بظاہر تو بہت اچھی ہیں۔" سوہا سچائی سے گویا ہوئی۔

"بظاہر ہی نہیں، وہ واقعی بہت اچھی ہیں، یہ مت سمجھنا کہ میں بیٹا ہونے کے ناتے تعریف کر رہا ہوں...... انہیں تو سب ہی پسند کرتے ہیں۔ مجھے تو پورا یقین ہے، مثالی ساس ثابت ہوں گی۔"

"اچھا...... تم یہاں کیوں چلے آئے...... آخر چائے بنا کر اندر ہی تو لائی تھی۔" سوہا نے مذاق میں

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ٹالنا چاہا۔

"میں نے سوچا، تھوڑی ہیلپ ہی کر دوں تمہاری......" اُس نے آگے آکر پلیٹ سے لے کر لیا۔

سوہا نے اس حرکت پر گھور کر اسے دیکھا پھر بولی......

"پلیز اندر جاؤ...... یوں مجھے کچھ اچھا نہیں لگ رہا۔"

"تم ہمیشہ مجھ پر اعتراض ہی کرتی رہا کرو...... مجھے نہیں یاد پڑتا کہ کبھی بھولے سے بھی تم نے میرے بارے میں کوئی خوبصورت بات کی ہو۔" وہ بظاہر ناراض ہو کر دوبارہ کمرے میں چلا آیا...... سوہا نے مسکرا کر اسے جاتے دیکھا پھر جلدی سے برتن سیٹ کرنے لگی۔

مزیب کی مما جانے کا فیصلہ کریں گی۔ یہ سوچ اُس پر گھبراہٹ طاری کر رہی تھی۔ ٹھنڈے پڑتے ہاتھوں سے ٹرالی اندر لے کر آئی تو مزیب اپنی ماں کے قریب خاموش اور باادب سر جھکائے بیٹھا تھا۔ آنٹی کوئی قصہ سنا رہی تھیں۔ جویریہ کی ساری توجہ ان ہی کی جانب تھی۔ اُس کی سعادت مندی دیکھ کر سوہا کو ہنسی آ گئی۔ وہ جلدی سے جھک کر برتن سیٹ کرنے لگی۔

یاسمین بیگم ہی زیادہ تر بولتی رہیں اور جویریہ کو وہ اچھی لگیں کہ ان کی باتوں میں بناوٹ نہیں تھی۔ اپنے بارے میں سبھی کچھ بتا دیا حالانکہ ایسے موقعوں پر لوگ بہت کچھ چھپاتے ہیں۔

چائے پیتے ہی مزیب نے واپسی کے لئے کہنا شروع کر دیا کہ وہ سوہا کے بارے میں ماں کی رائے جاننے کو بے چین تھا۔

"اتنی جلدی کیا ہے، کچھ دیر تو بیٹھنے دو۔" یاسمین بیگم نے کہا۔

"نہیں آنٹی...... ہم پھر آئیں گے۔ ابھی تو اجازت دیں۔ اُٹھیں مما بڑی دیر ہو گئی ہے۔"

وہ اس جلدی کی وجہ سمجھی نہیں مگر اُٹھ کھڑی ہوئیں۔ یاسمین بیگم سے اجازت طلب کی پھر سوہا کو گلے لگایا اور بولیں......

"بہت پیاری بیٹی ہے...... مل کر دل خوش ہوا، میں پھر آؤں گی۔"

"ضرور جویریہ، یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔" یاسمین بیگم نے اپنائیت سے کہا، اُس فقرے نے اُن کے دل میں ڈھیروں اطمینان اُتار دیا تھا۔ سمجھ گئی تھیں سوہا، جویریہ کو اچھی لگی ہے۔

"پھر مما...... بتائیں کیسی لگی آپ کو ہماری پسند......؟" گاڑی میں بیٹھتے ہی اُس نے پوچھا۔

"ابھی جو کچھ میں نے سوہا سے کہا تھا، کیا تم نے سنا نہیں تھا......؟" وہ مسکرا کر اُس کی بے چینی کا مزہ لیتے ہوئے کہہ رہی تھیں۔

"سنا تو تھا مگر سوچا ہو سکتا ہے، یونہی اخلاقی تقاضے نبھانے کو کہہ دیا ہو۔ باہر نکلتے ہی "یہ شادی نہیں ہو سکتی" کا اعلان کر دیں۔"

"نہیں جناب، اصل بات بھی یہی ہے، وہ واقعی مجھے اچھی لگی ہے، جیسا میں سوچ رہی تھی، اُس سے قطعی مختلف، سادہ سی پیاری سی لڑکی ہے، تمہارے ساتھ جچ رہی تھی۔ لیکن مزیب تم یہ بات کیوں بھول رہے ہو، اصل پسند ناپسند تو تمہارے پاپا کی ہو گی اور پتا نہیں وہ سوہا کو قبول کریں گے یا نہیں۔"

"آپ کو پسند آئی ہے میرے لئے یہ بہت ہے، آپ میرے ساتھ ہیں تو مجھے کسی کی پروا نہیں۔"



"کیا تم اپنے پاپا کی مرضی کے خلاف......"

"پلیز مما، ایسی باتیں مت کریں، میں ایسی کوئی بات سوچنا بھی نہیں چاہتا۔"

جویریہ خاموش ہو گئی مگر وہ سوچ رہی تھی۔ کبیر حسن کبھی نہیں مانیں گے، پتا نہیں کیا بنے گا۔ مزیب کتنا خوش ہے۔ خدایا! تو اسے ہمیشہ خوش رکھنا۔"

◆ ◆ ◆

"تمہیں شاہ کیسا لگتا ہے رائحہ......؟" کالج کی کینٹین میں بیٹھی نورین نے اچانک ہی یہ سوال کر کے رائحہ کو گڑبڑا دیا...... رائحہ نے پلکیں جھکا لیں اور کچھ بھی کہے بغیر اپنے سامنے رکھی کوک کی بوتل پر ہاتھ پھیرنے لگی۔

نورین ہنس پڑی اور میز پر دونوں ہاتھ رکھ کر اس کی جانب جھکتے ہوئے بولی......

"اتنا تو میں کہہ سکتی ہوں کہ شاہ نظر انداز کرنے والی شے ہی نہیں...... اب بنو نہیں یہ بتا دو تمہیں کتنا اچھا لگتا ہے۔"

"یہ آج تم کیسی باتیں لے بیٹھی ہو۔" رائحہ نے ہولے سے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھنے لگی۔

"اس کے ذکر پر تمہارا گھبرا جانا اپنی رائے کا اظہار نہ کرنا، ڈیئر یہ تو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ تمہیں میرے اندازے سے کہیں زیادہ اچھا لگتا ہے اور سنو اب انکار کی کوشش مت کرنا کہ میں مانوں گی نہیں۔"

"دیکھو نورین، ایسی کوئی بات نہیں...... جیسا تم سمجھ رہی ہو۔" رائحہ نے منت بھرے انداز میں کہا تھا۔ جواب میں نورین نے اسے گھور کر دیکھا اور بولی......

"مجھے بے وقوف بنا رہی ہو...... ارے بابا، میں تو تمہیں تم سے زیادہ جاننے کی دعویدار ہوں۔"

کچھ دیر کے لئے دونوں کے درمیان خاموشی چھا گئی۔ پھر نورین بولی......

"تم نے بتایا تھا آج آنٹی کو تمہارے بھائی کے ساتھ چیک اَپ کے سلسلے میں ڈاکٹر کے پاس جانا ہے۔"

"ہاں جانا ہے تو پھر......؟"

"پھر یہ کہ گھر پر تو کوئی ہو گا نہیں، تم جا کر کیا کرو گی......؟ کیا یہ بہتر نہیں، میرے ساتھ چلو...... مجھے آج ایک کام ہے، میڈم کی طرف جانا ہے، اسی بہانے تم اپنی میڈم کا گھر بھی دیکھ لینا...... پھر میں تمہیں ڈراپ کر دوں گی۔"

"میڈم سے کام ہے تو یہیں آفس میں جا کر مل لو۔"

"مشورہ تو بڑا اچھا ہے...... مگر افسوس میں عمل نہیں کر سکتی کہ میڈم ابھی کچھ دیر پہلے گھر جا چکی ہیں۔"

"تم کل مل لینا......" رائحہ ہچکچا رہی تھی۔

"بہانے مت بناؤ، باہر کی ہوا لگنے سے بیمار نہیں پڑ جاؤ گی۔ بس اب تو مجھے بھی ضد ہو گئی ہے تمہیں ساتھ لے کر ہی جاؤں گی۔ تمہاری مما کچھ کہیں تو بے شک میرا نام لے لینا، میں خود ہی فیس کر لوں گی...... اور ویسے مجھے یقین ہے، وہ کچھ نہیں کہیں گی۔ تم خود ہی ہر ایک سے کتراتی ہو۔"

"اچھا بابا...... چلی چلوں گی تمہارے ساتھ مگر دیکھو مجھے جلدی گھر ڈراپ کر دینا۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُس کے ساتھ وہ میڈم فیروزہ کے ہاں آئی۔ چوکیدار نے گیٹ پر ہی بتا دیا کہ ''میڈم ابھی کسی کام سے گئی ہیں۔''

''چلو واپس چلتے ہیں نورین۔'' رائحہ نے کہا۔

''کسی کام سے گئی ہیں۔ کچھ دیر بعد آجائیں گی۔ تم اندر چلو، آرام سے بیٹھو کہ آخر یہ میری آنٹی کا گھر ہے۔'' اُس نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی اور رائحہ کو ساتھ لئے ڈرائنگ روم میں آگئی۔ کچھ دیر اس کے ساتھ بیٹھی رہی، پھر یہ کہتی ہوئی اُٹھ کھڑی کہ بھوک ستا رہی ہے، میں ابھی کچن کا جائزہ لے کر آتی ہوں۔''

''جلدی آجانا......'' رائحہ نے پیچھے سے کہا، نورین جواب دیئے بغیر چلی گئی۔

''رائحہ نے بیگ ایک طرف رکھا...... صوفے کی بیک سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند کر بیٹھ گئی۔

''زہے نصیب مس رائحہ حسن، آپ واقعی یہاں تشریف لائی ہیں کہ میں کوئی خواب دیکھ رہا ہوں۔''

''شا...... شاہ جی آپ......'' رائحہ نے گھبرا کر آنکھیں کھولیں اور پھر اسے دروازے سے ذرا آگے موجود پا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

''لگتا ہے میری آمد اچھی نہیں لگی۔'' وہ کہتا ہوا قریب آیا، پھر بے تکلفی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

وہ بے چین دکھائی دینے لگی۔ اردشیر نے اسے صوفے پر بٹھایا۔ جب برابر میں خود بیٹھا تو رائحہ سمٹ کر ذرا پیچھے ہوگئی۔

''ہیلو ڈیئر...... کیا بات ہے، اپنی ہو کر بھی غیر کیوں بن جاتی ہو......؟'' اُس کا ہاتھ چھوڑ کر اس پر جھکا اور شکایت کی۔

رائحہ نے گھبرا کر اُٹھ جانا چاہا...... اُس نے ارادہ بھانپ لیا اور بھاری ہاتھ اُس کے شانے پر یوں رکھا کہ وہ اُٹھ نہیں سکی۔

''دُور نہیں، یہیں بیٹھو میرے ساتھ، میرے قریب......''

''شاہ آپ......'' وہ روہانسی ہوگئی۔ اُس سے اس کی بے باکی کی شکایت کرنا چاہتی تھی مگر کر نہیں سکی۔

''کہو ڈیئر......'' وہ فسوں گر آنکھیں جو بہت بے باک تھیں اسے جکڑے ہوئے تھیں، جو رنگ اُن میں رائحہ نے دیکھا تھا، وہ اُس جیسی باکردار لڑکی کے لئے کسی طرح بھی قابل قبول نہیں تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ مگر اردشیر کی پہنچ سے دُور تو نہیں تھی۔

اُس نے جیسے اُس کی بے بسی کا مزا لیا اور ہنستے ہوئے بولا......

''کیا بات ہے سرکار، آج تیور کچھ اچھے دکھائی نہیں دے رہے، کوئی قصور ہوگیا ہے ہم سے......؟''

''میں گھر جانا چاہ رہی ہوں......'' خشک لبوں پر زبان پھیرتے ہوئے اُس نے التجا کی۔

''گھر...... کس کے گھر......؟ اچھا میرے گھر...... آؤ ضرور آؤ، تمہارے لئے دل اور گھر کے دونوں دروازے کھلے ہیں۔ میرا دل بھی تمہارا ہے اور گھر بھی......'' وہ سمجھ کر بھی نہیں سمجھا تھا۔

''مجھے جانے دیں پلیز......'' اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور خوف سے آواز کانپ رہی تھی۔

اس پر ان آنسوؤں اور اس لہجے کا کوئی اثر نہیں ہوا، اپنی جگہ سے اُٹھا اور خوفزدہ لڑکی کے عین سامنے



آ کر بولا......

''اتنی ظالم ہو یا صرف مجھ پر ظلم ڈھانے کو جی چاہتا ہے۔''

''ہیلو شاہ......'' میڈم کی آواز میں حیرت اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔ یقیناً انہیں آئے زیادہ دیر نہیں گزری تھی۔ پردہ ہٹاتے ہی ان دونوں کی یہاں موجودگی چونکا گئی ہوگی۔

رائحہ نے پلٹ کر دیکھا۔ جان میں جان آئی۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی میڈم تک آئی اور اُن سے لپٹ کر رونے لگی، جبکہ اردشیر خاموش اور کسی حد تک سپاٹ چہرے کے ساتھ کھڑا تھا۔

''میڈم، نورین کہاں ہے......؟ میں اُس کے ساتھ یہاں آئی تھی۔ اُسے کہیں مجھے گھر ڈراپ کر دے۔ میں فوراً یہاں سے جانا چاہ رہی ہوں۔'' اُس کے رونے میں کمی نہیں ہوئی تھی۔

''اچھا تو تم نورین کے ساتھ یہاں آئی تھیں، پھر تو وہ یہیں کہیں موجود ہوگی۔ جاؤ تلاش کرو اُسے...... اور یہ آنسو پونچھ لو...... شاباش......'' انہوں نے آخر میں پیار سے کہتے ہوئے اسے خود سے الگ کیا۔ پھر اردشیر کی جانب دیکھا تو اُس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر میڈم فیروزہ نے اشارے سے منع کر دیا۔

رائحہ کمرے سے چلی گئی۔ تب وہ اردشیر کی جانب متوجہ ہوئیں اور بولیں......

''شاہ...... یہ کہاں تم سے ٹکرا گئی آج......؟''

وہ ہنس پڑا اور بولا......

''میں تو تم سے ملنے یہاں آیا تھا، اتفاقاً یہ مل گئی...... مگر تم نے آتے ہی رنگ میں بھنگ ڈال دی۔ اگر کچھ دیر میرے پاس رہ جاتی تو بھلا تمہارا کیا بگڑتا۔''

''میں نے اسے نہیں بلایا تھا، مجھے دیکھتے ہی وہ مجھ سے لپٹ گئی تھی۔ تم کچھ تو خیال کرو شاہ، وہ لڑکی میرے کالج میں پڑھ رہی ہے اور تم میرے ہی گھر میں...... اوہ تم ضرور میرا کام تمام کرو گے۔''

رائحہ گھر آئی تو مزیب اور جویریہ ابھی تک گھر نہیں لوٹے تھے۔ وہ سیدھی اپنے کمرے میں آئی اور بستر پر گر کر رونے لگی۔

''میں نے اُن کے بارے میں جو سوچا تھا سب غلط تھا...... شاہ ایسے نہیں جیسا میں نے سمجھا تھا۔ وہ برے ہیں، بہت برے، اب میں اُن سے کبھی نہیں ملوں گی۔''

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بہت انتظار کیا مزیب کا، وہ نہیں آیا تو عمر کے قدم اس کے گھر کی جانب اُٹھ گئے۔ وہ کالج سے سیدھا اس کے گھر جا رہا تھا۔ سوچا تھا زیادہ دیر نہیں بیٹھے گا، بس مل کر خیر خیریت معلوم کر کے واپس آ جائے گا کہ اماں اور رابعہ اس کی آمد کی منتظر بیٹھی ہوں گی۔

جہاں یہ خیال اُسے مسرور کر رہا تھا کہ وہ ایک بار پھر مزیب کی ماں سے ملے گا، انہیں دیکھ سکے گا، وہاں یہ خدشہ بھی ساتھ ساتھ تھا کہ ممکن ہے وہ گھر پر نہ ہوں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کسی کام میں مصروف ہوں مجھ سے ملنے نہ آ سکیں۔

گیٹ پر پہنچ کر اُس نے مزیب کے بارے میں تو پوچھا ہی، ساتھ یہ بھی پوچھ لیا...... ''کیا اُن کی والدہ بھی گھر پر موجود ہیں......؟''

دونوں سوالوں کا جواب اسے اثبات میں ملا۔

زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ملازم کولڈ ڈرنک رکھ کر گیا ہی تھا کہ مزیب ڈرائنگ روم میں آ گیا۔ پردہ ہٹا کر اسے دیکھا تو سیٹی بجائی اور پھر آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔

''ہم تو آپ کے منتظر رہے مزیب بھائی......'' اُس نے اتنے روز تک نہ آنے کا شکوہ کر ڈالا۔

''عمر...... میں بہت شرمندہ ہوں تم سے...... اصل میں مصروف رہا ناں، میرے ایک دوست کی والدہ بیمار تھیں۔ میں جھوٹ نہیں بول رہا، تم بے شک مما سے پوچھ لینا۔ انہیں بھی یہی شکوہ رہا کہ میں گھر پر بالکل نہیں رہتا۔''

''مجھے کسی سے نہیں پوچھنا، آپ کے کہے پر یقین ہے۔''

''تھینک یو...... اور سناؤ رابعہ اور خالہ کیسی ہیں......؟''

''سب ٹھیک ہیں اور آپ کو بہت یاد کرتی ہیں۔''

''میرا سلام کہنا اور یہ بھی کہ میں عنقریب آؤں گا، دیر تک بیٹھوں گا اور خوب باتیں ہوں گی۔''

سچ بھائی، ہم تو آپ کے اتنے عادی ہو گئے ہیں کہ منتظر ہی رہتے ہیں۔ اب آپ نہیں آئے تو طرح طرح کے وسوسے ستاتے رہے۔ یہ بھی سوچا کہ شاید آپ کی فیملی کو آپ کا مجھ سے ملنا اچھا نہیں لگا۔ اسی لئے آپ نے میرے یہاں آنے کے بعد سے ہمارے ہاں آنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ آج میں بہت ڈرتے ڈرتے آپ کی طرف آیا ہوں۔''

''اُف...... عمر، تم تو بالکل پاگل ہو۔'' مزیب ہنس کر کہہ رہا تھا۔



''جو بھی ہوں، آپ کے سامنے ہوں۔'' وہ بھی اس ہنسی میں شامل ہو گیا۔

''مما سے ملو گے......؟'' مزیب نے پوچھا تو اُس نے جھٹ اثبات میں سر ہلا دیا اور بولا......

''میں صرف آپ سے ہی نہیں، آنٹی سے بھی ملنے آیا ہوں۔''

''ہوں، تو سارے خدشے دُور ہو چکے ہیں، گڈ ویری گڈ...... ابھی انہیں بلا کر لاتا ہوں۔''

جب مزیب نے جویریہ کو اُس کی آمد کی اطلاع دی، وہ وارڈروب سیٹ کر رہی تھی۔ کام چھوڑ کر فوراً ملنے کو تیار ہو گئی۔

''کیسے ہو عمر......؟'' اس کے انداز میں پیار اور بے تابی تھی۔ پھر اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر بولی......

''اتنے دنوں کے بعد کیوں آئے ہو بیٹا، میں تمہاری طرف سے فکرمند تھی۔ مزیب گھر پر ہوتا ہی نہیں ہے ورنہ اسے تمہاری خیر خیریت کی خبر لینے ضرور بھیجتی۔''

''یہ خاتون کتنی اچھی ہیں، سراپا اُلفت اور مہربان......'' عمر کا جی چاہا، ان کے قدم چوم کر آنکھوں سے لگا لے، اُن سے کہے......

''میں آپ کو اتنا ہی چاہتا ہوں جتنا اپنی ماں کو...... ماں سے بڑھ کر تو کوئی نہیں ہوتا مگر میں محسوس کرتا ہوں، میرا دل آپ کو بھی اس درجے پر رکھتا ہے، اے مہربان خاتون! مجھے بتائیں ناں، یہ کیوں ہے، میرے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ آپ کی شخصیت میں یہ کیسی کشش ہے۔ آپ سے ملنے کے بعد مجھے محسوس ہوا ہے جیسے میرے اندر شدت کی پیاس ہے اور آپ کو دیکھ کر، آپ سے مل کر یہ پیاس بھڑک اُٹھتی ہے۔ برداشت ہی نہیں ہوتی...... ایسے ہی جیسے پانی نظر آنے پر پیاسا بے قابو ہو جاتا ہے۔''

''بیٹا...... تم اپنے سے لگتے ہو، پہلی بار جب تمہیں دیکھا تھا، تب بھی میرے محسوسات یہی تھے۔''

اس سے پہلے کہ جواب میں وہ کچھ کہتا، مزیب بولا......

''مما...... یہ سارا کمال اس کی معصوم سی صورت کا ہے، جو بھی ملتا ہے، اس سے محبت کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔''

♦ ♦ ♦

''بہت سکون ملتا ہے مجھے بھائی کے ہاں جا کر، کتنے اچھے ہیں وہ اور اُن کی والدہ سوچتا ہوں، سب دولت مند ایک جیسے نہیں ہوتے، اُن کے سینے میں بھی ہماری طرح دل ہوتا ہے اور احساسات بھی، وہ بہت اچھی ہیں۔ جی چاہتا ہے ان کے پاس بیٹھ جاؤں اور ڈھیروں باتیں کروں۔''

♦ ♦ ♦

کہاں تو ان کے بار بار اصرار کے باوجود گاؤں آنے پر تیار نہیں ہوتا تھا اور اب چکر پہ چکر لگائے جا رہے تھے۔ اس وقت شام ہو رہی تھی۔ یہ اوائل نومبر کے دن تھے۔ موسم میں خنکی کا اثر بہت گہرا تھا۔ فضا میں موسم کی خوشبو رچی ہوئی تھی اور گاؤں پر گہری خاموشی کا راج تھا۔ حویلی کے پھاٹک پر گاڑی رُکی تو چوکیدار کو یقین ہی نہیں آیا کہ آنے والے واقعی اس کے چھوٹے شاہ جی ہی ہیں۔

''ارے خیر تو ہے، کچھ روز پہلے ہی تو ہو کر گئے تھے۔'' جلدی سے لکڑی کا بڑا پھاٹک کھولتے ہوئے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُس نے سوچا تھا۔

''بابا جان موجود ہیں......؟'' اُس نے اندر داخل ہونے کے بعد گاڑی کے گرد اکٹھے ہونے والوں کی طرف دیکھے اور کسی کو نام لے کر مخاطب کئے بغیر پوچھا تھا...... جواب میں سبھی نے جی ہاں کہا۔

''ہونہہ......اب تو سارا وقت گھر پر نئی بیوی کے ناز نخرے اُٹھاتے ہی گزرتا ہوگا...... گھر میں بندرہ کر کون سا کام کرتے ہیں...... وہ مجھ پر تو بڑا اعتراض کیا کرتے تھے کہ کام میں دلچسپی نہیں لیتا......صرف پیسہ خرچ کرنے میں دلچسپی ہے۔'' اس کے اندر تلخی گھلنے لگی۔

ملازمین کے سلام کا جواب سر کے اشارے سے دیتا وہ اندرونی حصے کی جانب آیا۔ چھوٹا پھاٹک تو کھلا ہی رہتا تھا کہ یہ رہائشی حصہ تھا اور سارا دن ملازم اور گاؤں کی عورتیں آتی جاتی رہتی تھیں۔

چونکہ شام ہو رہی تھی اور خنکی خاصی تھی تو یہاں سے وہاں تک پورا صحن خالی تھا۔ کوئی ملازم عورت کسی کام میں مصروف دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ وہ دینو کے آگے آگے چلتا ہوا اپنے کمرے کی جانب بڑھ رہا تھا اور اس کا سامان اُٹھائے بارہ تیرہ سالہ دینو پتا نہیں کیوں دانت نکالے چلا آ رہا تھا جیسے چھوٹے شاہ جی کا سامان اُٹھانا کوئی اعزاز کی بات ہی ہو۔

کمرے میں آ کر اُس نے دینو کو اشارے سے بتایا کہ ''سامان اس طرف رکھ دو اور یہ بھی کہ بابا سائیں کو میری آمد کی اطلاع دے دو۔''

چائے کا بھی بول دوں جی، اُدھر ماسی ہوگی چولہے کے پاس، وہ اچھی چائے بناتی ہے جی۔''

(پتا نہیں دینو کے نزدیک اچھی چائے کا معیار کیا تھا۔)

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ دینو اُسی طرح خوشی سے بے حال اُچھلتا کودتا باہر چلا گیا۔

''کیا مصیبت ہے، اب اس عورت کی وجہ سے مجھے ہزاروں کام چھوڑ کر بار بار گاؤں کے چکر لگانا پڑتے ہیں۔'' وہ دھپ سے بستر پر بیٹھا، برا سا منہ بنا کر کمرے کے چاروں طرف تنقیدی انداز میں نگاہ دوڑائی، ایسی کوئی بات نظر نہیں آئی جس پر اعتراض کر کے غصے کو ہوا دی جا سکے۔ سو سر خواہ مخواہ ہی تاسف بھرے انداز میں دائیں بائیں جھٹکا اور پھر جھک کر جوتے اُتارے، رسٹ واچ سائیڈ ٹیبل پر رکھی اور لیٹ گیا۔

بستر پر کمبل یا لحاف نہیں تھا جبکہ اس نیم تاریکی میں خنکی کا احساس بڑا گہرا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے سردی اسی کمرے سے پھوٹ کر اطراف میں پھیل رہی ہے۔

دروازے پر گرے بھاری پردوں کے پار سے چوڑیوں کی کھنک اُبھری۔ کوئی ملازمہ بھی ہو سکتی تھی۔ اُس نے کوئی خیال نہیں کیا، یونہی لیٹا رہا۔ قدموں کی چاپ قریب آئی۔ چوڑیوں کی کھنک اب اور بھی واضح ہوگئی۔ پھر دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر گویا اندر آنے کی اجازت چاہی گئی۔

جواب اثبات میں ملتے ہی وہ سامنے آ گئی۔

''السلام علیکم......'' اس کی آواز صاف اور واضح تھی، اس میں کسی قسم کی جھجک نہیں تھی۔

اردشیر اُٹھ بیٹھا...... زینت نے ہاتھ بڑھا کر لائٹ آن کی اور بولی......

''بہت اندھیرا ہو رہا ہے...... آپ یونہی بیٹھے ہوئے تھے۔''

اردشیر نے سر سے پاؤں تک سرسری انداز میں اُس کو دیکھا۔ سبز ویلوٹ کا سوٹ کام والا دوپٹہ



دونوں ہاتھوں میں سونے کی چوڑیاں، کانوں میں بڑے بڑے سونے کے جھمکے، گلے میں لاکٹ اور ان سب پر بھاری اس کا اعتماد...... آج وہ واقعی حویلی کی مالکن لگ رہی تھی۔

''سنا تھا بابا جان گھر پر ہی ہیں......؟'' اردشیر کا لہجہ اور آنکھیں سپاٹ تھیں۔

''جی ہاں...... گھر پر ہی ہیں وہ...... طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے، سو گئے ہیں۔''

''کیا ہوا انہیں......؟'' اُس نے سرسری انداز میں کہا۔

''موسم بدل رہا ہے تو نزلہ زکام ہو گیا ہے، ویسے ٹھیک ہیں، آپ گھبرائیں نہیں۔'' اُس کا انداز دوستانہ تھا۔

''اور آپ کیسی ہیں......؟'' وہ اسے کیا کہہ کر پکارے، یہ اس کی سمجھ میں نہیں آیا۔

''شکر ہے جی اللہ کا......'' اُس نے حال پوچھا تو وہ بہت خوش ہوئی۔

''آپ کے ابا جی تو بہت ذکر کرتے رہتے ہیں آپ کا، اچھا ہوا آپ آ گئے۔''

''ذکر کرتے ہیں میرا...... اچھے لفظوں میں یا برے لفظوں میں......؟'' اُس نے اندر کی تلخی کو چھپا کر بظاہر یونہی پوچھ لیا تھا۔

''اللہ نہ کرے جی، برے لفظوں میں کیوں کریں گے، اچھے لفظوں میں یاد کرتے ہیں۔''

''یہ تو بڑی مہربانی ہے اُن کی۔'' اب کے اندر کا اثر کسی حد تک لہجے میں آ گیا۔ مگر وہ سمجھی نہیں، بولی......

''مہربانی کیسی...... آپ اِکو اِک تو پتر ہیں اُن کے...... وہ تو بڑی محبت کرتے ہیں آپ سے، بہت خیال رہتا ہے انہیں آپ کا۔''

یہ عورت کون ہوتی ہے مجھے میرے باپ کے متعلق یہ بتانے والی کہ وہ مجھے کتنا چاہتے ہیں۔ کیا یہ مجھ سے بھی زیادہ حقدار ہو گئی ہے ان کی، اس کی اہمیت اُن کے لئے مجھ سے بڑھ کر ہے، جوان کا اکلوتا بیٹا ہوں، اب دوسرے نمبر پر ہوں، پہلا نمبر اُن کے لئے اب اس عورت کا ہے، وہ اپنا پیار، اپنی محبت اب اس کے لئے وقف کر چکے ہیں......؟ اردشیر نے محبت کو، رشتوں کو بھلا کب اہمیت دی تھی۔

مگر یہ تو انسانی فطرت ہے، چاہے جانے کا جذبہ بہت شدت سے سب جذبوں پر بھاری ہوتا ہے۔ جب تک باپ کی محبت، اس کی توجہ صرف اسی کے لئے تھی، تب اسے پروا نہیں تھی مگر اب درمیان میں تیسرا وجود آیا تو اردشیر چونک اُٹھا، برداشت مشکل ہو رہی تھی۔

وہ خاموش بیٹھا تھا، زینت کچھ کہہ رہی تھی...... مگر اُس کا دھیان اس کی باتوں کی جانب بالکل نہیں تھا۔

ملازمہ چائے لے کر آئی، زینت نے خالی چائے دیکھی تو اسے ڈانٹ کر بولی...... ''گھر میں اللہ کی اتنی نعمتیں موجود ہیں اور تم یہ خالی خولی چائے اُٹھا کر چلی آئی ہو۔''

''یہ کون ہوتی ہے میرے لئے کوئی فیصلہ کرنے والی، کیا میں اپنی مرضی سے کچھ نہیں منگوا سکتا۔ میں یہاں کسی مہمان کی طرح ہوں، ہر انداز مالکوں والا، جبکہ مالک تو میں ہوں، یہ سب میرا ہے۔'' یہ خیال کسی زہریلے ناگ کی طرح پھنکاریں مارتا اس کے ذہن سے لپٹ رہا تھا۔

''کیوں ڈانٹ رہی ہیں اس بے چاری کو...... میں نے خود صرف چائے کے لئے ہی کہا تھا۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اور ملازمہ اس مہربانی پر حیران رہ گئی۔ یہ لفظ چھوٹے شاہ جی نے ہی ادا کیے ہیں، اُسے یقین نہ آ رہا تھا۔

"تم جاؤ......" اب زینت نے اُس عورت کو بھیج دیا، پھر اردشیر سے بولی......

"شاہ جی...... ملازموں کے ساتھ ضرورت سے زیادہ نرمی برتتے ہیں۔" وہ منہ بنا کر کہہ رہی تھی۔ جی میں آئی کہہ دے، "اگر نرمی نہ برتتے تو تم جو منشی کی بیٹی ہو، مالکن نہ بنی بیٹھی ہوتیں۔"

وہ شاہ جی کی ملازمین کی مہربانی کے چھوٹے چھوٹے قصے سناتی رہی، اردشیر نہایت بددلی سے کچھ دیر تو سنتا رہا پھر بول ہی پڑا......

"میں چائے پی کر کچھ دیر آرام کرنا چاہوں گا اور ہاں ایک کمبل بھجوا دیں۔"

"ہاں جی، سردی تو بہت ہو رہی ہے...... میں ہیٹر بھی لگوا دیتی ہوں اور کمبل بھی لا دیتی ہوں۔"

وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دروازے تک پہنچی تو پھر کچھ خیال آیا، پلٹ کر بولی......

"شاہ جی کو جگا دوں یا آپ کھانے پر ہی اُن سے ملیں گے۔"

"نہیں سونے دیں، میں بعد میں مل لوں گا۔"

وہ اثبات میں سر ہلا کر باہر چلی گئی۔

چائے پینے کے دوران ہی اُس نے بڑی ماں کی طرف جانے کا پروگرام بنا لیا۔ مسافت زیادہ نہیں تھی صرف بیس منٹ کی ڈرائیو تھی۔ چائے پیتے ہی وہ کسی کو بتائے بغیر نکل کھڑا ہوا۔

کبریٰ کو نورو نے اُس کی آمد کی اطلاع دی تو وہ فوراً ڈرائنگ روم میں آئی اور بڑے پیار سے ملیں، پھر بولیں...... "کیسے آنا ہوا اردشیر......؟"

"بڑی ماں...... میں دوغلا پن نہیں کر سکتا...... سچ مجھے بہت غصہ آتا ہے اس عورت پر...... اور تب دوستانہ انداز اس کے ساتھ باتیں کرنا میرے لئے ممکن ہی نہیں رہتا، جی چاہتا ہے......" اُس نے شدتِ جذبات سے بات مکمل نہیں کی، بائیں ہتھیلی پر، دائیں ہاتھ کا مکا مار کر خاموش ہو گیا۔ تیوری پر بل تھے اور لب بھینچے ہوئے تھے۔

اُنہوں نے اس کی جانب دیکھا اور مسکرا کر بولیں...... "کیوں، آخر کیا بگاڑا ہے اُس عورت نے تمہارا......؟"

یہ سوال توقع کے خلاف تھا...... اُسے حیرانی ہوئی، بولا......

"کیا بگاڑا ہے، ارے بڑی ماں وہ حویلی کی مالکن بنی بیٹھی ہے۔ اُس نے آپ کی جگہ لے لی ہے۔ وہ اپنی اوقات بھول گئی ہے۔ آج مجھ سے کہہ رہی تھی شاہ جی ملازموں کے ساتھ بہت نرمی برتتے ہیں، جی میں آئی کہہ دوں، اسی نرمی کے نتیجے میں تو آج تم یہاں ہو مگر ضبط کر گیا۔ بڑی ماں، وہ بابا جان کے بہت قریب آ گئی ہے۔ اس کے علاوہ اب انہیں کسی کی پروا نہیں۔"

"اُسے حویلی میں تمہارے بابا جان لائے تھے۔ عزت کے ساتھ...... نکاح پڑھوا کر...... منشی کی بیٹی کو مالکن تمہارے بابا نے بنا دیا ہے۔ اُسے اپنے سے بہت قریب بھی وہی رکھتے ہیں۔ سب اختیارات بھی اُنہوں نے ہی اس سونپ دیئے ہیں۔ ہمارے تمام رشتے شاہ جی کے ساتھ ہیں نہ کہ زینت کے ساتھ اور رشتے شاہ جی نے ہی توڑے ہیں، پھر تمہیں گلہ اس عورت سے کیوں ہے......؟"



"ہاں، یہ سب ٹھیک ہے۔" اُسے اتفاق کرنا پڑا۔

"تو پھر بے قصور کو سزا دینے کا کیوں سوچنے لگتے ہو......؟" ہاں یاد آیا، تم نے شاہ جی سے رقم لی ہے مروت میں مانگ ہی نہیں سکے......؟"

"مروت......" وہ ہنس پڑا اور بولا...... "پہلے آیا تھا تب بھی لی تھی اور اب بھی اسی ارادے سے آیا ہوں۔"

"اچھی بات ہے، انہیں اپنے وجود کا احساس دلاتے رہو۔"

وہ دیر تک اُن کے پاس بیٹھا رہا۔ انہوں نے رات کا کھانا یہیں کھانے کو کہا اور اُس نے بھی انکار نہیں کیا۔

"بڑی ماں بیٹے کا گھر تو آپ کا اپنا ہے ناں، آپ میرے ساتھ شہر چلیں۔"

"ہاں لال ضرور آؤں گی مگر ابھی نہیں اور ایک بات یاد رکھو، جب تک بڑی ماں تمہارے ساتھ موجود ہے تمہارا باپ بھی تمہیں تمہارے حق سے محروم نہیں کر سکتا۔"

"پہلے بھی آپ کی بات مان کر اسے برداشت کرتا رہا ہوں، اب بھی آپ کے کہنے پر ہی چلوں گا۔"

"شاباش...... مجھے تم پر فخر ہے، یقین ہے تم بڑی ماں کو کبھی مایوس نہیں کرو گے۔"

"ہاں بڑی ماں، یہ میرا وعدہ ہے، زندگی کا کوئی بھی موڑ ہو، آپ جو بھی مانگیں گے میں دوں گا، چاہے میری جان ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا بیٹا آپ کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔" اُس نے ایک عزم سے کہا۔

جب وہ اُن سے اجازت لے کر رخصت ہوا تھا، تب کالی رات کی حکمرانی تھی۔ چاند کی شروع کی تاریخیں تھیں، سو ہر سو تاریکی تھی اور خاموشی بھی۔ گرد سے اَٹے راستوں پر وہ خالی ذہن کے ساتھ سفر کر رہا تھا۔

اب بھی سیدھا اپنے کمرے میں آیا مگر ملازم تو دیکھ ہی چکے تھے، زینت کو اُس کی آمد کی اطلاع دے دی، وہ کمبل اوڑھ کر لیٹا ہی تھا کہ زینت آ گئی۔

"کہاں چلے گئے تھے آپ، میں تو کھانے پر انتظار ہی کرتی رہی۔" انداز میں غصہ یا انتظار کی اُلجھن نہیں تھی۔

وہ بتاتے بتاتے جانے کیوں رُک گیا کہ بڑی ماں سے مل کر آ رہا ہوں...... اِتنا ہی کہا...... "ایسے ہی باہر نکل گیا تھا۔" کھانا بھی کھا کر آ رہا ہوں۔"

ابھی اُن کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی کہ شاہ جی چلے آئے، اس کے سلام کا جواب دیتے ہی، فوراً کہا......

"کہاں چلے گئے تھے تم، اس بے چاری نے تمہارے لئے کھانے پر اتنا کچھ بنوایا، پھر دیر تک انتظار کرتی رہی اور تم اب آ رہے ہو۔"

"بس بابا جان، ذرا باہر نکل گیا تھا۔"

"اگر ایسا ارادہ تھا تو بتا کر تو جاتے، یہ بے چاری خواہ مخواہ خود بھی کچن میں جان کھپاتی رہی اور پھر انتظار میں اتنا وقت ہو گیا، ہم نے ابھی کچھ دیر پہلے ہی کھانا کھایا ہے۔" اُن کے انداز میں شکوہ تھا، ہلکی سی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ناراضگی بھی محسوس ہو رہی تھی۔

اردشیر کی پیشانی پر بل پڑ گئے اور جب بولا تو آواز میں بلا کی ٹھنڈک تھی۔ وہ کہہ رہا تھا......

"میں یہی سمجھتا رہا، یہ میرا گھر ہے، میں اپنی مرضی سے یہاں آ جا سکتا ہوں...... اور جب جی چاہے، کھا سکتا ہوں، اچھا ہوا آپ نے بروقت مجھے اس غلط فہمی سے نکال لیا۔"

"آپ تو یونہی گرم ہونے لگے شاہ صاحب، وہ ابھی تھکے ہوئے آئے ہیں، پھر کیا ہوا جو کھانا باہر کھا لیا۔ کوئی دوست مل گیا ہوگا۔" زینت نے مکمل طور پر اُس کی طرفداری کی تھی۔

شاہ جی نے بھی محسوس کیا، ان سے کچھ زیادتی ہوئی ہے، جبھی تو لاڈلا یوں منہ بنائے ہوئے ہے۔ قریب آ کر اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور بولے...... "پتر تم غلط سمجھ رہے ہو، میرا مطلب ہرگز یہ نہیں تھا، یہ تمہارا اپنا گھر ہے، میں تو بس یونہی کہہ رہا تھا۔"

اُس نے بھی اثبات میں سر ہلا کر اُن کی معذرت قبول کر لی...... زینت کمرے سے باہر چلی گئی۔

"یہ بتاؤ، کیسے آنا ہوا......؟" ذرا توقف کے بعد انہوں نے پوچھا۔

"ملنے ہی آیا ہوں...... اور کس لئے آتا......؟" اُس کا موڈ اتنی جلدی نارمل نہیں ہو سکتا تھا۔

شاہ جی ہنس پڑے اور بولے......

"اگر ملنے آ ہی گئے ہو تو اس قدر ناراض کیوں ہو رہے ہو، میں نے تو اس لئے پوچھ لیا کہ بہت جلدی چکر لگا لیا ہے گاؤں کا۔"

"میں ناراض نہیں ہوں۔" اُس نے سانس کھینچ کر اُن کی بات کی نفی کی تھی مگر سنجیدگی ہنوز برقرار تھی۔

"تھک گئے ہو، اب آرام کرلو، صبح ناشتے پر ملاقات ہوگی۔"

وہ اُٹھ کر چلے گئے، اُس نے بھی کپڑے تبدیل کئے اور سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔

صبح جب ناشتے کے لئے ان کے درمیان بیٹھا تھا، تب تک موڈ بالکل ٹھیک ہو چکا تھا، شاہ جی ناشتے کے دوران زینت کے سلیقے اور رکھ رکھاؤ اور ذہانت کی تعریف کرتے رہے...... اور وہ خاموشی سے نہایت صبر کے ساتھ سنتا رہا۔

ناشتے کے بعد شاہ جی تو باہر نکل گئے، وہ کرسی ڈلوا کر صحن کی کھلی دھوپ میں آ بیٹھا۔ زینت ملازماؤں کے سر پر کھڑی ہو کر صفائی کروا رہی تھی۔ اردشیر کے قریب آ کر مسکرائی اور بولی......

"آپ کو بڑی بیگم صاحبہ سے ملنے بھی تو جانا ہوگا، آج ہی جائیں گے یا پھر کسی دن پر رکھا ہے......؟"

"کون بڑی بیگم...... اوہ اچھا بڑی ماں......" پہلے سمجھا نہیں، پھر خیال آیا تو بولا...... زینت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"کل رات میں اُن ہی کی طرف تھا، کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔"

"اچھا، اب جب ملنے جائیں تو اُن سے کہیں کہ وہ حویلی آ جائیں، خدا کی قسم میں دل سے یہ چاہتی ہوں، وہ مالکن ہیں، بڑی بیگم ہیں، پہلا حق اُن کا ہے۔ میں برابری کا ارادہ نہیں رکھتی۔ انہیں عزت دوں گی جیسا وہ چاہیں گی، میں ویسا ہی کروں گی۔"



اس کی بات نے اردشیر کو چونکا دیا۔ کیا واقعی اتنی اچھی ہے......؟ دل میں اس کے بارے میں پہلی بار کوئی اچھا جذبہ محسوس ہوا۔

"میں نے تو اِن سے کئی بار کہا ہے کہ وہ یہاں آ کر رہ رہیں، مجھے یقین ہے، آپ دونوں ایک گھر میں خوش رہ سکتی ہیں، وہ بھی بہت اچھی طبیعت کی مالک ہیں اور آپ بھی، مگر جانے کیوں، وہ یہاں آنا نہیں چاہتیں، کافی عرصے سے اپنے بھائی کے گھر ہیں۔ خیر اب آپ نے کہا ہے تو جب بھی ملاقات ہوئی، یہ بات آپ کی طرف سے ان سے کہہ دوں گا۔" اردشیر کا لہجہ بڑا دوستانہ اور اپنائیت بھرا تھا۔

دوپہر کو شاہ جی گھر آئے، اس وقت زینت، اردشیر کے کمرے میں تھی، دونوں میں جانے کیا باتیں ہو رہی تھیں۔ زینت ہنسے جا رہی تھی، شاہ جی اندر آئے تو ایک دم سے کھڑی ہو گئی اور سر سے سرک آنے والا دوپٹہ پھر سے سر پر ڈال لیا۔

"آئیے بابا جان...... بڑی دیر لگا دی آپ نے......؟"

"ہاں بس کام ہی ایسا تھا، تم بتاؤ کیا باتیں ہو رہی تھیں ماں بیٹے میں......؟" وہ مسکرا کر بولے تھے دونوں کو عجیب سا لگا، خاموش رہے۔

"میں آپ کے کپڑے نکال دیتی ہوں......" زینت اتنا کہہ کر کمرے سے چلی گئی۔

"بابا جان...... مجھے کچھ رقم چاہئے تھی۔" وہ اس کے جانے کے بعد بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

"اچھا...... کتنی رقم......؟"

"یہی کوئی دس بارہ لاکھ......" انداز قطعیت بھرا تھا۔

"کیا کرو گے اتنی رقم کا......؟" اُن کا انداز بتا رہا تھا، وہ خاصے بُجھ گئے ہیں۔

"نئی کوٹھی بنانا چاہ رہا ہوں۔" اُس نے بڑے اطمینان سے جھوٹ بول دیا۔

"دس بارہ لاکھ میں کوٹھی، بھلا کون بنا کر دے رہا ہے تمہیں......؟" انہوں نے تمسخر اُڑایا کہ اس کے جھوٹ پر غصہ آ گیا تھا۔

وہ بڑے ضبط سے کام لے کر بولا...... "ابھی تو صرف زمین کے لئے مانگ رہا ہوں، کچھ رقم موجود ہے، کچھ سوچا آپ سے لے لوں۔"

"یہ بیٹھے بٹھائے نئی کوٹھی کی ضرورت کیوں پیش آ گئی ہے اردشیر پتر...... کچھ تو خیال کرو، ہوش سے کام لو، اب تم بچے نہیں ہو۔"

"آپ صاف صاف بتا دیں، دیں گے یا نہیں دیں گے......؟" اُن کی بات پر بہت موڈ خراب ہوا تھا۔

"دینا یا نہ دینا اسی بنیاد پر ہے کہ اسے استعمال کہاں کیا جائے گا...... اردشیر اب تو میں تمہاری طرف سے فکرمند رہنے لگا ہوں۔ جس انداز میں تم دولت لُٹا رہے ہو، ہم جلد ہی لکھ سے ککھ ہو جائیں گے۔"

"میرا خیال ہے آپ کی زندگی میں ایسا نہیں ہوگا، جو بھی بیتے گی مجھ پر بیتے گی۔ لہٰذا آپ فکر مت کریں...... اور مجھے میرا حق لینے سے مت روکیں۔"

"اردشیر......" اُن کے انداز میں تنبیہ تھی۔ اُس نے جیسے سنا ہی نہیں بولا......

"بہتر تو یہ ہے کہ آپ اب میرا حق، میرے حوالے کر دیں، میں بڑھاؤں یا اُجاڑ دوں، آپ کو فکر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



نہیں ہونی چاہئے۔"

"اردشیر یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟" اُن کی آواز خاصی بلند تھی۔

"میں غلط تو نہیں کہہ رہا، کیا باپ کی زندگی میں جائیداد بیٹے کے نام ہونا ناممکن ہے۔"

"مگر میں اپنے جیتے جی ایسا نہیں کروں گا۔" ان کا انداز قطعیت بھرا تھا، غصے سے اُن کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔

اُس کے جی میں آئی کہہ دے آپ کو اب اپنی نئی نویلی بیگم کے لئے، اس کے چاؤ پورے کرنے کے لئے بھاری رقم درکار ہوتی ہوگی، بھلا ایسا کیونکر کر سکیں گے۔ جائیداد کہاں میرے نام کریں گے، آپ تو ایک پائی دینے کے بھی روادار نہیں، اُس نے یوں اُن کی جانب دیکھا جیسے فیصلہ چاہ رہا ہو۔

اُسی وقت زینت کمرے میں آئی۔ دونوں کا انداز دیکھ کر ٹھٹکی اور خاموش کھڑی ہو گئی۔

"مجھے تم سے ایسی اُمید نہیں تھی۔"

"غلط کیا کہا ہے میں نے، کیا اپنے حق کے لئے آواز اُٹھانا بدتمیزی ہے......؟"

"تو میں نے کب تمہارا حق غصب کیا ہے، تم نے جو چاہا، ہمیشہ پورا کیا، پھر بھی ایسی بات کر رہے ہو۔"

"تو آپ رقم نہیں دیں گے، ہے ناں......؟" اس وقت وہ بیٹا نہیں لگ رہا تھا، برابری پر اُترا ہوا لگ رہا تھا۔

شاہ جی کچھ کہنے والے تھے کہ زینت درمیان میں آ گئی اور بولی......

"شاہ جی، جو مانگ رہے ہیں یہ آپ دے کیوں نہیں دیتے......؟"

"اسے فضول خرچی کی عادت ہو چکی ہے۔ ہاتھ پیر ہلا کر کمانا پڑے تو سمجھ آ جائے۔"

"آپ دے دیں سب کچھ ان ہی کا تو ہے......؟" وہ رسان سے کہہ رہی تھی۔ شاہ جی کمرے سے باہر نکل گئے۔

"آئیے کھانا لگ گیا ہے۔" زینت کے کہنے پر اسے آنا پڑا۔

شاہ جی اُس کی آمد سے پہلے ڈرائننگ ٹیبل پر موجود تھے، اسے دیکھ کر بولے......

"رقم تمہیں مل جائے گی مگر یاد رکھو آئندہ یہ لہجہ مت اختیار کرنا، مجھے بہت دُکھ ہوا ہے۔"

"سوری بابا، میں شرمندہ ہوں......" اُسے رقم مل رہی تھی لہٰذا کیوں بحث کرتا اور یہ زمینوں جائیدادوں کے چکر میں تو فی الحال وہ خود بھی نہیں پڑنا چاہتا تھا۔

کھانا اچھا بنا ہوا تھا......اُس نے تعریف بھی بہت کی۔ شاہ جی......خاموشی سے کھانا کھاتے رہے جبکہ وہ اور زینت باتیں کرتے رہے۔

شام کو اپنی بات منوا کر وہ رُخصت ہو رہا تھا۔ شاہ جی خاصے بُجھے بُجھے سے تھے مگر اُس نے پروا نہیں کی۔

• • •

"واجدہ آپا کچھ روز سے آئیں نہیں......وہ خیریت سے تو ہیں ناں......؟" کبیر حسن ناشتے پر جویریہ سے مخاطب تھے۔



"معلوم نہیں، میں کئی روز سے اُن کی طرف نہیں گئی۔" جویریہ نے دھیرے سے جواب دیا۔

"تم کبھی آپا کی طرف نہیں جاتیں، یہ تو وہی ہیں جو ہماری طرف آتی رہتی ہیں......اور ایک ایک کا حال احوال دریافت کرتی ہیں۔ جویریہ بیگم! تم نے تو اپنی سی پوری کوشش کر لی تھی کہ میرا میری بہنوں سے ملنا جلنا ہی ختم ہو جائے۔"

"یہ بات غلط ہے پپا......مما ایسی نہیں ہیں، ہاں اُن لوگوں نے کبھی اتنی اہمیت نہیں دی۔ آتی ہیں تو صرف بھائی سے ملنے۔" مزیب خاموش نہیں رہ سکا۔

"اہمیت......کیسی اہمیت......؟ یہ کیا کسی منسٹر کی بیٹی ہے، نوابزادی ہے، میں پوچھتا ہوں کیا حیثیت ہے اس کی۔"

اُنہوں نے چائے کا کپ میز پر پٹخا......اور زہر خند انداز میں جویریہ کو دیکھتے ہوئے بولے......

"بتاؤ بیگم صاحبہ کون ہو تم......؟ اگر اس گھر میں آ کر ماضی کو فراموش کر چکی ہو تو میں یاد دلا دیتا ہوں، اسمگلر کی بہن ہو جو منہ چھپا کر ملک سے فرار ہو گیا ہے......یہ تو ہم ہیں کہ یہ بات کھل چکنے کے بعد بھی اسے اپنی عزت بنائے رکھا، نہ میں نے کبھی جتایا اور نہ ہی میری بہنوں نے، گھر میں جگہ دی اور عزت بھی ورنہ آج کہاں ٹھکانا ہوتا اس کا۔"

"پپا پلیز......" رائحہ نے ڈرتے ڈرتے التجاء کی جبکہ مزیب اپنی کرسی سے اُٹھ کر جویریہ کی کرسی کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور ہاتھ جویریہ کے شانے پر رکھ کر اسے اپنے ساتھ کا احساس دلایا۔

"جویریہ بیگم آپا کے سامنے بات کرتے ہوئے ہمیشہ یہ یاد رکھنا کہ ان کا مقام میرے دل میں بہت بلند ہے۔"

رائحہ ناشتا چھوڑ کر کمرے لے چلی گئی تھی۔

"ہم نے کبھی پھوپھو سے بدتمیزی نہیں کی۔"

"تم خاموش رہو مزیب، مجھے اس عورت سے بات کرنے دو، ہاں تو جویریہ بیگم، آپا اور ان کے بچے مجھے بہت پیارے ہیں، ابھی تو اُن سے ایک رشتہ ہے، کل رشتہ دُہرا ہوگا، اُن کی بیٹی کو بہو بن کر میرے گھر آنا ہے۔"

"نہیں......" جویریہ کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔

"کیا مطلب ہے اس نہیں کا......؟" اُن کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور شیشے کا گلاس فرش پر پٹختے ہوئے غضب ناک لہجے میں اس سے مطلب دریافت کیا۔

"جب اولاد جوان ہو جائے تو پھر فیصلہ اُس کی مرضی کے مطابق کرنا ہی اچھا رہتا ہے۔" بات مزیب کی تھی، جس نے ہر معاملے میں ماں کا کھل کر ساتھ دیا تھا تو پھر وہ اُس کی خاطر کیوں نہ بولتی۔

"تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو......؟" انہوں نے مزیب کی طرف دیکھا اور ڈانٹ کر کہا۔

"پلیز پپا......آپ کچھ تو خیال کریں، مما بیمار ہیں۔"

"یہ تو سدا کی روگی ہے......میں نے کبھی صحت یاب ہوتے نہیں دیکھا......تم جاؤ یہاں سے، مجھے کچھ بات کرنی ہے۔"

"ہاں بیٹا......تم جاؤ۔" جویریہ کے کہنے پر وہ تھکے تھکے انداز میں باہر آیا اور دروازے کے ساتھ لگ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



کر کھڑا ہو گیا۔

''آج جو بات تم نے بیٹے کے سامنے کی ہے، وہ دوبارہ مت دُہرانا...... یاد رکھو اس گھر میں مہناز کے علاوہ کوئی لڑکی میری بہو بن کر نہیں آسکتی۔''

''کیا فائدہ...... آپ کی یہ ضد آپ کی بھانجی کی زندگی میں بھی زہر گھول دے گی۔'' جویریہ کی آواز دھیمی مگر لہجہ مضبوط تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہاری اس بات کا......؟'' مزیب دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑا تھا مگر جویریہ اتنی دھیمی آواز میں بول رہی تھی کہ اسے اُس کی آواز نہیں آرہی تھی البتہ باپ کی دھاڑ وہ بخوبی سن رہا تھا۔

''مطلب یہی ہے کہ مزیب کو یہ رشتہ پسند نہیں ہے، وہ نہیں مانے گا۔''

''ہونہہ...... یہ سب تمہاری پڑھائی ہوئی پٹی ہے، اُسے کس طرح قائل کرنا ہے، یہ میں جانوں اور میرا بیٹا جانے، تم کون ہوتی ہو دخل دینے والی......''

''آپ کچھ بھی کہیں مگر وہ میرا بیٹا ہے، رشتے صرف خون ہی کے نہیں، رُوح کے بھی ہوتے ہیں۔''

''ہوتے ہوں گے......'' انہوں نے تیزی سے کہا...... ''مگر میرا فیصلہ اٹل ہے، اسے تم ماں ہونے کی دعویدار ہو کر بھی نہیں جھٹلا سکتیں۔''

وہ ناشتا مکمل کیے بغیر ٹیبل سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور ذرا دیر بعد آفس چلے گئے۔

رائحہ اُن کے جانے کے بعد اپنے کمرے سے نکل کر لاؤنج میں آئی تو اپنی ماں اور بھائی کو پریشان پایا۔

''کیا ہوا......؟'' اُس نے فکرمندی کے عالم میں دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ نہیں...... تم جاؤ یہاں سے......'' جویریہ اُسے دیکھ کر سنبھلنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''مما...... اگر پپا نے سختی کی تو میں گھر چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔'' مزیب پر غصہ اور بغاوت سوار تھی۔

''ایسی باتیں مت کرو، خدا سے اچھی اُمید رکھو، کوئی نہ کوئی رستہ نکل ہی آئے گا۔'' وہ اُس کی بات پر بہت فکرمند ہوئی تھی اور سمجھا رہی تھی۔

''بہن کی محبت میں انہیں کچھ دکھائی نہیں دے رہا، یہ بھی نہیں دیکھا کہ وہ کس نیچر کی لڑکی ہے، اُس نے تو کبھی اپنی ماں کی بات نہیں مانی، باپ کو خاطر میں نہیں لاتی، ہمیشہ من مانی کرتی ہے اور ہمارے پپا جان پر ایک ہی دُھن سوار ہے، بہو بنائیں گے تو مہناز کو...... ہونہہ! بیٹا ہو گا تب ہی بہو آئے گی ناں۔''

''اوہو...... مزیب کیوں اپنا جی جلا رہے ہو...... کچھ نہیں ہو گا، تم پریشان مت ہو۔'' جویریہ بار بار سمجھا رہی تھی۔

''مما...... میں نے وعدہ کر رکھا ہے سوہا سے، وہ کیا سوچے گی اور اُس کی آنٹی، انہیں تو پہلے ہی اعتبار نہیں تھا مگر سوہا نے میرا یقین کیا ہے، مما میں یہ یقین توڑنا نہیں چاہتا۔'' اُس نے بے بسی کے احساس تلے دب کر سر ہاتھوں میں گرا لیا۔

رات کو کبیر حسن دیر سے گھر آئے تھے اور آتے ہی سو گئے تھے، ان سے اس موضوع پر کسی کی بات نہیں ہو سکی۔

صبح ناشتے کی ٹیبل پر ایک بار پھر سب موجود تھے۔ رائحہ کو ان سب سے پہلے صبح جلدی جانا ہوتا تھا۔ وہ تیار ہو کر اس اُمید پر آئی تھی کہ کل کی رنجش کے تمام نشان اب تک مٹ چکے ہوں گے مگر ہنوز وہی کیفیت



دیکھ کر اس کا دل بیٹھ گیا۔ مما کس قدر پریشان اور تھکی دکھائی دے رہی تھیں۔ بھائی بھی خاموش سر جھکائے بیٹھا تھا۔ پپا سب سے لاتعلق اخبار پر نظریں جمائے ناشتا کر رہے تھے۔

اس سے کچھ نہیں لیا گیا، ایسے ہی اُٹھ کر کالج آگئی اور یہاں آکر بھی پیریڈ نہیں لیے۔ دل پر اُلجھن طاری تھی۔ آج نورین بھی نہیں آئی تھی ورنہ اس سے کہہ کر دل کا بوجھ ہی ہلکا کر لیتی۔ فائزہ اور نبیلہ ساتھ تھیں مگر ان سے اُس نے کچھ نہیں کہا کہ اس کے خیال میں شاید سن کر بھی اُس کی کیفیت نہ سمجھ پاتیں۔

نورین عمر میں اُس سے بڑی تھی اور کچھ اُس کے خیال میں وہ ہمدرد اور مہربان لڑکی تھی۔

تین پیریڈ ابھی باقی تھے جب نورین چلی آئی۔

''اتنی دیر سے کیوں آئی ہو......؟ میں صبح سے تمہاری منتظر تھی۔'' رائحہ نے ملتے ہی شکوہ کیا۔

''تم ادھر کیوں بیٹھی ہو، آج پڑھائی کا موڈ نہیں ہے کیا......؟''

''ہاں بس کچھ ایسی ہی بات ہے، دل نہیں لگ رہا یہاں اور میں گھر بھی نہیں جانا چاہ رہی، پتا نہیں میں کیا چاہتی ہوں......؟'' رائحہ کے انداز میں تھکن اور بے بسی تھی۔

''چلو چھوڑو، دفع کرو یہ سب اور میرے ساتھ چلو۔''

''تمہارے ساتھ مگر کہاں......؟''

''بس جہاں میں لے چلوں۔'' نورین نے فائل اُس کے ہاتھ سے لے لی۔

''مگر نورین......'' اُس نے پس و پیش سے کام لیا۔

''ارے میں کوئی لڑکا تھوڑی ہوں جو تم یوں گھبرا رہی ہو۔ بس اب آجاؤ، اطمینان رکھو، اغوا نہیں کر رہی۔'' وہ چلتے ہوئے بول رہی تھی، رائحہ بھی ساتھ ساتھ تھی۔ نورین اپنی گاڑی میں کالج آتی تھی، اُسے گاڑی تک لائی اور بولی......

''کالج ٹائم آف ہونے میں ابھی ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے، تم میرے گھر چلو، یہ وقت ہم وہاں گزاریں گے پھر میں تمہیں تمہارے گھر چھوڑ آؤں گی۔'' خلافِ توقع رائحہ نے فوراً اثبات میں سر ہلا دیا۔

نورین کا ارادہ تو اُسے لے کر اپنے گھر جانے کا تھا مگر اپنے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر اُس کا ارادہ بدل گیا۔

''کیوں نہ آج شاہ کو خوش کر دیا جائے، وہ بھی کیا یاد کرے گا۔'' اُس کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

اُس نے رائحہ کی جانب دیکھا۔ وہ آنکھیں موندے سر سیٹ کی بیک سے ٹکائے بیٹھی تھی۔ نورین نے خاموشی سے گاڑی شاہ کے گھر کے راستے پر ڈال دی۔

''یہ تم مجھے کہاں لے آئی ہو......؟'' رائحہ نے آنکھیں تب کھولیں جب وہ اسے اُترنے کو کہہ رہی تھی۔

''ایسے ہی تمہیں سرپرائز دینے کو جی چاہا تھا، تم آؤ تو سہی، جب یہ بات علم میں آئے گی کہ کس کا گھر ہے تو بے اختیار مجھے داد دو گی۔''

''آخر کون رہتا ہے......؟'' رائحہ اُلجھ رہی تھی۔

''آؤ تو......'' نورین نے دروازہ کھولا اور ہاتھ پکڑ کر اسے باہر کھینچ لیا۔

''تمہارے صاحب تو گھر پر ہیں ناں......؟'' اُس نے چوکیدار سے پوچھا...... جواب اثبات میں ملنے پر بولی......

''ہم ڈرائنگ روم میں ہیں، انہیں ذرا جلدی آنے کو کہو

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ اسے ساتھ لئے اندر آ گئی اور بولی......

''یہ اپنے شاہ کا گھر ہے......کہو خوشی ہوئی ناں یہ بات سن کر......؟''

''نورین......تم مجھے یہاں کیوں لے آئی ہو......؟'' وہ گھبرا کر کہہ رہی تھی۔

''کیا بات ہے، تمہیں یہاں آنا اچھا نہیں لگا......دل میں تو ضرور خوش ہو گی مگر مجھ پر ناراضگی تو ضروری ہے۔'' نورین کچھ ناراض ہو گئی تھی۔

''نہیں......مجھے یہاں آنا بالکل بھی اچھا نہیں لگا۔'' اسے پچھلی ملاقات پر اردشیر کا رویہ یاد تھا۔ روئی تھی وہ اُس روز کی ملاقات کے بعد، شاہ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔ وہ اتنی سطحی گفتگو بھی کر سکتے ہیں۔ نے کب یہ سوچا تھا، بہت دکھ پہنچا تھا اُن کے اُس روز والے رویے سے۔

دل کی آواز پر کان نہ دھرتے ہوئے فیصلہ کیا تھا اب شاہ سے نہیں ملے گی مگر آج نورین بتائے بغیر اسے اُس کے گھر لے آئی تھی۔

''میں اُن سے ملنا نہیں چاہتی......پلیز چلو یہاں سے۔'' لرزتے لبوں کے ساتھ اُس نے یہ بات کہی تھی۔

''اوہ اچھا......مجھے پہلے بتایا ہوتا، خیر اب بھی کچھ نہیں بگڑا، میں دیکھ کر آتی ہوں۔ اگر وہ اِدھر نہیں آ رہا تو ہم چپکے سے نکل چلتے ہیں۔''

دل ہی دل میں ہنستی نورین اسے بیٹھنے کو کہہ کر باہر نکل گئی تھی۔

رائحہ بیٹھی نہیں، اسے جانے کی بہت جلدی تھی، چاہتی تھی جونہی نورین آئے وہ یہاں سے نکل جائے۔ مگر نورین نے اُس کے اندازے سے کہیں زیادہ دیر لگا دی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے خود جا کر گاڑی میں بیٹھ جانا چاہئے۔ اسی وقت دروازہ کھلا۔ اُس نے اس امید پر دیکھا کہ نورین آئی ہو گی مگر آنے والا اردشیر تھا۔

اسے سامنے دیکھ کر وہ ٹھٹکا کہ ملازم نے دو مہمان خواتین کی آمد کی اطلاع دی تھی، یہ تو نہیں بتایا تھا کہ کون آیا ہے۔

''رائحہ تم اور یہاں......؟'' حیرت زبان پر آ گئی۔

''نورین کہاں ہے......؟'' رائحہ بے اختیار ہی کچھ پیچھے ہٹ گئی۔ حالانکہ ان دونوں کے درمیان بہت فاصلہ تھا۔ وہ تو ابھی دروازے سے اندر داخل ہوا ہی تھا اور وہ سینٹر ٹیبل کے قریب کھڑی تھی۔

''اچھا......تو تم نورین کے ساتھ آئی ہو۔'' وہ یہ کہتا ہوا آگے بڑھا۔ رائحہ خوفزدہ نظروں سے اُس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''بیٹھو پلیز، کھڑی کیوں ہو......؟ میں بتا نہیں سکتا تمہیں یہاں دیکھ کر مجھے کتنی خوشی ہو رہی ہے، تمہیں کیسا لگ رہا ہے میرے پاس آنا......؟''

''مجھے نورین یہاں لے آئی ہے بتائے بغیر۔''

''نورین کا بہت شکریہ۔'' وہ ہنس پڑا تھا۔

''ہیلو شاہ......'' نورین نے اندر آتے ہی اسے دیکھا تو گرمجوشی سے کہا پھر رائحہ پر نظر پڑی تو کچھ یاد آیا......اور وہ بولی......



''میں تو تمہیں ڈھونڈنے نکلی تھی اور تم یہاں پہنچ گئے ہو۔''

رائحہ اُسے دیکھتے ہی اُس کی جانب لپکی اور بازو پکڑ کر بولی......

''چلو نورین......''

''رائحہ......یہ کیا حرکت ہے......؟'' نورین نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کی اور ہولے سے ڈانٹ بھی پلا دی۔

''میں واپس جانا چاہتی ہوں......'' رائحہ نے اُس کے سمجھانے کو نظرانداز کر کے اپنی بات دُہرائی۔

''آپ دونوں میں لڑائی ہوئی ہے شاہ......؟'' نورین پوچھ رہی تھی۔

''ہم اور ان سے لڑائی کر لیں......ایسی مجال کہاں، ہاں اگر نادانستگی میں انہیں کسی شکایت کا موقع دے بیٹھے ہیں تو اس کے لئے معذرت خواہ ہیں۔''

''لو، اب تو بیٹھ جاؤ......اتنے نخرے بھی اچھے نہیں ہوتے۔'' نورین اُسے بازو سے پکڑ کر لائی اور صوفے پر دھکیل دیا۔ پھر اردشیر سے بولی......

''شاہ......برا مت منانا......میں تمہارے کچن پر چھاپہ مارنے جا رہی ہوں، سچ بھوک بہت ستا رہی ہے......اور سنو پلیز میری دوست کو ستانا مت۔''

نورین کے جانے کے بعد اردشیر خاموش کھڑا سر جھکا کر بیٹھی اس لڑکی کو دیکھتا رہا۔ نگاہوں کی تپش کو محسوس کر کے رائحہ نے سر اُٹھایا پھر اُس کو خود پر اس قدر متوجہ پا کر ذرا سا کسمسائی اور دوبارہ سر جھکا لیا۔

''کیا بات ہے رائحہ......؟ ناراض کیوں ہو مجھ سے......؟'' خلافِ توقع آج اس کا لہجہ بہت ستھرا اور دوستانہ تھا۔ وہ آ کر اُس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا اور اُس کے بولنے کا انتظار کرنے لگا۔ وہ چپ رہی تو بولا......

''آج میرا دل بہت اُداس ہے، میں کسی اپنے سے ملنا چاہتا تھا، خوشی ہوئی کہ تم آ گئیں۔''

''آپ پریشان کیوں تھے......؟'' وہ شائستگی سے بولا تو رائحہ کا دل جو پہلے ہی اُس کے نام کی دہائی دیتا تھا، اُس کے لئے پریشان ہونے لگا۔

''پتا نہیں یار مگر مجھے لگتا ہے، کچھ ہے ضرور، شاید میری زندگی میں کوئی بڑا حادثہ رُونما ہونے والا ہے، سوتا ہوں تو ایسے ایسے خواب آتے ہیں کہ پریشانی ہونے لگتی ہے اور پھر میرا دل بھی یہی کہہ رہا ہے۔''

''پلیز شاہ ایسی باتیں مت کریں، کچھ نہیں ہو گا آپ کو، آپ ہمیشہ خوش رہیں گے۔''

اپنے لئے اس کی پریشانی اور تڑپ دیکھ کر اردشیر کو کہاں خوشی ہوئی، وہاں ایک خوشگوار سی حیرت نے بھی آن گھیرا۔ یہ لڑکی اتنا چاہتی ہے مجھے مگر پھر دُور کیوں بھاگتی ہے۔ اُس دن جس طرح دامن چھڑا کر چلی گئی تھی۔ اردشیر کو غصہ آیا تھا اور سوچا تھا اب ملے گی تو اُس کا رویہ مختلف ہو گا مگر سامنے آئی تو سب بھول گیا۔ اسے دیکھ کر رُوح تک سرشار ہو گئی۔

''آپ خوش رہا کریں۔'' وہ سمجھا رہی تھی۔

''خوش تو رہتا ہوں۔''

''تو پھر ایسی باتیں اور یہ پریشانی کیوں......؟''

''اوہ یار......ابھی سو کر اُٹھا ہوں ناں اور خواب بھی کچھ ایسا ویسا ہی دیکھا ہے، ہر روز کی طرح

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اس لئے ذہن پر بوجھ ہے۔تھوڑی دیر بعد سب بھول بھال جاؤں گا۔"

"اب سو کر اُٹھے ہیں......؟" اُس نے حیرت سے اُسے دیکھا۔

"ہوں......رات کو لیٹ گھر آیا تھا پھر بڑی ماں کا فون آگیا، اُن سے باتیں ہوتی رہیں، بس دیر ہوگئی۔" پھر اس سے بولا......"تم اپنی سناؤ آج ہم کافی دنوں کے بعد مل رہے ہیں اور میں دیکھ رہا ہوں تم خاصی کمزور ہو رہی ہو، کیا بیمار رہی ہو......؟"

وہ گھر کے حالات کی وجہ سے پریشان رہی تھی، نہ کچھ کھا سکی، نہ آرام ٹھیک سے ہو سکا، اثرات چہرے پر آ گئے تھے اور اردشیر نے کتنی جلدی پہچان لیا......اور رائحہ جو اُلجھی اُلجھی سی تھی، رو پڑی۔

"ارے کیا ہوا......؟" وہ گھبرا کر اپنی جگہ سے اُٹھا اور اُس کے قریب آ کر سر تھپکتے ہوئے بے تابی سے پوچھنے لگا۔

"میں بہت پریشان ہوں، نورین سے کہہ دوں گی۔شاید کہہ دینے سے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے۔"

"تم مجھ سے کہو ناں، آخر کیا ہوا......؟ کیوں روئی ہو تم......؟"

"مجھے اپنی ماں سے بہت محبت ہے، میرے لئے تو باپ بھی وہی ہیں اور ماں بھی وہی، پپا نے تو کبھی مجھ سے پیار نہیں کیا، وہ بہت سخت طبیعت کے مالک ہیں......مما بیمار رہتی ہیں مگر انہیں پروا نہیں ہوتی......اُن کا رویہ مما کے ساتھ بہت خراب ہے اور اب کچھ دنوں سے مما اور بھیا بہت پریشان ہیں مگر میرے پوچھنے پر بھی مجھے کچھ نہیں بتاتے، ٹال جاتے ہیں۔انہیں پتا نہیں میں ان کی خاموشی سے کیسے وہموں کا شکار ہو رہی ہوں، اُلجھ کر رہ گئی ہوں......مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں پپا مما کو ہمیشہ کے لئے چھوڑ تو نہیں رہے، اگر ایسا ہے تو......" اُس کے رونے میں اور بھی شدت آ گئی۔

اس مسئلے پر وہ بھلا کیا مدد کر سکتا تھا، یہ بھی جانتا تھا خالی خولی ہمدردی سے وہ بہلے گی نہیں فقط اتنا بولا......

"اتنا چاہتی ہو اپنی مما اور بھیا کو......؟"

"بہت......اس سے کہیں زیادہ......؟"

"تو پھر دل میں کسی نئے فرد کی گنجائش ہے کیا......ہوں بولو ناں......؟"

ایسی بات کی توقع اس وقت کہاں تھی......چونک اسے دیکھا پھر شرما کر فوراً سر جھکا لیا۔

♦ ♦ ♦

رات دس بجے کے قریب کبیر حسن گھر سے چند گز کے فاصلے پر تھے۔انہوں نے گیٹ کے سامنے ٹیکسی رُکتے اور واجدہ آپا کی بڑی بیٹی نزہت کو نہ صرف دیکھا بلکہ اچھی طرح پہچان بھی لیا۔جب تک وہ کرایہ دے کر فارغ ہوئی۔ان کی گاڑی گیٹ پر پہنچ چکی تھی۔نزہت انہیں دیکھ کر کچھ گھبرائی پھر جلدی سے اندر چلی گئی۔

"ٹھہر جاؤ نزہت، میری بات سن کر جانا۔" ماموں جان کی آواز پر اس کے بڑھتے قدم رُک گئے۔

"کہاں سے آ رہی ہو اِس وقت......؟" وہ اِس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔

"ماموں جان! میری ایک سہیلی بیمار ہے، اُس کی طرف گئی تھی، واپسی پر دیر ہو گئی۔"

"اتنا میک اپ ایسے کپڑے، کیا واقعی وہ بیمار سہیلی کی عیادت کو گئی تھی۔"

سمجھ گئے بہانہ بنا رہی ہے مگر کچھ سوچ کر اثبات میں سر ہلا دیا۔نزہت کو امید نہیں تھی کہ وہ اتنے



آرام سے اس کی بات مان جائیں گے......اور جانے کی اجازت بھی مل جائے گی۔اُس نے حیران ہونے میں وقت ضائع نہیں کیا، جلدی سے اُوپر آ گئی۔

وہ اندر آئے تو مزیب اور رائحہ کو موجود پایا، نزہت والی اُلجھن ذہن پر سوار تھی، اُن کے سلام کا سر کے اشارے سے جواب دیا اور اپنے کمرے میں چلے آئے۔

"موڈ ابھی تک خراب ہے، کسی وقت بھی یہاں آ کر ڈانٹ ڈپٹ کر سکتے ہیں۔" یہ سوچ کر رائحہ نے اپنی کتابیں سمیٹیں اور اپنے کمرے میں چلی آئی۔

مزیب ٹی وی آن کر کے بیٹھ گیا......مگر دھیان میں سوہا تھی۔جب سے پپا نے اُس کی اور مہناز کی شادی کا ارادہ ظاہر کیا تھا، وہ سوہا کی طرف نہیں گیا تھا۔سوچا تو کئی بار مگر یہ خیال بار بار پاؤں جکڑ لیتا کہ ایسی صورت حال میں اس سے کیا بات ہو سکے گی، آنٹی پوچھیں گی......"تمہارے گھر والوں کی کیا رائے ہے۔تمہاری مما تو دوبارہ آنے کا کہہ کر گئی تھیں، پھر آئیں کیوں نہیں......؟"

مگر ابھی ابھی اُس نے فیصلہ کیا، صبح ضرور اس سے ملے گا۔وہ تو پہلے ہی کہتی تھی......"تم خواہ مخواہ ہی اتنا آگے بڑھ رہے ہو، تمہارے گھر والے کبھی نہیں مانیں گے......تمہیں مجھ سے معذرت کرنا پڑے گی۔" اب تو پکا یقین کر لیا ہوگا کہ گھر والے نہیں مان رہے۔"میں اسے دھوکا نہیں دے سکتا۔چاہے کچھ بھی ہو جائے، میں شادی سوہا سے ہی کروں گا۔پپا کے اس غلط فیصلے کے آگے سر نہیں جھکاؤں گا۔"

خیال تھا کہ صبح آفس ٹائم سے پہلے ہی اُس کے آفس چلا جائے گا۔وہ عام طور پر جلدی آ جایا کرتی تھی۔اس وقت ملنا ہی مناسب تھا۔گھر وہ جانا نہیں چاہتا تھا کہ آنٹی کے سوالات کے جوابات فی الحال اُس کے پاس نہیں تھے۔

رات بھر سوچوں میں گھرا رہا۔پاپا کو مناؤں تو کس طرح......یہ اُلجھن اُسے پریشان کرتی رہی۔صبح دیر سے آنکھ کھلی۔سوچا چلو آفس ٹائم آف ہونے پر مل لوں گا۔

وہ بیس منٹ پہلے ہی آ کر اس بلڈنگ کے باہر کھڑا ہو گیا۔سوہا اُسے دیکھ کر جہاں خوش ہوئی، وہاں یہ بھی پوچھ ڈالا کہ "اتنے دن غائب کہاں رہے ہو......؟"

"تم نے تو فوراً یہ سمجھ لیا ہوگا کہ بھاگ نکلا ہوں، اب نہیں آؤں گا۔"

سوہا ہنس پڑی، پھر بولی......

"سچ کہوں تو میرے دل میں ایک بار بھی یہ خیال نہیں آیا۔"

"اِس اعتماد کا شکریہ......اور سناؤ آنٹی کیسی ہیں......؟"

وہ دونوں باتیں کرتے کرتے پیدل روڈ تک آ رہے تھے۔

"یہ تو وہی لڑکی ہے یاسمین بیگم کی بھانجی اور ساتھ میں جو لڑکا ہے، اسے پہلے بھی اس کے ساتھ دیکھ چکا ہوں۔" اردشیر قریبی مارکیٹ سے نکلا تھا اور انہیں دیکھ کر ٹھٹک گیا تھا۔

ذرا فاصلے پر ڈرائیور گاڑی لئے اُس کا منتظر تھا۔کچھ سوچ کر اردشیر نے اسے بلایا اور کہا......

"تم ٹیکسی پکڑو اور ان دونوں کا پیچھا کرو کہ یہ رہتے کہاں ہیں۔اگر کسی جگہ پر یہ الگ ہو جائیں تو پھر تم لڑکی کا پیچھا کرنا۔لڑکے کو میں بعد میں دیکھ لوں گا۔"

♦ ♦ ♦

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''مزیب بھائی تو گھر پر ہیں ناں......؟'' عمر نے یہ بات ڈرائنگ روم میں آنے کے بعد پوچھی تھی صرف اس لئے کہ اگر وہ گھر پر نہ ہو تو بھی اس کی والدہ سے ملے بغیر واپس نہ ہونا پڑے۔

''وہ تو گھر پر نہیں ہیں صاحب......''

''اچھا......اور اُن کی والدہ......؟''

''ہاں جی، وہ تو ہیں...... میں بلاتی ہوں انہیں۔''

ملازمہ جویریہ کے کمرے میں عمر کی آمد کی اطلاع دینے آئی تو وہ دوا لے رہی تھی۔

''وہ جی چھوٹے صاحب کے دوست آئے ہیں، عمر نام بتاتے ہیں، میں نے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا ہے انہیں اور بتایا ہے کہ چھوٹے صاحب تو گھر پر نہیں ہیں۔''

''تم نے کہہ دیا، وہ گھر پر نہیں ہے۔'' جویریہ گلاس سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر تیزی سے اُٹھی اور ننگے پاؤں ہی ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ اسے اندیشہ جو تھا کہ مزیب کی غیر موجودگی کا سن کر عمر واپس نہ ہو جائے۔

وہ جب اندر داخل ہوئی تو اُس کا سانس ہموار نہیں تھا۔ دوپٹہ سنبھالتے ہوئے اور اسے پکارتے ہوئے اُس نے تیزی سے دروازہ کھولا۔

اس کی حالت دیکھ کر عمر گھبرا گیا اور پریشان نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

''اوہ......'' جویریہ کو اپنی دیوانگی کا احساس ہوا، مسکرانے کی ناکام کوشش سے خفت مٹانے کی کوشش کی اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ گئی۔

''آپ ٹھیک تو ہیں ناں......؟'' عمر فکر مندی سے پوچھ رہا تھا۔

جویریہ نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، پیاسی نگاہ اس پر جما کر بولی......

''کیا تم بھی یہاں سے جانے کے بعد مجھے یاد کرتے ہو......؟''

''آپ مجھے یاد کرتی ہیں......؟''

وہ جواب دینے میں ہچکچاہٹ محسوس کر رہا تھا، کیسے بتاتا آپ میری سوچوں پر میرے ذہن پر چھا گئی ہیں، میرا جی چاہتا ہے آپ سے ملاقات کی ہر بات ہر ایک کو سناؤں، سب کو بتاؤں میں آپ سے مل کر آرہا ہوں۔ مگر وہ ان سب باتوں کو زبان پر نہ لا سکا۔

''میں تو تمہاری آمد کی منتظر رہتی ہوں بیٹے، تمہیں دیکھ کر مجھے کوئی اپنا یاد آتا ہے۔''



''کون......کون یاد آتا ہے......؟'' عمر نے نرمی سے پوچھا۔

''وہ جو دُنیا کی بھیڑ میں مجھ سے بچھڑ گیا، مجھے لگتا ہے اب کبھی نہیں ملے گا مگر مزیب میری آس کو ٹوٹنے نہیں دیتا، شاید اس لئے کہ وہ جانتا ہے جس روز یہ آس ٹوٹ گئی، میں مر جاؤں گی۔ بہت پیار کرتا ہے وہ مجھ سے، مجھے کھونا نہیں چاہتا۔'' جویریہ آنکھ میں آئے ہوئے آنسوؤں کو چہرہ جھکا کر اُس سے چھپانے کی کوشش کرنے لگی۔

''پلیز آنٹی......روئیں تو نہیں......'' اس کے آنسو عمر کے دل پر گر رہے تھے۔

''سوری......میں نے تمہیں بھی اُداس کر دیا۔'' وہ مسکرانے کی ناکام کوشش کے درمیان بولی......

''آنٹی پلیز......آپ اپنا خیال رکھا کریں، مزیب بھائی بتاتے ہیں، آپ اکثر بیمار رہتی ہیں۔''

''اگر مزیب اور رائحہ نہ ہوتے تو میں یہ زندگی ختم کر لیتی......اور عمر، اب تو تم بھی مجھے زندگی کی طرف بلا رہے ہو۔''

''ممانی......مزیب کہاں ہے......؟'' مہناز نے پردہ ہٹا کر اندر جھانکا......اور مہمان کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جویریہ کو مخاطب کیا۔

''مزیب تو گھر پر نہیں ہے، کیوں تمہیں کوئی کام تھا اس سے......؟'' جویریہ پوچھ رہی تھی۔

مہناز کے چہرے کا زاویہ بگڑ گیا، ہتک کر بولی......

''آخر وہ رہتا کہاں ہے آج کل......جب بھی آ کر پوچھتی ہوں، یہی جواب ملتا ہے کہ گھر پر نہیں ہے۔'' اُس کے انداز میں رُکھائی اور جھلاہٹ تھی۔

جویریہ اب بھلا جواب میں کیا کہتی......مہناز نے کچھ لمحے توقف کے بعد عمر کی جانب دیکھا اور بولی......

''یہ کون ہیں......؟''

''یہ عمر ہے......'' جویریہ کو اس کا انداز اچھا نہیں لگ رہا تھا، جواب دینے کو جی نہیں چاہ رہا تھا مگر خاموش رہتی تو وہ جا کر ماں سے کہتی اور پھر بات کہاں سے کہاں پہنچ جاتی۔

''مزیب کے ملنے والے......؟'' اُس نے پھر پوچھا۔

جویریہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''اچھا......اب ایسا نہ ہو کہ وہ آئے اور ان کے ساتھ چل پڑے، کہئے گا مجھ سے مل کر جائے، میں پہلے بھی آپ کو کہہ کر گئی تھی مگر لگتا ہے آپ نے کہنے کی زحمت ہی نہیں کی۔''

''میں نے اُسے بتا دیا تھا اگر وہ نہ ملنا چاہے تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتی۔''

''کیوں، وہ بھلا کیوں نہیں ملنا چاہے گا......؟'' انداز میں سراسر بدتمیزی تھی۔

جویریہ اسے نظر انداز کر کے عمر سے چائے کے لئے پوچھنے لگی۔

''نہیں آنٹی......اب میں چلتا ہوں۔'' وہ جویریہ سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا مگر مہناز یہیں بیٹھ گئی تو وہ واپسی کا ارادہ کرتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس لڑکی پر غصہ بھی آرہا تھا۔ کتنی بدتمیزی سے آنٹی کو مخاطب کرتی تھی۔

جویریہ نے رُکنے کو کہا بھی مگر وہ پھر آنے کا کہہ کر چلا آیا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''پتا نہیں آنٹی کیا کہنا چاہ رہی تھیں مگر اس بدمزاج لڑکی کی وجہ سے بات اُدھوری رہ گئی۔'' اُسے خاصا غصہ آ رہا مہناز پر۔

کبیر حسن رات کے آٹھ بجے اپنے معمول سے ہٹ کر آج جلدی گھر آ گئے۔ نزہت اس وقت پوری تیاری کے ساتھ باہر جانے کے ارادے سے نیچے اُتری تھی۔ انہیں دیکھا تو پل دو پل کے لئے ٹھٹکی، پھر واپس جانا چاہا مگر وہ دیکھ چکے تھے۔

''نزہت......'' انہوں نے پکارا تو رُکنا پڑا۔

''جی ماموں......'' وہ سر جھکائے ہوئے تھی اس کوشش میں کہ ماموں اس کا ڈارک میک اپ نہ دیکھ سکیں۔

''کہاں جا رہی ہو اس وقت......؟'' رلسٹ واچ پر نگاہ ڈالتے ہوئے انہوں نے سختی سے پوچھا۔

''ماموں......وہ اصل میں میری ایک دوست کی شادی ہے، مجھے وہاں جانا تھا۔''

''اکیلی جا رہی ہو، باپ یا بھائی سے کہتیں، تمہیں ڈراپ ہی کر دیتے۔''

''وہ دونوں گھر پر نہیں ہیں۔''

''مزیب سے کہہ دیتیں......'' اُس کا انداز بتا رہا تھا، سچ یہ نہیں جو کہہ رہی ہے۔

''میں اکیلی جا سکتی ہوں اس لئے خواہ مخواہ اسے ڈسٹرب کرنا اچھا نہیں لگا۔''

''چلو آؤ، میں چھوڑ دیتا ہوں، کہاں جانا ہے تمہیں......؟''

اُن کی بات پر نزہت نے ایک دم سے چہرہ اوپر اُٹھا دیا۔

''نن نہیں...... ماموں...... میں سوچ رہی ہوں اب تو بہت دیر ہو گئی ہے، کیا فائدہ جانے کا......؟''

اتنا کہہ کر کبیر حسن کو مزید کسی بات کا موقع دیئے بغیر وہ تیزی سے مڑی اور پھر سیڑھیاں طے کر کے اُوپر چلی گئی۔ کچھ دیر وہیں کھڑے وہ سوچتے رہے پھر اندر آ گئے۔

جویریہ کچن میں کھانا بنا رہی تھی۔ فارغ ہوتی تو طرح طرح کی سوچیں پریشان کرتی تھیں سو اب وہ خود کو مصروف رکھنے کے لئے کچن کا بہت سا کام خود کیا کرتی تھی۔

''ماں کہاں ہے تمہاری......؟'' انہوں نے ٹی وی لگا کر بیٹھے مزیب سے پوچھا۔

''شاید کچن میں ہوں گی۔'' ٹی وی آف کر کے اُس نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

انہوں نے رُک کر اُس کی طرف دیکھا۔ کچھ کہنا چاہا، پھر ارادہ ترک کر کے باہر آ گئے۔

جویریہ چاول بنا کر فارغ ہوئی تھی۔ انہیں آتے دیکھ کر سلام کیا، پھر چائے کا پوچھا تو وہ انکار کرتے ہوئے بولے......

''مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے، کیا تم اس وقت فارغ ہو......؟''

''یا اللہ خیر...... اب کیا کہنے والے ہیں یہ......'' اُس نے ڈرتے ڈرتے اُن کی جانب دیکھا، چہرے سے موڈ کا اندازہ نہیں لگا سکی، اُن کے پیچھے پیچھے چلتی کمرے تک آ گئی۔

کمرے میں آ کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئے......اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا......اور بولے......

''نزہت کے بارے میں علم ہے یہ لڑکی آج کل کہاں آتی جاتی ہے......؟''

''جی، میں تو کچھ نہیں جانتی، وہ اپنی امی کو بتا کر جاتی ہوگی۔''



''نہیں جویریہ، میرا خیال ہے وہ کسی کو بھی بتا کر نہیں جاتی، نہ آپا کو اور نہ ہی اپنے باپ کو......اور باپ تو ویسے ہی گھر کے معاملات میں دلچسپی نہیں لیتا، سب کچھ بے چاری آپا کے سر پر ڈال رکھا ہے، وہ ریحان ہے تو اسے نہ پڑھنے سے دلچسپی ہے، نہ کوئی سروس کرنا چاہتا ہے اور اب یہ نزہت، پتا نہیں یہ لڑکی کن راہوں پر چل نکلی ہے۔ یوں تو آپا کے لئے بڑی مشکل ہو جائے گی۔''

وہ کیا جواب دیتی ان کی باتوں کا...... واجدہ آپا کا ذکر آیا تو اسے وحشت ہونے لگی۔ کیا خبر نزہت اور ریحان کی باتیں کرتے کرتے انہیں مہناز بھی یاد آ جائے اور ابھی ابھی کر ڈالیں کوئی فیصلہ۔

''کھانا تیار ہونے میں کتنا ٹائم ہے......؟'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور کوٹ اُتار کر اسے پکڑاتے ہوئے پوچھا۔

''بس پندرہ بیس منٹ مزید لگیں گے۔''

''ٹھیک ہے، پھر میں کھانا کھا کر ہی آپا کی طرف جاؤں گا، میرا خیال ہے بھائی صاحب اِس وقت گھر پر ہی ہوں گے، ساری بات اُن کے سامنے ہو جائے تو اچھا ہے۔''

''کیسی بات......؟'' جویریہ نے بے حد پریشان ہو کر اُن کی طرف دیکھا (اُس کے حواسوں پر مہناز سوار تھی)۔

''نزہت کی بات......اور کیسی بات......'' انہیں اس کے یوں چونکنے اور گھبرا کر پوچھنے پر حیرت ہوئی۔

جویریہ نے گہرا سانس کھینچ کر اثبات میں سر ہلا دیا اور بولی......

''آپ ضرور بات کریں ماں باپ کو اولاد کی سوچ اور اس کے معاملات سے ضرور آگاہ ہونا چاہئے اور میرا آپ کو بھی مشورہ ہے کہ آپ مزیب سے بھی بات کریں، وہ بھی تو بیٹا ہے آپ کا۔'' جویریہ نے اندر سے کانپتے ہوئے مگر بظاہر بڑی ہمت سے کہا تھا۔

''مزیب بے وقوف ہے۔ اسے ابھی کچھ نہیں پتا صرف جوانی کا جوش ہے پاگل پن ہے اور بس......''

''شاید آپ ٹھیک ہی کہہ رہے ہیں۔ مگر اس کی بات سننا، غلط ہو تو پیار سے سمجھانا تو آپ کا فرض ہے۔ دیکھیں ناں، ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا، ہمیں توجہ دینی چاہئے اس پر، یوں تو وہ ہم سے دُور ہو جائے گا۔''

''ٹھیک ہے کھانا لگاؤ، پھر میں آپا کی طرف سے ہو آؤں بعد میں مزیب سے بات بھی کر لیں گے، پوچھیں گے اس سے بھی کہ کیا مسئلہ ہے اُس کے ساتھ۔'' خلاف توقع آج اُن کا موڈ بہت بہتر تھا۔ جویریہ کو بہت اطمینان ہوا۔ کچن میں جانے سے پہلے مزیب کے پاس چلی آئی۔

''سنو بیٹا......تمہارے بابا مہناز کے سلسلے میں تم سے کچھ بات کریں گے، تم پورے اعتماد سے اُن کے سامنے بات کرنا، ان پر واضح کر دینا کہ مہناز تمہیں کیوں ناپسند ہے لیکن دیکھو اس ساری گفتگو میں ابھی مہا کا ذکر کہیں نہیں آنا چاہئے، معاملہ بگڑ بھی سکتا ہے۔''

کھانا کھا کر پہلے تو خود واجدہ کی طرف جانے کا ارادہ تھا پھر کچھ سوچ کر انہیں اپنے ہاں بلو یا۔ واجدہ کے شوہر گھر پر نہیں تھے، واجدہ اکیلی ہی آ گئیں۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ جب آئیں تو جویریہ وہاں سے ہٹ گئی کہ اس کے خیال میں کبیر اور واجدہ دونوں ہی اس کی موجودگی میں بات کرنا شاید پسند نہ کرتے۔

کبیر نے بہن کو اطلاع دینے کے انداز میں نزہت کے بارے میں بتایا، انہوں نے پورے اطمینان سے ساری بات سنی پھر بولیں......

''کبیر...... تمہیں یقیناً غلط فہمی ہوئی ہے، وہ واقعی اپنی دوست کی طرف جا رہی تھی۔''

''آپا...... میں یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ نزہت اپنی دوست کی طرف نہیں جا رہی تھی اور میں نے آپ کو بتایا تو ہے، میں ایک بار پہلے بھی اسے رات کے دس بجے گھر آتے دیکھ چکا ہوں، تب میرے پوچھنے پر اُس نے سہیلی کی بیماری کا بہانہ بنا دیا تھا مگر اتنے ڈارک میک اپ میں وہ بیمار سہیلی کی تیمارداری کو ہرگز نہیں جا رہی تھی۔''

''کبیر! اب بچے بڑے ہو گئے ہیں، ان کی اپنی ایک لائف ہے اور میں نے اپنے بچوں کو تربیت اس انداز میں کی ہے کہ وہ اپنا اچھا برا خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ مجھے یقین ہے میرے بچے کبھی کوئی غلط راہ اختیار کر ہی نہیں سکتے۔''

''اوہ تو آپ اس ساری صورت حال سے واقف ہیں۔'' وہ حیران ہوئے۔

''کیسی صورت حال بھئی، میں کہہ رہی ہوں آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، دیکھیں ناں زمانہ بہت آگے جا رہا ہے، اب تو بندہ کسی مرگ پر بھی جائے تو بھی لباس کا خیال رکھنا ہی پڑتا ہے، کیا کریں اب زمانے کا چلن ہی یہی ہے۔''

''پتا نہیں ماموں نے امی کو کیوں بلایا ہے......؟'' مہناز کو بے چینی لگی ہوئی تھی۔ پہلے اُوپر سے ہی جھانک جھانک کر دیکھتی رہی کہ ماں آ رہی ہے یا نہیں، زیادہ دیر انتظار نہیں کر سکی، نیچے چلی آئی۔

نیچے آتے ہی ملاقات مزیب سے ہوئی، ہاتھ میں صبح کا اخبار لئے وہ لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

''ہیلو ہیلو...... کس سوچ میں گم ہو بھئی......؟'' اُس نے پیچھے سے جا کر اُس کے شانوں پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے شوخ انداز میں کہا۔

''تم......'' اس کا لہجہ کڑوا ہو گیا...... ہاتھ میں پکڑا اخبار میز پر پھینکتے ہوئے اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میری امی کچھ دیر پہلے اِدھر آئی تھیں، بتا سکتے ہو اس وقت اُن سے کہاں ملاقات ہو سکتی ہے۔'' اُس کے انداز کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے وہ دھپ سے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''مجھے نہیں پتا کہاں ہیں......'' اُس نے ایک بار پھر اخبار اُٹھا لیا اور یہاں سے جانے کے ارادے سے قدم آگے بڑھائے۔ مہناز تیزی سے اُٹھی اور اُس کے راستے میں آ کر اخبار اُس کے ہاتھ سے جھپٹ لیا۔

''یہ کیا بدتمیزی ہے...... لاؤ اِدھر دو......'' وہ جھلا کر خاصی بلند آواز میں بولا۔

''کیا ہے، اتنے غصے میں کیوں ہو......؟ اور یہ صبح کا اخبار اب پڑھنے بیٹھے ہو، سارا دن کیا کرتے رہے ہو، ذرا بتاؤ مجھے......''

''تم زیادہ فری ہونے کی کوشش مت کرو، اس وقت میرا موڈ ویسے بھی سخت آف ہے، ایسے ہی کچھ کہہ بیٹھوں گا تو پھر آنسو بہاتی ماموں جان سے شکایت کرنے چل پڑو گی۔'' اُس نے خاصے کڑوے لہجے



...ہا تھا مگر مہناز نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ بے نیازی سے ہاتھ میں اخبار پکڑے پھر سے صوفے پر جا بیٹھی ...بلی......

''ہاں، ہوں تو میں ماموں کی لاڈلی، اس میں بھلا کیا شک ہے، مگر تم کیوں جلتے ہو......؟''

''تو جاؤ جا کر اپنے ماموں کے پاس بیٹھو، میرا سر کیوں کھا رہی ہو، ساری زندگی ہم پر مسلط رہے مجھے یاد نہیں پڑتا، کبھی ہمارے باپ نے ہم لوگوں کو پہلے اور تم لوگوں کو بعد میں دیکھا ہو، وہ ہمیشہ ...ہم پر فوقیت دیتے رہے ہیں۔ یہ گھر مما کا تھا مگر حکمران پھوپھو رہی ہیں مگر اب یہ سب کچھ مجھ سے ...نہیں ہوتا۔''

وہ اخبار پھینک کر اُٹھ کھڑی ہوئی، اس کے سامنے آ کر بولی...... ''اگر ماموں نے یہ سب کیا ہے تو ...میں ہمارا کیا قصور ہے......؟ یہ سب کچھ تمہاری اس چہیتی ماں کی وجہ سے ہوا ہے، جس نے ہمارے ...کی زندگی خراب کر دی ہے، گھر کو گھر بنایا ہی نہیں، بس ان ہی کوششوں میں لگی رہیں کہ کسی طرح ...کو اُن کی بہنوں سے دُور کر دیا جائے۔ بھانجیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنے کی کوشش کرتی ...مگر رزلٹ اس کے خلاف نکلا۔''

''شٹ اپ...... مما کا نام درمیان میں مت لاؤ، میں خوب جانتا ہوں، کس نے کس کے خلاف ...ت پھیلائی، اور کس نے کس کو دُور کرنا چاہا، اگر ہم چپ ہیں تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ کچھ جانتے بھی ...ں۔''

''کیا ہوا تم لوگوں کو......؟'' اِن کی آوازیں یقیناً کبیر حسن اور واجدہ تک پہنچی تھیں جو وہ یہاں آئے ...اور انہیں اس موڈ میں دیکھ کر حیرت سے پوچھ رہے تھے۔

مہناز نے جونہی ماموں کو دیکھا، دوڑ کر ان کے پاس گئی اور ان سے لپٹ کر دُھواں دھار طریقے ...رونا شروع کر دیا۔

''مزیب...... کیا کہا ہے تم نے مہناز کو......؟'' انہوں نے بیٹے کو کڑی نظروں میں رکھ کر تُند لہجہ ...ار کیا۔

''اس نے الزام لگایا تھا کہ مما آپ کو ان لوگوں کے خلاف بھڑکاتی رہیں...... اور جواب میں، میں ...ئینہ دکھا دیا، کہہ دیا اگر ہم خاموش ہیں تو اس کا یہ مطلب مت نکالو کہ بے وقوف ہیں، تم لوگوں کی ...شوں سے ناواقف ہیں، ہم بھی جانتے ہیں، کون کس کے خلاف سازشوں کے جال بنتا رہا ہے۔ یہ ...پھو سامنے کھڑی ہیں اور میں ان کے سامنے کہہ سکتا ہوں۔''

''اوہو بچو...... ذرا سی بات تھی اور تم لوگ لڑنے لگے، بھلا ایسا بھی کرتے ہیں اور مہناز بے وقوف ...ز نے یہ کیا رونا دھونا مچا رکھا ہے۔ اگر مزیب بیٹے نے کچھ کہہ بھی دیا تھا تو اس میں برا ماننے کی کون سی ...ت ہے، یہ تمہارے ماموں کا بیٹا ہے اور مت بھولو کہ ماموں جان کے تم پر، ہم سب پر کتنے احسان ...

''مزیب چاند! میں تم سے مہناز کی طرف سے معافی مانگتی ہوں، یہ ابھی نا سمجھ ہے، ذرا ذرا سی بات ...کو بہانے لگتی ہے...... چلو احمق لڑکی......''

انہوں نے بیٹی کا بازو پکڑا اور چلی آئیں کہ وہ بھائی کے سوال و جواب سے بچنا چاہتی تھیں۔ مزیب ...انداز میں بات کر رہا تھا...... دھڑکا ہی تھا کہ جانے کیا کیا کہہ جائے، بہتر جانا وہاں سے فوراً ہی چلی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آئیں۔

''مجھے تمہارا رویہ بہت برا لگا ہے مزیب......'' ان دونوں کے جانے کے بعد کبیر حسن نے ڈانٹا۔

''پلیز پپا...... آپ میری کسی بات پر خفا مت ہوں، دیوانگی سمجھ کر نظر انداز کر دیں......'' وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

• • •

وہ آنا نہیں چاہتی تھی مگر فرم کے مالک آغا صاحب کی بیگم نے تاکید کی تھی۔ اصل میں بیگم آغا، آذر کی والدہ کی بہت اچھی دوستوں میں سے تھیں، آذر کے ہاں آئیں تو اُس نے انہیں کہا، سوہا ان کی آپ کی فرم میں ملازم ہے اور خیال رکھنے کی تاکید بھی کی، تب اگلے ہی روز انہوں نے سوہا سے ملاقات کی، یہ لڑکی انہیں بھی اچھی لگی۔ اب بیٹی کی شادی پر اسے انوائیٹ کیا تھا۔

سوہا یہاں آ تو گئی مگر اب اپنے مزاج کے خلاف اسے گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ اصل میں کلاس کا نمایاں فرق تھا۔ وہ تو اپنے لباس، اپنی شخصیت سب پر شرما رہی تھی۔ اتنے لوگوں میں، میں سب سے الگ تھلگ اور عام سی ہوں۔ یہاں کوئی واقف نہیں تھا۔ ہوٹل کے سرسبز لان میں وہ ذرا سا ہٹ کر ایک طرف...... بیٹھی، سب کا جائزہ لے رہی تھی۔

اس نے اردشیر کو آتے اور آغا صاحب سے ملتے انہیں مبارکباد دیتے دیکھا ضرور مگر سرسری انداز میں۔ وہ تو اس بات سے قطعی ناواقف تھی کہ اردشیر اس کے لئے کیا سوچ رکھتا ہے اور کیسے کیسے منصوبے بنا چکا ہے۔

اردشیر کی نگاہ ابھی تک اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ آغا صاحب کی چھوٹی بیٹی کے قریب تھا۔ کافی دیر تک وہ دونوں باتیں کرتے رہے۔ سوہا بھی اس کی جانب سے جلد ہی توجہ ہٹا کر نئے آنے والوں کو دیکھنے لگی اور جب آذر آیا تو پھر اس کی توجہ صرف اس کی جانب ہوگی۔ شکر ہے کوئی جانی پہچانی صورت تو دکھائی دی۔ وہ اس سے کافی فاصلے پر تھا۔ آغا صاحب سے ملنے کے بعد مسز آغا کی جانب گیا...... اور اپنی والدہ کے نہ آسکنے پر معذرت کی۔

سوہا اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چاہ رہی تھی، آذر کے ساتھ رہے۔ اکیلے بیٹھے ہوئے اس گہما گہمی میں بھی بور ہو رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ آذر تک پہنچتی، اردشیر نے آذر کو دیکھ لیا اور آذر نے بھی، دونوں دوست ایک دوسرے کی جانب بڑھے۔ پہلے ہاتھ ملایا پھر ہنستے ہوئے گلے لگ گئے۔

''ہیلو آذر صاحب......'' سوہا کی آواز پر آذر سے گلے ملتے اردشیر نے اپنی پشت پر اُبھرنے والی آواز کی صورت دیکھنے کے لئے چہرے کا رُخ موڑا، پھر دوست کو چھوڑ کر ذرا پیچھے ہٹا، ہونٹوں پر زہر خند مسکراہٹ سجا کر اُس نے سوہا کو سر سے پاؤں تک بغور دیکھا۔ اس وقت وہ مکمل طور پر آذر کی جانب متوجہ تھی اور اس سے اس کی والدہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔

''امی کا ارادہ تھا آنے کا مگر آج شام اچانک اُن کی طبیعت خراب ہوگئی۔ بلڈ پریشر بہت ہائی ہو گیا تھا، بس اسی لئے نہیں آسکیں...... اور تم کیا اکیلی آئی ہو......؟''

''ہاں ظاہر ہے، مجھے ہر جگہ اکیلے ہی آنا پڑتا ہے۔'' وہ خواہ مخواہ ہنس پڑی۔



''اچھا...... ویسے ہم نے تو ہمیشہ آپ کو کسی قدردان کے ہمراہ ہی دیکھا ہے، حسرت ہی رہی اکیلی ہوں، اور ہم بھی کچھ کہہ سکیں۔'' اردشیر کا انداز معنی خیز اور بہت کڑوا تھا۔

پہلی بات تو یہ کہ اسے اُمید ہی نہیں تھی کہ وہ مخاطب کرے گا اور دوسری بات بھی ایسی تلخ...... اُس نے تیوری پر بل ڈال کر اردشیر کی جانب دیکھا اور اندازہ ہوا بگڑے ہوئے رئیسوں کی طرح اُس نے صرف تعارف حاصل کرنے کو ہی نہیں کہا تھا، وہاں بڑی گہری پہچان، دُشمنی اور تمسخر کا رنگ تھا۔

''آپ کی تعریف......؟'' سوہا نے بڑی سنجیدگی اور قدرے تیز آواز میں کہا۔

اردشیر کے اندر جیسے آگ بھڑک اُٹھی۔ اُس کے چہرے پر بہت کچھ کہتی نگاہیں...... اور بہت غلط کہتی نگاہیں گاڑ کر بولا......

''اپنی تعریف ہم خود نہیں کیا کرتے۔''

''اچھا آذر صاحب...... آپ لوگ باتیں کریں، میں ابھی آتی ہوں......'' وہ اردشیر کے انداز کو قطعاً نہیں سمجھ پائی تھی۔ آخر یہ کیوں انگارے چبا رہا ہے اور اس کی نگاہوں میں اس کے لئے اس قدر حقارت کیوں ہے......؟ اسے اُس کے سامنے سے ہٹ جانا ہی بہتر لگا۔ مگر وہ پھر سنانے کو بولا......

''اُسے کیا آج کی تقریب کی رونق دوبالا کرنے کے لئے بلایا گیا ہے، میرا مطلب ہے گانے کے لئے بلائی گئی ہے کیا......؟''

وہ اچھی طرح جانتا تھا، سوہا گلوکارہ نہیں ہے مگر اس لڑکی نے بہت ستایا تھا۔ کئی دنوں تک اس کا نظر انداز کرنا، اردشیر کے ذہن و دل پر چھایا رہا تھا۔ پھر جب بھی اسے پانے کی کوشش کی، ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ اب تو اُس نے سوہا سے دُشمنی پال لی تھی۔

آذر کو اس کے انداز پر حیرت تو تھی مگر پوچھ کر شعلوں کو اور ہوا دینا نہیں چاہتا تھا۔ یوں پوز کیا جیسے اُس نے کچھ سنا ہی نہیں اور اردشیر سے بولا......

''تم آغا صاحب کے پاس بیٹھو، میں ابھی آتا ہوں۔''

مگر وہ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ گہری اور بے رحم نظروں سے برابر سوہا کو دیکھتا رہا، جیسے اپنی بات کا جواب چاہتا ہو، دیکھنا چاہتا ہو اس کے کاری وار کا زخم اسے کتنا گہرا لگا ہے مگر سوہا نے ان کی جانب سے رُخ پھیر لیا اور اپنی پہلی والی جگہ کی جانب چل دی۔

آذر بے حد شرمندہ تھا۔ وہ اس سے ملنے کے لئے ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر آئی تھی اور کیا کیا نہ سنا ڈالا اردشیر نے، جب وہ اتنے فاصلے پر چلی گئی کہ آواز اس تک نہیں پہنچ سکتی تھی تب اُس نے کڑی نظروں سے اردشیر کی جانب دیکھا اور ڈانٹتے ہوئے بولا......

''دماغ تو ٹھیک ہے ناں تمہارا......؟''

اردشیر سنی اَن سنی کر کے بولا...... ''میں نہیں جانتا تھا اب آغا سراج صاحب کے ملنے والوں میں اس طرح کے گھٹیا لوگ بھی شامل ہو چکے ہیں۔ سخت افسوس ہوا ہے مجھے...... آخر کچھ تو خیال کرنا چاہئے تھا۔ ہونہہ! فرما رہی تھیں، ہمیں ہر جگہ اکیلے ہی جانا پڑتا ہے حالانکہ میں کئی بار اسے ایک لڑکے کے ساتھ دیکھ چکا ہوں...... اور اور بھی نہ جانے کتنے ہوں گے، جن کے ساتھ وقت کو رنگین کرتی ہوگی اور ہمیں نخرے دکھائی ہے۔'' کہتے ہوئے اُس نے زیر لب بیہودہ سا جملہ کہا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''اچھا......تم نے اس سے شادی کرنا ہے......جو اس قدر تحقیق کروا رہے ہو۔''

''شٹ اپ......'' آذر کی بات اسے غصہ دلا گئی۔ بازو سے اس کا ہاتھ ہٹا کر وہ چل پڑا۔

یہ ممکن نہیں تھا کہ ایک ہی جگہ پر موجود ہو کر سوہا اُس کی نگاہوں کی زَد میں نہ آتی......یا سوہا کی نظر اِدھر اُدھر سے ہوتی ہوئی کبھی کبھار اس پر نہ پڑ جاتی۔

سوہا کو تو یہاں کوئی جانتا نہیں تھا مگر اس کے کئی ملنے والے تھے، کبھی کسی سے ملتا ملاتا یا باتیں کرتا اس کے قریب آ جاتا تو سوہا کو پریشانی ہونے لگتی، کہیں پھر کوئی ایسی ویسی بات نہ کر دے، ویسے وہ سمجھ نہیں تھی کہ آخر اس نے ایسے کیوں دیکھا اور اس قسم کی باتیں کیوں کی۔

''جانتا ہوگا میں یاسمین بیگم کی بھانجی ہوں اور کچھ لوگوں کی عادت ہوتی ہے، دوسروں کی تذلیل خوشی دیتی ہے، یہ بھی یقیناً ایسے لوگوں میں سے ہے۔'' وہ اب اس سے بچنا چاہتی تھی۔ ڈنر کے دوران آذر اُس کے پاس آیا اور اردشیر کے غلط رویے پر معذرت چاہی۔

''آپ کے دوست نے ایسا کہا کیوں......؟ آخر مجھ سے کیا دُشمنی ہے......؟''

''بس یہ ایسے ہی مزاج کا مالک ہے، تمہیں شاید یاد ہو ایک بار میرے آفس میں تمہاری اس سے ملاقات ہو چکی ہے اور اس نے تمہارے جانے کے بعد تمہارے بارے میں پوچھا تھا، کون ہو، کہاں رہتی ہو، یہ تم سے دوبارہ ملنے کا ارادہ رکھتا تھا۔ یہ جان کر کہ تم آنٹی یاسمین کی بھانجی ہو اس نے کچھ ایسی باتیں کیں جو مجھے اچھی نہیں لگیں۔

میں نے صاف کہہ دیا کہ تم اُس طرح کی لڑکی نہیں ہو جیسی وہ سمجھ رہا ہے۔ تمہارا خیال ذہن سے نکال دینا ہی اس کے لئے بہتر ہوگا اور یہ بھی بتایا تھا کہ تم مجھے بے حد عزیز ہو۔ میں تو سمجھا تھا اس کے ذہن سے تمہارا خیال نکل چکا ہے مگر آج اندازہ ہوا ہے، وہ تمہیں بھولا نہیں تھا۔''

''آذر صاحب......آپ پلیز سمجھائیں اپنے دوست کو، دیکھئے میں خواہ مخواہ کی دوستیاں اور دُشمنیاں پالنے کی پوزیشن میں نہیں ہوں اور دولت کے گھمنڈ پر خدا بننے والے ان لوگوں سے مجھے ویسے بھی بہت خوف آتا ہے، یہ ہمیں کھلونا سمجھتے ہیں۔''

''تم پریشان مت ہو، یہ تو اتفاق ہی ہے کہ آج یہاں تم دونوں کی ملاقات ہوگئی ورنہ دیکھو تو اس بات کو کتنا عرصہ گزر چکا ہے۔ جب تم مجھ سے ملنے میرے آفس آئی تھیں اور وہاں پر اردشیر نے تمہیں دیکھا تھا......اب دوبارہ پتا نہیں کبھی ملو گے بھی یا نہیں......'' وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ سوہا مغموم سی کھڑی تھی۔

''آذر......فاروق صاحب تمہارا پوچھ رہے ہیں......'' اردشیر اچانک ہی آ کر بولا تھا۔ سوہا اسے دیکھ کر گھبرا گئی، اور جلدی سے ہٹ کر بیٹھ گئی......وہ بھی جان گیا تھا کہ اس کی وجہ سے الگ ہوئی ہے ورنہ تو بڑے آرام سے آذر کے پاس کھڑی باتیں کر رہی تھی۔

''بن رہی ہیں محترمہ......''

آذر نے اردشیر کی جانب دیکھا اور اس کا موڈ بحال کرنے کو اور خاص طور پر سوہا کی طرف سے اُس کا دھیان ہٹانے کو شرارت سے بولا......

''اب تمہاری طبیعت کیسی ہے میرے پیارے دوست......؟''

''یہ مت پوچھو، بتاؤں گا تو ڈانٹنے لگو گے۔'' اردشیر نے جیسے دانت پیستے ہوئے جواب دیا تھا۔



قریب کھڑی آغا صاحب کی چھوٹی صاحبزادی نے حیرت سے دونوں جانب دیکھا پھر بولی......

''کیا ہوا ہے انہیں اور آپ بھلا کیوں ڈانٹیں گے......؟''

''کچھ نہیں، بس میرے دوست کو کبھی کبھی دورہ سا پڑ جاتا ہے، آج بھی پڑا تھا، اثرات مجھے اب بھی دکھائی دے رہے ہیں۔'' اُس نے اردشیر کی طرف دیکھتے ہوئے ہنس کر جواب دیا۔

''دورہ زیادہ خطرناک تو نہیں ہے......'' وہ سمجھ گئی تھی آذر مذاق کر رہا ہے۔ اردشیر باہر ناراض ہو کر الگ جا بیٹھا......کچھ دیر بعد موقع ملتے ہی آذر اس کے پاس آیا اور بولا......

''سارے ماحول سے کٹ کر چہرے پر متانت آنکھوں میں ذہانت سجائے بیٹھے تم کتنے اچھے لگ رہے ہو، ہمیشہ یونہی بیٹھا کرو ناں۔''

جواب میں وہ منہ بنا کر بولا......

''تم میرے پاس کیوں چلے آئے تنہا بیٹھے رہنے دو۔''

''تمہیں تنہا کون رہنے دیتا، میں نہ آتا تو کوئی اور آ جاتا۔''

پھر اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ایک دم سے بڑی سنجیدگی کے ساتھ کہنے لگا۔

''اردشیر......تم اب شادی کر لو۔''

''ہاں، اب تو میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔'' اردشیر نے دھیمے سے کہا۔

''کیا مطلب......؟ چونکہ اردشیر نے اب کہا تھا تو آذر چونکا، سمجھا شاید اُس نے سوہا کو دیکھ کر ایسا ارادہ باندھا ہے۔

''مطلب کیا......بھئی کیا شادی کا مطلب نہیں جانتے اور ابھی خود ہی مجھے مشورہ دیا ہے کہ شادی کر لو۔''

''مگر مجھے گمان نہیں تھا کہ تم مان جاؤ گے اور اتنی جلدی مان جاؤ گے، یہ تو میں کبھی بھی نہیں سوچ سکتا تھا اب تو مجھے لگ رہا ہے تمہاری طبیعت واقعی خراب ہے۔''

''بکومت......میں بالکل ٹھیک ہوں اور شادی کا فیصلہ میں نے بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔''

''کون ہے وہ......؟'' آذر نے خاصی عجلت میں پوچھا۔

''اتنے بے صبرے کیوں ہو رہے ہو......؟'' اردشیر ہنسا اور کچھ نہیں بتایا۔ سوچ رہا تھا، کبھی آذر کو رائحہ سے ملوائے گا اور کہے گا۔

''دیکھ لو، یہ ذرا سی لڑکی تمہارے دوست کو بے بس کر گئی ہے، دل میں آ بسی ہے، سوچ پر چھا گئی ہے اور ایسا اُس نے بالکل اچانک ایک دم سے کیا ہے، مجھے سنبھلنے کی مہلت ہی نہیں دی۔ اب تو میں اسیر ہوں اس کا، یہ بہت پیاری ہو گئی ہے مجھے۔''

''تم واقعی شادی کر لو......میں یہ مشورہ بہت سنجیدگی سے دے رہا ہوں مگر مجھے لگتا ہے، تم نے مذاق سمجھ لیا ہے۔''

اُس نے بات کا جواب دینے کے لئے لب کھولے پھر اس کی نظر سوہا پر پڑی۔ وہ مسز آغا سے جانے کی اجازت لے رہی تھی۔

''اچھا آذر......اب میں چلتا ہوں......'' وہ ایک دم سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ابھی تو تم میری بات کی تائید کر رہے تھے...... اب کیا برا مان گئے ہو......؟''

''نہیں نہیں ...... یہ بات نہیں، میں بس اب گھر جا رہا ہوں...... آج دیر تک بیٹھنے کا موڈ نہیں، آج کل اُلجھنوں میں ہوں خاندانی معاملات میں بری طرح جکڑا ہوں...... اچھا پھر ملاقات ہوگی، میں آؤں گا تمہارے آفس۔''

وہ بہت جلدی میں یہ سب کچھ کہہ کر چل پڑا تھا، اسی انداز میں آغا صاحب سے اجازت لی اور ان کی سنے بغیر خدا حافظ کہہ کر آگے بڑھ گیا۔

گاڑی پارکنگ ایریے سے نکالی...... ابھی گیٹ کراس کیا ہی تھا کہ اسے پیدل جاتی سوہا نظر آگئی۔ گاڑی اُس کے قریب جا کر روکی۔ وہ ایک دم سے پیچھے ہوئی، پھر اس پر نظر پڑی تو گھبراہٹ میں کئی گناہ اضافہ ہوگیا۔

''تم پیدل جا رہی ہو، یقین نہیں آ رہا، ارے کسی سے بھی کہہ دیا ہوتا، تمہاری بات کون ٹھکرا سکتا ہے۔''

''مسٹر...... میں نے تمہارا بہت لحاظ کیا ہے۔'' وہ تپ کر بولی کہ وہ تو جان کو ہی آ گیا تھا۔

''لحاظ تو میں نے کیا ہے، ورنہ بہت سے ایسے مواقع آئے، جب میں تمہیں اٹھا گاڑی میں ڈال سکتا تھا۔'' وہ جو کہہ رہا تھا، سوہا کو اندازہ تھا، کر بھی سکتا ہے، یہ خالی خولی دھمکی نہیں ہے، وہ جھگڑا مول لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس سے مزید اُلجھنے سے بہتر جانا کہ راستے سے ہٹ جائے مگر وہ کچھ اور سوچے بیٹھا تھا ایک بار پھر سامنے آ گیا اور بولا ......

''بھانجی ہوتی ہو ناں یاسمین بیگم کی اور یاسمین بیگم کے ساتھ ہی رہتی ہو، ویسے تمہاری آنٹی گلوکارہ ہی نہیں، بہت بڑی اداکارہ بھی ہے، کیسے صاف جھوٹ بول دیا کہ میں تو یہاں اکیلی رہتی ہوں۔ مگر ہم بہت اچھی طرح جانتے ہیں ایسی عورتوں کو، اُس کے کہے کا اعتبار نہیں کیا اور آخر کار کھوج ہی لیا کہ کہاں رہتی ہو تم...... میرا ملازم پیچھا کرتا رہا ہے تمہارا......''

سوہا اندر سے تو لرز رہی تھی مگر بظاہر کسی کمزوری کا اظہار نہیں کیا، بولی......

''اگر کہا تھا ایسا تو کسی مصلحت کے تحت ہی کہا ہوگا اُنہوں نے۔''

''مصلحت...... ہونہہ! میرے خیال میں اتنی عمر گزر جانے کے باوجود اس اپاہج بڑھیا کو کاروبار کرنا نہیں آیا، اسے ابھی تک گاہک کی پہچان نہیں ہے، منہ مانگی قیمت دینے کو تیار تھا میں۔''

''شٹ اپ مسٹر اردشیر...... اس سے زیادہ بکواس میں برداشت نہیں کرسکوں گی۔ بہت لحاظ کیا ہے میں نے تمہارا...... یہ جانتے ہوئے بھی کہ تم عزت و احترام کے لائق ہرگز نہیں ہو، میں تمہارے ساتھ عزت سے پیش آئی ہوں......'' وہ نہ جانے کیا کچھ کہتی چلی گئی۔

اُس کے الفاظ اردشیر کو طمانچوں کی طرح لگے تھے...... آنکھوں میں چنگاریاں سلگنے لگیں۔ وہ گاڑی سے نیچے اُترا، دانت پر دانت جما کر، بھاگنے کا ارادہ کرتی سوہا کا بازو اپنی مضبوط گرفت میں لے لیا اور اسے گاڑی کی طرف دھکیلا۔

وہ بہت کمزور تھی اُس کے مقابلے میں مگر یہ بھی جانتی تھی، یہ جنگ زندگی کی جنگ ہے، ہار گئی تو جیتے جی مر جائے گی اور وہ مرنا نہیں چاہتی تھی...... مگر مقابل بہت زورآور تھا۔



''اردشیر...... اردشیر......'' کوئی تیزی سے پکارتا ہوا قریب چلا آیا۔ اردشیر کا ہاتھ اُس کے بازو سے ہٹا کر اسے اپنی مہربان پناہ میں لے آیا۔

''یہ کیا کرنے لگے تھے تم......؟'' آذر کی دھیمی آواز میں دُکھ اور بلا کا قہر تھا۔

''آج تم درمیان میں مت آؤ آذر، میں اِس کو اِس کی اوقات یاد دلانا چاہتا ہوں، اسے بتانا چاہتا ہوں کہ یہ کون ہے اور میں کون ہوں۔'' اُس نے غرّا کر کہا اور ایک بار پھر اُس پر جھپٹا، آذر نے بڑی پھرتی سے سوہا کو اپنے پیچھے کرلیا اور بولا تو لہجہ دوستانہ اور کسی حد تک منت بھرا تھا۔

وہ جانتا تھا، اردشیر جیسے ضدی اور سرکش سے مقابلہ کرنا سودمند نہیں ہوسکتا۔

''تم اِس کا خیال دل سے نکال دو، تمہیں اور بہت مل جائیں گی مگر کسی شریف کی آبرو سے مت کھیلو۔''

''بکواس بند کرو آذر، میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتا، خوب جانتا ہوں کتنی آبرومند ہے یہ۔'' اردشیر کی آنکھوں میں شرارے بھرے تھے اور لہجہ پتھر برسا رہا تھا۔

''میری خاطر اردشیر...... اگر تمہیں میرا ذرا سا بھی خیال ہے، تمہارے دل میں اگر دوستی کی کوئی اہمیت ہے تو اسے معاف کردو، اسے جانے دو۔'' آذر نے اس کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔

وہ آذر کے بندھے ہاتھوں کو دیکھ کر ٹھٹکا۔ آذر نے اُس کی ہچکچاہٹ کو دیکھ کر یہی موقع مناسب سمجھتے ہوئے مزید کہا......

''اِس کی خاطر میں تمہارے قدموں میں اپنا سر رکھنے کو بھی تیار ہوں۔''

ہاتھ وہ اب تک جوڑے کھڑا تھا، اردشیر کو ایک دم سے بے بسی کا احساس ہوا۔ اس کی رَگ رَگ میں آگ بھڑکنے لگی...... غصے کی وجہ سے تنفس اتنا تیز تھا کہ کچھ دیر کے لئے اس سے بولا ہی نہیں گیا صرف آذر کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھ دیئے، پھر کہنے لگا......

''تم نے دوست ہو کر میرے ساتھ دُشمنی کی ہے مگر میں تمہاری خاطر اسے چھوڑ رہا ہوں۔''

''بہت شکریہ......'' آذر نے جیسے سکون کی سانس لی۔

سوہا اب تک اس کے پیچھے کھڑی برستی آنکھوں اور لرزتے بدن کے ساتھ یہ ساری کارروائی دیکھ رہی تھی، اردشیر اس کی جانب پلٹا۔

''اگر آج آذر درمیان میں نہ آجاتا تو یاسمین بیگم باقی کی عمر تمہاری یاد میں روتے ہوئے گزار دیتی، قسمت اچھی تھی جو بچ گئی ہو۔''

• • •

دن کے گیارہ بجے اُس کی آنکھ کھلی، ناشتا منگوایا اور ساتھ ساتھ اخبار بھی دیکھتا رہا۔ اس دوران رات کا واقعہ وہ فراموش کر چکا تھا۔ ابھی ناشتا کر رہا تھا کہ گاؤں سے کبریٰ کا فون آ گیا۔ وہ کب اسے فون کیا کرتی تھیں، سو اُس نے پہلا سوال یہی کیا۔

''خیریت تو ہے ناں بڑی ماں......؟''

''ہاں ہاں بالکل خیریت ہے...... تم سناؤ کیسے ہو اور کیا مصروفیات ہیں کہ اتنے دنوں سے گاؤں کا چکر بھی نہیں لگایا۔ میں نے آج پریشان ہو کر فون کیا ہے، تم ٹھیک تو ہو ناں......؟''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اور اسے خیال نہیں آیا کہ پہلے تو کبھی سالوں میں ایک آدھ بار چکر لگایا کرتا تھا، تب بڑی ماں کبھی بھی یوں فکرمند ہو کر فون نہیں کھڑکایا تھا۔ اِن کی محبت پر مسکرا دیا اور بولا......

''بڑی ماں، میں بھی پچھلے تین چار روز سے گاؤں آنے کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔''

''اوہو...... تین چار روز صرف سوچنے میں ہی لگا دیئے، تم بہت وقت ضائع کرتے ہو اردشیر میرے لال سوچو ہی نہیں، عمل بھی کرو، دیکھو یہ وقت بڑا نازک ہے، تمہیں تو ہر لمحے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، ورنہ بڑا نقصان ہوگا، کچھ نہیں بچے گا تمہارے پاس، خالی ہاتھ رہ جاؤ گے۔''

• • •

اردشیر کی ایک دفعہ پھر گاؤں آمد ہوئی، زینت نئے چاولوں کی بوریاں اپنی نگرانی میں رکھوا رہی تھی جب ملازمہ دوڑتی ہوئی باہر کے احاطے سے اندر آئی اور پھولی ہوئی سانسوں کے ساتھ چھوٹے شاہ جی کی آمد کی اطلاع دی۔

اچھا اچھا، تو جلدی دیکھ کے آ، اُن کا کمرہ تو ٹھیک ہے ناں، کہیں گرد نہیں ہونی چاہیئے جلدی جلدی سب چیزیں جھاڑ دے۔''

''صبح میں نے صفائی کی تھی جی......''

''ہاں پتا ہے مجھے، ایک بار پھر دیکھ لے گی تو کیا ہو جائے گا۔'' زینت پر بھی گھبراہٹ سوار تھی...... حالانکہ اُس نے کبھی کچھ ایسا ویسا کہا نہیں تھا مگر شخصیت کا جو رعب پہلی ملاقات میں اُس پر پڑا تھا، اُس کا تاثر اب تک برقرار تھا۔ وہ خود بھی کام کرتی ملازماؤں کی نگرانی چھوڑ کر رہائشی حصے کے گیٹ کی جانب آئی۔

اردشیر گاڑی احاطے میں چھوڑ کر اور ملازموں سے یہ معلوم کر کے کہ شاہ جی گھر پر ہیں یا نہیں، اندر آ رہا تھا۔ ملازموں نے بتایا تھا، شاہ سائیں گھر پر موجود نہیں ہیں...... وہ صبح سے چھوٹی حویلی گئے ہوئے ہیں، واپسی شاید بارہ ایک بجے تک ہوگی۔

رہائشی حصے کا گیٹ کراس کر کے اندر آیا تو سامنے ہی زینت استقبال کو کھڑی تھی، اُس نے سلام میں پہل کی جس کا جواب اردشیر نے چہرے پر دوستانہ مسکراہٹ سجا کر دیا اور بولا......

''سنا ہے آپ کے سرتاج گھر پر نہیں ہیں۔''

''ہاں جی...... وہ صبح منشی کے ساتھ گئے تھے......'' اُس نے جس انداز میں لفظوں پر زور دے کر اور مسکرا کر سرتاج کہا تھا زینت بھی ہنس پڑی تھی۔

''تو کیا انتظار میں صبح سے یہیں کھڑی ہیں......؟'' اسے گیٹ کے قریب پا کر وہ مذاق کے رنگ میں کہہ رہا تھا۔

''نہیں، جی نہیں...... میں تو آپ کی آمد کا سن کر اِدھر آئی تھی۔'' وہ اس کی بات پر جھینپ کر وضاحت کر رہی تھی۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے برآمدے کے سامنے صحن میں بچھائی گئی چارپائیوں تک آئے، اردشیر یہیں بیٹھ گیا اور بولا......

''میرا سامان گاڑی میں رکھا ہے، کسی سے منگوا لیں۔''

''اچھا جی منگوا لیتی ہوں......'' اُس نے ملازمہ کو آواز دے کر سامان لانے کو کہا پھر اس سے بولی......



''آپ اِدھر ہی کیوں بیٹھ گئے......؟ اندر آ جائیں۔''

''نہیں، اس موسم میں دُھوپ اچھی لگتی ہے۔'' اردشیر نے یہ کہتے ہوئے دوسری چارپائی سے بھی تکیہ اُٹھایا۔ اپنے تکیے پر رکھا اور نیم دراز ہو گیا۔

''موسم اب خاصا بدل گیا ہے۔ صبح کے گیارہ بجنے کو ہیں مگر ہوا ٹھنڈی چل رہی ہے، دُھوپ میں تیزی بھی نہیں ہے۔''

''ہاں جی......'' اُس نے مختصراً کہا پھر ذرا توقف کے بعد بولی...... ''ناشتا بنواؤں آپ کے لئے......؟''

اردشیر نے اُس کی بات کا جواب نہیں دیا۔ اُس کی توجہ ان کام کرنے والیوں کی طرف ہو گئی تھی جو باری باری آ کر سلام کرتی تھیں اور پھر یہاں سے واپس جانے کے بجائے کچھ فاصلے پر جا کر کھڑی ہو جاتی تھیں۔

شہری لباس والے خوبرو اپنے چھوٹے شاہ سائیں میں انہیں بڑی دلچسپی محسوس ہوا کرتی تھی۔ وہ گاؤں آتا تو اس کا مزاج، بات کم، ڈانٹ زیادہ والا انداز انہیں اس کے قریب آنے روکتا، دُور دُور سے دیکھا کرتیں اور ہر بات یاد رکھی جاتی اور باقیوں کو بتائی جاتی کہ......

''جتنا سوہنا ہے نخرے بھی اُتنے ہی ہیں...... اُسے کچھ پسند نہیں آتا، ہر بات پر منہ بناتا ہے...... اپنی مرضی کا مالک ہے، کسی کی نہیں سنتا......''

غرض اردشیر کی گاؤں آمد ان لڑکیوں کے لئے خاصی خوشگوار ہوا کرتی تھی۔

ان دنوں جب وہ گاؤں میں ہوتا، تو حویلی میں آ کر کام کرنے والی لڑکیوں کی تعداد اچھی خاصی بڑھ جاتی۔ زینت لاکھ کہتی ضرورت نہیں ہے، تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ مگر وہ سارا سارا دن یہیں برآمدوں میں بیٹھی رہتیں۔

''چائے بنوا دیں...... اور صرف چائے...... ساتھ میں اور کچھ نہیں لوں گا۔'' وہ زینت سے کہہ رہا تھا۔

''گھر کی پنجیری بنی ہوئی ہے...... گاجر کا حلوہ بھی ہے، میں لے آتی ہوں۔''

''نہیں نہیں...... اس وقت صرف چائے۔'' اُس نے منع کر دیا پھر یہاں پر موجود کمیوں کی لڑکیوں کی طرف دیکھ کر بولا......

''او...... تم لوگوں نے کیا میلہ لگا رکھا ہے، کوئی کام وام نہیں ہے کیا، مفت کی روٹیاں توڑنے کو ہو، چلو بھاگو یہاں سے۔''

''ہم تو سلام کرنے آئے تھے جی......'' سانولی سی لڑکی بڑی معصوم شکل بنا کر یہاں آنے کا مقصد بیان کر رہی تھی۔

''تو کر لیا ناں سلام...... اب کیا پیار......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔ اور زینت سے بولا......

''یہ کیا پال رکھی ہیں آپ لوگوں نے......؟''

''منع تو کرتی ہوں کہ اتنا زیادہ کام تو ہوتا نہیں مگر یہ سب اپنے اپنے گھروں کے کام نبٹا کر اِدھر حویلی میں آ جاتی ہیں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



زینت اس کے لئے خود چائے بنا کر لائی۔ وہ آنکھیں بند کئے یہیں صحن میں لیٹا تھا۔

''یہ چائے......'' زینت نے متوجہ کیا۔

اُس نے آنکھیں کھول دیں، جلدی سے اُٹھ بیٹھا اور مسکرا کر بولا......

''آپ نے کیوں تکلیف کی......؟ کسی ملازمہ سے کہہ دیا ہوتا۔''

''نہیں جی، آپ کا کام کر کے تو مجھے خوشی ہوتی ہے۔'' زینت کے لہجے میں اپنائیت اور خلوص تھا، ...متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکا۔

جب زینت اسے چائے پکڑا رہی تھی، تب شاہ جی آ گئے۔ اُسے دیکھ کر ٹھٹکے، ابھی چند روز پہلے ہی تو ہو کر گیا تھا، وہ دل ہی دل میں حیران ہوتے ہوئے آگے بڑھے۔

''السلام علیکم بابا جان......'' ملازم لڑکیوں کے سلام پر چونک کر اُس نے گیٹ کی جانب دیکھا تھا اور کپ میز پر رکھ کر اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔

''تم کب آئے اور میں بہت حیران ہوں، بڑی جلدی جلدی چکر لگانے لگے ہو۔'' ان کے انداز میں خوشی کی کوئی رمق نہیں تھی، بڑا سیدھا سا لہجہ تھا۔

''بس بابا فارغ تھا، سوچا آپ لوگوں سے مل آؤں...... آپ کا گلہ بھی دُور ہو جائے گا، ہمیشہ یہی کہا کرتے تھے ناں کہ گاؤں آیا کرو۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔

''ہاں یاد ہے مجھے...... مگر تم نے آدھی بات یاد رکھی ہے...... اردشیر، میں نے تم سے یہ تو کبھی نہیں کہا تھا کہ گاؤں آؤ اور آ کر حویلی میں بیٹھ جاؤ...... یوں تو تم شہر میں رہو یا گاؤں میں، میرے لئے ایک ہی بات ہے، میں تو تمہیں ہاتھ بٹانے، زمینوں کے معاملات میں دلچسپی لینے کے لئے کہا کرتا تھا۔ ویسے یہ تمہارے بھلے کو کہا تھا، مجھے تو کوئی ضرورت نہیں...... میں بڑے آرام سے یہ سب کچھ خود سنبھال لیتا ہوں۔''

جب سے اُس نے بنا کسی لحاظ کے زمینوں کی منتقلی کی بات کی تھی، وہ اس سے بدگمان تھے، بھروسا نہیں رہا تھا انہیں بیٹے پر...... اور پھر جوان بیوی کے سامنے خود کو کمزور کہتے بھی کس طرح، اندر سے چاہے وہ بھر بھری مٹی کی طرح بیٹھ رہے ہوں مگر بظاہر سر اٹھا کر اکڑ کر چلنا تھا انہیں۔

اردشیر کے ذہن میں فوراً یہ خیال آیا کہ وہ اب جائیداد سے دُور دُور رکھنا چاہ رہے ہیں اُسے، ان کی خواہش ہے کہ وہ ان کی زندگی کا ان ہی کا محتاج رہے، یہ جو تھوڑا بہت اسے دے دیں، صبر شکر کر کے وہ اسی پر گزارا کرے اور خود یہ جیسے جی چاہے لٹاتے رہیں۔

''یہ تو جی جب سے آئے ہیں، آپ ہی کا انتظار کر رہے تھے۔'' زینت نے اچھی میزبان کی طرح مسکراتے ہوئے شاہ جی کو بتایا......

''تو آ جانا تھا [illegible] حویلی...... اتنی دُور تو نہیں ہے اور پھر میں نے کوئی کام تو نہیں سونپ دینا تھا اسے۔'' شاہ جی روکھے انداز میں اتنا کہہ کر آگے بڑھ گئے۔ اُس نے اطراف میں نگاہ دوڑائی۔ شکر ہے اِس وقت کام کرنے والیوں میں سے کوئی یہاں موجود نہ تھی مگر زینت کے سامنے تو اس کی اِنسلٹ ہوئی تھی، وہ اگر عزت دیتی تھی تو اس لئے کہ وہ شاہ جی کا لاڈلا تھا، کیا سوچتی ہوگی وہ......؟

اُسے چائے کڑوی لگنے لگی۔ سارے موڈ کا ستیاناس مار دیا، جی چاہتا تھا چائے کا کپ فرش پر دے



مارے مگر ضبط سے کام لیا۔ زینت اندر چلی گئی۔ اُس نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اور ایک بار پھر نیم دراز ہو گیا۔ ذہن میں شاہ جی کے جملے، ان کا انداز گھوم رہا تھا اور اسے کسی پل چین نہیں آ رہا تھا۔

شاہ جی سے دوبارہ ملاقات دوپہر کے کھانے پر ہوئی۔ وہ ابھی ڈائننگ ٹیبل پر آیا ہی تھا تو بولے......

''اگر تمہیں پیسوں کی ضرورت ہو تو فون کر کے منگوا لیا کرو، بار بار گاؤں آنے کی زحمت کیوں کرتے ہو......؟ یہاں ہے ہی کیا، اُڑتی گرد اور نت نئے مسائل......''

اُس نے اُن کے چہرے کی جانب دیکھا مگر سمجھ نہیں سکا، وہ یہ بات کس موڈ میں کر رہے ہیں، شانے اُچکا کر بولا......

''آخر ایک نہ ایک روز تو مجھے ان مسئلے مسائل سے نبٹنا ہے۔ آج ہی سے کوشش شروع کر دی جائے تو میرا خیال ہے زیادہ کامیاب رہوں گا۔''

زینت پانی کا جگ لے کر آئی تو بولا......

''یہ کام کسی ملازمہ سے کہہ دیں اور آپ ہمارے ساتھ کھانا کھائیں۔''

باپ سے بات کرتے ہوئے لہجہ کیسا روکھا اور لیا دیا تھا مگر اب دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ اسے کہا تھا......

''زینت تم جا کر چائے بناؤ......'' شاہ جی کی آواز غصے کو دباتے دباتے بھی خاص اُونچی ہو گئی۔

وہ ''اچھا جی'' کہہ کر واپس چلی گئی۔ تب اردشیر سے بولے......

''کب تک رہو گے یہاں پر......؟''

''کچھ نہیں کہہ سکتا، شاید صبح واپس چلا جاؤں یا شاید پرسوں جاؤں۔''

''کیا مطلب......؟ کچھ بھی طے کر کے نہیں آئے......؟''

''نہیں بس ایسے ہی چلا آیا...... اور بابا آپ تو بس اب گاؤں کے ہی ہو کر رہ گئے ہیں۔'' اُس نے ماحول پر طاری تناؤ کو کم کرنے کے لئے بات کا رُخ بدلنے کی کوشش کی تھی مگر شاہ جی بری طرح چونکے۔

''کیا تم چاہتے ہو، میں شہر ہی میں رہوں......؟''

''نہیں...... آپ کی مرضی...... آپ یہاں رہیں یا وہاں...... میں نے تو یونہی بات کی تھی......'' وہ حیران ہو کر کہہ رہا تھا۔

کھانا کھا کر وہ اپنے کمرے میں جانے کے بجائے باہر کے احاطے میں چلا گیا۔ کچھ دیر منشی اور دوسرے لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ سہ پہر کے قریب دوبارہ اندر آیا۔ اِس وقت سردی کافی بڑھ گئی تھی۔ کمرے میں ٹھنڈک رچی تھی۔ وہ کچھ ہی دیر اپنے کمرے میں بیٹھ سکا، پھر اُٹھ کر باہر دُھوپ میں آ گیا۔

شاہ جی کا کوئی ملنے والا آیا، وہ بیٹھک میں جانے لگے تو اسے بھی ساتھ چلنے کو کہا۔ اُس نے انکار کر دیا اور تکیہ سیٹ کر کے لیٹ گیا۔

زینت کمرے میں ہی تھی، جب وہ کسی کام سے باہر آئی تو سورج ڈھل چکا تھا۔ ہوا سرد اور تیز تھی۔ اُس نے اردشیر کو ایسے موسم میں، صحن میں بغیر بستر کے چارپائی پر لیٹے ہوئے دیکھا تو اپنا کام بھول کر اِدھر آ گئی۔ آنکھوں پر دایاں بازو رکھے وہ دائیں کروٹ لیٹا تھا اور یقیناً سو گیا تھا۔ پہلے سوچا جگائے اور [illegible]

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



چلنے کو کہے پھر کچھ سوچ کر ارادہ ترک کر دیا۔ اندر گئی اور کمبل اُٹھا لائی، کھولا، اوڑھانے لگی پھر رُک گئی۔

نظر سوئے ہوئے اردشیر کے سراپے سے اُلجھ کر رہ گئی، مضبوط، توانا بھرپور مرد، سرد موسم تھا مگر اُس نے گرم کپڑا نہیں پہنا، ایک شرٹ پہن رکھی تھی۔ مضبوط شانے، خوبرو چہرہ، جب جاگ رہا ہوتا تھا تو کب اتنے غور سے دیکھا تھا، تب اس کے چہرے کی رعونت، آنکھوں کی لالی مقابل کو ایسا موقع ہی کب دیتی تھی...... مگر سویا ہوا کتنا بے ضرر کتنا معصوم دکھائی دیتا تھا۔

وہ ستائش بھرے انداز میں بغور اسے دیکھ رہی تھی۔ نہیں جانتی تھی آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹا اردشیر بھی اسے دیکھ رہا ہے، اُس نے آنکھوں سے بازو ہٹایا اور ایک دم سے اُٹھ بیٹھا، زینت کی حالت تو چور جیسی ہوگئی، وہ گھبرا کر پیچھے ہٹی۔

اُس نے ہاتھ بڑھا کر کمبل کا ایک سرا پکڑ لیا...... اور ہنس پڑا، نادم سی زینت نے پلکیں اُٹھائیں۔

”شاہ جی......“ گیٹ پر کھڑے شاہ جی کو دیکھ کر اُس نے کہا......

اردشیر نے بھی پلٹ کر دیکھا...... وہ گیٹ کے قریب کھڑے تھے، چہرے پر بلا کی سنجیدگی اور آنکھوں میں اتنی ہی ٹھنڈک تھی۔

”آپ کب آئے بابا......؟“

شاہ جی چونکے۔

اُس کا ذہن و دل صاف تھا، سو انداز بھی گھبراہٹ سے پاک تھا اور ایسا ہی اطمینان زینت کے چہرے پر بھی تھا......

مگر انہوں نے ان کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور ایک بار پھر باہر چلے گئے۔

• • •



یہ روڈ اس وقت تک سنسان ہو جایا کرتی تھی کہ اس ایریے میں فلیٹ ہی فلیٹ واقع تھے، کوئی شاپنگ پلازہ یا مارکیٹ قریب نہیں تھی، جو حادثہ پیش آیا، یہ تو سان و گمان میں بھی نہ تھا۔ رات کے بارہ بجنے کو تھے۔ کبیر حسن خود گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے گھر واپس آ رہے تھے۔ وہ اپنے ایک دوست کے گھر گئے تھے۔ باتوں باتوں میں وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا اور انہیں اتنا ٹائم ہو گیا۔

دُور سے انہوں نے یہی دیکھا کہ ایک کار سڑک کے کنارے کھڑی ہے اور توجہ نہیں دی مگر ان کے قریب آنے تک وہ گاڑی روڈ کے عین درمیان میں آ کر راستہ بلاک کر چکی تھی۔ وہ تین لڑکے تھے۔ چہرے سیاہ نقاب سے ڈھانپ رکھے تھے۔ ہاتھوں میں اسلحہ لئے وہ ان کی گاڑی کو گھیرے کھڑے تھے۔ گاڑی کی چابی کے ساتھ ان کے پاس جو کچھ تھا، وہ سب ان کے حوالے کرنے کا مطالبہ ہوا۔ انہوں نے مزاحمت کی تو تشدد پر اُتر آئے...... اور تشدد بھی اچھا خاصا......

انہیں نیم بے ہوشی کی حالت میں چھوڑ کر وہ کامیاب واردات کے بعد فرار ہو گئے۔

کبیر حسن کافی دیر کے بعد اس قابل ہوئے کہ چند قدم چل کر ان فلیٹوں کی جانب جائیں اور کسی سے مدد کی درخواست کریں۔ بدن بری طرح دُکھ رہا تھا اور آنکھوں کے آگے بار بار اندھیرا اچھا جاتا تھا۔

کسی نہ کسی طرح خود کو گھسیٹتے وہ ان رہائشی مکانوں کی جانب آئے اور ایک گھر کی بیل پر اُنگلی رکھ دی۔ دروازہ جلدی کھل گیا...... اور دروازہ کھولنے والی لڑکی ایک اجنبی کو دیکھ کر جس کی حالت خاصی ابتر تھی، گھبرا گئی...... اور پیچھے ہٹی، اُس کے لبوں سے بے ساختہ چیخ نکل گئی۔ کچھ دیر وہ اسی ڈرے ڈرے انداز میں انہیں دیکھتی رہی پھر بولی......

”کون ہیں آپ......؟“

ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں انہوں نے بپتا سنا دی اور ہیلپ کی درخواست کی۔

”اچھا آپ اندر آ جایئے......“ وہ ہمدردی سے کہہ رہی تھی۔

انہوں نے اندر قدم رکھا تو ساری ہمتیں جواب دے گئیں۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ لڑکی اُن کے قریب بیٹھ گئی اور ملازمہ کو پکارنے لگی۔

جب وہ دوبارہ ہوش میں آئے تو صبح کی اذان ہو رہی تھی۔ وہ مہربان لڑکی کرسی پر بیٹھے بیٹھے سو گئی تھی۔ ایک عورت جو حلیے سے ملازمہ لگ رہی تھی، بیٹھی اونگھ رہی تھی۔

پہلے پہل تو یہی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں ہیں، وہ سوچنے لگے اور پھر سب کچھ یاد آ گیا۔ وہ اُٹھ بیٹھے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اور اپنی اس پیاری سی محسنہ کو جگانے کے بارے میں سوچا مگر کیا نام ہے اس نیک دل لڑکی کا، وہ تو واقف ہی نہیں تھے۔

''بیٹی......'' انہوں نے بڑے نرم لہجے میں پیار سے پکارا۔

پہلی ہی آواز پر اُس لڑکی نے آنکھیں کھول دیں۔ پلکیں جھپک جھپک کر ان کی جانب دیکھنے لگی۔ پھر وہ بولی...... ''کیا آپ نے مجھے بلایا تھا سر......؟''

انہوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''کیا کہہ کر بلایا تھا......؟'' اُس کے انداز میں بے تابی تھی۔

''بیٹی کہا تھا میں نے......'' وہ مسکرائے۔

''بیٹی......'' اُس کے لب تھرتھرائے وہ کرسی سے اُٹھی اور اُن کے پاس بیڈ پر آ بیٹھی۔ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بولی......

''پلیز ایک بار پھر کہئے...... کہتے ہی رہئے۔'' اُس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

♦ ♦ ♦

اردشیر نے اُس روز کسی پریشانی کا ذکر کیا تھا اور رائحہ اپنے گھر کے حالات کی وجہ سے گھبرائی ہوئی تھی۔ اس سے پوچھا ہی نہیں، تسلی ہی نہیں دی اُسے...... مگر اب اپنی پریشانی بھول کر صرف اُس کے بارے میں سوچتی رہی تھی۔

''انہوں نے اُس روز ایسی باتیں کیوں کیں۔ وہ ایسا کیوں کہہ رہے تھے کہ اُن کے ساتھ کوئی حادثہ ہونے والا ہے...... خدا کبھی نہ کرے کہ ان کے ساتھ کوئی حادثہ پیش آئے۔ وہ ہمیشہ خوش رہیں۔'' رائحہ گھبرا کر اُس کے لئے دُعائیں کرنے لگتی تھی مگر چین اسے کسی پل نہیں تھا۔ سوچتی...... ''وہ اب بھی اُداس ہوں گے۔ کہہ رہے تھے میں تنہائی محسوس کرنے لگا ہوں۔ کیا وہ اکیلے ہیں......؟ ان کا کوئی نہیں......؟ مگر سب تو ہیں، انہوں نے ایک بار ذکر تو کیا تھا...... اُس گھر میں شاید وہ اکیلے رہتے ہیں۔

میں جب اُن کے گھر گئی تھی تو صرف ان ہی سے ملاقات ہوئی تھی اور ان کی باتوں سے بھی ایسا ہی انداز ہو رہا تھا۔ میں تو اُن کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ میں نے اُن سے کبھی پوچھا ہی نہیں اور اپنی پریشانی تو جھٹ سے انہیں کہہ دی تھی۔ اب پتا نہیں کب ملوں گی اُن سے۔ خدا کرے اب جب بھی ملاقات ہو ان کی ساری پریشانیاں دُور ہو چکی ہوں...... آج کل تو پپا کی بیماری کی وجہ سے کالج بھی کم کم ہی جاتی ہوں۔''

کبیر حسن اُس روز والے حادثے کے بعد کچھ بیمار تھے۔ انہیں ٹمپریچر بھی تھا اور کچھ خوفزدہ بھی تھے...... رائحہ تو بیٹی تھی وہ تو اب مزیب کو بھی پوری طرح پوچھ گچھ کے بعد ہی گھر سے باہر جانے دیتے تھے۔ اگر بتائے ہوئے وقت سے لیٹ ہو جاتا تو انہیں فکر ہونے لگتی تھی۔

جویریہ اور رائحہ تو اُن کی دیکھ بھال کرتی ہی تھیں۔ واجدہ اور مہناز بھی آ جاتیں جبکہ نزہت بہت کم آتی تھی۔ وہ بھی صرف چند منٹ کے لئے اور یہ آنا بھی واجدہ کی ڈانٹ پر ہی ہوتا تھا۔ نزہت کا کہنا تھا...... ''مہناز کو تو اپنا مطلب ہے، میں وہاں جا کر خواہ مخواہ ٹائم ضائع کیوں کروں...... اور یوں بھی ماموں جان تو مجھ سے ناراض ہیں۔''



رائحہ کالج آئی اور اُس روز کلاس اٹینڈ کرنے کے بجائے نورین کو تلاش کرنے لگی۔ وہ اپنے گروپ کے ساتھ اسے آفس کی سیڑھیوں پر مل گئی۔ رائحہ نے اشارا کیا تو اپنے گروپ سے معذرت کرتی، اُس کے پاس چلی آئی...... اور آتے ہی بولی......

''دو روز کے بعد کالج آ رہی ہو، خیریت تو رہی ناں......؟''

''میرے پپا کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا......''

''اوہ...... اچھا تم مجھے فون پر اطلاع ہی دے دیتیں...... میں آؤں گی تمہارے گھر......؟''

''کیا پپا کو دیکھنے......؟''

رائحہ نے پوچھا تو اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

رائحہ نے کہا...... ''اِس خیال کو ترک کر دو تو اچھا ہے...... میرے پپا کچھ اور ہی مزاج کے مالک ہیں، اُن کا کچھ پتا نہیں چلتا...... کبھی تو بہت اچھی طرح ملیں گے اور کبھی بات بھی کرنا پسند نہیں کریں گے۔''

''آج پیریڈ نہیں لیا تم نے......؟'' نورین نے اس کی بات کا برا نہیں منایا اور پوچھا۔

جواب میں رائحہ نے نفی میں سر ہلایا اور بولی......

''آج دل نہیں چاہ رہا...... میں تو صرف تم سے ملنے چلی آئی ہوں اور تم نے بھی پیریڈ نہیں لیا......؟''

''میرا تو اکثر موڈ نہیں ہوتا......'' نورین نے ہنس کر کہا۔ پھر اُس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے بولی......

''آؤ ذرا کالج کا ایک چکر لگائیں...... دیکھو موسم بھی کتنا اچھا ہو رہا ہے۔''

''شاہ صاحب کی طرف گئی تھیں......؟'' رائحہ نے نظر چرا کر آہستگی سے کہا۔

''شاہ صاحب......'' وہ صاحب، پر زور دے کر ہنس پڑی۔ ''تمہیں آج شاہ صاحب کیسے یاد آ گئے محترمہ......؟''

رائحہ نے اس کے مذاق کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ پوری سنجیدگی سے بولی......

''اُس روز جب تم مجھے ان کے گھر لے کر گئی تھیں تو وہ بہت اُلجھے اُلجھے سے تھے۔''

''مجھے تو لگتا ہے، وہ تمہیں دیکھ کر اُلجھ جاتا ہے۔'' نورین پر وہی موڈ طاری تھا۔

''کیا مطلب......؟'' رائحہ نے اس کی طرف دیکھا۔

''کوئی مطلب نہیں ہے یار، میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' نورین نے بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے اس کی عقل کا ماتم کرتے ہوئے کہا۔ پھر ذرا توقف کے بعد پوچھنے لگی......

''کیا کہہ رہی تھیں تم، شاہ کچھ اپ سیٹ ہے۔''

''ہاں اُن کی باتوں سے یہی ظاہر ہو رہا تھا۔''

''تو کیا خیال ہے، چلیں اُس کی طرف......؟''

''تمہارا مطلب ہے اُن کے گھر...... نہیں نہیں نورین، یہ کسی طور پر بھی مناسب نہیں۔'' رائحہ اُس سے ملنا تو چاہ رہی تھی مگر اس کے گھر جانا نہیں چاہتی تھی۔

''اچھا پھر آج میرے گھر چلو۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''یہ بھی ممکن نہیں، میرے پپا آج کل گھر پر ہی ہوتے ہیں، میں لیٹ ہوگئی تو زبردست ڈانٹ پڑ سکتی ہے مجھے۔''

''اوہو...... ایک تو تم پر پابندی بہت ہے، کالج میں پڑھائی تو آج کل ہو نہیں رہی۔ ابھی چلتے ہیں۔''

''اچھا کل میں مما سے اجازت لے لوں گی پھر تمہارے ہاں چلوں گی۔''

اب اُس نے خود کل کے لئے ہامی بھر لی تھی تو نورین نے بھی آج کے لئے اصرار نہیں کیا۔

اردشیر کا دل بھی آج اُس سے ملنے کو چاہ رہا تھا...... سوچا کالج سے اسے اور نورین کو پک کرلے گا...... نورین کے گھر میں ہی بیٹھ کر باتیں ہوں گی۔ وہ کالج ٹائم ہونے سے چند منٹ پہلے ہی پہنچا تھا اور آفس میں جا کر میڈم سے ملنے کے بجائے یہیں گیٹ سے تھوڑے فاصلے پر گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا آتی جاتی لڑکیوں کو دیکھ رہا تھا۔ رائحہ ابھی تک دکھائی نہیں دی تھی۔

نورین گھر جانے کے ارادے سے گاڑی لے کر باہر آگئی۔ اردشیر پر نگاہ پڑی تو اس کے قریب چلی آئی۔

''خوب جانتی ہوں شاہ، کس کے لئے آئے ہو اور تمہارے لئے اطلاع یہ ہے کہ کل وہ میرے ہاں آئے گی، تم بھی آجانا...... آج تو اُسے لازمی اپنے گھر جانا ہے، والد گھر پر ہیں ناں اُن کے۔''

''میں اُسے کہیں ساتھ لے جانے کے ارادے سے نہیں آیا، صرف ملنا چاہتا ہوں۔''

''بہتر ہے آج میرے ساتھ چلو، لنچ اکٹھے کریں گے۔''

''نہیں، آج نہیں۔'' وہ رائحہ سے ملے بغیر جانا نہیں چاہ رہا تھا، نورین کو صاف انکار کردیا۔

مزید دس منٹ بعد جب وہ اس انتظار سے اچھا خاصا بور ہو چکا تھا۔ اُس نے سفید گاڑی میں مزیب کو دیکھا، وہ یقیناً کسی کو لینے آیا تھا۔ یہ تو وہی لڑکا ہے جسے میں سوہا کے ساتھ کئی مرتبہ دیکھ چکا ہوں...... اور جس روز سوہا کا پیچھا کر کے اس کے گھر کا پتا لگایا تھا، تب بھی یہ اس کے ساتھ تھا۔

وہ اب گیٹ کے بجائے مزیب کو دیکھ رہا تھا جبکہ مزیب اس بات سے قطعی بے خبر بہن کا انتظار کر رہا تھا۔ ذرا دیر بعد رائحہ گیٹ سے باہر آئی، اِدھر اُدھر دیکھے بغیر وہ مزیب کی گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر بیٹھی اور چلی گئی۔

''رائحہ اور اس لڑکے کے ساتھ......'' اُسے کوفت نے آن گھیرا۔ ''اتنی دیر انتظار میں کھڑا رہا اور وہ دیکھے بغیر چلی گئی...... یہ لڑکا کون ہے، کیا تعلق ہے اس کا رائحہ کے ساتھ۔''

رائحہ جس قسم کی لڑکی تھی، وہ کوئی غلط بات نہیں سوچ سکتا تھا۔ بس یہی اُلجھن تھی کہ مزیب کون ہے اُس کا بھائی یا کزن...... جو بھی ہو، یہ اچھا نہیں ہوا۔

اسے سوہا کے ساتھ اپنا سلوک یاد آگیا۔ اگر یہ لڑکا واقعی سوہا کے ساتھ سیریس ہے تو پھر...... محبت انسان کو قدم قدم پھونک کر رکھنا سکھا دیتی ہے۔ دھڑکا سا ہی لگا رہتا ہے۔ کہیں من کا میت بچھڑ نہ جائے۔ یہی حال اس وقت اردشیر کا تھا۔ وہ جب یہاں سے واپس آیا تو اچھا خاصا اَپ سیٹ تھا۔ ملازم نے کھانے کے بارے میں پوچھا تو بھی اس نے منع کردیا۔ کچھ سوچ کر نورین کا نمبر ملایا تو پتا چلا وہ گھر پر نہیں ہے۔ نورین کو ضرور پتا ہوگا۔ وہ تو اس کے سب گھر والوں کو جانتی ہے مگر اس سے بات نہیں ہوسکی۔



مزید جھلاہٹ سوار ہونے لگی۔

• • •

جمشید شاہ شہر آئے ہوئے تھے۔ بیٹے کی طرف سے دل میں بدگمانی سر اُٹھا چکی تھی۔ انہوں نے بیٹے سے ملنے سے پہلے اس کے دوست آذر سے ملنا ضروری سمجھا اور وہ اس وقت اسی کے آفس میں موجود تھے ...ئے کے ساتھ ساتھ اِدھر اُدھر کی باتیں بھی ہو رہی تھیں۔

''اردشیر آج کل کیا کر رہا ہے......؟'' آخر کار وہ اصل موضوع پر آ ہی گئے۔

آذر سنجیدہ ہوگیا اور بولا۔ ''معاف کیجئے گا انکل، آپ نے بیٹے کو لاڈ پیار میں اچھا خاصا بگاڑ دیا ...وہ اب کچھ نہیں کرسکتا اور خدا کا فضل ہے اُس پر، اُسے کچھ کرنے کی ضرورت بھی کہاں ہے۔'' آذر ...لہجے میں ہلکی سی تلخی گھل گئی تھی۔

''وہ شہر میں کوئی نئی کوٹھی بنوا رہا ہے......؟'' انہوں نے پوچھا۔

''نہیں تو...... یہ آپ سے کس نے کہا......؟'' آذر کو حیرت ہوئی۔

شاہ جی سانس کھینچ کر ذرا دیر کو چپ ہوگئے...... اور پھر بتانے لگے۔

''وہ مجھ سے بڑی بڑی رقمیں اِدھر اُدھر کے بہانے بنا کر لے چکا ہے، آذر بیٹا، تمہارا تو وہ دوست ...تم ہی سمجھاؤ اسے۔'' اُن کے انداز میں التجا تھی۔

''سمجھنے سمجھانے کا وقت تو اب گزر چکا ہے...... وہ بہت آگے بڑھ گیا ہے۔ ہاں آپ تو اس کے ...ہیں۔ آپ کا لحاظ ہوگا، آپ کی بات سن لے گا۔ آپ کوشش کر دیکھئے۔ ممکن ہے کچھ سنبھل ہی جائے۔ ...اَپ بڑی بیگم صاحبہ سے بات کریں۔ اردشیر کو ان سے نہ صرف محبت ہے بلکہ وہ ان کا احترام بھی بہت ...تا ہے، بہت مانتا ہے وہ انہیں۔''

''بیٹا...... بڑی بیگم سے میں کیا بات کروں کہ سچ تو یہ ہے کہ بے جا لاڈ پیار سب سے زیادہ دیا بھی ...نے ہے۔ اُسی نے ''میرا شہزادہ بیٹا'' کہہ کہہ کر اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔'' آج شاہ جی بیٹے کے ...جس انداز میں بات کر رہے تھے، اس سے پہلے کبھی نہیں کی تھی۔

''انکل، اردشیر کی وجہ سے تو میں بھی بہت پریشان ہوں، وہ میرا دوست ہے مگر میں اس نتیجے پر پہنچا ...کہ جب کوئی بات اس کے دل میں سما جاتی ہے تو پھر اُسے کچھ بھی سجھائی نہیں دیتا۔''

''کیا ہوا پتر......؟ لڑائی کی ہے اُس نے تمہارے ساتھ......؟'' شاہ نے فکرمندی سے پوچھا کہ ...شیر سے کچھ بھی بعید نہیں تھا۔

''ایک لڑکی ہے سوہا، میرے پڑوس میں رہتی تھی، ہماری فیملی سے بہت اچھے تعلقات تھے ان ...کے، میرے لئے تو وہ بہنوں کی طرح ہے...... اور یہ بات میں نے اردشیر کو بہت پہلے سمجھا دی تھی مگر ...نے خیال نہیں کیا......''

آذر نے اردشیر اور سوہا والی بات انہیں تفصیل سے سنا دی پھر کہنے لگا۔

''اور اب مجھے اُس کی جانب سے دھڑکا لگا ہوا ہے، میرے بندھے ہاتھوں کا اُس وقت تو لحاظ کر لیا ...وہ ضد کا پکا ہے، ہٹے گا نہیں اِس بات سے۔''

شاہ جی کی پریشانی قابلِ دید تھی، جب بولے تو اُن کی آواز میں ہلکی سی لرزش تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''یہ جان کر بھی کہ وہ تمہارے لئے بہنوں کی طرح ہے، پھر بھی......''

''کہاں ناں انکل، جب کوئی بات اس کے دل میں سما جاتی ہے تو پھر اسے کچھ سجھائی دیتا''

شاہ جی کا ذہن کہیں اور ہی گم تھا۔ اردشیر کا بار بار گاؤں آنا، زینت سے اتنا اچھا رویہ، اور جب وہ گھر میں داخل ہوئے تھے، اردشیر اور زینت کسی بات پر ہنس رہے تھے، اُن کے آتے یہ خاموش ہو گئے تھے۔

''آخر یہ بات پہلے میری سمجھ میں کیوں نہیں آئی...... نہیں میں سمجھ تو گیا تھا مگر قبول کرنے میں ہچکچاہٹ تھی۔ میں اردشیر سے کسی ایسی گھٹیا حرکت کی توقع نہیں کر سکتا تھا۔''

انہیں پسینہ آ گیا۔ کپ میز پر رکھ کر ایک دم ہی اُٹھ کھڑے ہوئے۔ آذر نے بیٹھنے کو کہا تو ''پھر آؤں گا'' کہہ کر آفس سے چلے آئے۔ گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور سے اردشیر کے ہاں چلنے کو کہا۔

تمام راستہ ان کے ذہن پر اردشیر اور زینت سوار رہے۔ ''پہلے پہل میں نے صاف محسوس کیا تھا، اس شادی پر خوش نہیں ہے مگر بعد میں زینت سے اُس کا رویہ بے حد دوستانہ ہوتا گیا اور سب سے آخری منظر اس مرتبہ جب وہ گاؤں آیا تھا، جب میں نے کہا تھا آؤ میرے ساتھ باہر چلو تو صاف انکار کر دیا تھا۔ جب میں ذرا دیر کے بعد گھر واپس آ گیا تو زینت چادر پکڑے اُس کی چارپائی کے پاس کھڑی تھی۔''

''شاہ جی، اب تو چھوٹے سرکار گاؤں آنے لگے ہیں۔ پہلے تو آنے کا نام ہی نہیں لیتے تھے'' ڈرائیور کی آواز ہتھوڑے کی طرح اُن کے سر پر پڑی۔

وہ اُس کی بات کا جواب نہیں دے سکے۔ آنکھیں موندے بیک سے ٹیک لگائے بیٹھے رہے یہاں تک کہ اردشیر کا گھر آ گیا۔ وہ چاہ رہے تھے کہ بیٹا اس وقت گھر پر نہ ہوتا کہ وہ اپنی کیفیت پر قابو پا سکیں مگر وہ گھر پر ہی تھا۔ ان کی آمد کا سن کر استقبال کو آیا مگر طنزیہ انداز میں بولا......

''اچھا تو آج آپ بھی گاؤں سے نکل ہی آئے۔''

''اُنہوں نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ دونوں ساتھ ساتھ چلتے سٹنگ روم میں آئے۔

''کیسے ہیں آپ......؟ اور آپ کی چھوٹی بیگم کا کیا حال ہے......؟''

انہیں لگا کہ ان کا حال تو یونہی پوچھ لیا ہے اصل مطلب تو اسے زینت سے ہے۔ انہوں نے گھور کر اسے دیکھا اور تلخی سے بولے......

''میری بیوی تمہاری کچھ نہیں لگتی......؟''

''کم آن بابا جان...... کیوں تماشا بنواتے ہیں آپ ہمیں، اب میں اسے ماں کہتے ہوئے اچھا لگتا ہوں کیا......؟''

''تماشا میں نہیں تم بنا رہے ہو اردشیر شاہ، جو رشتہ ہے اسے پہچانو، قبول بھی کرو ورنہ اچھا نہیں ہو گا تمہارے لئے......'' وہ پھٹ پڑے۔

اتنا تلخ لہجہ، وہ حیران ہوا...... ان کے چہرے کی جانب دیکھتا ہوا نشست سے اُٹھ کھڑا ہوا گہری سنجیدگی اور اکھڑ پن سے بولا......

''کیا اچھا نہیں ہو گا، کھل کر کہیں جو کہنا چاہتے ہیں...... اس عمر میں شادی آپ نے کی، ایک عورت کو گھر آپ لائے، مزارع کی بیٹی کو بیوی آپ نے بنایا، اس پر روپیہ آپ نے لٹایا...... اور قصور سارے میرے ہو گئے۔ واہ جواب نہیں اور اب ضد یہ کہ میں اسے ماں بھی کہوں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر سنجیدہ ہو گیا اور بولا......



''میری جگہ خود کو رکھ کر سوچئے تا کہ محسوس کر سکیں کہ یہ بات کس قدر مضحکہ خیز ہے۔''

''اچھا......'' انہوں نے دانت پیس کر اس کی جانب دیکھا اور بولے...... ''پھر...... تم کیا کہنا چاہتے ہو اُسے......؟'' اُن کے لہجے میں گہرا طنز اور آنکھوں میں جیسے خون اُتر آیا تھا۔

''یہی کہ وہ صرف آپ کی بیوی ہے۔'' شاہ جی کے مقابلے میں اردشیر کا انداز خاصا دھیما تھا، وہ حیران تھا کہ آج باپ کو اس قدر غصہ کیوں آ رہا ہے......؟ اور اتنی ضد کیوں کر رہے ہیں وہ۔

''نہیں نہیں اردشیر...... جھوٹ مت بولو، تم نے اس رشتے کو کبھی قبول ہی نہیں کیا۔'' انہوں نے ڈپٹ کر کہا۔

''آپ صاف کہیے میں آپ کو اچھا نہیں لگتا...... میرا گاؤں آنا آپ پسند نہیں کرتے۔'' وہ تو اس لحاظ سے کہہ رہا تھا کہ گاؤں جاتا تھا تو رقم مانگتا تھا، جو شک بابا اس پر کر رہا تھا، وہ تو سان و گمان میں بھی نہ تھا اُس کے۔

''یہ سب تمہارے ذہن کی اختراع ہے...... ہونہہ! وہ بیٹا جسے میں نے اتنے پیار سے پالا تھا، جس کی خاطر دُنیا بھلا دی تھی، آج وہ میری محبت پر شک کر رہا ہے اور تم کہتے ہو زینت مزارع کی بیٹی ہے تو تمہاری ماں کہاں کی ملکہ تھی۔''

''میری ماں کی بات مت کرنا بابا......'' اب کے اردشیر کا لہجہ اور انداز سرکش ہوا۔ ''وہ غیر سیّد ضرور تھی مگر ایک معزز خاندان سے تھی، تعلیم یافتہ لوگ ہیں، میری ننھیال دولت مند نہیں مگر باعزت ضرور ہے، آپ میری مری ہوئی ماں کو بیچ میں مت لائیں۔ بات کو دُوسرا رُخ مت دیں۔ بات تو آپ کی محبتوں کی ہے، بیٹا ہوں آپ کا، جائیداد پر حق ہے میرا...... مگر ذرا سا بھی مانگ لوں تو حساب ہونے لگتا ہے۔''

مارے غصے کے انہوں نے چیک بک نکالی اور اس کے سامنے پھینک دی۔

''جتنی رقم درکار ہے ناں تمہیں، وہ لکھ دو، میں سائن کر دیتا ہوں اور کان کھول کر سن لو، تمہیں اب گاؤں آنے کی ضرورت نہیں۔''

(اب سب کچھ بیوی کے لئے ہے) اس خیال نے اردشیر کے سارے جسم پر ڈنک مارا۔ اُس نے چیک بک پر پاؤں رکھا اور وہاں سے چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد شاہ جی بھی وہاں سے آ گئے۔

اردشیر نے کبریٰ خاتون کو فون کیا اور ساری تفصیل سے آگاہ کرنے کے بعد بولا......

''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، میرا باپ اس حد تک بدل جائے گا۔ آپ تو کہتی ہیں انہیں بیٹے کی بڑی چاہ تھی، بڑی مرادوں کے بعد میں اس دُنیا میں آیا تھا...... یہ کیسی چاہ تھی بڑی ماں کہ ایک عورت کے آتے ہی انہیں بیٹے کا وجود کھٹکنے لگا ہے۔''

''تم بھی تو زیادتی کر جاتے ہو اردشیر، دیکھو ناں اب وہ بوڑھے ہو گئے ہیں، برداشت کم ہو گئی ہے ان میں، تم اِن کے سامنے سر اُٹھاتے ہو تو انہیں اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"میں نے کچھ نہیں کہا، کوئی ایسی ویسی بات نہیں کی۔ سارا قصور ان کا ہے، کیا میں نے مشورہ دیا تھا زینت سے شادی کا......؟" وہ اچانک گرم ہو کر بولا......

"اچھا اچھا......تم کیوں پریشان ہو رہے ہو خواہ مخواہ میں، گھروں میں جھگڑے تو ہوتے ہی رہتے ہیں۔ انہوں نے جو کچھ کہا، کوئی اہمیت مت دو، تم گاؤں ضرور جاؤ اور جا کر حویلی ہی میں ٹھہرو، ان کے ساتھ اسی انداز میں ملو جیسے کہ پہلے ملتے تھے۔"

"ناممکن......" اُس نے قطعیت سے کہا۔

"اپنا ہی نقصان کرو گے......دیکھو جب تک جائیداد تمہارے ہاتھ میں نہیں آتی ہے، تمہیں بڑے ضبط سے کام لینا ہوگا۔"

"وہ میری صورت دیکھنے کے روادار نہیں، آپ مشورے دے رہی ہیں۔"

"یہی تو غلط فہمی ہے تمہاری، باپ اگر بچوں کو کبھی غصے میں ڈانٹ دے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ ان کا دشمن بن گیا ہے، تم گاؤں جاؤ، زینت سے ملو، دیکھو کہ شاہ جی کی تم سے ناراضگی کے بعد اس کا کیا رویہ ہے تمہارے ساتھ......میرا خیال ہے وہ اچھی عورت ہے، باپ بیٹے کے جھگڑے میں اُس کا کوئی قصور نہیں ہوگا......مگر پھر بھی اپنے اندازوں سے زیادہ ضروری یہ ہے اس سے مل کر ہی کوئی رائے قائم کی جائے......تم شاہ جی سے بھی معافی مانگ لو تو اچھا ہے۔"

"معافی کس بات پر، قصور میرا نہیں ہے، میں ہرگز معافی نہیں مانگوں گا۔" اُس نے صاف انکار کر دیا۔

"ہاں ہاں، بے شک منہ سے مت کہنا مگر رویے سے تو ظاہر کر سکتے ہو کہ تم شرمندہ ہو۔"

"میں شرمندہ نہیں ہوں......"

"اچھا چلو رویے سے بھی ظاہر مت کرنا مگر وہاں جاؤ ضرور اور سنو ذرا صبر اور ضبط سے کام لینا۔"

"ٹھیک ہے چلا جاؤں گا۔" نہ چاہتے ہوئے بھی وہ انہیں انکار نہ کر سکا۔

• • •

"میں تمہارے کالج آیا تھا تم سے ملنے کے لئے، کتنی دیر مجھے انتظار کرنا پڑا۔"

"اچھا، پھر ملے کیوں نہیں......؟" رائحہ نے حیرت سے پوچھا۔

"کیسے ملتا، میرے دیکھتے ہی دیکھتے تم ایک لڑکے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر ہوا ہو گئیں۔ ویسے کون تھا وہ لڑکا......؟" وہ اصل میں تو یہی پوچھنا چاہتا تھا۔

"ہاں، بھیا لینے آئے تھے مجھے۔"

"اچھا تو وہ تمہارا بھائی ہے۔" اردشیر کی پیشانی پر تفکر کی لکیریں اُبھریں۔

"ہاں وہ میرے، بہت پیارے بھائی ہیں مزیب......مزیب حسن نام ہے اُن کا۔"

"تمہیں پتا ہے رائحہ، وہ سوہا نامی ایک لڑکی میں انٹرسٹڈ ہے۔"

"اچھا......مگر آپ کو کیسے پتا چلا......؟" اُس نے حیرت سے کہا۔

"سوہا نامی وہ لڑکی گلوکارہ یاسمین بیگم کی بھانجی ہے، میں نے تمہارے بھائی کو کئی بار اس لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔"



"اچھا......مگر بھائی نے گھر میں تو کبھی اُس کا ذکر نہیں کیا۔"

"تو پھر بہت ممکن ہے اُن کی دوستی اس حد تک نہ ہو جیسا کہ میں سمجھ رہا ہوں۔" اردشیر کو قرار سا

"بھیا کی زیادہ بات چیت مما کے ساتھ ہوئی ہے، ممکن ہے انہیں بتایا ہو۔"

"رائحہ! اُس لڑکی کے ساتھ میری کچھ اَن بن ہے۔ بس یوں سمجھو وہ اس کلاس کی لڑکی ہو کر خود کو سمجھتی ہے اور اس وجہ سے میں اُسے پسند نہیں کرتا......اچھا خیر چھوڑو، اس ذکر کو......یہ ہم کیا باتیں لے بیٹھے......" کچھ کہتے کہتے اُس نے خود ہی بات اُدھوری چھوڑ دی......اور بولا......

"تم نے اپنے گھر میں ذکر تو کیا ہوگا......؟"

"نہیں تو......میں بھلا کس طرح......؟" اتنا کہہ کر وہ اپنی گلابی ہتھیلی دیکھنے لگی۔

"نورین سے کہہ دُوں کہ وہ میرا ذکر کرے تمہاری والدہ سے۔"

"نہیں نہیں، ایسا مت کیجئے گا۔"

"مگر کیوں......؟ دیکھو میں اُن کے تاثرات جاننا چاہتا ہوں تاکہ مجھے اندازہ ہو سکے کہ تمہیں پانے کے لئے کتنے امتحانوں سے گزرنا ہوگا۔"

"مما تو بہت اچھی ہیں......؟" رائحہ نے دھیرے سے کہا۔

"پھر اب تک میرا ذکر کیوں نہیں کیا......؟" اردشیر بہت سنجیدہ تھا۔

"ایسی باتوں کو وہ پسند نہیں کرتیں، ناراض ہوں گی۔"

"سچ کہتے ہیں، محبت بڑی ظالم شے ہے......کہاں یہ فکریں پالی تھیں میں نے مگر اب یہ سوچ پریشان کر دیتی ہے کہ کہیں تمہیں کھو نہ دوں۔"

"میرے گھر والے مان جائیں گے۔" رائحہ نے اس سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

"تم بہت معصوم ہو، میرے بارے میں کچھ نہیں جانتیں مگر تمہارے گھر والے تو چھان بین کریں گے۔"

"کیا مطلب......؟" وہ سمجھی نہیں۔

"مطلب یہی کہ میں نے آزاد زندگی گزاری ہے۔ اپنے لئے سب جائز سمجھا ہے۔ اب خیال آتا ہے، تب تو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا اور میں نے یہ بھی کب سوچا تھا کہ تم مجھے مل جاؤ گی......اور میں ہار بیٹھوں گا۔ میں تو سمجھتا تھا، دل نام کی کوئی شے ہے ہی نہیں میرے پاس، یہ پیار محبت میرے نزدیک سب بیکار کی باتیں تھیں، میں سمجھتا تھا جو کچھ بھی ہے وقتی ہے، کسی کو سر پر سوار کرنا تو نری حماقت ہے مگر تم سے مل کر احساس ہو رہا ہے، دل ہے میرے پاس اور میں محبت کر سکتا ہوں۔"

"کوئی اور بات کریں۔" رائحہ نے پھر کہا۔

"اور بات......" اُس کی آنکھوں میں شرارت کی چمک اُبھری اور بولا......"نورین کو بلا لاؤں، کئی دیر سے تم نے اُسے یاد نہیں کیا۔" رائحہ اس کی شرارت سمجھی نہیں، بولی

"ہاں نورین کو بلا دیں، پتا نہیں کہاں رہ گئی ہے۔"

"ویسے تم میری بات سن بھی رہی ہو یا نورین کو ہی یاد کرتی رہی ہو۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''نہیں نہیں نورین کو تو نہیں سوچ رہی۔'' اُس نے جلدی سے وضاحت کی۔

''جب میں پاس ہوں، اس وقت صرف مجھے دیکھا کرو، مجھے ہی سوچا کرو۔'' وہ بڑی سنجیدگی سے بولا تھا، رائحہ نے سعادت مندی سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔ رائحہ تو اس کے سامنے ہمیشہ ہی خاموش رہا کرتی تھی۔ اس وقت وہ بھی کسی سوچ میں گم تھا۔

''دیکھو رائحہ، وقت ایک سا نہیں رہتا، آج میرے پاس وہ سب کچھ ہے، جس کی خواہش تم کر سکتی ہو مگر یہ بھی ممکن ہے کل یہ سب کچھ میرے پاس نہ ہو، وعدہ کرو ہر صورت میں میرا ساتھ دو گی۔''

''میں نے دولت کو کبھی اہمیت نہیں دی اور نہ دوں گی۔'' رائحہ یہ کہتے ہوئے ذرا نہیں ہچکچائی۔

''تمہیں اپنی محبت مان کر میں نے کوئی غلطی نہیں کی، یہ خیال مجھے پہلے بھی تھا، اب بھی ہے۔''

''کوئی پریشانی ہے آپ کو، ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں......؟'' رائحہ اس کی بات سے زیادہ اس کے بجھے بجھے انداز پر فکر مند تھی۔

''بس کبھی کبھی ایسے ہی مجھے لگتا ہے جیسے سب کچھ ہے مگر کچھ نہیں ہے۔ میں لاکھ چاہنے کے باوجود اس کیفیت سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہا مگر خیر دفع کرو، ٹھیک ہو جائے گا، سب کچھ، آج کل میرے بابا جان بھی مجھ سے کچھ ناراض ہیں، خواہ مخواہ ہی ضد کرنے لگے ہیں، مجھے بھی پروا نہیں، وہ اپنا رشتہ بھول سکتے ہیں تو میں بھی فراموش کر سکتا ہوں۔ اصل میں انہیں یہ فکر لاحق ہو گئی ہے کہ کہیں میں حصہ نہ مانگ لوں۔''

''آپ نے والد صاحب سے لڑائی کی ہے......'' رائحہ کو سن کر کچھ ڈر سا لگا۔ جو باپ کو یہ عزت دیتا ہے، وہ باقیوں کے ساتھ کیا کچھ نہیں کر سکتا، واہ رے دل کہاں لا پھنسایا ہے۔

''ابھی تو زیادہ نہیں مگر حالات بتا رہے ہیں، جھگڑا ختم نہیں ہوگا اور بڑھے گا۔''

''مگر آپ بیٹے ہیں، اُن کے اکلوتے بیٹے، وہ تو بہت پیار کرتے ہوں گے آپ سے۔''

''ہونہہ......عورت کا نشہ چڑھ جائے، تب بیٹے کہاں دکھائی دیتے ہیں، وہ اُلو......'' وہ گالی دیتے دیتے رُک گیا، لحاظ آ گیا تھا اس کا، بات بدل کر بولا......

''تم فکر نہ کرو، بیاہ کر کچے گھر میں نہیں لاؤں گا...... اپنا حق نہیں چھوڑوں گا، ایک ایک پائی وصول کر کے رہوں گا۔''

''آپ جھگڑا مت کریں، آخر وہ والد ہیں، بزرگ ہیں آپ کے، زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتے وہ آپ سے......''

''ڈر گئی ہو......'' بغور اسے دیکھ کر وہ ہنسی اُڑاتے ہوئے بولا۔

''ہاں مجھے لڑائی جھگڑے سے ڈر لگتا ہے۔'' اُس نے اعتراف کیا۔

''دل مضبوط کرو، میری زندگی میں شامل ہو کر یہ سب تو دیکھنا ہی ہوگا، ہم آن کی خاطر جان دے بھی سکتے ہیں اور لے بھی سکتے ہیں۔ ابھی تو میں ان مسئلوں سے دُور ہوں۔ شہر میں ہی وقت گزرتا ہے مگر جب یہ سب میری نگرانی میں آ جائے گا، تب گاؤں جانا پڑے گا اور چھوٹے موٹے لڑائی جھگڑے تو خیر چلتے ہی رہتے ہیں، تم دل مضبوط کرو، بہادر بنو، ماں کی طرح...... آہ...... کیا عورت ہیں وہ بہادر، نڈر، ڈٹ کر بات کرنے والی اور اپنی منوا کر چھوڑنے والی، میرا خیال ہے تم جیسی لڑکی تو ان کے سامنے بول نہیں



...گی، ان کے سامنے جاتے ہوئے بھی ڈرا کرو گی۔''

''بہت سخت گیر ہیں......'' رائحہ بے چاری ابھی سے ڈر گئی۔

''بہت...... مگر میرے لئے تو سراپا شفقت ہیں لیکن ان کی شخصیت میں کوئی ایسی بات ہے ضرور کہ ...م کو جی چاہتا ہے...... اب میں گاؤں جاؤں گا تو انہیں ساتھ لے کر آؤں گا ...... اور تمہاری طرف ...گی وہ، انہیں وہی احترام تمہارے ہاں بھی ملنا چاہئے جو ہم انہیں دیتے ہیں۔''

''جی......'' وہ سر جھکا کر صرف اسی قدر کہہ سکی۔

''انکار مجھے پسند نہیں۔'' انداز رعونت بھرا تھا۔

''میں کیا کہہ سکتی ہوں۔'' رائحہ کا سر اور بھی جھک گیا اور اس کے انداز پر دل گھبرانے لگا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا......؟ تم کیا سمجھتی ہو، اگر تمہارے گھر والے انکار کر دیں گے تو بات ختم ہو ...ئے گی، بولو کیا سوچے بیٹھی ہو تم، حیرت ہو رہی ہے، ایسا سوچا بھی کس طرح، اتنی ملاقاتوں میں تم مجھے ...بھی نہیں سکیں...... مگر اب غور سے سنو اور یاد بھی رکھنا، میں اردشیر شاہ ہوں جو چیز پسند آ جائے، زبردستی ...بھی اُٹھا لیا کرتا ہوں۔ یہ بات تم اپنے والدین کو بھی سمجھا دینا۔''

''شاہ صاحب......'' اُس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھا......اور گھبرا کر چہرے کے دائیں ...ئیں دونوں ہاتھ رکھ لئے۔

''بہتر یہی ہے، وہ مان جائیں، اسی میں اُن کی عزت ہے۔'' اُس نے سلسلۂ کلام جاری رکھا۔

''ایسی کوئی بات سوچئے گا بھی مت، وہ بھی عزت دار لوگ ہیں، عزت کی خاطر بیٹی کی قربانی دے ...سکتے ہیں۔'' وہ کتنی ہی بزدل، کیسی ہی سہمی ہوئی، شرمیلی سی لڑکی تھی مگر جہاں والدین کی عزت پر اُس نے ...ت کی، خاموش نہیں رہ سکی...... اسے اردشیر کا اناز، اس کی بات بے حد غلط محسوس ہوئی تھی، خواہش مند تو ...ہیز پکڑ لیتے ہیں...... اور یہ پہلے ہی اٹھا لینے کی دھمکی دے رہے ہیں، جھک کر بات کرنے پر تیار نہیں، ...ے رونا آ رہا تھا۔

''اگر وہ نہ مانے تو پھر تم کیا کرو گی، کیا تم میرے لئے ان سب کو چھوڑ سکو گی......؟''

''وہ مان جائیں گے......'' اردشیر جو سننا چاہتا تھا، وہ ایسا سوچنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اُس کے اِس جواب نے اس کے پاؤں میں جیسے انگارے بچھا دیئے۔ جھٹکے سے اُٹھا، کرسی ایک ...رف کی اور چل پڑا۔

''سنئے تو...... پلیز ناراض نہ ہوں......''

وہ اُٹھ کر پیچھے آئی مگر اردشیر کی رفتار بہت تیز تھی، غصے میں اسے کچھ سنائی بھی کب دے رہا تھا۔ نہ ...رف وہ کمرے سے نکلا بلکہ گھر بھی چھوڑ کر چلا گیا۔

''کیا ہوا، شاہ بہت غصے میں تھا......؟'' اس کے جاتے ہی نورین اس کے پاس آئی اور پوچھنے لگی، ...ر ہاتھوں میں گرائے رو رہی تھی۔

''بولو ناں، کیا کہہ دیا ہے تم نے اُسے......؟''

رائحہ نے سر اُوپر اُٹھایا اور پچھتاوے کے ساتھ بولی......

''میں اسی بات سے ڈرتی تھی، میں اس راہ پر چلنا نہیں چاہتی تھی مگر پتا نہیں کیسے قدم اُٹھتے ہی چلے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



گئے، اب تو اتنا آگے آ گئی ہوں کہ واپسی ممکن ہی نہیں۔"
وہ اور بھی تواتر سے رونے لگی۔

• • •

شام عمر ماں کو لے کر کلینک پر گیا تھا۔ واپسی پر انہیں فٹ پاتھ پر انتظار کرنے کو کہہ کر وہ رکشے والے سے کرایہ طے کر رہا تھا۔ سامنے سپر مارکیٹ تھی اور زیتون نے مزیب کو ایک عورت کے ساتھ جاتے دیکھا۔

"یہ عورت ......" اسے پہچاننے میں ایک لمحے کی بھی دیر نہیں لگی ...... سب یاد آ گیا۔ "یہ تو اس کی ماں ہے۔"

زیتون کو قدموں تلے سے زمین سرکنے کا احساس ہوا۔ یوں لگا اگر ذرا دیر بھی یہاں رُکی تو عمر ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائے گا۔

"عمر ...... جلدی کرو، اگر زیادہ پیسے مانگ رہا ہے تو بھی کوئی بات نہیں۔"

وہ اتنا کہہ کر رکشے میں سوار ہو گئیں، یوں لگ رہا تھا، وہ اپنی بیماری فراموش کر چکی ہیں، یا دی... کہ اُن کے لئے تو ایک قدم اٹھانا بھی دشوار ہو رہا تھا۔

"اماں ...... مزیب بھائی اور اُن کی والدہ ......" عمر کی نظر سڑک پار کھڑے ان دونوں پر پڑی۔

"عمر ......" زیتون نے سختی سے اس کا بازو پکڑ لیا اور بولیں ...... "جلدی چلو، میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"اچھا اماں ......" اُس کی نگاہیں جو یہ پر تھیں مگر زیتون کی بات ٹال نہیں سکا۔

"چلو رکشے والے جلدی کرو۔" انہیں یہ فکر تھی عمر، مزیب کو آواز نہ دے ڈالے۔

کچھ آگے جا کر جب یہ یقین ہو گیا کہ وہ دونوں پیچھے رہ گئے ہیں تو بولیں ......

"کیا مزیب کا گھر یہاں سے قریب ہی ہے ...... ؟"

"نہیں تو اماں، وہ لوگ تو یہاں نہیں رہتے ...... شاید خریداری کے لئے آئے ہوں ...... آپ کی طبیعت کیسی ہے اب ...... ؟ میں اسی پریشانی میں ان سے ملا بھی نہیں، خیر کوئی بات نہیں، چلیں گے ہم کسی روز اُن کے ہاں ......"

زیتون نے نفی میں سر ہلا دیا اور ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولیں ......

"نہیں مجھے وہاں نہیں جانا ......" زیتون کی حالت بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔ وہ گھبرا گیا ... بار پوچھتا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں ...... ؟"

وہ ہر بار اثبات میں سر ہلا دیتیں مگر وہ سمجھ رہا تھا، اُن کی طبیعت ٹھیک نہیں، گھر آتے ہی وہ بستر پر لیٹ گئیں اور رونے لگیں۔

"ہائے اماں ...... کیا ہوا آپ کو ...... ؟" رابعہ گھبرا گئی۔

"اماں اماں ...... پریشان نہ ہوں، کیوں رونے لگی ہیں، ایسے مت کریں میری اچھی اماں، آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی۔ ڈاکٹر نے بھی تو اتنی تسلی دی ہے۔" وہ اُن کا ہاتھ سہلاتے ہوئے انہیں



کو تسلی دے رہا تھا۔

زیتون کو بہت دیر بعد قرار آیا، عمر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لئے اور بولیں ......

"تم مجھ سے وعدہ کرو، میرے پاس رہو گے، میری آنکھوں کے سامنے، اِسی گھر میں، میرے قریب۔"

"اماں ...... پیاری اماں، کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ، میں بھلا کہاں جا سکتا ہوں۔"

"تم وعدہ کیوں نہیں کرتے ...... ؟" انہوں نے غصے سے اس کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"میں وعدہ کرتا ہوں اماں، آپ کے پاس رہوں گا، آپ کے قریب آپ کے ساتھ۔"

"اور تم میری ہر بات مانو گے۔"

"ہاں ہاں ...... ہر بات مانتا تو ہوں اور مانتا رہوں گا۔"

"بہت دُکھ دیکھے ہیں بیٹے، میں نے تمہیں اور رابعہ کو بڑی مشکلوں سے پالا ہے اور آج جب تم پڑھ لکھ کر اس قابل ہو کہ میرا سہارا بن سکو تو مجھے چھوڑ کر چل دو ...... یہ میں برداشت نہیں کر پاؤں گی۔"

"اماں، کیا ہو گیا ہے آپ کو ...... میں اور آپ کو چھوڑ کر چلا جاؤں گا ...... میں آپ کا بیٹا ہوں اماں ......" وہ بہت پیار سے تسلی دے رہا تھا اور اُن کی باتوں پر پریشان بھی تھا۔ بھلا وہ ایسا کیوں کہہ رہی تھیں۔ کیا بات تھی ان کے دل میں ورنہ آج سے پہلے کبھی انہوں نے ایسا نہیں کہا تھا۔

"پتا نہیں ...... پتا نہیں ......" زیتون نے سر تکیے پر اِدھر اُدھر مارا۔ عمر تسلیاں دیتا رہا مگر ان کے دل میں ایک وہم آ گیا تھا۔

بار بار آنکھوں کے سامنے وہ منظر آ ٹھہرتا، جب نگینہ نے ننھا بچہ اس کے حوالے کیا تھا اور بعد میں بتایا تھا، اس کی ماں کی تو شادی ہو چکی ہے، اب یہ بچہ تم رکھ لو، ممکن ہے اس کی ماں پہچان کر بھی انجان بن جائے، اس نے اپنے دُوسرے شوہر کو اس بچے کے بارے میں نہ بتایا ہو، وہ اپنے بیٹے کو پہچان تو نہیں سکے گی کہ تب یہ ننھا سا بچہ تھا، اب جوان ہے مگر مجھے دیکھ کر اسے سب کچھ ضرور یاد آ جائے گا اور اگر اُس نے اپنے بیٹے کی واپسی کا مطالبہ کر دیا تو ...... مگر کیا میں یہ جھوٹ پورے اعتماد کے ساتھ بول سکوں گی ...... ؟ شاید نہیں بول پاؤں گی۔

زیتون بیمار تھیں، ان سوچوں نے طبیعت اور بھی خراب کر دی۔ ایک بار پھر اپنے عمر کو کھونے کے تصور سے دل ڈوبنے لگا۔

"میں عمر کو کسی قیمت پر نہیں چھوڑ سکتی۔ لیکن اگر اُس نے خود ہی اپنی ماں کے پاس جانے کی خواہش کا اظہار کر دیا تو ...... ؟"

ساری رات وہ جاگتی رہیں اور ان ہی سوچوں میں اُلجھی رہیں۔

• • •

رائحہ، نورین کے ساتھ شاپنگ کے لئے آئی تھی۔ اصل میں خریداری تو صرف نورین کو کرنا تھی، اُسے تو یونہی اپنے ساتھ کھینچ لیا تھا۔

"اگر مجھے پتا ہوتا اتنی دیر لگاؤ گی تو کبھی نہ آتی ......" رائحہ بے زار ہو کر کہہ رہی تھی۔

"ارے یہ تو آذر ہے شاہ کا بہت اچھا دوست۔" نورین کی نگاہ آذر پر پڑی تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہ کا. تھ پکڑ کر اُس کی طرف بڑھی۔

"اوہ بابا، اگر ان کے دوست ہیں تو میرا تعارف کیا ضروری ہے......؟" مگر نورین نے اس کی ایک نہیں سنی۔

"ہیلو آذر صاحب......" نورین بے تکلفی سے مخاطب تھی جبکہ وہ فوری طور پر پہچان بھی نہیں سکا۔

"آپ آذر ہیں ناں......اردشیر شاہ کے دوست......؟"

تب اسے بھی یاد آ گیا اور اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کیسے ہیں آپ......؟" نورین مسکرائی۔

"اچھا ہوں......شکر الحمد للہ......" اُس کے انداز میں سنجیدگی اور کچھ رُکھائی تھی۔

"کیا بات ہے آج کل آپ کے دوست شاہ کچھ اَپ سیٹ دکھائی دیتے ہیں۔ کوئی پرابلم ہے کیا......؟"

"آپ کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔" وہ اسی انداز میں بولا۔

"مجھے کیا ضرورت ہے، پریشان تو یہ رائحہ صاحبہ ہیں اُن کے لئے۔" اُس کے انداز پر نورین کو رائحہ کے سامنے سبکی محسوس ہوئی، اتنا کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑا اور واپس ہو گئی۔

"آپ تو مجھے کسی شریف گھرانے کی بہت اچھی لڑکی لگتی ہیں...... حیرت ہے آپ اردشیر کے جال میں کس طرح آ گئیں۔ آپ کو اپنے گھر والوں کی عزت کا ذرا احساس نہیں۔ آپ لڑکیاں چند میٹھے بولوں کے عوض سب کچھ داؤ پر لگانے کو کیوں تیار ہو جاتی ہیں۔"

"جی...... میں سمجھی نہیں......" رائحہ کا تو رنگ فق ہو گیا۔ وہ اردشیر کا قریبی دوست تھا اور اُس کے بارے میں کیا کہہ رہا تھا۔

"اِس میں بھلا سمجھ میں نہ آنے والی کون سی بات ہے، دُکھ ہوتا ہے مجھے جب آپ جیسی لڑکیاں کسی عیاش دولت مند کی خواہشوں کی بھینٹ چڑھنے کو تیار ہو جاتی ہیں۔"

"کیا وہ بہت خراب ہیں......؟" رائحہ کی آواز لرز رہی تھی، لگتا تھا ابھی رو دے گی۔

آذر کے لبوں پر استہزائیہ مسکراہٹ دوڑ گئی، بولا......

"نہیں نہیں......وہ تو پانچ وقت کا نمازی، پرہیز گار، تہجد گزار ہے۔"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں، میں واقعی باعزت خاندان کی بیٹی ہوں اور سچ تو یہ ہے کہ آج تک خود پر حیران ہوں کہ میں اس راہ پر کیسے چل پڑی مگر یہ بھی حقیقت ہے، انہوں نے آج تک میرے ساتھ اخلاق سے گری حرکت نہیں کی، ان کا لہجہ بہت سافٹ ہوتا ہے۔ وہ ہمیشہ مجھ سے دوستانہ انداز میں ملتے ہیں اور......"

یہ کہتے کہتے اردشیر کی کہی بات یاد آ گئی (اگر وہ انکار کریں گے تو اُٹھوا لوں گا، اردشیر کو جو چیز پسند آ جائے، چھوڑ نہیں سکتا۔)

"بہن سمجھ کر سمجھایا تھا، اب آگے تمہاری مرضی ہے۔" آذر اتنا کہہ کر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گیا اور اس کے دل پر ڈھیروں بوجھ ڈال گیا۔

نورین کے پاس چلی آئی اور گلہ آمیز لہجے میں بولی......



"نورین! تم تو شاہ صاحب کو ایک عرصے سے جانتی ہو کہ وہ کیسے آدمی ہیں۔"

"اچھا اچھا......اب شاہ کی باتیں نہیں، مجھے ذرا شاپنگ کر لینے دو۔"

وہ اپنی خریداری میں مگن رہی۔ رائحہ ڈوبتے دل کے ساتھ اس کے ساتھ ساتھ چلتی رہی۔ گاڑی میں آ کر ڈرائیونگ سیٹ سنبھالتے ہوئے نورین نے اس سے پوچھا۔

"تم شاہ کے بارے میں کوئی بات کر رہی تھیں......؟"

اُس نے بات دُہرا دی......وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑی......اور بولی......

"سارے مرحلے طے کرنے کے بعد اب تمہیں یہ خیال آیا ہے کہ وہ کیسے آدمی ہیں، تم بھی کیا ہی خوب ہو سویٹی......"

"بتاؤ ناں، کیا وہ روایتی امیر زادے ہیں......؟"

"تو تم اب تک اسے کیا سمجھتی رہی ہو......؟" نورین کا موڈ ہنوز وہی تھا۔

"مجھے تو ہمیشہ مہرباں دوست کی طرح لگے ہیں۔"

"واہ......کیا پہچان ہے تمہیں لوگوں کی۔" اُس نے مذاق اُڑایا۔

"اگر وہ ایسے تھے تو تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا......؟" اُس کی آواز میں لرزش تھی۔ اردشیر کے بارے میں وہ یہ باتیں نہیں سننا چاہتی تھی۔ یہ اس کے لئے قابل قبول نہیں تھی۔ کاش نورین کہہ دے، میں مذاق کر رہی تھی، وہ اچھے ہیں، بہت اچھے۔

"تم نے مجھ سے پوچھا کب اور ویسے بھی اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ زندگی کی راہ میں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ ہمیں دنیا داری نبھانے کو اچھے طریقے سے ملنا ہی پڑتا ہے۔"

"نورین! میں تو بہت آگے آ گئی ہوں۔" وہ روہانسی ہو گئی۔

"سب کتنے غلط طریقے سے ذکر کر رہے تھے شاہ کا، وہ جو قریبی دوست تھا وہ بھی اور نورین بھی۔ غلطی میری ہے، میں نے مما کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے، میرے ساتھ یہی ہونا تھا۔" دل کی چوٹ اسے بے چین کر رہی تھی، درد پھیلتا جا رہا تھا۔

• • •

زینت، جمشید شاہ کے ساتھ کبریٰ خاتون سے ملنے گئی تھی۔ شیریں سے بھی ملاقات ہوئی۔ اُسے اور اُس کے بیٹے کو تحائف بھی دیئے جبکہ کبریٰ اور شیریں اس سے اچھے طریقے سے نہیں ملیں مگر زینت نے ان کے رویوں کی کوئی شکایت شاہ جی سے نہیں کی۔

"تم بہت اچھی ہو زینت۔" واپسی پر وہ دل سے قائل ہو کر کہہ رہے تھے۔

"یہ سب آپ کے حوالے سے میری بھی سب کچھ ہیں، وہ سمجھیں نہ سمجھیں مگر میں نے انہیں ان ہی رشتوں کے ساتھ قبول کیا ہے جو آپ کے حوالے سے اِن کے میرے ساتھ بنتے ہیں۔"

"اردشیر کو بھی......" اُن کے لبوں پر نہ چاہتے ہوئے بھی یہ سوال آ گیا تھا۔

"ہاں انہیں بھی......" اُس کے لہجے کی سچائی شاہ جی کو قرار بخش گئی۔ وہ انہیں پہلے سے کہیں زیادہ اچھی لگی اور ساتھ ہی یہ خیال بھی آیا کہ اردشیر نے اس رشتے کو اس طرح قبول نہیں کیا۔

میں نے جب بھی اسے یہ کہا زینت تمہارے لئے ماں کی جگہ ہے، اُس نے انکار کیا اور پھر اُس کا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بار بار گاؤں آنا، زینت سے اس قدر دوستی اور مجھ سے بدتمیزی یہ سب باتیں یہی ظاہر کرتی ہیں کہ اُس کی نیت ٹھیک نہیں ہے۔

''کیا سوچنے لگے آپ......؟'' زینت کی آواز انہیں چونکا گئی۔

انہوں نے حویلی آتے ہی اردشیر سے بات کی، صاف کہہ دیا۔

''تمہیں گاؤں آنے کی ضرورت نہیں، جتنی رقم درکار ہو یا تو کسی ملازم کو بھیج کر منگوا لیا کرو یا پھر خود شہر میں میری کوٹھی پر آ جایا کرو۔''

اِن کی بات کا اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ شدید غصہ سوار ہو گیا تھا اُس پر۔

''بابا جان مجھے جائیداد سے دُور رکھنا چاہتے ہیں مگر میں اب ضرور گاؤں جاؤں گا۔ اچھا ہے یہ شہر میں ہوں گے، میں بہت سی ضروری معلومات اکٹھی کر سکوں گا۔'' اُس نے سوچا۔

جس روز وہ گاؤں پہنچا، زینت کی طبیعت اچھی نہیں تھی، اسے بخار آ رہا تھا، پھر بھی اُس کی آمد کا سن کر بستر چھوڑ دیا اور ملنے کے لئے آ گئی۔

''کیا ہوا......؟ طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی آپ کی۔'' اُترا چہرا دیکھ کر اُس نے پوچھا۔

''ہاں بخار آ رہا ہے مجھے...... آپ سنائیں، کیا حال ہے آپ کا......؟''

''میں ٹھیک ہوں، آپ ریسٹ کریں جا کر۔''

''کوئی بات نہیں، اب ایسی بھی طبیعت خراب نہیں۔'' وہ مسکرائی۔ ''چائے بناؤں آپ کے لئے......؟''

''خود نہیں بنائیں، کسی سے کہہ دیں۔''

اُس کے جانے کے بعد اُس نے بیگ سے کپڑے نکالے اور ملازمہ کو بلا کر استری کرنے کے لے کہا۔

جب زینت چائے لے کر آئی تو وہ نہا کر نکلا تھا۔

''آپ نے خود کیوں زحمت کی......؟'' وہ شرمندہ تھا۔

''یہ لوگ چائے اچھی نہیں بناتے، اور پھر آپ کے لئے کام کرتے ہوئے مجھے کسی تھکن کا احساس نہیں ہوتا۔ آپ شاہ صاحب کے بیٹے ہیں تو اس حوالے سے میرا بھی تو رشتہ بنتا ہے ناں آپ سے، چاہے آپ اسے قبول کریں یا نہ کریں، مگر میں نے آپ سب کو انہی رشتوں کے ساتھ قبول کیا ہے، آپ ہوں، شیریں ہوں، یا گل رخ، میں سب سے محبت کرتی ہوں، بڑی بیگم اور شاہ بی بی کا بہت احترام ہے میرے دل میں۔''

''کتنی اچھی عورت ہے یہ، کیسا اُجلا اور محبت بھرا دل ہے اس کا۔'' اُس نے سوچا۔

''بابا جان مجھ سے اُکھڑے اُکھڑے سے رہتے ہیں، سمجھائیں انہیں۔'' کبھی وہ اس خیال سے ہی آگ بگولہ ہو جاتا تھا کہ یہ عورت اس کے اور بابا جان کے درمیان آ گئی ہے، آج اسی سے درخواست کر رہا تھا۔

''میں پہلے بھی انہیں کہتی رہتی ہوں، اب بھی ضرور سمجھاؤں گی۔'' وہ چائے بنا کر کپ اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔



پھر جتنی دیر وہ یہاں بیڈ پر بیٹھا چائے پیتا رہا، وہ سامنے والی کرسی پر بیٹھی رہی۔

''میں اور شاہ جی، بڑی بیگم اور شیریں سے ملنے گئے تھے۔ شیریں کا بیٹا بہت پیارا ہے، شیریں خود بھی تو بہت خوبصورت ہے۔'' اُس نے سب کچھ بتا دیا، ذکر نہیں کیا کہ اُن لوگوں نے اس کے ساتھ کچھ اچھا رویہ نہیں رکھا تھا...... اور جب وہ ان سے مل کر آئی تھی تو سوچ رہی تھی یہاں گاؤں کے سب لوگ اردشیر کی بدمزاجی کی بات کرتے ہیں مگر میرے ساتھ ان لوگوں کے مقابلے میں وہ بہت زیادہ اچھا ہے۔ اُس نے تو کبھی بھی دل دُکھانے والی بات نہیں کی۔ کبھی مجھ سے نفرت کا اظہار نہیں کیا۔

وہ اس مرتبہ گاؤں آیا ہی اس ارادے سے تھا کہ بابا شہر میں ہیں، اُن کی غیر موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے زمینوں کے بارے میں ضروری معلومات اکٹھی کرے گا۔ جائیداد کے کاغذات دیکھے گا اور یہ بھی معلوم کرے گا کہ اندازاً بابا جان کی آمدنی کتنی ہے۔ گاؤں کے چند اہم افراد سے ملاقات کا بھی ارادہ تھا۔

وہ چائے پی کر باہر کے احاطے میں آیا تو علاقے کا ایس۔ ایچ۔ او سے وہی بات کر رہا تھا۔

''کیا ہوا، کوئی مسئلہ ہو گیا ہے کیا......؟'' اردشیر بھی وہیں جا کر بیٹھ گیا۔

اُدھر شاہ جی کو اس کا انتظار تھا کہ یا تو خود آئے گا یا کسی ملازم کو بھیج کر رقم منگوائے گا کہ چاہے مہینے میں کتنے ہی پیسے کیوں نہ لے چکا ہو، آغاز پر ضرور لیا کرتا تھا۔ وہ نہیں آیا اور نہ ہی کسی کو بھیجا، تب ایک بار پھر انہوں نے اردشیر کا فون نمبر ملایا تو پتا چلا، وہ گاؤں جا چکا ہے۔ انہیں لگا جیسے سر پر بم پھٹا ہے، غم و غصے کے طوفان نے یوں لپیٹ لیا کہ کتنی دیر وہ بولنے کے قابل ہی نہ ہو سکے۔ مٹھیاں بھینچ کر اِدھر سے اُدھر چکر لگاتے رہے۔ سوچنے سمجھنے کے قابل ہوئے تو ڈرائیور سے گاڑی نکالنے کو کہا۔

گاؤں پہنچے تو سہ پہر ہو رہی تھی۔ اردشیر باہر احاطے میں بیٹھا کوئی فائل دیکھ رہا تھا۔ جونہی اُن کی گاڑی پھاٹک کراس کر کے اندر آئی، اُس نے جلدی سے فائل رب نواز کو پکڑا دی اور اُٹھ کھڑا ہوا۔ آگے بڑھ کر سلام کیا جس کا جواب انہوں نے اس کی طرف دیکھے بغیر سر کے اشارے سے دیا اور اندر چلے گئے۔ اندازہ تو ہو ہی گیا تھا، باپ ناراض ہے اور غصہ اسے بھی آ رہا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا جب اُس نے دل میں بات نہیں رکھی تو یہ باپ ہو کر اب تک کیوں خفا ہیں مجھ سے......؟

وہ سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ تب یہ بھی اپنے کمرے میں آ بیٹھا۔ شاید وہ پیغام بھیج کر بلائیں مگر دیر تک کوئی پیغام نہ آیا۔ یہ اُمید بھی جاتی رہی۔ وہ بستر پر لیٹ گیا اور ذرا دیر بعد اُس کی آنکھ لگ گئی۔

رات کے کھانے کے لئے زینت خود اسے جگانے آئی۔ اگر کوئی ملازمہ آتی تو ڈانٹ کر بھگا دیتا مگر وہ خود آئی تھی، اسے بات ماننا پڑی۔

کھانے کی میز پر نگاہ پڑی تو اندازہ ہوا خاصا اہتمام کیا گیا ہے۔ شاہ جی اس کی آمد سے پہلے یہاں موجود ایک کرسی پر سر جھکائے کسی گہری سوچ میں گم بیٹھے تھے۔ وہ اُن کے دائیں جانب والی کرسی پر خاموشی سے آ بیٹھا۔ زینت رومال میں گرم روٹی لے کر آئی، ان دونوں کو یونہی ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے دیکھا تو بولی......

''آپ دونوں نے ابھی تک شروع کیوں نہیں کیا...... بسم اللہ کریں ناں......''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"آپ بھی آ جائیں۔" اردشیر نے کہا۔

"اچھا میں اپنے لئے کھانا لے آؤں.....؟"

"کیا مطلب..... ؟" وہ سمجھا نہیں۔

"مطلب یہ کہ مجھے بخار ہے، یہ سب تو منع ہے۔"

"بخار ہے پھر بھی خود چکر لگا رہی ہیں۔"

"چھوٹے سرکار بی بی صاحبہ نے تو پکایا بھی خود ہے۔" پانی کا جگ لاتی ملازم لڑکی نے انکشاف کر کے اردشیر کو حیران کر دیا۔ زینت مسکرا دی اور بولی.....

"پسند آ گیا تو میری ساری تھکن اُتر جائے گی۔"

پھر شاہ جی کی جانب متوجہ ہوئی۔

"اچھا ہوا آپ آ گئے ورنہ چھوٹے شاہ جی یہاں گاؤں میں اکیلے کیا کرتے.....؟"

جمشید شاہ کی پیشانی پر کئی لکیریں اُبھریں مگر بولے کچھ نہیں..... چاول کی ڈش اپنی جانب کھسکا کر چاول اپنی پلیٹ میں نکالنے لگے۔ زینت بھی اردشیر کی جانب سے توجہ ہٹا کر انہیں سلاد، رائتہ اور سالن وغیرہ دینے لگی۔

"بس..... مجھے کچھ نہیں لینا۔" وہ بجھے بجھے سے تھے۔

"یہ کوفتے تو لیں....." اُس نے زبردستی ان کی پلیٹ میں ڈال دیئے۔ پھر اردشیر سے بولی.....

"آپ یونہی بیٹھے ہیں..... چاول لیں ناں....."

"پتا نہیں کیسے ہوں گے۔" وہ منہ بنا کر شرارت سے کہہ رہا تھا۔

"بہت اچھے بنے ہیں اور کیوں نہ بنتے، میں نے بنائے ہیں آخر۔" زینت بھی اسی کے انداز میں بولی، پھر ہنس پڑی۔

"کھا کر دیکھیں ناں۔" اصرار کیا۔

"کھلا دیں ناں۔" وہ بھی مسکرایا۔

زینت نے شاہ جی کی پلیٹ سے چمچ بھر کر اس کی جانب بڑھایا۔ ہاتھ سے پکڑنے کے بجائے اُس نے منہ کھولا، زینت نے کھلکھلا کر چمچ اُس کے منہ میں ڈال دیا۔

براؤن آنکھیں سفید رنگت جس میں صحت کی سرخی تھی، مغرور ستواں ناک والا یہ خوبرو جوان، انہیں یاد نہیں رہا۔ اُن کا بیٹا ہوتا ہے۔ تلخی سارے وجود میں اُتر گئی۔ ایک لاوا سا پکنے لگا۔ یہ منظر نا قابل برداشت تھا۔ اگر زینت ملازمہ کی آواز پر اُٹھ کر باہر نہ چلی جاتی تو شاید وہ مشتعل ہو کر کچھ کر ڈالتے..... وہ باہر چلی گئی۔ اردشیر خاموشی اور سنجیدگی کے ساتھ اپنی پلیٹ میں کھانا نکالنے لگا۔ اُس نے باپ کی جانب دیکھا تک نہیں جب کہ وہ گھونٹ گھونٹ پانی اپنے اندر اتارتے رہے پھر ٹیبل سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ زینت بھی وہیں تھی۔ اردشیر نے اکیلے ہی کھانا کھایا پھر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

صبح شاہ جی تو سویرے اُٹھ گئے۔ ناشتا بھی کر لیا۔ اصولاً تو اب انہیں باہر والے احاطے میں ہونا چاہئے تھا۔ مگر اردشیر گھر میں موجود تھا، ابھی سو رہا تھا تو کسی وقت بھی اُٹھ سکتا تھا اور وہ اسے تنہائی کا موقع دینا نہیں چاہتے تھے مگر لوگ اپنے اپنے مسئلے مسائل لئے اور کچھ یونہی ملنے کے لئے آنے لگے تو انہیں



بیٹھک میں جانا ہی پڑا۔

وہ عادت کے مطابق لیٹ اُٹھا۔ ناشتا ملازمہ نے لا کر دیا۔ اس سے زینت کے بارے میں پوچھا۔ پتا چلا اپنے کمرے میں ہیں۔

"بخار اُترا اُن کا.....؟"

"نہیں چھوٹے سرکار..... دوا تو کھائی ہے پر بخار بھی نہیں ٹوٹا۔"

وہ بتا کر چلی گئی۔

ناشتے کے بعد زینت کا حال پوچھنے کے لئے وہ اس کے کمرے کی طرف آیا۔ دروازے پر دستک کے جواب میں اس نے اندر آنے کو کہا۔ وہ کمرے میں آیا اور دیکھا زینت شاہ جی کے کپڑے وارڈروب میں رکھ رہی ہے۔

"میں نے سنا تھا آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔"

"ہاں، ہلکا سا بخار ہے مگر پتا نہیں کیوں کمزوری بہت ہو رہی ہے۔"

"آپ کو آرام کرنا چاہئے۔" اُس نے دوستانہ انداز میں ہمدردی کے ساتھ مشورہ دیا۔

"بس تھوڑا سا کام ہے، ختم کر لوں پھر لیٹ جاؤں گی۔" وہ یہیں کرسی پر بیٹھ گیا اور اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔

زینت کپڑے رکھ کر فارغ ہوئی تو سوچا، ایک نظر کام کرنے والیوں پر بھی ڈال آئے۔ کچھ کر بھی رہی ہیں یا موقع جان کر باتیں کرنے بیٹھ گئی ہیں۔ یہ سوچ کر قدم آگے بڑھا، اردشیر نے پوچھا.....

"اب کہاں جا رہی ہیں.....؟"

مگر وہ اس کی بات کا جواب نہیں دے سکی۔ زور کا چکر آیا۔ اگر اردشیر جلدی سے بڑھ کر تھام نہ لیتا تو گر پڑتی۔ وہ اس کے بازوؤں میں تھی جب پردہ ہٹا کر شاہ جی کمرے میں آ گئے۔

"اردشیر....." وہ اتنی زور سے چلائے تھے کہ زینت اُس کے بازوؤں سے نکل کر ایک طرف ہونے کی کوشش میں بیڈ سے ٹکرائی اور نیچے گر پڑی۔

"بابا..... بابا جان....." آنکھوں میں حیرانی، بے یقینی لئے اُس نے باپ کی طرف دیکھا اور کچھ کہنا چاہا۔

"مت کہو بابا..... میرا تمہارا کوئی رشتہ نہیں، تم میرے لئے مر چکے ہو، دفع ہو جاؤ یہاں سے اب کبھی مجھے یہ منحوس صورت نہ دکھانا۔ نکل جاؤ ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

وہ جھپٹ پڑنے والے انداز میں اس کی جانب بڑھے۔ ایک تو قہر و غضب میں ڈوبی اُن کی آواز، زینت کی چیخیں اور رونا..... پھر اردشیر پر ایسی کیفیت طاری تھی کہ اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔ حیرت اور دُکھ سے اُس کی بری حالت تھی۔ وہ صرف "بابا جان..... بابا جان....." کی گردان کرتا ہوا اُلٹے قدموں پیچھے ہٹا تھا اور کمرے سے باہر نکل آیا تھا۔

"تم بدتمیز لڑکے..... اب کبھی یہاں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرنا۔"

"یہ میرا گھر ہے....." اُس نے مضبوط لہجے میں کہنا چاہا مگر اس الزام نے اعصاب شل کر دیئے تھے۔ وہ اپنی بات میں زور پیدا نہیں کر سکا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''تمہارا گھر......'' شاہ جی نے لال انگارہ ہوتی آنکھوں سے اسے دیکھا اور بھرپور طمانچہ اُس کے منہ پر جڑ دیا، پھر دہاڑے۔

''تمہارا گھر...... جسے عزت و ناموس کے معنوں سے واقفیت ہی نہیں، کہتے ہو میرا گھر ہے......''

ایک اور ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا...... ''میں تم سے کہہ رہا ہوں، یہ منحوس شکل دُور کرو، دفع ہو جاؤ۔'' اُن پر جیسے دیوانگی کا دورہ پڑ گیا تھا۔ وہ دونوں ہاتھوں سے اسے پیٹنے لگے، آوازیں سن کر ملازم اکٹھے ہو گئے۔

''یہ کہتا ہے، یہ گھر اِس کا ہے...... دھکے دے کر اسے یہاں سے نکال دو تاکہ اِسے اچھی طرح پتا چل جائے کہ کون مالک ہے۔'' وہ ملازموں سے مخاطب تھے۔

اردشیر ایک دم سے چونک کر بیدار ہوا۔ اُس نے پھٹی پھٹی نگاہوں سے اپنے اردگرد اکٹھے ہونے والے ان نوکر پیشہ افراد کو دیکھا۔ یہی وہ لوگ تھے ناں جنہیں ہمیشہ پاؤں کی ٹھوکر میں رکھا، جن سے کبھی سیدھے منہ بات نہیں کی۔ انسان نہیں سمجھا تھا انہیں اُس نے، اور آج اُن کے سامنے اس قدر تذلیل۔

''کان کھول کر سن لو، آج سے میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ میں تمہاری صورت پر تھوکنا بھی گوارا نہیں کرتا، تم مر چکے ہو میرے لئے، تم لوگ کھڑے کیوں ہو، دفع کر دو اسے یہاں سے۔'' وہ ملازموں کی طرف دیکھ کر چلائے۔

''خبردار، جو کوئی میرے قریب آیا، ہڈی پسلی ایک کر دوں گا......'' اسے بولنے میں دقت ہو رہی تھی، پورا زور لگا کر وہ چیخا تھا اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا، وہاں سے چلا گیا۔

''اس قدر ذلت...... کیا سمجھا ہے انہوں نے، مجھے ملازموں کے سامنے مارا، گالیاں دیں، ہر رشتہ ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔'' اُس کی کیفیت خود اُس کی سمجھ سے باہر تھی۔ دانت اتنی زور سے بھینچ رکھے تھے کہ جبڑوں میں درد ہونے لگا تھا۔ وہ گاڑی اُڑائے لئے جا رہا تھا اور رُخ شیریں کے گھر کی طرف تھا...... وہ کبریٰ سے ملنا چاہتا تھا۔

''بڑی ماں کو بلاؤ......'' اِتنا کہہ کر وہ ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔ اُس کی ظاہری حالت ہی ایسی تھی کہ ملازم گھبرا گیا اور جلدی سے کبریٰ کو اطلاع کر دی۔

''اردشیر...... کیا ہوا بیٹا......؟'' جب وہ اندر داخل ہوئیں تو وہ صوفے پر اوندھا پڑا تھا۔ اُس نے سر اُٹھا کر انہیں دیکھا، پھر سسکاری بھر کر دونوں ہاتھ اپنے سر پر رکھ لئے۔

''بڑی ماں...... میں نے اس ہاتھ کو روکا کیوں نہیں جو اتنے لوگوں کی موجودگی میں میرے چہرے پر پڑا، میں خاموش کیوں رہا، اتنے آرام سے کیوں چلا آیا۔ میں نے آگ کیوں نہ لگا دی اُس گھر کو، اتنے لوگوں کی موجودگی میں مجھے تماشا بنا دیا۔ میری حیثیت دو کوڑی کی کر دی۔ کیا قصور تھا میرا......؟ کیوں کیا انہوں نے میرے ساتھ یہ سب کچھ......؟ کیا میں خاموش بیٹھا رہوں گا......؟ نہیں کبھی نہیں...... انہیں پتا چلنا چاہئے کتنی بڑی غلطی کی ہے انہوں نے......''

بولتے بولتے ہی دُکھ کی جگہ طیش نے لے لی مگر حالت اتنی خراب تھی کہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونے میں اسے مشکل پیش آ رہی تھی۔ وہ ابھی تک صوفے پر ہی بیٹھا تھا۔

''باپ سے لڑ کر آ رہے ہو......؟'' کبریٰ کی آواز میں کپکپاہٹ تھی، دل میں ایک ٹھنڈک سی پڑ گئی تھی اور ہاتھ پیر سنسنا اُٹھے تھے۔



اُس نے اثبات میں سر ہلایا...... چہرہ آستین سے پونچھا اور پھر کبھی بہت اُونچی اور کبھی دھیمی، آنسوؤں سے بھیگی آواز میں ساری بات انہیں سنا دی۔ ایک تو وہ تیز بول رہا تھا، دوسرا آواز پھٹ رہی تھی۔ کبریٰ کو کچھ سمجھ آیا، کچھ نہیں مگر اتنا تو جان گئیں، یہ وہ لمحہ ہے جس کے انتظار نے انہیں نیند میں بھی جگائے رکھا۔

کتنا طویل انتظار کیا تھا...... محبوب نے محبت بھلا کر انہیں دل سے اُتار دیا تھا مگر وہ چیخی چلائی نہیں، بات بھی نہیں کی...... یہی تھا جس کی چاہ میں میری محبت کو ٹھوکر ماری تھی جمشید شاہ......

آہ! کتنا اچانک آج وہ لمحہ آ پہنچا جس کا مجھے سالوں سے انتظار تھا۔

''بڑی ماں......'' اُس نے لہو چھلکاتی آنکھوں سے اُن کی جانب دیکھا اور کچھ کہنا چاہا۔ اُن کے ہونٹوں کی عجیب مسکراہٹ، آنکھوں میں بیگانے رنگ، چہرے کا خوفناک تاثر...... کہاں تو مہربان چہرے والی وہ باوقار بڑی ماں اور کہاں یہ بے رحم خوفناک چہرہ...... نفرت کے جذبات حسین سے حسین صورت کو بھی بگاڑ کر رکھ دیتے ہیں۔

''بڑی ماں......'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا اور اُن کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

''ماں تو صرف ایک ہوتی ہے، نہ بڑی ماں، نہ چھوٹی ماں...... بس صرف ماں...... تم کون ہو......؟ کس بڑی ماں کی بات کر رہے ہو......؟''

اپنے کاندھے پر رکھا اردشیر کا ہاتھ انہوں نے بڑی نخوت سے جھٹک دیا۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''بڑی ماں، کیا کہہ رہی ہیں آپ ......؟'' کچھ تو لفظ پرائے تھے اور کچھ اُس کی حالت ہی ایک رہی تھی، اُن کی آنکھوں سے جھلکتی سفا کی دیکھ کر بھی وہ یقین کا ایک مرحلہ بھی نہیں طے کر سکا ...... کہ ماں بہت تھا، بڑا اعتماد تھا اُسے اس محبت پر۔

بے رحم مسکراہٹ کبریٰ کے ہونٹوں پر دوڑ گئی۔ گہری سانس کھینچ کر انہوں نے نظریں اُس کے چہرے پر گاڑھ دیں ...... اور بولیں ......

''اردشیر ...... بہت لمبی مدت میں نے آگ کے بھڑکتے الاؤ میں جلتے گزار دی ہے۔ صرف اور صرف آج کے دن کے لئے ...... بہت انتظار تھا مجھے اس گھڑی کا ...... تم میرے لئے کیا ہو، یہ بھی سن لو کہ آج میں نقاب اُتارنے کا فیصلہ کر چکی ہوں ...... تم قاتل ہو میری محبت کے ...... تم وہ ہو اردشیر جس کی خواہش نے شاہ جی کے دل سے میری محبت اس طرح کھرچ ڈالی کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہا، میری بیٹیوں کو محرومی کی زندگی دینے والے میری جنت کو برباد کرنے والے میری محبت کو مار ڈالنے والے ...... کیا کیا کہوں، کتنی ہی دُشمنیاں نکلتی ہیں، بہت بڑے جرم ہیں تمہارے کھاتے میں۔''

''بڑی ماں ......'' اُس کی آنکھوں میں آنسو اور آواز میں کرب تھا۔ وہ ان اذیت ناک لمحوں میں کبریٰ سے رحم چاہ رہا تھا، اُس کی لال ڈوروں والی نشیلی آنکھیں پانیوں سے لبریز تھیں اور ان میں التجا تھی۔

''ایسا مت کہو ...... میں ٹوٹ رہا ہوں، میں بکھر رہا ہوں ...... اس وقت سنگ زنی مت کرو، مجھے بچا لو، مجھ سے ایسا سلوک مت کرو ......''

''بڑی نفرت کی ہے میں نے تم سے ...... اتنی کہ شاید ہی کسی نے کسی سے کی ہوگی۔ کئی بار اپنے ہاتھوں سے زہر دینے کا بھی سوچا مگر میں شاہ جی کو یہ بھی تو بتانا چاہتی تھی کہ تمہاری خواہش ان کی زندگی کی سب سے بڑی بھول تھی، بس اس لئے تمہیں زندہ رکھا اور جو سوچا تھا، وہ آج پورا ہو گیا ...... آج یقیناً شاہ جی تمہارے وجود پر شرمسار ہوں گے ...... جاؤ چلے جاؤ یہاں سے اور سن لو، ہم میں سے کسی کو بھی اب تمہاری ضرورت نہیں، چاہے زندہ رہو اور چاہے تم مر جاؤ۔ ہم نہیں روئیں گے تمہیں ......''

کبریٰ خاتون کے لبوں سے ادا ہونے والے لفظ انگارے بن کر اسے جلا رہے تھے۔ یہاں سے جانے کے بجائے وہ کرسی کی بیک کا سہارا لے کر چند قدم آگے بڑھا مگر پھر ہمت ہار کر نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا۔ کہنے کو اُس کے پاس بہت کچھ تھا مگر زبان ساتھ نہیں دے رہی تھی۔ ایک لفظ بھی بولنا مشکل تھا۔ اس کے لب تھرتھرا رہے تھے اور آنکھوں میں ویرانی تھی۔



کبھی ایسا بھی ہو سکتا ہے، بڑی ماں بھی بدل سکتی ہے۔ اس محبت کا درخت تو بہت بچپن میں اس کے دل میں لگا تھا اور جڑیں بہت گہری ہو گئی تھیں ...... بڑی ماں اس کے لئے قابل پرستش تھیں۔ وہ جیسا بھی تھا، جو کچھ بھی تھا، کہاں سے کہاں پہنچ گیا تھا ...... مگر یہ محبت، یہ عقیدت کم نہیں ہوئی، پیار کے انداز ضرور بدلے مگر یہ درخت آن بان سے دل میں دُور دُور تک اپنی جڑیں پھیلاتا رہا اور آج وہ کیا کہہ رہی تھیں۔ تناور درخت کی جڑیں ہلیں تو دل لہولہو ہو گیا۔

اتنا کرب، ایسی اذیت، اُس سے سہنا مشکل ہو رہا تھا، جی چاہ رہا تھا اُن کے پاؤں پکڑے اور منت کرے، مجھے اس اذیت سے بچا لو، میرا دل زخم زخم ہے، اس بے دردی سے اس پر پاؤں مت رکھو، مجھے ایک بار ہی پیار دے دو، مجھے سمیٹ لو، کہہ دو بڑی ماں ابھی جو کچھ کہا تھا، وہ جھوٹ تھا، مذاق تھا ......

آنسو اب چہرے پر آ گئے تھے، وہ سسک رہا تھا۔

کبریٰ اب کارپٹ پر بیٹھے بے حال لٹے پٹے اردشیر کی جانب نہیں دیکھ رہی تھیں۔ اُن کے سامنے ماضی کی تصویریں تھیں۔ وہ اس وقت جمشید شاہ کو دیکھ رہی تھیں ...... اور ان سے مخاطب بھی تھیں۔

کتنا وقت گزر گیا ...... کیا کہا کبریٰ نے اس کا ذہن سن ہو چکا تھا۔ وہ میز پر باز و رکھے اور اس پر اپنی پیشانی ٹکائے بیٹھا تھا، یہاں تک کہ وہ اپنی کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئیں۔

وہ کس طرح وہاں سے اُٹھا اور کیسے شہر پہنچا۔ کچھ نہیں جانتا تھا۔ اسے ہوش نہیں تھا۔ ذہن میں آندھیاں چل رہی تھیں اور کبریٰ کے الفاظ پتھروں کی طرح یوں برستے کہ بے اختیار اُس کے لبوں سے کراہیں نکل جاتیں۔ گاڑی اپنی کوٹھی تک لے آیا اور سر اسٹیئرنگ پر ٹکا کر بیٹھ گیا۔

''صاحب ......'' چوکیدار دوڑ کر اس تک آیا اور پریشان ہو کر پکارا ...... اُس نے سر اُٹھا کر چوکیدار کی طرف دیکھا اور ٹوٹے پھوٹے لہجے میں بولا ......

''مجھے سہارا دے کر اندر لے چلو، میں چل نہیں سکوں گا۔''

وہ جلدی سے آگے آیا اور اسے اُترنے میں مدد دینے لگا۔

''آپ کو بخار ہے صاحب ......'' اُس کے جلتے جسم سے ہاتھ ٹکرایا۔ تو وہ گھبرا کر بولا۔

''میں مر رہا ہوں ...... تم آذر کو فون کرو ...... اُسے کہو، اردشیر مر گیا ہے ...... اگر اُس کی محبت جھوٹی نہیں تو پھر آ کر آخری مرتبہ دیکھ لے مجھے ......''

اردشیر کے لئے ایک قدم بھی اُٹھانا دشوار ہو رہا تھا۔

ملازم سہارا دے کر بیڈروم تک لائے۔ پھر ارشاد نے آذر کا نمبر ملایا۔ وہ اس وقت آفس میں تھا اس کی بیماری کی اطلاع ملی تو متفکر ہوا اور کہا ''میں آ رہا ہوں۔''

''آپ جلدی پہنچے صاحب، اُن کی حالت بہت خراب ہے اور وہ بہت پریشان بھی لگ رہے ہیں۔''

''اسے تسلی دو ...... میں بس ابھی پہنچتا ہوں ......''

جب آذر پہنچا تو وہ نیم بے ہوشی کی حالت میں پڑا تھا ...... اور کسی کو پہچان نہیں رہا تھا۔ اس کی حالت دیکھ کر آذر بھی پریشان ہو گیا اور فوراً ہاسپٹل لے جانے کا فیصلہ کر لیا۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



شام ہو رہی تھی۔ پرندے اپنے اپنے آشیانوں کو لوٹ رہے تھے۔ آسمان پر لالی چھائی ہوئی تھی اور ایسی ہی لالی شاہ جی کی آنکھوں میں بھی تھی۔ دل پر اتنا بوجھ تھا کہ دَم گھٹتا ہوا محسوس ہونے لگتا تھا۔ زینت کئی بار معافی مانگ چکی تھی، کہہ چکی تھی......

''آپ نے غلط سمجھا شاہ جی...... ایسا تو کچھ بھی نہ تھا، بے قصور ہوں میں...... مجھ پر ظلم مت کریں۔''

زینت کی بات کا اعتبار تھا مگر اردشیر بے قصور نہیں ہو سکتا، کاش اردشیر اتنا نہ گرتا، کیا کچھ نہیں کیا میں نے اس کے لئے، اتنا پیار لٹایا اس پر کہ پھر کسی اور کو دینے کے لئے میرے پاس کچھ نہ رہا۔ یہ صلہ دیا تو نے مجھے، کاش اردشیر تم پیدا ہی نہ ہوتے، اگر دنیا میں آ گئے تھے تو پیدا ہوتے ہی مر جاتے۔

''بڑی بیگم آئی ہیں...... بڑی مالکن آئی ہیں...... بڑی سرکار آئی ہیں......''

باہر سے ملازم عورتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ پہلے تو وہ سمجھ ہی نہیں سکے۔ یہ شور کیسا ہے، یہ سب کی سب کیا کہہ رہی ہیں۔ پھر سمجھے تو جلدی سے نم آنکھیں پونچھیں اور پلنگ سے اُتر کر باہر جانے کا ارادہ کیا۔ ابھی جوتے میں پاؤں ڈال رہے تھے کہ دروازے کا پردہ ہٹا کر کبریٰ اندر آ گئیں اور پیچھے ہی زینت بھی گھبرائی، بوکھلائی سی کمرے میں آئی اور بولی......

''بیٹھیے آپا جان......''

''تم چپ رہو...... میں جمشید شاہ سے بات کرنے آئی ہوں۔'' وہ ڈپٹ کر بولیں اور کچھ اور آگے بڑھ گئیں۔

اکڑی ہوئی گردن آنکھوں میں بے گانگی اور چہرے کا پتھریلا پن...... شاہ جی تو کچھ بول ہی نہیں سکے۔ بس کبریٰ کے تیور دیکھ کر رہ گئے۔

''میں نے سنا ہے شاہ جی...... آج لاڈلے کو مارا ہے آپ نے بڑی عزت افزائی کی ہے عزیز از جان کی......''

انداز زہر خند تھا، وہ ایک ہاتھ کمر پر رکھے تیوری چڑھائے بہت اجنبی نظروں سے جمشید شاہ کو دیکھ رہی تھیں۔

''کبریٰ آج وہ اگر اتنا سرکش، اتنا بے ادب اور گستاخ ہے تو اس میں بہت ہاتھ تمہارا بھی ہے۔ یہ تربیت دی ہے تم نے اسے...... ہونہہ! بڑی عقلمند بنتی ہو......'' بیٹے کی حرکت پر افسوس تھا مگر اس کے جانے کا دُکھ بھی تو بہت تھا اور وہ کبریٰ کو بڑی تلخی سے یہ کہہ بیٹھے تھے۔ جواب میں کبریٰ ہنس پڑیں اور بولیں......

''یاد رہے شاہ جی...... اردشیر کی خاطر کتنے لوگوں کے دل توڑے ہیں آپ نے...... ارے کبریٰ کے دل کی تو بات ہی چھوڑو، چلو جانے دو کہ وہ تو شاید تھا ہی اس قابل، کبریٰ کو آپ بیاہ کر لے آئے۔ یہ احسان تھوڑا تھا اس پر، پھر ساری عمر کا پیار آپ جیسے دے بھی کہاں سکتے ہیں، یہ تو ہمارا دل ہے شاہ صاحب جو آپ کی بے گانگی برداشت نہیں کر سکا...... تو سوچا وہ کچھ کیا جائے آپ کے ساتھ کہ مرتے دم تک آپ کو یاد رہ جائے، ساری عمر یاد رکھیں کہ ایک کبریٰ بھی تھی جس نے آپ سے محبت کی غلطی کی اور پھر اس پر ایک اور ستم یہ کہ آپ کے وعدوں پر اعتبار بھی کر لیا۔

بیٹے کی خواہش نے بھلا ہی دیا ہمیں، آپ ایک بیوی لائے مجھ پر...... وہ بیٹا نہیں دے سکی تو ایک



اور آ گئی...... اور بیٹا دُنیا میں آیا تو ساری دُنیا ہی بھول گئے۔ یاد ہی نہیں رہا اس بیٹے کے علاوہ بھی کوئی اولاد ہے آپ کی...... ستارہ، شیریں اور گل رُخ، وہ بھی آپ ہی کا خون ہیں، ان کے حصے میں صرف محرومیاں اور دُکھ آئے ہیں۔ ہمیشہ آپ کی محبت کو ترستی رہیں۔ آج بیٹے کو تھپڑ مار دیا تو اتنے پشیمان، ساری دُنیا سے الگ تھلگ کمرہ بند کئے بیٹھے ہیں، کبھی یہ بھی یاد کیا، کتنی مرتبہ آپ کے رویے کی وجہ سے اُن کی آنکھوں میں آنسو آئے ہیں......؟ بیٹے کے لئے بھی اتنا ماتم تڑپیں، ابھی اس کی طرف سے آپ کو بہت دُکھ ملیں گے، بہت رُلائے گا وہ آپ کو، اپنی اس بے عزتی پر خاموش تو ہرگز نہیں بیٹھے گا کہ یہ میری تربیت نہیں، وہ ضرور بدلہ لے گا، شاہ جی! اس دن کے لئے برسوں انتظار کیا ہے میں نے، آج میں کتنی خوش ہوں، بتا نہیں سکتی......'' وہ زور سے ہنس پڑیں۔

اس وقت کبریٰ کا چہرہ کس قدر خوفناک لگ رہا تھا، وہ کہہ رہی تھیں...... آج میں بہت خوش ہوں...... مگر ان کے چہرے پر خوشی کا نام ونشان تک نہ تھا۔ سنگلاخ چٹانوں کی طرح نظر آ رہی تھیں اور ان چٹانوں پر کہیں کہیں دراڑیں بھی تھیں۔ شاہ جی اس انکشاف کے بعد پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے انہیں بونے کا موقع نہیں دیا...... جھٹکے سے مڑیں اور واپس ہو گئیں۔

زینت اس عورت کو دیکھ کر اُس کی باتیں سن کر اندر ہی اندر سہم گئی تھی اور خاموش کھڑی جمشید شاہ کی جانب دیکھ رہی تھی...... جواب سر ہاتھوں میں گرائے شکستہ سے بیٹھے تھے۔

''شاہ جی...... کیا کہہ کر گئی ہیں کہ وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا...... بدلہ لے گا۔'' زینت کی آواز میں خوف تھا مگر شاہ جی نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہیں۔

کبریٰ اپنی بات کہہ کر پھر رُکی نہیں، ملازم عورتوں کے سلام کا جواب تک نہیں دیا۔ جس طرح آندھی، طوفان کی طرح آئی تھیں، اسی طرح واپس چلی گئی اور گاڑی میں بیٹھتے ہی ڈرائیور کو گاڑی پہلے شیریں کے ہاں لے جانے کو ہی کہا۔

● ● ●

رات کا آخری پہر تھا۔ اردشیر کی آنکھ کھل گئی...... یہ کون سی جگہ ہے پہلے پہل کچھ سمجھ نہیں آیا، پھر ذہن کچھ بیدار ہوا...... ہاسپٹل کا مخصوص بیڈ، کمبل، دواؤں کی الماری اور ذرا فاصلے پر کرسی پر بیٹھا، اُونگھتا ہوا آذر...... آذر اُس کے پاس موجود ہے...... مگر میں یہاں پر کیوں ہوں، کیا ہوا ہے مجھے......؟

اُس یاد نہیں آ رہا تھا مگر وہ دل پر بوجھ محسوس کر رہا تھا...... لگتا تھا کوئی سانحہ بیت چکا ہے۔ سر میں درد اب بھی تھا...... کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد آنکھیں موند لیں اور لبوں سے آہ نکل گئی۔

''اردشیر......'' اس کی آواز سن کر آذر چونکا اور کرسی سے اُٹھ کر اُس کے قریب آ گیا۔ اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھا اور بولا......

''اردشیر...... کیا تم میری آواز سن رہے ہو......؟''

وہ سن تو رہا تھا مگر خود میں اتنی ہمت نہیں پاتا تھا کہ اس کی بات کا جواب دے یا آنکھیں کھول کر اس کی طرف دیکھ لے۔

''شاید...... مجھے نیند میں ہونے کی وجہ سے دھوکا ہوا ہے۔'' آذر نے ہی خیال کیا اور پیشانی پر بکھرے اس کے بال ہٹا کر پیچھے ہٹ گیا۔ تب اردشیر نے آنکھیں کھول دیں۔ آذر نے سکون کا سانس

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



لیا...... اور اپنائیت بھرے انداز میں بولا......

''اب کیسی طبیعت ہے تمہاری......؟'' اردشیر نے اس کی جانب دیکھا، کچھ کہنا چاہا مگر کہہ نہیں سکا۔

''توبہ...... تم نے تو ڈرا ہی دیا تھا دوست، کیا ہوا تھا تمہیں......؟'' آذر مسکرایا۔

''کیا ہوا تھا مجھے......؟'' اُس نے سوچنے کی کوشش کی مگر خواب آور دواؤں کا اثر تھا، اُس کا ذہن ابھی کچھ سوچنے سے قاصر تھا۔

''ڈاکٹر نے کہا ہے، گہرا شاک لگا ہے...... مگر ایسا کیا ہو گیا ہے......؟'' آذر سخت حیران تھا۔ اب بھی اسے دیکھ کر سوچ رہا تھا، آخر ایسا کیا صدمہ پہنچا ہے اسے۔

اردشیر کا چہرہ جہاں جوانی اور صحت کی سرخی جھلکتی تھی، اس وقت پیلا ہو رہا تھا، ہونٹ خشک تھے اور آنکھوں میں...... سارے جہاں کی ویرانی آذر نے دیکھی تھی۔

آذر بہت پریشان تھا اس کے لئے، یہی سوچا تھا، صبح اس کے گاؤں اطلاع بھیج دے گا۔ ان حالات میں اپنوں کا ہونا بہت ضروری ہے۔

''بڑی ماں...... آہ کیا کیا ہے آپ نے میرے ساتھ...... مجھے تو اب بھی یقین نہیں آ رہا...... کیا واقعی یہ سب آپ نے مجھ سے کہا تھا، مجھ سے، اپنے لال سے کہہ دیا آپ نے...... وہ پیار، وہ محبت دھوکا ہے...... کیسے ہو سکتا ہے...... نہیں نہیں، ایسا کیسے ہو سکتا ہے...... میں نے ہی سننے میں غلطی کی ہے یا پھر خواب دیکھا ہے۔

مگر میرے اندر باہر آگ کیسی ہے......؟

میں تو نفرت کے ان شعلوں کی تپش سے اپنا وجود جھلستا ہوا محسوس کر رہا ہوں۔ بابا، اتنے بے اعتبار تھے مجھ سے تو بیوی کو پردا کرواتے، میرے سامنے ہی نہ لاتے...... آپ سب کو میرے لئے رونا پڑے گا۔ بڑی ماں آپ کو کہنا پڑے گا۔ اردشیر میں نے غلط کہا تھا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں تم سے پیار کرتی ہوں۔ تم میرے بیٹے ہو بڑی ماں...... بابا، آپ کیا ان نفرتوں کے بعد میں کیسے جی پاؤں گا...... میں مر جاؤں گا اور آپ کو میری موت پر رونا ہوگا۔ آپ سب کو یہ ماننا پڑے گا کہ میں آپ کی زندگی کا سب سے اہم حصہ تھا...... مگر کیا فائدہ، تب میں تو کہیں نہیں ہوں گا۔'' اس کی آنکھوں کی سطح بھیگنے لگی۔

''آپ کو رونا پڑے گا...... آپ کو پچھتانا ہوگا...... بہت ضدی ہوں میں جو کہہ دیتا ہوں، پھر پورا بھی کرتا ہوں...... میں آپ کو رلاؤں گا...... ہاں میں اپنے لئے آپ کی آنکھوں میں آنسو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

آذر ڈاکٹر کو لے کر اندر آ رہا تھا اس کی حالت پر گھبرا کر لپکا اور اس کے دونوں ہاتھ ہاتھوں میں لے کر چہرے سے ہٹا دیئے۔ اس پر نظر پڑتے ہی اردشیر خاموش ہو گیا۔

آذر نے ہاتھ چھوڑ دیئے اور جھک کر فرش پر پڑا تکیہ اُٹھا کر اس کی جانب بڑھایا۔

''چلے جاؤ......'' اردشیر نے منہ پھیر لیا۔

''اردشیر...... میں تمہارے بابا کو اطلاع دے دوں گا...... بس تھوڑی دیر کی بات ہے...... پھر سب تمہارے پاس ہوں گے۔''

''کیا کہا...... تم بابا کو اطلاع دو گے...... نہیں انہیں کبھی مت بلانا...... ہاں اگر میں مر جاؤں، تب ضرور



انہیں اطلاع دے دینا مگر میرے جیتے جی ہرگز نہیں...... یاد رکھو آذر، اگر تم نے انہیں یا میرے گاؤں میں کسی کو بھی اطلاع دی تو وہ میری اور تمہاری دوستی کا آخری دن ہوگا۔ وعدہ کرو آذر تم انہیں نہیں بتاؤ گے۔''

''اردشیر صاحب......'' ڈاکٹر نے کچھ کہنا چاہا مگر اردشیر آذر سے وعدہ کرنے کو کہتا رہا۔

''اب ان سے میرا کوئی تعلق نہیں، کچھ نہیں لگتے وہ میرے، سب کچھ ختم ہو چکا ہے، سب مجھے چھوڑ چکے ہیں...... اور مجھے بھی کسی کی پروا نہیں ہے۔''

اُس نے بازو کو جھٹکا دیا اور ڈاکٹر کے ہاتھ سے آزاد کروا لیا، پھر بولا......

''میں نے سب کو بھلا دیا ہے، تم بھی اگر جانا چاہو تو شوق سے چلے جاؤ...... میں تم سب کو اکیلے ہی کر دکھا دوں گا...... میں سب پر ثابت کر دوں گا کہ اردشیر اتنا کمزور ہرگز نہیں جتنا تم نے سمجھ رکھا ہے...... جاؤ چلے جاؤ یہاں سے......''

''میں تمہارا دوست ہوں...... اگر دھکے دے کر نکلواؤ گے تو بھی واپس آؤں گا۔'' آذر نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پیار سے کہا۔

اردشیر کی آنکھوں میں رُکے آنسو بہہ کر چہرے پر آئے اور تکیے میں جذب ہو گئے۔ مہربان، محبت سے چور لہجے نے آگ میں جھلستے دل پر پانی کی بوندیں ٹپکا دیں، وہ چہرے پر بازو رکھ کر سسکنے لگا۔

''میں تمہارے ساتھ ہوں...... ہر قدم پر ہر امتحان میں، دوست بھی ہوں اور بھائی بھی ہوں...... تم خود کو اکیلا کیوں سمجھ رہے ہو......'' وہ نہیں جانتا تھا، اس پر کیا بیتی ہے مگر ابھی ابھی اُس نے جو کچھ کہا، آذر نے اُسے جس کیفیت میں دیکھا، اُس کے مطابق تسلی دے رہا تھا، اسے تھپک رہا تھا۔

♦ ♦ ♦

''تم کہاں جا رہے ہو عمر......؟'' صبح وہ کالج کے لئے تیار ہو رہا تھا، زیتون بستر پر لیٹی بے چین نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

''کالج جا رہا ہوں اماں...... واپسی پر آپ کی دوا بھی لیتا آؤں گا...... بس آج کی خوراک ہی رہ گئی ہے۔ یاد سے کھا لیجئے گا......'' وہ مصروف انداز میں کہہ رہا تھا۔

''منع کرو اسے یہ کیوں جاتا ہے، سمجھاؤ اسے مت جایا کرے اُدھر......''

''کدھر اماں، کس کے پاس......؟'' وہ سمجھی نہیں۔

''مزیب کے گھر...... آخر کیا جوڑ ہے ہمارا اُن کا، اسے کون سی کشش وہاں لے جاتی ہے......؟''

''اماں...... کیا ہو گیا ہے آپ کو......؟'' آج سے پہلے تو آپ بھی مزیب بھائی کی تعریف کرتی رہی ہیں، آپ کو بھی وہ اچھے لگتے تھے۔ آپ نے مجھے اُن کے ہاں جانے سے بھی کبھی نہیں روکا تھا۔'' وہ زیتون کی ان باتوں سے اُلجھا سا تھا اور رابعہ بھی کم حیران نہیں تھی۔

''میں نے اس سے پہلے منع نہیں کیا۔'' زیتون بڑبڑائیں، دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی مسلی کچھ دیر سوچ میں گم رہیں، پھر سر اُٹھا کر بولیں......

''اب تو منع کرنا چاہ رہی ہوں...... مگر مجھے لگتا ہے عمر، تم میری بات نہیں مانو گے۔''

''کیوں اماں، ایسے کیوں سوچ رہی ہیں آپ......؟ میں اور آپ کی بات نہ مانوں، یہ کبھی ہو سکتا ہے بھلا۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"تو کیا تم مزیب کی طرف جانا چھوڑ دو گے......؟" زیتون کی آنکھوں میں اُمید کی کرنیں جگمگانے لگیں۔

"اماں......" عمر کے انداز میں بے بسی تھی، ہلکا سا احتجاج تھا، جیسے کہنا چاہتا ہو...... "خدا کے لئے مجھے ایسا حکم نہ دو۔"

"تم بولتے کیوں نہیں، کیا تم اس کی طرف جانا چھوڑ دو گے۔"

"اماں......" عمر کو اچانک جیسے کچھ یاد آ گیا۔

"اُس روز ڈاکٹر کے کلینک سے واپسی پر جب ہم نے مزیب بھائی اور آنٹی کو دیکھا تھا تو آپ نے بڑی جلدی مچادی تھی، مجھے ان سے ملنے بھی نہیں دیا، یہاں تک کہ کرایہ طے کئے بغیر ہی رکشے میں بیٹھ گئیں۔ کیوں اماں، آپ نے ایسا کیوں کیا تھا اُس دن، کیا آپ مزیب بھائی کی والدہ کو جانتی ہیں......؟"

"کس دن مجھے تو کچھ یاد نہیں، تم کب کی باتیں لے بیٹھتے ہو......؟" تمام حسیات ایک جھٹکے سے بیدار ہوئیں۔ اس کے سوال پر جسم کی عمارت لرزنے لگی۔ وہ یاد دلانے لگا تو بیزاری سے بولیں......

"اب تمہیں کالج سے دیر نہیں ہو رہی ہے کیا......؟"

"دیر تو ہو رہی ہے مگر اماں آپ کی طبیعت مجھے اچھی نہیں لگ رہی، آپ کو یوں چھوڑ کر جاؤں گا تو دل اِدھر ہی اٹکا رہے گا، پریشان رہوں گا میں......"

"ہونہہ! اتنا خیال ہے تمہیں میری صحت کا......" زیتون کے انداز میں شک تھا۔

"اماں کیسی باتیں کرتی ہیں......؟ عمر جیسا بیٹا تو کسی کسی ماں کو ہی نصیب ہوتا ہے۔" رابعہ بھی ان کی باتوں پر اُلجھ کر بولی تھی۔

"اِس لئے تو سمجھا رہی ہوں، روک رہی ہوں اِسے کہ میں اسے کھونا نہیں چاہتی۔"

"لو، میں کوئی بچہ ہوں جو کھو جاؤں گا۔" اس نے ہونٹوں پر مسکراہٹ لا کر ماحول کو خوشگوار کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا......

"عمر بس آج تم مجھ سے وعدہ کرو تم مزیب کی جانب نہیں جاؤ گے، تم اس کے ساتھ دوستی ختم کر ڈالو گے۔"

"اماں......" وہ ایسا وعدہ کرتے ہوئے ہچکچایا۔

"تم کیوں تنگ کر رہے ہو اماں کو......؟" رابعہ نے ڈانٹ کر کہا۔

"ایسا وعدہ میں کیسے کر لوں، مزیب مجھے بھائیوں کی طرح عزیز ہے، جب وہ ہمارے ہاں آئے گا تو میں کس طرح ملے بغیر اسے لوٹا سکوں گا اور اگر وہ اپنے ہاں آنے کی تاکید کرے تب بھی بھلا کیا بہانہ ہوگا میرے پاس۔"

"صاف کہہ دینا میری ماں پسند نہیں کرتی۔" زیتون نے کہا۔

"آپ خود سوچیں مزیب بھائی سے ایسا کہنا کیا آسان ہے۔"

"تو تم میری بات نہیں مانو گے......؟" وہ مایوس لہجے میں بولیں۔

"اچھا اماں...... میں کوشش کروں گا، میری اب مزیب بھائی سے ملاقات ہی نہ ہو...... اور اگر کبھی انہوں نے ہمارے گھر آنے کی بات کی یا اپنے ہاں بلایا تو......"



"ہاں ہاں بولو...... رُک کیوں گئے......؟"

"تو اماں میں بہانہ کر دوں گا۔" عمر نے ہزار دقت سے یہ الفاظ ادا کئے۔

زیتون نے سکھ کا سانس لیا اور بولیں......

"یہ سب میں تمہارے ہی فائدے کے لئے کہہ رہی ہوں۔"

"پتا نہیں کس بات میں فائدہ ہے اور کس میں نقصان......" وہ جھلاہٹ بھرے انداز میں اپنی کتابیں تلاش کرنے لگا۔

"بہت افسوس ہو رہا ہے ناں تمہیں۔" زیتون نے پھر سخت انداز اختیار کر لیا۔

"بہت بہت زیادہ، آپ نے بھی تو حد کر دی ہے۔" وہ اُلجھ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے عمر، اب میں کبھی تم سے کچھ نہیں کہوں گی، کچھ نہیں مانگوں گی۔ تمہیں اجازت ہے تم کسی ایک گھر کا انتخاب کر لو۔"

"عمر...... تم جانتے ہو اماں کتنی بیمار ہیں، کس قدر کمزور ہو گئی ہیں، پھر بھی تم ان سے بحث کر رہے ہو، ان کی بات نہ مان کر انہیں دُکھ دے رہے ہو۔" رابعہ کو کہنا پڑا۔

عمر نے زیتون کے بیمار کمزور چہرے پر نگاہ ڈالی۔ اب وہاں بیماری کے ساتھ ساتھ شدید مایوسی بھی تھی۔ اسے افسوس بھی ہوا۔ واقعی میں نے کیوں بحث کی ماں کے ساتھ...... وہ ان کے پاس آیا اور ان کے گھٹنے پر ہاتھ رکھ کر بولا......

"آپ کا بیٹا بھلا آپ کا حکم ٹال سکتا ہے۔"

"بیٹا......" زیتون کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا۔ "کیا صرف اس لئے تم میری بات مانو گے کہ تم میرے بیٹے ہو......؟" آنکھوں میں نمی لئے وہ اِک کرب کے عالم میں پوچھ رہی تھیں۔

"اماں...... میری پیاری اماں......" وہ بستر پر اُن کے قریب آ بیٹھا۔

• • •

"مزیب بیٹا، کہاں گم ہو......؟ کھانا کیوں نہیں کھا رہے ہو تم......؟" وہ گم سم ڈائننگ ٹیبل پر بہن اور ماں کے ساتھ بیٹھا تھا۔

جویریہ کے کہنے پر سر اُٹھا کر پھیکی سی ہنسی ہنس دی اور وہ بولا......

"پپا نے ضد لگا لی ہے۔ اب وہ ہر صورت میں مجھے نیچا دکھانا چاہیں گے۔"

"کیا کہتے ہیں پپا......؟" رائحہ نے جویریہ کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"وہ مہناز سے شادی کرنا چاہ رہے ہیں مزیب کی۔"

"کک...... کیا...... مہناز سے شادی......؟ نو مما، یہ نہیں ہونا چاہئے۔"

"پپا کو کون سمجھائے۔" مزیب نے چمچ پلیٹ میں پٹخا۔

"بھیا...... اگر پپا نے ایسا کیا تو آپ گھر چھوڑ کر چلے جایئے گا...... بس کسی کی پروا مت کیجئے گا۔ یہ بھی کوئی بات ہے، ساری عمر کے لئے پھوپھو کی فیملی کو سر پر مسلط کر لو۔"

"یہ تم کیا اُلٹی پٹی پڑھا رہی ہو، ماں باپ جیسے بھی ہوں، اولاد کا فرض ہے کہ ان کا احترام کرے اور تم اس بڑھاپے میں انہیں اکیلا کرنے کا مشورہ دے رہی ہو۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''مما...... دیکھیں ناں، زندگی تو بھیا کو گزارنی ہے ...... اور پھر کیا پتا نہیں جانتے کہ ہم سب پھوپھو کی فیملی کو بالکل بھی پسند نہیں کرتے۔''

''ہم جئیں یا مریں ...... پیا کو کیا فرق پڑتا ہے ...... انہیں تو ہر حال میں پھوپھو کی خوشی عزیز ہے۔'' مزید سُلگ اُٹھا۔

''ایسے مت کہو، وہ تمہارے والد ہیں، بہت چاہتے ہیں تمہیں۔'' جویریہ نے ٹوکا۔

ذرا دیر کو خاموشی چھا گئی جسے جویریہ نے ہی توڑا۔

''اگر عمر سے ملو تو اُسے گھر آنے کو ضرور کہنا، پتا نہیں کیا بات ہے، ہر مرتبہ جلد آنے کی تاکید کرتی ہوں مگر وہ بھول جاتا ہے۔''

''مما...... میں جاؤں گا کسی روز اُس کی طرف......''

''اور سوہا کی طرف گئے تھے......؟''

''نہیں، مجھے اِدھر گئے ہوئے بھی کافی دن ہوگئے ہیں...... ہاں ایک دو مرتبہ فون پہ بات ہوچکی ہے۔ مما، ایک تو وہ لڑکی مجھے بڑا مایوس کرتی ہے۔ کہتی ہے مجھے پورا یقین ہے، تم ہار جاؤ گے اور مجھ سے کمزوری معذرت کر کے اپنا راستہ بدل لو گے۔''

''اُسے ایسا ہی کہنا چاہئے۔'' رائحہ نے جھٹ سے کہا۔

''تم سے کسی نے بات کی ہے، کھانا کھاؤ اور جاؤ اپنے کمرے میں۔''

''اچھی بات ہے چھوٹی ہوں ناں، اُتار لیں سب کا غصہ مجھ پر۔''

''آئی ایم سوری رائحہ...... بس میں ایسا ہی ہو رہا ہوں، پوچھ لو مما سے، کئی بار ان کے ساتھ بھی ایسے ہی بول جاتا ہوں۔''

رائحہ نے اثبات میں سر ہلا کر اس کی معذرت قبول کر لی۔ کھانا کھاتے ہی وہ ٹیبل سے اُٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

''سب کی اپنی اپنی فکریں اور اپنے اپنے بوجھ ہیں مگر وہ ایک دوسرے سے شیئر تو کر لیتے ہیں مگر میں کس سے کہوں، کتنا بوجھ ہے میرے دل میں ...... شاہ! میں تو سوچ بھی نہیں سکتی تھی، آپ دھوکا دے جائیں گے...... اُن کے دوست کی گفتگو، نورین کی باتیں ...... یہ سب سوچتی ہوں تو سر چکرانے لگتا ہے، کیا ہوگا میرے ساتھ......

اُن کے دوست نے اور نورین نے صاف انداز میں ان کے بارے میں رائے دی تھی، سب بتا دیا تھا اور یہ سب جھوٹ تو نہیں ہوسکتا۔

نورین نے کیا کر دیا ہے میرے ساتھ ...... وہ تو میری دوست ہے، جانتی ہے میں کیسی لڑکی ہوں، پھر کیوں شاہ کو میرے قریب آنے کا موقع دیا۔ میرے گلے کے جواب میں کہتی ہے، مجھے کیا معلوم تھا تم محبت کر بیٹھو گی۔

اُن کے دوست نے کہا تھا ...... ''آپ تو اچھے گھرانے کی شریف لڑکی لگتی ہیں، حیرت ہے آپ بھی اردشیر کے جال میں آ گئیں......''

اور نورین نے سارا الزام مجھ پر ڈالتے ہوئے کہا تھا ...... ''تم جیسی سات پردوں میں خود کو چھپا کر



رکھنے والی لڑکیاں کسی کے چند میٹھے بولوں میں ہی ہار جایا کرتی ہیں۔''

آنسو پہلے پلکوں کی باڑھ پر چمکتے رہے، پھر پھسل کر گالوں پر آ گئے اُسے خود پر غصہ بھی آتا تھا اور زِچ بھی...... اُسے شاہ سے زیادہ آذر اور نورین کی کہی ہوئی باتوں پر یقین تھا اُسے یاد تھا ایک بار میڈم کے گھر وہ کیسے عجیب انداز میں مخاطب ہوا تھا، کتنا خوفزدہ ہوئی تھی وہ اور پھر مجھے ہمیشہ اُن کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے یہ احساس ہوتا تھا، جیسے کچھ غلط ہے۔ میں ان سے ملتے ہوئے گھبراتی تھی، میرے پاؤں اس راہ پر چلتے ہوئے لڑکھڑانے لگتے تھے۔

مگر میں ملے بغیر رہ بھی نہیں سکتی تھی۔ اُن کی ذات کا سحر مجھ پر چھانے لگتا تھا۔ میں بے بس ہو جاتی تھی۔'' تھکے تھکے انداز میں اُس نے سر تکیے پر رکھ دیا۔ اسے اردشیر کی باتیں یاد آنے لگیں۔

• • •

شام کو آذر اس کے پاس سے یہ کہہ کر گیا کہ ایک گھنٹے کے بعد آ کر تمہارے سر پر سوار ہو جاؤں گا۔ اتنی دیر تم ٹی وی دیکھو یا اخبار پڑھو...... مگر اردشیر یونہی لیٹا رہا۔ ارشاد نے اسے نورین کی آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتا دیا کہ لونگ روم میں بیٹھی ہیں۔

''یہیں بلالو، مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے کہ آنے والوں کے حضور میں حاضر ہوسکوں۔'' اُس نے برا سا منہ بنا کر کہا اور پھر اُٹھ بیٹھا۔

یہاں آتے ہی ارشاد نے اسے صاحب کی بیماری کی اطلاع تو دی تھی مگر اس کا یہ حال ہوگا، نورین کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔

''اتنے بیمار ہو، ہمیں بتایا کیوں نہیں......؟'' اُس نے آتے ہی گلہ کیا اور بیماری کی تفصیل پوچھنے لگی۔ اس کی بات کے جواب میں اردشیر نے پوچھا......

''نورین ...... رائحہ کیسی ہے......؟'' کتنے دنوں بعد اُس نے زندگی کی طرف دیکھا اور آنکھوں میں ویرانی اور بے یقینی کے بجائے شوق اُمڈنے لگا۔

''رائحہ کو کیا ہونا ہے، وہ ٹھیک ٹھاک ہے۔'' وہ اس کی حالت کے پیشِ نظر بتا نہیں سکی کہ اُداس رہتی ہے اور تمہاری طرف سے بہت بدگمان ہوچکی ہے یا دوسرے لفظوں میں (تمہاری اصلیت جان چکی ہے)۔

''اُسے لاؤ میرے گھر پر۔'' اس وقت وہ ہر اذیت ناک خیال بھلا کر رائحہ کے بارے میں سوچ رہا تھا اور مسرور ہو رہا تھا۔

''اُسے یہاں ...... مگر تم جانتے ہو شاہ، وہ یوں تمہارے گھر میں تم سے ملنے کے لئے آنا پسند نہیں کرتی۔''

''تم کہو تو اُسے......'' اردشیر نے اصرار کیا۔

''اچھا ٹھیک ہے ...... میں کوشش کروں گی ......'' نورین نے یونہی کہہ دیا ...... ورنہ یقین تھا اب تو وہ نہیں مانے گی۔

''نورین ...... تم بس رائحہ سے یہ کہہ دینا کہ میں نے بلایا ہے ...... میں اس سے ملنا چاہتا ہوں، وہ کبھی انکار نہیں کرسکتی، وہ ضرور آئے گی۔''

''اتنا بھروسہ ہے خود پر شاہ......'' نورین نے ایک دم سے بہت دلچسپ [illegible] دیکھتے ہوئے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بے ساختہ کہا۔

"خود پر نہیں، مجھے تو اس پر بھروسہ ہے، وہ ضرور آئے گی......" اتنی محبتوں کو نفرت میں بدلتے ہوئے دیکھنے کے باوجود اسے رائحہ کے پیار پر پورا بھروسہ تھا...... یقین تھا جب اسے پتا چلے گا کہ اس نے بلایا ہے تو فوراً اس کے پاس آئے گی۔

"اتنا یقین بھی اچھا نہیں ہوتا شاہ......" اس کی حالت کے پیش نظر نورین پریشان ہو کر اپنے تئیں اسے پہلے ہی تیار کر رہی تھی تاکہ رائحہ کے نہ آنے پر اسے جھٹکا نہ لگے۔

"تم اُسے کہہ کر تو دیکھو......" وہ اتنے دنوں بعد مسکرایا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے......" اُس نے نظریں چرا لیں۔

• • •

اگلے روز کالج میں نورین کی رائحہ سے ملاقات ہوئی تو نورین نے حال احوال پوچھنے کے بعد شاہ کا ذکر چھیڑ دیا۔ اسے بتانے لگی کہ کل وہ اس کی طرف گئی تھی۔

"پلیز نورین، اب میرے سامنے اُن کا ذکر مت کیا کرو...... میں انہیں بھولنے کی کوشش کر رہی ہوں، پلیز تم میری مدد کرو۔"

"آخر ایسا بھی کیا، تم پہلے بھی تو شاہ سے ملتی رہی ہو اب بھی مل لو، اکیلے نہ سہی میرے ساتھ چلی جانا وہاں......"

"تب میں اندھیرے میں تھی، اب تو سب کچھ جان گئی ہوں اور یہ سب تم نے ہی مجھے بتایا ہے اور پھر بھی وکالت کرتی ہو ان کی، تم میری کیسی دوست ہو۔"

اردشیر کا نام اُس کا ذکر، رائحہ کے اندر تک شور ہی شور ہونے لگا۔

"تم میری پوری بات تو سن لو......" نورین نے کہا۔

"نہیں، میں نے کہہ دیا ناں، اب مجھے اُن کے بارے میں کچھ نہیں سننا...... ہم دونوں کے درمیان اب کبھی شاہ کا ذکر نہیں ہونا چاہئے۔" اُس کی آواز یہ فیصلہ سناتے ہوئے کانپ رہی تھی۔

وہ اتنا کہہ کر نورین کے پاس رُکی نہیں کہ اپنی کمزوری کا احساس تھا...... اگر ٹھہر جاتی تو پھر خود ہی اردشیر کے بارے میں پوچھ لیتی۔

وہ فائزہ وغیرہ کے پاس آ بیٹھی، سارا دن ان ہی کے ساتھ رہی۔ پیریڈ بھی ہوتے رہے۔ ہر کلاس میں بظاہر حاضر مگر ذہنی طور پر غائب تھی، نورین کو بات کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔

وہ بہت مضمحل اور اُداس تھی...... گھر آ کر سیدھی اپنے کمرے میں آئی۔ کہلا بھیجا، کھانا نہیں کھاؤں گی، ہاتھ لے کر بستر پر آئی تھی کہ نورین کا فون آ گیا۔

"میں کالج میں کچھ بات کرنا چاہ رہی تھی مگر رائحہ تم جان بوجھ کر مجھ سے دُور رہیں، میری بات سننے سے گریز کیا۔"

"وہ سمجھ گئی نورین پھر اسی کی بات کرنا چاہ رہی ہے۔ بولی......

"میں نے وہیں صاف صاف منع کر دیا تھا، پھر اس بات کو دہرانے سے کیا فائدہ......؟ نورین میں اب اس سحر سے آزاد ہونے کی کوشش میں ہوں۔ اُن کا انداز، ان کی باتیں یاد آتی ہیں تو حیرت ہوتی ہے۔



بہت غصہ آتا ہے خود پر...... میں تو سب کچھ دیکھ کر بھی انجان بن رہی تھی۔ اُن کا انداز بے باک ہوتا تھا۔ ان کی باتیں اکثر مجھے اُلجھن میں ڈال دیا کرتی تھیں، میں گھبرا جاتی تھی۔

اور انہوں نے یہ بھی کہا تھا جو چیز مجھے پسند آ جائے پھر میں اسے حاصل کر کے رہتا ہوں، زبردستی اٹھا لیا کرتا ہوں، بھلا یہ بھی کوئی بات ہے۔ ایسا بھی کہتا ہے کوئی...... کوئی میری تو نہ حیثیت ہے نہ عزت، شوکیس میں پڑی بے جان گڑیا ہوں۔ انہیں پسند آ گئی تو حاصل کرنے کی ضد باندھ لی۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا ناں کہ اگر میں اُن کی طرف نہ بڑھتی مگر انہیں اچھی لگتی تو حاصل کر لیتے۔"

بہت دُکھ تھا اُس کے لہجے میں اردشیر کے ان الفاظ کا......

آنکھیں چھلک گئیں اور آواز لڑکھڑانے لگی۔

اور یہ جملہ اب ہی نہیں، تب بھی برا لگا تھا، جب وہ اُس کے سحر میں بری طرح گرفتار تھی۔ اُس کی اس بات پر اسے خیال آیا تھا، وہ والدین کی عزت کو داؤ پر لگا بیٹھی ہے۔ یہ سامنے بیٹھا شخص صرف کہہ ہی نہیں، کر بھی سکتا ہے۔

"یہ جو کچھ بھی ہے، میں مانتی ہوں کہ غلط ہے، بس وہ ہے ہی ایسا مگر رائحہ...... وہ بہت بیمار ہے، میں تو اس کی حالت دیکھ کر خدشات کا شکار ہو گئی ہوں، وہم ستانے لگے ہیں مجھے، وہ بہت بدل گیا ہے، اس بیماری نے اسے توڑ کر رکھ دیا ہے، اس قدر شکستہ لہجہ اور اُن آنکھوں کی بجھی ہوئی جوت...... وہ بہت کمزور دکھائی دے رہا تھا، اُس نے تمہارا پوچھا اور تم سے ملنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ اُسے یقین ہے تم ضرور آؤ گی۔ وہ شدت سے تمہارا منتظر ہے رائحہ......"

"شاہ بیمار ہے......" یہ خبر تیر بن کر دل میں اُتر گئی۔

"ہاں میں صبح سے یہی تو بتانے کی کوشش میں ہوں مگر تم میری کوئی بات سننے پر تیار ہی نہیں ہو۔ تم اس کی طرف ضرور جانا رائحہ، چند منٹ کے لئے ہی سہی مگر دیکھو شاہ کا مان مت توڑنا۔ اُس نے بہت مان سے، بڑے یقین سے کہا تھا کہ رائحہ انکار نہیں کر سکتی، وہ ضرور آئے گی۔"

"انہیں کیا ہوا ہے......؟" رائحہ نے فکرمندی کے عالم میں پوچھا۔

"پتا نہیں...... میں نے پوچھا بھی مگر اس نے کچھ بتایا ہی نہیں۔"

"میں چلوں گی اُن کی طرف......" رائحہ جیسی کمزور بزدل لڑکی دل کی آواز پر ہار گئی۔

"پھر تم تیار ہو جاؤ، میں گاڑی لے کر آ رہی ہوں تمہاری طرف......"

"اِس وقت...... نہیں نہیں...... اس وقت میں بھلا کیسے جا سکتی ہوں، دیکھو ناں پپا گھر آنے والے ہیں۔"

"اچھا...... مگر صبح تو میں کوئٹہ جا رہی ہوں۔" نورین نے اس کی بات مان لی مگر اپنی مجبوری بھی بتا دی۔

"ٹھیک ہے، میں اُن کے گھر کے ایڈریس سے واقف ہوں، خود ہی چلی جاؤں گی۔"

"چلی...... تو جاؤ گی ناں، ایسا نہ ہو وہ انتظار میں ہی رہے۔"

"نہیں نہیں...... میں ضرور جاؤں گی......"

نورین نے یہ خبر سنا کر اُسے بے حد پریشان کر دیا تھا۔ وہ بھول ہی گئی تھی کہ کچھ دیر پہلے اس کے خیالات اردشیر کے بارے میں کیا تھے۔ جی چاہ رہا تھا فوراً اس کے پاس پہنچ جائے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''پتا نہیں انہیں کیا ہوا ہے، ابھی چند روز پہلے تک جب میں اُن سے ملی تھی بالکل ٹھیک تھے...... کسی بیماری کا شائبہ تک نہ تھا اور اب نورین کہتی ہے، بہت بیمار ہیں۔''

وہ اردشیر کی صحت کے لئے دعائیں کرتی رہی۔

صبح کالج جانے کے لئے بہت عجلت میں تیار ہوئی، ٹھیک سے ناشتا بھی نہیں کیا۔

ایک طرف تو اردشیر کی طرف سے پریشانی اور دوسرا یہ خیال کہ وہ گھر والوں کو دھوکا دے رہی ہے۔ ڈائننگ ٹیبل پر وہ سب سے نظریں چرائے بیٹھی تھی۔ اردشیر کے ہاں کبھی اکیلے جانے کا اتفاق بھی نہیں ہوا تھا، کالج سے وہ جلدی نکل آئی اور اردشیر کی رہائش گاہ کے سیاہ آہنی گیٹ کے سامنے پہنچ کر جیسے نیند سے بیدار ہوئی، اب تک جیسے خواب کی حالت میں یہاں تک پہنچی تھی۔ اب قدم لڑکھڑا رہے تھے۔

اسلحہ بردار چوکیدار اس کی جانب متوجہ تھا اور وہ سوچ رہی تھی...... اندر چلی جائے یا یہیں سے واپس ہو جائے، پتہ نہیں کتنے لمحے یونہی بیت گئے اور آخر اُس نے اردشیر کا نام لے ہی دیا اور گیٹ سے اندر داخل ہو گئی۔

آذر ابھی ابھی آفس گیا تھا۔ اس وقت اردشیر اکیلا تھا۔ اس کے جاتے ہی سوچوں میں ڈوبنے اُبھرنے لگا تھا۔ بڑی ماں کی آواز سارے کمرے میں گونج رہی تھی، شعلہ بار نگاہیں اس پر جمائے وہ کہہ رہی تھیں......

''کتنی ہی دُشمنیاں نکلتی ہیں تمہاری طرف، بڑی نفرت کی ہے میں نے تم سے، جاؤ چلے جاؤ یہاں سے، چاہے تم مر جاؤ، ہم نہیں روئیں گے تمہیں، ہم میں سے کسی کو تمہاری ضرورت نہیں۔''

''ایسا مت کہیں...... خدا کے لئے ایسا مت کہیں یہ اذیت مجھ سے برداشت نہیں ہو رہی۔''

وہ گڑگڑا رہا تھا...... بے چین ہو کر بیڈ سے اُتر آیا تھا۔ کچھ دیر التجاؤں کے بعد ہانپ گیا تھا اور بیڈ سے ٹیک لگا کر نیچے کارپٹ پر بیٹھا تھا...... بھلا یوں بھی ہوا ہوگا کسی کے ساتھ۔

''بابا...... کتنا ذلیل کیا آپ نے مجھے اور بڑی ماں نے میرے وجود کو اتنا حقیر کر دیا کہ اب مجھے خود سمجھ نہیں آتی، زندگی کس لئے ہے، کیا مقصد ہے میرے جینے کا۔''

دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز پر اُس نے سر اُٹھا کر بیزاری کے عالم میں اِدھر دیکھا۔

''رائحہ......'' اسے جھٹکا سا لگا...... ابھی ابھی جس کیفیت میں تھا، فوری طور پر اس سے باہر آنا ممکن نہیں تھا۔ اُس نے بے یقین لئے بغور اسے دیکھا، کل سے منتظر تھا مگر اب تو مایوسی ہونے لگی تھی۔ وہ سمجھا تھا نورین نے اس کا پیغام اسے دیا ہی نہیں ہے۔ ایک لمحہ کے لئے بھی دل رائحہ سے بدگمان نہیں ہوا تھا۔

ابھی ابھی جس جذباتی کیفیت سے گزرا تھا، اس سے اتنی جلدی سنبھل جانا بہت مشکل تھا......

آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں...... چہرے سے وحشت ٹپک رہی تھی...... پیشانی پر بکھرے بال...... قمیص کے کھلے ہوئے بٹن وہ بیڈ سے ٹیک لگائے تھکے تھکے انداز میں قالین پر بیٹھا تھا۔

''آؤ ناں...... رُک کیوں گئیں......؟'' اُس کی آواز بہت بھاری ہو رہی تھی اور لفظوں میں روانی نہیں تھی، وہ رُک رُک کر بولا تھا...... پھر لمبا سانس کھینچ کر رائحہ کو دیکھنے لگا۔

''کیا یہ نشے میں ہے......؟'' رائحہ ٹھٹکی...... ''کہیں نورین نے جھوٹ تو نہیں بولا...... یا پھر ممکن ہے شاہ نے ہی نورین کے ساتھ غلط بیانی کی ہو، مجھے یہاں تک لانے کے لئے جھوٹ بولا ہو۔'' اس پر خوف کا



حملہ ہونے لگا۔

اردشیر نے اسے اب تک دروازے کے قریب ہی کھڑے دیکھا تو خود اُٹھ کر اس تک جانے کا ارادہ کیا۔ اسے بیڈ کے کنارے پر ہاتھ رکھ کر اُٹھنا پڑا اور اس میں بھی دقت کا سامنا تھا...... سر چکرا رہا تھا۔ قدم اس کی جانب بڑھایا مگر اندازہ ہو گیا، وہ چل نہیں سکے گا۔

''آؤ ناں، رُک کیوں گئیں......؟'' وہ پھر کارپٹ پر بیٹھ گیا اور اسے پکارا۔

رائحہ کو یقین ہو چکا تھا، وہ ضرور کوئی اُلٹی سیدھی چیز پیئے ہوئے ہے۔ بہت ڈرتے ڈرتے اسے نظروں میں رکھ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔

''اُدھر نہیں اِدھر......'' اردشیر نے اپنے بیڈ کی جانب اشارہ کیا...... وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اِدھر آئی اور بیڈ پر بیٹھ گئی...... اردشیر نے اپنا بازو اُس کے گھٹنوں پر رکھ دیا...... اور لمبی آہ کھینچ کر بولا......

''مجھے تمہارا بہت انتظار تھا...... اور یقین تھا تم آؤ گی...... تمہیں آنا ہی تھا، آخر سب کے سب تو دھوکا نہیں دے سکتے، ہیں ناں۔'' وہ ہذیانی انداز میں ہنسا۔ رائحہ کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ خوف کے احساس سے چور اُس نے بڑی بے چارگی سے اس کے بازو کو دیکھا اور خود کو محصور محسوس کیا۔

''رائحہ تمہیں پتا ہے، کیا ہوا میرے ساتھ......'' اُس نے سر اُس کی گود میں رکھ دیا۔

رائحہ کو تو گویا کرنٹ لگ گیا...... کہاں تو خوف سے مر رہی تھی اور اب اتنی طاقت آ گئی تھی...... اس کے کاندھے پر دونوں ہاتھ جما کر پرے دھکیلا اور دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

باہر آ کر رفتار کم کر دی تاکہ ملازموں کو شک نہ ہو سکے۔ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ تیز قدموں سے چلتی دُور نکل گئی۔

آذر گھر آیا تو ملازموں نے بتایا، صاحب کی حالت بہت بگڑ گئی ہے۔ وہ جلدی سے اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ کہاں تو اردشیر پر یاسیت طاری رہتی تھی، آنکھیں ہر دم کسی غم کا سوگ منایا کرتی تھیں اور اب یہ صورت حال تھی کہ وہ ہر چیز کو تہس نہس کرنے کے درپہ تھا۔

''صاحب...... انہیں سنبھالیں...... کہیں یہ خود کو شوٹ نہ کر لیں۔''

ملازم اس کی حالت سے پریشان آذر سے کہہ رہے تھے اور آذر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کس طرح سنبھالے۔

سارا کمرہ اُلٹ دیا تھا اُس نے...... آذر تو سمجھ رہا تھا کہ اب چند روز میں حالت بہتر ہو جائے گی مگر صورت حال تو بہت مایوس کن تھی۔

رائحہ کے اس عمل نے اسے جنون میں مبتلا کر دیا تھا۔

◆ ◆ ◆

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''اردشیر...... کیا ہو رہا ہے تمہیں......؟ یوں مت کرو...... سنبھالو خود کو......'' آذر نے چلا کر کہا...... پھر چیزوں کو اُٹھا اُٹھا کر اِدھر اُدھر پٹختے اردشیر کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے قابو میں کرنے کی کوشش کی۔ مگر اُس پر جنون سوار تھا، ایک ہی جھٹکے سے اپنے دونوں ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کرا لئے اور پیچھے ہٹتے ہوئے بولا......

''تم سب نے مجھے سمجھ کیا رکھا ہے، میں کوئی کھلونا ہوں، کہ جب تک جی چاہتا ہے، کھیلتے ہیں اور جب جی بھر جاتا ہے تو توڑ دیتے ہیں، تم سب نے مجھے سمجھنے میں سخت غلطی کی ہے، میں کھلونا نہیں ہوں، میں بھی توڑنے کی طاقت رکھتا ہوں...... تم دیکھ لینا، سب کچھ ختم کر دوں گا...... میں فنا کر دوں گا سب کو......''

بولتے بولتے وہ ہانپ گیا اور بیڈ پر گرنے کے انداز میں بیٹھ کر گہرے گہرے سانس لینے لگا۔

''تم کس کی بات کرتے ہو دوست، کس نے تمہیں ستایا ہے، تم مجھے اُس کا نام کیوں نہیں بتاتے......؟'' آذر نے پیار سے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے کریدنا چاہا۔

اردشیر جو ذرا کی ذرا غصے کی کیفیت سے پھر رنج والم کی عمیق گہرائیوں میں اُترتا اور بے بس دکھائی دیا تھا، میز پر ہاتھ مار کر گرجنے برسنے والے انداز میں بولا......

''کیا بکواس کر رہے ہو......؟ کون مجھے ستا سکتا ہے......؟ ستایا کیسے جاتا ہے، یہ تو اب میں دکھاؤں گا دُنیا کو، مگر افسوس آذر، تم نہیں دیکھ سکو گے تمہارا دل بہت کمزور ہے، رو پڑو گے تم تو......'' بات کے اختتام پر اُس نے قہقہہ لگایا۔

اس نئی کیفیت سے آذر حد درجہ خوفزدہ تھا...... وہ تو چند روز سے یہ سمجھ رہا تھا کہ اردشیر سنبھل رہا ہے...... لیکن اب بات بات پر غصہ اور انتقام کے خوف ناک منصوبے آذر کو بے حد پریشان کر رہے تھے۔ اس وقت وہ چاہ رہا تھا، اردشیر دوا لے کر سو جائے مگر اس کے ساتھ زبردستی بھی ممکن نہیں تھی۔ اس کی جانب دیکھتے ہوئے وہ سوچ رہا تھا، اگر اس کی کیفیت یہی رہی یا مزید بگڑنے لگی تو کیا ہوگا۔ اردشیر کو دیکھ کر اسے یہی لگتا تھا، اب یہ کبھی سنبھل نہیں سکے گا۔

''اگر سب سے ناراض ہو تو پھر یہ سوگ کیسا، کھانا کیوں نہیں کھاتے تم......؟''

اردشیر نے بازو آنکھوں سے ہٹایا اور بولا......

''اپنے دُشمنوں کا سوگ نہ مناؤں کیا......؟''



''کھانا کھا لو، عقل ٹھکانے آئے گی سوچنا......'' آذر نے مسکرا کر اس اعصاب شکن ماحول کا اثر کم کرنا چاہا اور حیرت ہوئی جب وہ خاموشی سے اُٹھا اور کھانا کھانے کے لئے آ بیٹھا۔

آذر تو اس کی جانب سے خاصا مایوس تھا...... ڈاکٹر نے کہا تھا، چند روز میں وہ سنبھل جائے گا مگر وہ سارا دن اُس کے ساتھ رہتا تھا، اُس کی کیفیت مسلسل دیکھتا تھا، اسے اعتبار نہیں آیا تھا، اُس کا خیال تھا اردشیر کی حالت اب کافی دنوں کے بعد جا کر ہی سنبھلے گی کہ اس جیسے لوگ جنہیں ہمیشہ اہمیت اور محبت دی جاتی ہے، جب ٹوٹتے ہیں تو سمٹ نہیں پاتے۔

مگر حیرت ہوئی کہ اگلے دو روز میں اردشیر پہلے سے بہت بہتر دکھائی دینے لگا تھا۔ اُس نے چیخنا چلانا بہت کم کر دیا تھا ہاں البتہ جھلایا ہوا، دُنیا سے اُکتایا ہوا، وہ اب بھی تھا...... کھانا اب بھی بہت کہہ سن کر کھلانا پڑتا اور دوا کے لئے تو منتوں کے بعد ہی راضی ہوتا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ اردشیر کی آنکھ کھل گئی۔ اس وقت وہ کمرے میں اکیلا تھا۔ آذر یقیناً اسے نیند میں چھوڑ کر اپنے گھر چلا گیا تھا۔ اردشیر کچھ دیر خالی ذہن کے ساتھ بیڈ پر لیٹا رہا پھر ایک ایک کر کے تمام واقعات ذہن میں چکرانے لگے مگر شاید یہ نیند کا اثر تھا، وہ بظاہر پرسکون رہا۔ اُس پر غصے اور دُکھ کی ملی جلی کیفیت نے حملہ نہیں کیا۔

کچھ دیر بعد وہ بستر سے اُٹھا اور کاپی، بال پوائنٹ لے کر لیمپ روشن کر کے بیٹھ گیا۔ دیر تک آڑھی ترچھی لکیریں کھینچتا رہا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر اس کی آنکھیں چمک اُٹھیں۔ بہت دنوں کے بعد اُس نے سکون کا سانس لیا۔ بال پوائنٹ رکھ کر وہ پھر بیڈ پر آ گیا۔ کاپی اُس کے ہاتھ میں تھی، ان لکیروں کو جن کا بظاہر کوئی سر پیر دکھائی نہ دیتا تھا، دیکھتا رہا اور مسرور ہوتا رہا۔

تقریباً تیس منٹ کے بعد اُس نے کاپی رکھ دی اور کھڑکی کا شیشہ ہٹا کر کھڑا ہو گیا پھر کچھ دیر کے بعد کمرے سے باہر آ گیا تمام کمروں میں چکراتا پھرا اور آخر کچن میں آ کر بیٹھ گیا۔ آج کل کھانا تو وہ برائے نام ہی کھا رہا تھا، وہ بھی آذر کے زبردستی کھلا دینے پر مگر آج فرج کھول کر جوس نکالا اور اتنے سرد موسم میں وہیں کرسی پر بیٹھا پیتا رہا۔ اس کے بعد ایک سیب بھی کھایا۔ اُس کو صبح ہونے کا شدت سے انتظار تھا۔

جونہی اُفق پر سورج اُبھرا، اُس نے چوکیدار کو بلا لیا۔

''کوارٹر سے شادے کو جگا کر لاؤ...... جلدی کرنا مجھے بہت ضروری کام ہے۔''

چوکیدار نے اپنے صاحب کی جانب دیکھا، آج تو وہ بہت حد تک نارمل دکھائی دے رہے تھے۔

''صاحب! آج تو آپ بالکل ٹھیک دکھائی دے رہے ہیں۔''

''ہاں، میں ٹھیک ہوں...... تم جاؤ اسے بلا لاؤ۔'' اردشیر اتنا کہہ کر کامن روم میں آ بیٹھا۔

ذرا دیر بعد ہی ملازم خاص شادا حاضر تھا۔

''تمہیں صرف یہ معلوم کر کے مجھے بتانا ہے کہ میرے والد صاحب آج کل کہاں ہیں......؟ گاؤں میں ہیں یا شہر آئے ہوئے ہیں۔ اگر شہر میں آئے ہوئے ہیں تو اُن کی گاؤں واپسی کب تک ہوگی۔''

''ٹھیک ہے صاحب، آج بارہ بجے تک سب معلوم کر کے آپ کو بتا دوں گا۔''

''ہوں، اب تم جاؤ...... اور ہاں سنو، چوکیدار سے کہنا اگر آذر صاحب آئیں تو گیٹ پر سے ہی ٹال دے۔ کہہ دے کہ میں ایک ہفتے کے لئے اسلام آباد چلا گیا ہوں۔ اگر اندر آنے کی ضد کریں تو کہنا سارا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



گھر بند کر کے گیا ہوں۔“

”ٹھیک ہے صاحب......“

اُسے آذر کے لئے ایسی بات کہنے پر حیرت تو تھی کہ آذر وہ دوست تھا جس نے اردشیر کی بیماری کے دنوں میں دن رات ایک کر دیئے تھے مگر وہ صاحب سے کوئی سوال و جواب نہیں کر سکتا تھا۔

• • •

زیتون کی حالت سنبھلنے کی بجائے بگڑتی جا رہی تھی۔ عمر اور رابعہ بے حد پریشان تھے۔ شام کو عمر اماں کو کلینک پر لے گیا۔ اس کے جانے کے پندرہ بیس منٹ بعد مزیب آ گیا۔ رابعہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ زیتون کی موجودگی میں نہیں آیا ورنہ عمر کے لئے کتنی مشکل ہو جاتی، وہ بھلا کیا کہہ کر ٹالتا اسے، اُس نے مزیب کو یہ نہیں بتایا کہ اماں بیمار ہیں اور عمر انہیں ڈاکٹر کے پاس لے گیا ہے، بلکہ یہ کہا...... ”وہ دونوں کسی ملنے والے کے ہاں گئے ہوئے ہیں اور اُن کی واپسی خاصی دیر میں ہوگی۔“

ان دونوں کی غیر موجودگی میں مزیب نے بیرونی دروازے سے اندر آنا بھی مناسب خیال نہیں کیا۔ بس پیغام دے دیا۔

”عمر آئے تو اُسے میری آمد کی اطلاع دے دینا اور میری مما کا پیغام بھی کہ وہ اُسے بہت یاد کرتی ہیں۔ گھر پر بلا رہی تھیں۔ کہا کسی روز مصروفیت سے وقت نکال کر ہماری طرف ضرور آئے۔“

”ٹھیک ہے مزیب بھائی، میں یہ سب کہہ دوں گی۔“ اُس کے جانے کے بعد دروازہ بند کر کے پلٹی تو سوچ رہی تھی...... کتنا پیار کرتے ہیں یہ عمر سے...... اماں کو پتا نہیں کیا ہوا جو ملنے سے بھی منع کر دیا۔ یہی سب کچھ سوچتی چولہے کے قریب آ بیٹھی مگر اماں کی طرف سے طبیعت پریشان تھی۔ کچھ پکا نہیں سکی۔ دھیان بیرونی دروازے کی جانب تھا کہ کب عمر اور اماں واپس آتے ہیں۔

ڈاکٹر نے زیتون کو ہاسپٹل میں داخل کروانے کو کہا تھا۔

”کیا یہ بہت بیمار ہیں، کوئی خطرے والی بات تو نہیں ہے ناں ڈاکٹر صاحب......؟“ عمر سن کر بے حد پریشان ہو گیا تھا۔

جواب میں ڈاکٹر نے نسخہ تھما دیا تھا، بل بہت زیادہ بنتا تھا مگر اُس نے بھی سوچ لیا تھا، ماں کی خاطر خود کو بیچنا بھی پڑا تو یہ بھی کرنے سے گریز نہیں کرے گا۔

جب کہ زیتون اپنی زندگی سے مایوس ہو چکی تھی، بار بار کہتیں......

”سب کچھ مجھ ہی پر خرچ کر دو گے عمر، کچھ اپنے لئے اور رابعہ کے لئے بچا رکھو تمہیں پیسوں کی ضرورت پڑے گی۔“

”اماں...... آپ ہمارے ساتھ ہیں تو پھر ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں...... بس آپ اب جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔“

اس کے جملے سن کر بجائے خوش ہونے کے اُداسی اور بھی گہری ہو جاتی...... اکثر تو وہ رونے لگتیں...... عمر یہی سمجھتا اپنی بیماری کی وجہ سے پریشان ہیں۔ اسی لئے رو رہی ہیں۔

ہاسپٹل کے جنرل وارڈ میں انہیں تیسرا دن ہونے کو آیا مگر حالت کسی طرح سنبھل نہیں رہی تھی۔ ان دونوں کا برا حال تھا۔ طرح طرح کے وہم ستانے لگے۔



رابعہ تو آنے والے وقت سے سخت خوفزدہ دکھائی دیتی تھی۔ کئی بار دل اتنا پریشان ہو جاتا کہ رو دیتی۔ وہ اسے تسلی دینا چاہتا تھا مگر الفاظ نہیں ملتے تھے۔ آنے والے وقت کا خوف اس کے دل میں بھی سرایت کر گیا تھا۔ ایسے میں جی چاہتا، کوئی ہو جو اسے دلاسا دے سکے، اس کا حوصلہ بڑھا سکے۔ مزیب بہت یاد آتا تھا۔ وہ اس وقت پاس ہوتا تو بہت تسلی رہتی، حوصلہ مل جاتا مگر وہ نہیں تھا۔ عمر اکیلا ہی حالات سے لڑ رہا تھا۔

کئی بار سوچا مزیب کو اطلاع کر دے، اُسے کہہ دے......

”بھیا...... میں ان حالات میں آپ کی ضرورت بڑی شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔“

مگر اماں کی بات یاد آتی تو رُک جاتا۔

”پتا نہیں انہوں نے کیوں منع کر دیا ہے۔ پہلے تو وہ بھی بھیا سے اتنا پیار کرتی تھیں۔ صرف مجھے ہی نہیں انہیں بھی مزیب بھائی کی آمد کا انتظار رہا کرتا تھا۔ وہ چند روز نہیں آتے تھے تو مجھ سے پوچھا کرتی تھیں۔ اب نجانے کیا ہو گیا ہے انہیں۔“

رابعہ اور عمر، زیتون کے پاس ہاسپٹل میں تھے۔ مزیب ایک بار پھر اس کے گھر گیا، تب اسے محلے کے لوگوں نے عمر کی والدہ کی بیماری کے متعلق بتایا اور اطلاع دی کہ وہ تین چار روز سے ہاسپٹل میں ہیں۔ وہ اُن سے ہاسپٹل کا پوچھ کر چلا آیا۔

عمر اس وقت دوائیں لینے کے لئے مین گیٹ سے باہر آ رہا تھا جونہی اس پر نظر پڑی، زیتون سے کیا وعدہ یاد نہیں رہا۔ وہ بے اختیار ہی اس کی جانب لپکا اور آواز بھی دے ڈالی۔

مزیب گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے ہی زیتون کے بارے میں پوچھنے لگا۔

”اماں ٹھیک نہیں ہیں بھائی اور آپ کو اطلاع کس نے دی ہے......؟“

”میں تمہارے گھر گیا تھا، وہیں سے پتا چلا ہے مجھے۔“

”بھائی، آپ نے اچھا کیا جو چلے آئے ہیں، میں بہت مس کر رہا تھا آپ کو۔“

”تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں دی، پتا ہوتا تو میں خود ہی چلا آتا۔“

”بس بھائی، خیال ہی نہیں رہا، اصل میں اماں کی طرف سے اتنی پریشانی تھی، میں اور رابعہ تو کچھ سوچنے سمجھنے کے قابل ہی نہیں رہے تھے۔ دھیان اماں کی جانب سے ہٹتا ہی نہیں ہے۔ آپ دُعا کریں وہ جلدی ٹھیک ہو جائیں۔...... اور دُعا کے لئے اپنی والدہ سے بھی ضرور کہیں گا۔“

”ہاں ہاں، تم فکر نہ کرو، اللہ نے چاہا تو ایک دو روز میں وہ بالکل ٹھیک ہو کر گھر آ جائیں گی...... اور اس وقت تم کہاں جا رہے تھے۔“

جواب میں اُس نے دواؤں کی لسٹ اُسے دکھا دی۔ مزیب نے نسخہ اس سے لیا اور بولا......

”تم یہیں انتظار کرو، میں یہ سب لے کر ابھی آتا ہوں۔“

”مگر بھائی......“ عمر ہچکچایا۔

مزیب نے پیار بھرے انداز میں گھور کر دیکھا اور بولا......

”بھائی بھی کہتے ہو اور تکلف بھی کرتے ہو۔ میں یہ دوائیں لے کر آ جاؤں پھر کرتا ہوں تم سے دو دو ہاتھ...... شاباش، اچھے بچوں کی طرح یہیں موجود رہنا۔“

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



مزیب کے جانے کے بعد عمر کو خیال آیا، اگر اُس نے اماں سے ملنے کی خواہش کا اظہار کر دیا تو پھر کیا ہوگا۔ وہ بھلا کیا کہہ کر اسے ملنے سے منع کر سکے گا۔ وہ اندر رابعہ سے یہی مشورہ کرنے کے لئے چلا آیا۔ رابعہ کوریڈور میں ہی مل گئی۔ عمر نے ساری بات اُس سے کہہ دی۔

''اس وقت اماں سو رہی ہیں اور ہم یہی بات مزیب بھائی سے کہہ سکتے ہیں۔''

''ہاں چلو یہ بھی اچھا ہوا...'' اُس نے گہری سانس کھینچ کر کہا کہ سر سے بوجھ اُتر گیا تھا۔ مزیب کے سامنے کوئی بہانہ کرنا اسے بہت ہی مشکل لگ رہا تھا اور وہ یہ سوچ کر ہی شرمندہ ہو رہا تھا کہ اس سے کیسے جھوٹ بولے گا۔

''آپا... بھائی کے ساتھ جب بہانہ کرنا ہوگا تو تم ہی کرنا، میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''ٹھیک ہے ماں کی خاطر میں جھوٹ بول دوں گی... وہ بیمار ہیں، ہمیں اس حالت میں ان کی کوئی بات ٹال کر انہیں صدمہ نہیں پہنچانا چاہئے۔''

عمر اثبات میں سر ہلا کر پھر باہر آ گیا اور گیٹ کے قریب اِدھر اُدھر ٹہل کر مزیب کا انتظار کرنے لگا۔

• • •

شادے نے آ کر جو اطلاع دی، وہ اردشیر کے لئے بہت اچھی تھی۔ وہ بتا رہا تھا...

''شاہ جی آج کل شہر میں ہیں، پرسوں کسی مقدمہ وغیرہ کی تاریخ ہے۔ آج انہیں اسی سلسلے میں وکیل صاحب سے ملنا ہے اور پھر تاریخ بھگتانے کے بعد ہی اُن کا گاؤں جانے کا پروگرام ہے۔''

''یہ تو بہت اچھی اطلاع ہے میرے لئے۔'' اردشیر کہے بغیر رہ نہیں سکا۔

''کیا آپ بڑے صاحب کی طرف جانا چاہتے ہیں... ؟ میں گاڑی نکلوا دوں صاحب... اور اگر حکم کریں تو آپ کے ساتھ ہی چلوں۔''

''نہیں نہیں، بس اب تم جاؤ۔'' شادا واپسی کے لئے مڑا تو چوکیدار آ گیا۔

''ابھی ابھی آذر صاحب آئے تھے... میں نے آپ کے حکم کے مطابق کہہ دیا ہے کہ آپ اسلام آباد چلے گئے ہیں، سن کر بہت فکر مند ہوئے تھے۔''

''چلو کوئی بات نہیں، کل پرسوں تک میں خود آذر صاحب سے مل لوں گا۔'' اردشیر یوں تو اس وقت ٹانگ پر ٹانگ جمائے کرسی پر بیٹھا تھا مگر پھر بھی اس کے ہر انداز میں عجلت محسوس ہو رہی تھی۔ دونوں ملازم باہر چلے گئے۔ تب اُس نے گاؤں بڑی حویلی کا فون نمبر ملایا۔ فون زینت نے ہی ریسیو کیا۔ اُس کا نام سن کر وہ کچھ نہیں بولی۔

''دیکھئے جی... مجھے بہت افسوس ہے... بابا جان نے اُس روز میرے ساتھ ساتھ آپ کو بھی شرمندہ کیا...'' وہ بہت اپنائیت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔

زینت نے شاہ جی سے معافی مانگی تھی۔ ان کا دل و ذہن صاف کرنے کی کوشش کی تھی، بار بار کہا تھا

''آپ نے غلط سمجھا شاہ جی، ہماری نیت تو بالکل صاف تھی۔''

جواب میں وہ خاموش ہی رہے تھے اور اگلے روز صبح ہی صبح شہر کے لئے روانہ ہو گئے تھے۔ ان کی خاموشی زینت کو ڈرا رہی تھی۔ وہ دل ہی دل میں بے حد خوفزدہ تھی۔ اب اردشیر نے اتنے دوستانہ انداز میں بات کی تو بے اختیار سسکنے لگی۔



''میں تو بھرے جہاں میں اکیلی ہوں، اس گھر کے سوا میرا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ سب کو عزت دی ہے میں نے مگر پتا نہیں کیوں جواب میں اس قدر ذلت ملی ہے۔ ایسا الزام برداشت کرنا آسان نہیں اگر انہوں نے معاف نہ کیا تو میں مر جاؤں گی۔''

''ایک خوشخبری ہے جی آپ کے لئے...'' جواب میں وہ ہنس کر کہہ رہا تھا۔

''خوشخبری...'' زینت کی حیرت یقینی تھی۔

''جی... میں بابا جان سے ملا ہوں، معافی مانگی ہے... بے قصور ہوتے ہوئے بھی اور ساری حقیقت بھی واضح کی ہے اُن پر... اور اب وہ شرمسار ہیں اپنی جلد بازی پر... انہوں نے ہم دونوں کو معاف کر دیا ہے۔''

''اچھا...'' زینت خوشی کے بے پایاں احساس میں گھری بے اختیار کہہ اُٹھی، پھر بولی...

''میں نے تو بار بار قسمیں کھائیں... اتنا یقین دلایا مگر وہ چپ کے چپ بیٹھے رہے۔ بس ایک بار اتنا کہا، تم سے گلہ نہیں ہے... مگر میں جانتی ہوں، دل میں بال تو آ گیا ہے۔ آپ بیٹے ہیں، آپ کی بات پر تو یقین کرنا ہی تھا انہیں... وہ بہت پیار کرتے ہیں آپ سے... بہت اچھا کیا آپ نے جو ساری بات وضاحت سے بیان کر دی۔''

''ہاں، اب تو اُن کا دل ہم دونوں کی طرف سے بالکل صاف ہے... صبح ہم دونوں نے اکٹھے ناشتا کیا ہے۔ پھر وہ وکیل کی طرف چلے گئے۔ کہہ رہے تھے، تاریخ بھگتا کر گاؤں جائیں گے اور زینت کو شہر لے کر آئیں گے۔ کچھ روز آپ دونوں ہماری طرف رہیں گے، ہمارے مہمان بن کر۔''

''اچھا... اس کا مطلب ہے اب تو ان کا دل بالکل صاف ہو گیا ہے۔'' زینت کی آواز میں خوشی کی جھلک نمایاں تھی۔

''ہاں ہاں بالکل... وہ بھول گئے ہیں اس منحوس گھڑی کو، ہمیں بھی بھلا دینا چاہئے... آپ آئیں گی ناں میری طرف...؟''

''ہاں جی کیوں نہیں... ہم دونوں ضرور آئیں گے۔''

''اچھا سنئے... آپ اُس روز بیمار تھیں ناں، بخار تھا آپ کو، اب طبیعت کیسی ہے آپ کی... ؟''

''اُس روز جو کچھ ہوا... پھر شاہ جی جس خاموشی سے شہر چلے گئے تھے، اس بات نے مجھے بہت بیمار کر ڈالا ہے اور سچ تو یہ ہے زندگی ہی بری لگنے لگی تھی۔ میں نے علاج کروایا ہی نہیں۔''

''بہت برا کیا آپ نے... میں یہ سن کر بہت فکر مند ہوں... آپ کے لئے... ابھی گاڑی بھجواتا ہوں اور بابا جان سے میں خود وکیل صاحب کے آفس فون کر کے بات کرتا ہوں۔ بس آپ اب خود شہر آ جائیں۔ دیر نہیں ہونی چاہئے۔''

''لیکن... میں اس طرح...'' وہ ہچکچائی۔

''کہہ تو رہا ہوں، پہلے بابا جان سے اجازت لوں گا، پھر گاڑی بھجواؤں گا اور ڈرائیور آپ کو بابا جان کی کوٹھی پر ہی چھوڑ کر آئے گا، اِدھر تو نہیں لائے گا جو سوچ میں پڑ گئیں۔''

''نہیں جی نہیں، ایسی تو کوئی بات نہیں...'' بات تو ایسی ہی تھی مگر اس نے جس خلوص کا مظاہرہ کیا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھا، وہ صاف منع کرتے ہوئے ہچکچا رہی تھی۔

''بس ٹھیک ہے...... میں ڈرائیور بھیج رہا ہوں اور اگر آپ مطمئن نہیں ہیں تو میں خود جا کر بابا جان کی خدمت میں حاضر ہو جاتا ہوں اور بات کر لیتا ہوں۔ آپ آ جائیں علاج بھی ہو جائے گا اور بابا نے یہ جو کہا ہے کہ آپ دونوں میرے مہمان بنیں گے، یہ بات بھی پوری ہو جائے گی۔''

زینت بھی خوش تھی کہ باپ بیٹے میں صلح ہو گئی ہے اور شاہ جی نے اُسے بھی معاف کر دیا ہے۔ اب لیکن وہ یقین کرتی تو وہ یہی سمجھتا کہ زینت ہی باپ بیٹے کے درمیان دیوار بن رہی ہے اور وہ ایسا کوئی الزام اپنے سر لینا نہیں چاہتی تھی۔

اردشیر نے ڈرائیور کو بلا کر گاؤں جانے کے لئے کہا۔

''جلدی جاؤ اور جلد از جلد واپس آنے کی کوشش کرنا میں منتظر رہوں گا۔''

ڈرائیور کو گاڑی لے کر گاؤں جانا تھا، پھر آج ہی واپس شہر بھی آنا تھا اور سفر تین گھنٹے کا تھا۔ اس وقت دوپہر کے بارہ بج رہے تھے۔ واپسی رات کو چھ سات بجے سے پہلے کسی طرح ممکن نہیں تھی مگر وہ تو اسے روانہ کرتے ہی واپسی کے انتظار میں نظر آنے لگا تھا۔ کبھی ٹہلنے لگتا، کبھی ٹائم دیکھتا...... شادے نے ایک بار ہمت کر کے کہا بھی ''آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، کچھ دیر آرام کر لیجئے۔''

مگر جواب میں وہ کچھ نہیں بولا۔ لگتا تھا اُس نے شادے کی بات سنی ہی نہیں...... اس وقت اس کے چہرے پر عجیب رنگ تھا۔ جیسے شکاری شکار سے بھرے جنگل میں آ نکلا ہو۔

● ● ●

''بڑی ماں......''

ایک معصوم سی آواز، کسی بچے کی پیاری پیاری آواز......

''بڑی ماں...... میں آپ کا بیٹا ہوں...... آپ کتنی اچھی ہیں...... کتنی پیاری ہیں بڑی ماں...... میں وعدہ کرتا ہوں آپ کی ہر بات مانوں گا۔'' لہجے میں سچائی آنکھوں میں محبت لئے وہ بچہ کہہ رہا تھا۔

''یہ وعدہ یاد رکھنا بچے......'' کبریٰ کو کئی سال پیچھے کی آوازیں صاف سنائی دے رہی تھیں۔ ایک ایک حرف واضح تھا...... وہ ماضی کی تصویر دیکھ رہی تھیں۔

کہنی کے بل اُونچا ہو کر وہ چمکدار آنکھوں والا بھولا بھالا بچہ اس کے بہت قریب لیٹا بغور اس کا چہرا دیکھ رہا ہے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو اردشیر......؟''

جواب میں کچھ کہنے سے پہلے اُس نے سر کبریٰ کے سینے پر رکھ دیا، پھر بازو گردن میں حمائل کر دیئے پھر کچھ دیر بعد سر اُٹھا کر بولا......

''آپ مجھے بڑی اچھی لگتی ہیں، بہت ہی اچھی...... کیونکہ آپ میری پیاری بڑی ماں ہیں، ہیں ناں......؟ میں امی کا نہیں، صرف آپ کا بیٹا ہوں۔'' گھنی پلکوں کو وہ اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے بار بار جھپک رہا تھا، لب مسکرا رہے تھے۔ سر کے گھنے براؤن بال چمک رہے تھے۔

''اُٹھو اردشیر، میں نے تمہیں پڑھنے کو کہا تھا۔'' راحت کی آواز کہیں بہت قریب سے آ رہی ہے۔

''بڑی ماں، مجھے امی سے بچا لیں......'' وہ اور بھی شدت کے ساتھ اس سے لپٹ جاتا ہے۔



پھر منظر بدلتا ہے۔

اب ننھے بچے کا ہاتھ اس کی پیشانی پر ہے۔ وہ فکرمندی سے پوچھ رہا ہے۔

''آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں بڑی ماں......؟''

اور...... اور پھر آخری منظر......

جوان خوبرو لڑکا، بالکل اُسی ننھے اردشیر کی طرح بسورتے ہوئے اپنے باپ کی شکایت کرنے کبریٰ کے پاس آیا ہے۔ اس عورت کے چہرے پر نفرت ہے، سفاکی ہے۔

''ماں تو صرف ماں ہوتی ہے، نہ بڑی ماں، نہ چھوٹی ماں...... تم کس بڑی ماں کی بات کرتے ہو......؟''

اور پھر اس کے خوبرو چہرے پر، ان چمکدار کانچ جیسی آنکھوں میں کیسا کرب تھا۔ لگا تھا دل میں تیر اُتر گیا ہے۔ خون کے آنسو روتی ان آنکھوں میں التجا تھی...... ''مجھے بچا لیں......'' مگر اُس نے کہا تھا......

''مجھے تمہاری کوئی پروا نہیں، چاہو تو مر جاؤ......'' وہ اِتنا ٹوٹا، ایسا نڈھال ہوا کہ تھک کر نیچے بیٹھ گیا۔ بکھر گیا۔

بڑی تیز آندھی تھی...... طوفان جو عرصے سے کبریٰ کے دل میں چھپا ہوا تھا، اُس روز تمام عالم میں پھیل گیا اور اس کی زد میں اردشیر آ گیا...... بے قصور، معصوم، بھروسے اور اعتماد کے ہنڈولے میں جھولتا اردشیر......

کبریٰ پچھلے کئی دنوں سے بے کل تھیں...... وہ راتوں کو سو نہیں سکی تھیں...... کبھی اردشیر کا بچپن انہیں نیند سے جگا دیتا اور کبھی کرب میں ڈوبی آواز آنکھوں میں حیرت لئے وہ انہیں پکارتا......

''بڑی ماں......''

اور سوتے سے اُن کی آنکھ کھل جاتی، وہ گھبرا کر اُٹھ بیٹھتیں...... کئی بار کبریٰ نے بے خودی کے عالم میں پوچھ بھی ڈالا......

''کیا ہوا اردشیر......؟''

نفرت تو شاہ جی سے کی تھی...... نہیں بلکہ محبت کی تھی...... نفرت تو انہوں نے کروائی تھی...... میں نے تو عشق کیا تھا پھر اردشیر کا قصور کہاں سے نکلا......؟ مجھے شاہ جی نے نظروں سے گرایا۔ محبت کا وعدہ وہ بھولے، مجھے اپنے دل سے انہوں نے نکالا کہ دل کی خواہش کچھ اور ہونے لگی تھی۔

اردشیر نے مجھ سے محبت کی تھی...... ہمیشہ مان دیا اور بدلے میں کیا پایا اُس نے...... اُس کا جرم تو کہیں بھی نہیں نکلتا...... تو پھر میں نے سزا اُسے کیوں سنائی......؟ بالکل ویسے ہی جیسے مجرم نہ ہوتے ہوئے بھی، شاہ جی نے مجھے سزا دی۔ دل کے نگر سے بے نگر کرنے کی سزا......

یہ میں نے کیا کیا......؟ یہ تو وہی تھا جس کی تمنا میں نے کی تھی۔ مجھے یاد ہے ایک بار نہیں، بار بار میں نے وہ چہرہ ہاتھوں میں لے کر بغور دیکھا اور کہا تھا......

''کاش تم میرے ہوتے...... میرے جسم کا حصہ ہوتے...... میری رُوح، میرا دل ہوتے، میرا فخر، میرا مان ہوتے......''

میں ندامت سے چور ہوں، مجھے معاف کر دو اردشیر......''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



مگر وہ نہیں جانتی تھیں۔ یہ خیال انہیں بہت دیر کے بعد آیا ہے، اب بڑی دیر ہو چکی ہے۔ وہ ہر سمجھ سکتی تھیں۔ اردشیر کا ہاتھ ان کے ہاتھ سے پھسلا تو وہ طوفانوں کی زد میں آ کر دور، بہت دور نکل گیا ہے۔ وہ اسے پکار تو سکتی ہیں مگر اس کے سانس کی آہٹ کو محسوس نہیں کر سکتیں۔ اب بہت فاصلے حائل ہیں بیچ میں۔

• • •

سردی کا موسم تھا، اوائل دسمبر کے دن تھے۔ جب دن بہت جلد رات کی سیاہ شال اوڑھ لیتے۔ ابھی چھ بجے تھے مگر تاریکی نے اپنا دامن پھیلا لیا تھا۔ اردشیر کے ہونٹوں پر سفاک مسکراہٹ تھی مگر آنکھوں میں اب بھی یاسیت کا رنگ نمایاں تھا۔ چند روز کی بیماری نے ساری شادابی اس کے چہرے سے چھین لی تھی۔ وہ شکستہ تھا اور دکھائی بھی دیتا تھا مگر اس وقت تو اسے کسی درد، کسی کمزوری کا احساس نہیں تھا۔ وہ پوری شدت کے ساتھ زینت کی اپنے ہاں آمد کا منتظر تھا۔

سات بجے، پھر ساڑھے سات...... اُس کے خون کا دورانیہ تیز سے تیز ہونے لگا۔ بار بار ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا اور بڑبڑاتا......

''وہ لوگ آئے کیوں نہیں...... میں نے ڈرائیور کے بچے کو یہ کہہ کر بھیجا تھا کہ گاڑی تیز چلانا، جلد از جلد پہنچنے کی کوشش کرنا......''

پھر خیال آتا ''کہیں معاملہ بگڑ نہ گیا ہو...... ایسا نہ ہو کہ شاہ جی گاؤں پہنچ گئے ہوں۔''

جھلاہٹ اور غصے کے عالم میں دو گلاس توڑ ڈالے...... تین ملازموں کا سر توڑنے کی دھمکی دی۔ شادے کو بے بھاؤ کی پڑیں اور ڈرائیور کے متعلق تو یہ کہہ دیا کہ اگر وہ ناکام لوٹا تو اسے شوٹ کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائے گا۔

''خدا خیر کرے، صاحب کا دماغ تو لگتا ہے پھر چل گیا ہے۔'' ملازم آپس میں سرگوشیاں کرنے لگے۔

شادا آذر کو فون کرنے کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا کہ وہی تو تھا جو اس کے صاحب کو سنبھال سکتا تھا مگر ساتھ میں یہ دھڑکا بھی تھا۔ صاحب نے منع کر رکھا ہے۔ اگر انہیں علم ہو گیا تو پھر اس کی خیر نہیں۔

رات آٹھ بجے کے قریب گاؤں سے گاڑی واپس آئی اور پچھلی سیٹ پر چہرا چادر سے ڈھانپ کر بیٹھی عورت کو دیکھ کر سب کو اطمینان ہو گیا۔

شادا صاحب کو گاؤں سے مہمان آنے کی اطلاع دینے دوڑا۔

اردشیر اس وقت لابی میں کھڑا تھا۔ یہ خبر اُس کے سارے وجود میں سنسنی سی دوڑا گئی۔ ایک دم سے اُسے لگا، صبح سے جو کیفیت طاری تھی، جو انتقام، جو ضد اس کے لہو میں ناچ رہی تھی، اب اس کے ساتھ ساتھ ایک اور جذبہ بھی اُبھرنے لگا ہے۔ وہ کچھ جھجک گیا، فوری طور پر زینت کے سامنے جا نہیں سکا۔ ملازم کو حکم دیا۔

''انہیں میرے بیڈ روم میں بٹھا دو۔''

وہ خود لاؤنج میں آ بیٹھا...... یہ نئی کیفیت جو اس پر طاری تھی، اُس کا دورانیہ زیادہ طویل نہیں ہو سکا۔ کچھ دیر وہ بے مقصد بیٹھا رہا پھر اُٹھا اور شاہ جی کا نمبر ملانے لگا۔



''شاہ صاحب...... میں بول رہا ہوں اردشیر شاہ......'' اُس نے آج بابا جان نہیں کہا...... پورا جملہ بڑے ٹھنڈے اور سپاٹ انداز میں ادا کیا۔

''کہو کیسے یاد فرمایا ہے......؟'' اِدھر بھی لہجہ ٹھہرا ہوا تھا۔

''بس سر جی...... آپ کی بیگم نے ایک مشکل میں مبتلا کر دیا ہے...... میرا مطلب آپ کی چھوٹی بیگم صاحبہ سے ہے، وہی جو لاڈلی ہیں آپ کی، جس کے لئے بڑا دل ہے آپ کے پاس، اُس پر لاکھوں لٹا کر بھی افسوس نہیں ہوتا حالانکہ کبھی چند ہزار بھی اکٹھے دیکھنے کو ملے ہوں گے، اس شادی سے پہلے اُسے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو......؟'' وہ بھڑک کر بولے۔

''خفا نہ ہوں، میں تو جی بس یہ کہہ رہا تھا کہ وہ یہاں میرے غریب خانے پر آئی بیٹھی ہیں...... مگر کیا کروں کہ میرے دل میں آپ کا خیال ہے، وہ رشتے جو آپ نے بڑی آسانی سے توڑ ڈالے ہیں، اُن کی حرمت کا پاس ہے، قسم کھاتا ہوں جیسی آئی تھیں، ویسی ہی ہیں۔''

''لوفر...... بدمعاش......'' شاہ جی چیخ اُٹھے۔

''لو بھلا...... میرا کیا قصور...... میں نے تو یونہی فون پر سرسری انداز میں دعوت دی تھی، وہ سچ مچ چلی آئیں آپ کی چھوٹی بیگم صاحبہ......'' وہ بڑی عیاری سے بولا اور سفاکی سے ہنس پڑا۔

''اور تم...... تمہیں حیا نہیں آئی...... تمہیں اتنا بھی احساس نہیں کہ وہ تمہاری ماں کی جگہ ہے۔''

''ہونہہ...... ماں کی جگہ...... آپ کو یاد ہوگا شاہ صاحب، یہ وہی عورت تو ہے جس کے ساتھ آپ نے مجھے دیکھا تو شک کا شکار ہو گئے۔ کتنا ذلیل کیا آپ نے مجھے...... اور اب یاد آیا ہے کہ وہ ماں کی جگہ ہے، تب یہ خیال کیوں نہیں آیا آپ کو، وہ ماں کی جگہ کبھی نہیں ہو سکتی، یہ احساس آپ ہی نے دلایا ہے مجھے......'' وہ بہت اُونچی آواز اور سرکش انداز میں بات کر رہا تھا۔

''تم اس قدر بیہودہ، اِتنے گھٹیا بھی ہو سکتے ہو، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا......'' شاہ جی کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اُس کا حلیہ بگاڑ دیں۔

''پھر آپ نے بتایا نہیں، میں کیا کروں چھوٹی بیگم کا...... اگر حکم ہو تو ابھی میں خود ڈراپ کر دوں اُسے آپ کی کوٹھی پر اور اگر یہ پسند نہیں، پھر میں انہیں نہایت عزت کے ساتھ گاؤں...... ہیلو...... ہیلو......'' فون بند ہو گیا۔

''بس...... اتنا حوصلہ تھا......'' وہ ہنس پڑا...... اور پھر اپنے کمرے کی جانب بڑھا، دروازہ کھولا تو وہ پورے اطمینان سے کرسی پر بیٹھی اسے دیکھ کر مسکرائی...... اور سلام کیا۔

اردشیر پھر ٹھٹکا اسے سمجھ نہیں آیا، اس وقت زینت کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرے۔ اس عورت کے ساتھ دُشمنی کی کوئی وجہ نہیں بنتی تھی۔ اُس نے ہمیشہ اسے عزت دی اور خیال رکھا تھا مگر جو کچھ اردشیر اس کے ساتھ کر رہا تھا، اس کے بعد یقیناً وہ اسے روئے زمین پر اپنا سب سے بڑا دُشمن گردانتی۔

''شاہ جی کہاں ہیں، آپ کی بات تو ہوگئی ہے ناں اُن سے......؟'' ابھی تک اُس نے آنے والے طوفانوں کی آہٹ کو محسوس نہیں کیا تھا۔

''ہاں میری بات ہوگئی ہے اُن سے......'' اردشیر گہرا سانس کھینچ کر بولا۔ اور پھر اُس کے سامنے آ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



بیٹھا مگر اُس کی جانب دیکھنے سے گریزاں، وہ اِدھر اُدھر بے مقصد ہی نظر دوڑا رہا تھا۔ بظاہر یوں کہ کسی چیز کی تلاش میں ہو۔

"آپ تو بہت کمزور دکھائی دے رہے ہیں۔" وہ اپنائیت سے پوچھ رہی تھی۔

"کمزور دکھائی دے رہا ہوں...... مگر ہوں نہیں۔" اردشیر لمبی بات کرنا نہیں چاہ رہا تھا، کہنے کے ساتھ ہی اُٹھ کھڑا ہوا اور ریسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔

"کسی کا انتظار ہے کیا......؟" اُس نے اس خیال سے پوچھا کہ شاید وہ شاہ جی کے آنے کا منتظر ہوگا۔

"ہاں......" وہ اس کی جانب دیکھے بغیر بولا۔

"مجھے تو آپ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی، آپ کچھ گھبرائے ہوئے دکھائی دے رہے ہیں۔"

اور کہنے کے ساتھ ہی زینت کو خیال آیا...... شاہ جی نے جیسا الزام دونوں پر لگایا اور اردشیر کو جس طرح گھر سے نکل جانے کا حکم سنا دیا۔ کوئی بھی غیرت مند ان حالات میں ٹھیک کس طرح رہ سکتا تھا۔ یقیناً انہیں بہت صدمہ ہوا ہوگا۔

وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی اور بازو میں پڑی چوڑیوں کو دیکھنے لگی۔ چند منٹ کے بعد سر اُٹھایا تو وہ اب بھی اس کی جانب سے رُخ پھیرے کھڑا تھا۔

"پانی مل جائے گا۔" زینت نے ہولے سے کہا۔

"کیوں نہیں...... شاہ جی کو آلینے دو...... پانی ہی نہیں، دُودھ چائے وغیرہ وغیرہ سب کچھ مل جائے گا۔"

وہ عجیب سی ہنسی ہنسا تھا۔ اس بات سے اُس کا کیا مطلب ہے۔ وہ ایسے کیوں ہنسا ہے، زینت سمجھی نہیں۔

• • •

"ڈرائیور جلدی کرو......" وہ بار بار کہہ رہے تھے۔ دائیں ہاتھ میں پکڑے ریوالور پر ان کی گرفت مضبوط ہوئی جا رہی تھی...... اور آنکھوں میں خون اُترا ہوا تھا۔ جب اردشیر کی کوٹھی سامنے آئی تو جی چاہا آگ لگا دیں اور اس جگہ پر موجود تمام افراد کو جلا کر راکھ کر دیں۔

گاڑی ڈرائیو وے پر رُکوا کر وہ بہت عجلت کے عالم میں باہر نکلے، ریوالور والا ہاتھ کاندھے پر ڈالی گرے چادر میں چھپا ہوا تھا مگر تیور اتنے خطرناک تھے کہ جس نے بھی دیکھا، ٹھٹک گیا مگر وہ ان کے صاحب کے والد تھے۔ یہ تو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ باپ بیٹے کے درمیان نفرت کی بہت اُونچی دیوار اُٹھا دی گئی ہے۔

"کہاں ہے وہ......؟" رہائشی عمارت کے قریب آ کر انہوں نے ایک ملازم لڑکے سے پوچھا۔

"کون......؟ کس کو پوچھ رہے ہیں......؟ اور آپ کون ہیں صاحب......؟" لڑکا نیا تھا، انہیں نہیں پہچانتا تھا۔

انہوں نے جواب نہیں دیا۔ بہت تیز قدم اُٹھاتے ہوئے وہ آگے بڑھ گئے۔ اُس کے بیڈروم کا رُخ کیا دروازہ دھماکے سے کھلا تو اردشیر اور زینت نے بیک وقت اُدھر دیکھا۔ جمشید شاہ کی تیور دیکھ کر وہ



گھبرائی اور اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی جبکہ اردشیر کے انداز میں بیگانگی اور ایک طرح کا سکون تھا جیسے اُسے اُن کی آمد کی اسی طرح توقع تھی۔

زینت نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے مگر اس کی آواز شاہ جی کی آواز میں دب کر رہ گئی۔

"تم پیدا ہوتے ہی مر کیوں نہیں گئے......؟ تم نے یہ جرأت کیسے کی......؟"

"شاہ جی، یہ تو مجھے کہہ رہے تھے کہ آپ......" زینت چیخ کر بولی......

"تم بولتے کیوں نہیں کم ظرف انسان......؟" انہیں زینت کی فریاد سننے کا ہوش ہی کہاں تھا۔

"کم ظرف...... گھٹیا...... مجھے آپ نے بنا دیا ہے...... اس کے ساتھ میرا نام آپ نے لیا ہے شاہ جی، بہت بے عزت کیا ہے آپ نے مجھے...... میں بھولا تو نہیں تھا...... مجھے خاموش ہو کر نہیں بیٹھنا تھا...... مجھے آپ کو یہ بتانا تھا، سمجھانا تھا جب نقاب ہٹ جائے تو حجاب باقی نہیں رہتا۔"

"خود کو معصوم ثابت کرنے کی کوشش مت کرو۔ میں تمہارے کردار سے بہت اچھی طرح واقف ہوں۔ تم سے جو بھی سلوک کیا جائے، وہ کم ہے۔"

وہ پشت پر ہاتھ باندھے تقریباً دس فٹ کے فاصلے پر کھڑا تھا اور شاہ جی ابھی تک دروازے میں ہی کھڑے تھے۔

"تم اس قابل ہی نہیں تھے کہ تمہیں......"

"اور اپنے بارے میں کیا کہیں گے......؟ لینے آئے ہیں ناں اپنی منکوحہ کو لے جایئے...... یقین کیجئے اپنی زبان بند رکھوں گا، کسی سے نہیں کہوں گا۔"

"شاہ...... شاہ سائیں......" زینت زور سے چلائی کہ جمشید شاہ کا چادر کے پیچھے چھپا ہاتھ اب ریوالور سمیت سامنے تھا۔ پتا نہیں نشانہ کون تھا وہ جو دُعاؤں کا نتیجہ تھا، جو سب سے بڑی خواہش تھی یا زینت یا...... وہ ان لمحوں بدصورتی کی تاب نہ لا کر خود کو شوٹ کرنا چاہ رہے تھے۔

اس سے پہلے کہ اس بات کا جواب سامنے آتا، کسی نے پیچھے سے انہیں دھکیلا اور ساتھ ہی ...... بازو پکڑ کر اُوپر کر دیا۔ لمحوں کی بات تھی، گولی چلی اور سامنے دیوار پر لگے کلاک میں جا لگی۔ ریوالور اب اردشیر کے نئے ملازم کے ہاتھ میں تھا...... اور وہ اپنے صاحب کی طرف سے حکم کا منتظر تھا۔

اردشیر کو باپ سے یہ اُمید ہرگز نہیں تھی کہ وہ بیٹے کے قتل پر اُتر آئیں گے (اسے پورا یقین تھا، ان کا نشانہ وہی تھا) اب غصہ کم اور صدمہ زیادہ تھا، اُس کا حال برا تھا۔

دوسری طرف زینت سمجھ رہی تھی، نشانے پر وہی تھی، اردشیر نے جو کچھ کیا، اس کے بعد شاہ جی اُسے اپنے گھر میں رکھنا کبھی پسند نہ کرتے، موت کے خوف نے اُسے گنگ کر دیا تھا۔ آنکھوں میں آئے آنسو بھی جم کر رہ گئے تھے۔

گولی کی آواز پر کئی ملازم دوڑے چلے آئے تھے۔ اردشیر نے اشارے سے انہیں باہر جانے کو کہا، نیا لڑکا ریوالور اردشیر کی جانب بڑھا کر خود باہر نکل گیا۔ باقی سب بھی پیچھے ہی تھے البتہ شادا یہیں موجود رہا۔

کیفیت شاہ جی کی بھی عجیب تھی۔

"یہ بیٹا ہے، یہ میرا خون، کیا کیا ہے اُس نے میرے ساتھ...... اور یہ عورت، کتنا بھروسہ کیا میں نے اس پر، کتنی عزت دی میں نے اِسے......"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ ان سے کچھ بھی کہے بغیر باہر نکل گئے۔ گرتی پڑتی سسکتی زینت بھی اُن کے پیچھے ہولی۔

''یہ سب کیا ہوا صاحب ...؟'' شاداحیرت کے عالم میں اس سے پوچھ بیٹھا تھا۔

اس وقت اردشیر میں اتنی سکت نہیں تھی کہ جواب میں کچھ بول سکتا۔ کتنا پیار دیا تھا اُس باپ نے، ہر خواہش پوری کرنے کو تیار رہتے تھے، اس کے لیے فکرمند ہوا کرتے تھے، بار بار ملنے آتے تھے، سب کچھ ختم ہوگیا، آج وہ اس پر گولی چلا بیٹھے۔

''نہیں بابا نہیں ... آپ ایسا نہیں کر سکتے... آپ کبھی ایسا نہیں کر سکتے ... میرے اچھے بابا کہاں ہیں ...؟ آپ کیوں مجھ سے اتنی دور ہوگئے ہیں ...؟''

جذبات کی یورش اسے بہا لے گئی۔ وہ تھک کر زمین پر بیٹھ گیا۔ بازو آنکھوں پر رکھا اور بچوں کی طرح رونے لگا۔

شادا اب تک یہاں موجود تھا۔ وہ عمر میں اردشیر سے دس بارہ برس بڑا تھا۔ پہلے تو سوچا اسے چپ کرائے، اس کا درد پوچھے، پھر جھجک کر رک گیا کہ اردشیر کا رویہ ملازموں کے ساتھ بے تکلفی والا کبھی نہیں رہا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا اُسے یوں روتے دیکھتا رہا۔ پھر دبے قدموں سے باہر نکل گیا۔

گاڑی میں زینت اور شاہ جی دونوں پچھلی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ انہوں نے لرزتی ہوئی آواز میں ڈرائیور سے گاڑی گاؤں لے جانے کو کہا تھا۔ ساتھ بیٹھی زینت کا وجود پوری طرح لرز رہا تھا۔ اسے یقین تھا شاہ جی اسے ہرگز زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ اس واسطے گاؤں لے کر جا رہے ہیں۔ ورنہ قیام تو شہر والی کوٹھی میں بھی کیا جا سکتا تھا۔

''شاہ ... شاہ جی ...'' اُس نے کچھ کہنے کی کوشش تو کی مگر خوف سے حالت اَبتر تھی۔ وہ جملہ ادا نہیں کر سکی، چہرا چادر میں چھپا کر بے آواز رونے لگی۔

جب شاہ جی اردشیر کی طرف جا رہے تھے تو بار بار گاڑی تیز چلانے کا تقاضا کر رہے تھے مگر اب وہ کسی لٹے پٹے بے یارومددگار مسافر کی طرح نظر آ رہے تھے۔ سر جھکا ہوا تھا، لب خاموش اور آنکھوں میں دُکھ اور بے بسی کے گہرے سائے تھے۔ انہوں نے سر ایک بار بھی اوپر نہیں اُٹھایا۔ خاموش تو تھے ہی دیکھ کر محسوس ہوتا تھا۔ کچھ سن بھی نہیں سکتے۔

پھر شہر کا علاقہ ختم ہوگیا...... اب روڈ کے دونوں طرف جنگل تھا جو رات کی تاریکی میں بہت گھنا اور خوفناک دکھائی دیتا تھا۔ موسم سرما کی اس اُداس ٹھٹھرتی رات میں ٹریفک برائے نام ہی تھی بس کبھی کبھی کوئی ٹرک گزر جاتا تھا۔

''کہیں ان کا ارادہ اسی جگہ پر قتل کا تو نہیں۔'' زینت نے گھبرا کر شاہ جی کی جانب دیکھا۔

''شاہ...... شاہ جی...'' وہ کراہی اور اپنا کانپتا ہوا ٹھنڈا یخ ہاتھ اُن کے بازو پر رکھا۔ جمشید شاہ نے چاہا جھٹکا دے کر اس کا ہاتھ اپنے بازو سے ہٹا دیں مگر وہ ایسا نہیں کر سکے۔

''شاہ جی...... کیا ہو رہا ہے آپ کو......؟ قریب سے ٹرک گزرا، اُس کی روشنی شاہ جی کے چہرے پر پڑی تو زینت چونک گئی اور چیخ کر دوسرا ہاتھ بھی اُن کے شانے پر رکھ دیا۔ ڈرائیور نے لائٹ آن کی اور پھر گاڑی بھی روک دی۔ اُن کی حالت اچھی نہیں تھی۔ وہ آنسوؤں سے تر چہرا لئے بار بار یہی کہتی رہی۔

''میں بے قصور ہوں ...... آپ یقین کریں، میں بے قصور ہوں۔ اُس نے دھوکے سے مجھے بلایا



تھا۔ وہ کہتا تھا آپ نے اسے معاف کر دیا ہے اور آپ کی اجازت سے ہی مجھے بلا رہا ہے۔''

وہ یہ نہیں دیکھ رہی تھی کہ شاہ جی سننے سمجھنے کی حالت میں ہیں بھی یا نہیں، بس اپنی کہے جا رہی تھی۔

ڈرائیور نے ایک بار پھر شہر کا رُخ کیا۔ وہ چاہ رہا تھا، جلد از جلد ہاسپٹل پہنچ جائیں۔ شاہ جی کی حالت نے اسے بھی خوفزدہ کر دیا تھا۔ خدا سے خیر کی دُعا مانگتا۔ وہ بار بار سر جھٹکتا اور اپنے کسی خیال سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کرتا۔ شاہ جی کی حالت نے زینت کے تو اوسان خطا کر دیئے تھے۔

● ● ●

نورین نے کوئٹہ سے واپس آتے ہی رائحہ کو فون کیا اور پوچھا ......

''تم شاہ کی طرف گئی تھیں ناں...؟''

''تمہیں اتنی فکر کیوں ہو رہی ہے......؟'' رائحہ، نورین سے بدگمان تھی کہ اس کے خیال میں نورین نے شاہ کی بیماری کے بارے میں اس سے جھوٹ کہا تھا۔

''وہ میرا دوست ہے۔'' نورین کو اُس کے انداز پر حیرت ہوئی کہ رائحہ کبھی اس انداز میں بات نہیں کرتی تھی۔

''ہونہہ دوست! بھلا مرد اور عورت کی دوستی ہو سکتی ہے......؟''

''مجھے نہیں پتا ہو سکتی ہے یا نہیں......اور میں یہ بھی نہیں جانتی کہ وہ مجھے کیا سمجھتا ہے مگر میں اسے اپنا دوست ہی کہتی ہوں۔ تم آج اس قدر بدگمان کیوں ہو مجھ سے...؟'' نورین یہی سمجھی شاید وہ اسے کے اور اردشیر کے سلسلے میں شک کا شکار ہوگئی ہے۔

''بات ہی ایسی ہے۔ مجھے ناراض ہونے کا حق ہے۔ تم نے مجھ سے جھوٹ بولا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔''

''نہیں نہیں، میں نے بالکل جھوٹ نہیں بولا، وہ واقعی بیمار ہے۔'' اُس نے جلدی سے تصحیح کی۔

''مگر جب میں اُن سے ملنے اُن کے گھر گئی تب وہ بیمار نہیں تھے۔ انہوں نے کچھ ایسی ویسی چیز پی رکھی تھی، وہ نشے میں تھے۔''

''مائی گاڈ ... تم ٹھیک تو ہو ناں رائحہ ...؟'' نورین واقعی گھبرا گئی کہ اتنے دن ساتھ رہ کر اسے بھی رائحہ سے اُنسیت ہوگئی تھی، اُس کی معصومیت سے پیار ہوگیا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہوں مگر تم نے مجھے مروانے میں کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی۔''

''بلیو می رائحہ...... وہ واقعی بیمار تھا اور اُس نے تم سے ملنے کی خواہش کا اظہار بہت شدت کے ساتھ کیا تھا۔''

''کیا ہوگا ... مگر اب میں ان سے کبھی نہیں ملوں گی اور تم سے بھی میری یہ التجاء ہے، کبھی دھوکے سے اور کبھی ان کی بیماری کی اطلاع دے کر مجھے وہاں لے جانے کی کوشش مت کرنا۔''

''مگر رائحہ ...'' نورین نے کچھ کہنا چاہا۔

''اگر مگر کچھ نہیں......'' اس نے بات کاٹ دی۔

''کیا تم شاہ کو بھول سکو گی ...؟ جب کہ میں نے محسوس کیا ہے وہ واقعی تم سے محبت کرتا ہے، تم آزماؤ تو رائحہ! تم اس کے بغیر خوش نہیں رہ سکو گی۔''

''کوئی بات نہیں، زندگی میں خوشی ہر کسی کو نہیں ملتی۔ بہت سے لوگ کسی خوشی یا اُمید کے بغیر بھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



زندہ رہتے ہیں اور اچھی بری گزار ہی لیتے ہیں۔ میں بھی اسی طرح گزار لوں گی۔ بس تم اب میرے ارادے کو کمزور مت کرنا، میرے پاؤں مت اکھاڑو۔" اُس نے مزید کوئی بات سنے بغیر فون بند کر دیا۔

"رائحہ" جویریہ اسے پکار رہی تھی، رائحہ کو جلدی سے سنبھلنا پڑا۔

"جی مما......" تھکے تھکے سے انداز میں وہ اُن کے پاس چلی آئی۔

"تمہارے پاپا کیا کہہ کر گئے تھے......؟ آفس سے کب تک واپس آ جائیں گے؟"

"پتا نہیں......" وہ بیزاری کے عالم میں اتنا کہہ کر چیئر پر آ بیٹھی۔

"کیا بات ہے بیٹا...... میں محسوس کر رہی ہوں، تم کچھ کھوئی کھوئی سی رہنے لگی ہو، مجھے نہیں بتاؤ گی کیا......؟" جویریہ بہت محبت کرنے والی، اولاد کے محسوسات سمجھنے والی ماں تھی۔

رائحہ کا جی چاہا، ماں سے سب کہہ دے، اسے بتا دے کہ اس سے ایک قصور ہو گیا ہے۔ اس نے اُن کے اعتماد کو دھوکا دیا ہے، اسی بات کی سزا مل رہی ہے اسے۔ پھر سوچا، اب جب کہ وہ بات ہی ختم ہو چکی ہے تو پھر ماں سے کہنے کا کیا فائدہ......؟ سر نفی میں ہلا کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ سوچ کر چپ ہو رہی کہ یہی بہتر ہے...... اس کے مقدر میں یہی لکھا ہے کہ اندر ہی اندر گھلتی رہے۔

آج کل اُن کے گھر میں اُداسی اور کھچاؤ کی شدت بہت زیادہ تھی۔ کبیر حسن اب مہناز کے معاملے میں خاموش تو تھے مگر مزیب جانتا تھا کہ وہ جو دل میں ٹھان لیں، اس سے ہٹتے نہیں ہیں۔ رائحہ بھی خاموش رہا کرتی اور زیادہ تر وقت اپنے کمرے میں گزارتی۔

جویریہ اِن سب کے لئے فکر مند رہتی۔ طبیعت کی خرابی کے باوجود سب کا خیال اور مزیب کو بہلانے کے لئے اِدھر اُدھر کی باتیں بھی کرتی رہتی۔ کئی بار سوہا کا ذکر نکال لیتی۔ تب وہ وقتی طور پر سب کچھ بھول کر اسے سوہا کے بارے میں بتانے لگتا مگر وہ زیادہ دیر تک ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ یہ خیال کہ پپا بھی راضی نہیں ہوں گے، اسے اُداس کر دیتا۔

عمر کی طرف جاتا تو وہاں کی پریشانی، آنے والے وقت کا خوف، اس کی والدہ ابھی تک ہاسپٹل میں تھیں۔ اور اُن کی حالت سنبھلنے میں نہیں آ رہی تھی۔ عمر اور رابعہ ایک دوسرے سے نظریں چرائے تھکے تھکے اُداس دکھائی دیتے تھے۔

"کہیں خوشی کا وجود ہے بھی یا ہر سو دُکھ، پریشانیاں اور فکریں ہی ہیں۔" وہ گھبرانے لگا تھا۔

کاشف آج کل پشاور گیا ہوا تھا۔ نہ اس کی طرف جا کر ہی کچھ اِدھر اُدھر کی باتوں میں جی کا بوجھ ہلکا ہو جاتا تھا۔ دادی اماں کے پاس جانا نہیں چاہتا تھا کہ پھوپھو کی فیملی سے ملاقات یقینی تھی اور جس طرح سے اُن لوگوں نے پپا کو گھیرا تھا تو انہیں دیکھتے ہی اب غصہ آنے لگتا تھا۔ اُس دن وہ سوہا کے آفس آ گیا۔ ٹائم آف ہو چکا تھا وہ بس اُٹھ ہی رہی تھی۔

"آؤ...... آج تمہیں ڈراپ کر دوں۔"

اُس نے انکار نہیں کیا......

ساتھ ساتھ چلتے دونوں گاڑی تک آئے، مزیب نے دیکھا، کتنا اطمینان، کیسا سکون تھا اس کے چہرے پر حالانکہ وہ صبح سے آفس کے کاموں میں جتی ہوئی تھی مگر پھر بھی ایک دم سے فریش دکھائی دے رہی تھی۔

"اس کی زندگی میں دُور دُور تک کسی خوشی کا نام و نشان نہیں ہے۔ کتنی بہادر ہے یہ لڑکی، ان حالات



میں بھی مطمئن اور خوش دکھائی دیتی ہے۔" مزیب نے دل میں کہا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہو......؟" سوہا نے اُس کی نگاہوں کو اپنے چہرے پر محسوس کر کے پوچھا۔

"سوہا تمہیں دیکھ کر، تم سے باتیں کر کے مجھے کس قدر خوشی، کس قدر سکون ملتا ہے، میں تمہیں بتا نہیں سکتا۔"

"کیا بات ہے آج تم پہلے سے کہیں زیادہ اُلجھے ہوئے دکھائی دے رہے ہو......؟"

"تم مجھ سے ناراض کیوں نہیں ہوتیں......؟ مجھ سے کیوں نہیں پوچھتیں کہ آخر میں اتنے دن کہاں غائب رہا ہوں تم سے ملنے نہیں آیا، یہاں تک کہ فون تک نہیں کیا میں نے۔"

اُس نے پورے اطمینان سے اُس کی بات سنی پھر رسان سے بولی......

"کیا فائدہ......؟ جسے آنا ہوتا ہے، وہ خود ہی آتا ہے اور جو نہ آنا چاہے، لاکھ پکارے جاؤ، آواز پر کان نہیں دھرے گا۔"

مزیب نے اس کے لئے دروازہ کھولا اور پھر گاڑی روڈ پر ڈالتے ہوئے بولا......

"یہ زندگی اتنی مشکل کیوں ہے آخر......؟"

مزیب کی بات پر پہلے حیرت سے اُس نے اُسے دیکھا، پھر ہنس پڑی اور بولی......

"ارے تم بھی ایسا کہہ رہے ہو، مجھے یقین نہیں آ رہا۔ لگتا ہے کوئی پرابلم ہے تمہارے ساتھ، مجھے نہیں بتاؤ گے......؟"

"پرابلم سی پرابلم، ہر طرز و فکر، پریشانیاں، اُلجھنیں...... وہ عمر ہے ناں میرا دوست اور بھائی، اُس کی والدہ سخت بیمار ہیں اور اُن بے چاروں کے پاس علاج کے لئے پیسے بھی نہیں، وہ اور اس کی بہن بہت فکر مند ہیں۔ ہمارے گھر میں آج کل پپا نے چپ کا روزہ رکھا ہوا ہے۔ اب تو جی چاہتا ہے، وہ گرج برس ہی لیں، یہ خاموشی تو ٹوٹے مگر پتا نہیں وہ کیا سوچے بیٹھے ہیں۔ مما بیچاری کبھی انہیں منانے کی کوشش کرتی ہیں، کبھی مجھے تسلی دیتی ہیں اور...... اور وہ کاشف کا بچہ اپنی سروس کے سلسلے میں پشاور دفع ہو گیا ہے۔"

"اوہو تو ناراض کیوں ہو، یہ تو اچھی بات ہے کہ اُسے سروس مل گئی ہے۔"

"ہاں، مجھ سے تو دُور ہو گیا ہے ناں وہ......"

"اچھے دوست کتنی بھی دُور چلے جائیں، دل کے قریب ہی رہتے ہیں ہمیشہ......"

"آج میرے گھر چلو سوہا...... پلیز انکار مت کرنا۔"

"مگر تمہارے والد محترم...... پتا نہیں وہ اس بات کو کس طرح لیں۔" سوہا ہچکچائی۔

"وہ اس وقت گھر پر کب ہوتے ہیں......؟ شام کو چھ سات بجے کے قریب ہی واپسی ہوتی ہے اُن کی۔"

"آنٹی بھی تو گھر پر میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔"

"انہیں تو فون کیا جا سکتا ہے...... صاف کہہ دو کہ تم میرے ساتھ جانا ہی نہیں چاہ رہیں۔" وہ کچھ بگڑ کر بولا۔

سوہا نے پورے اعتماد کے ساتھ اثبات میں سر ہلایا اور بولی......

"ہاں تم اس بات سے اچھی طرح واقف ہو کہ مجھے یوں جانا پسند نہیں ہے۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جواب میں مزیب نے کہا کچھ نہیں، بس گاڑی اپنے گھر کے راستے پر ڈال دی۔ وہ دیکھ تو رہی تھی مگر کچھ سوچ کر خاموش ہی رہی، بحث نہیں کی۔

وہ چپ رہی تو مزیب کا موڈ بھی بحال ہو گیا۔

جب وہ گھر پہنچے، مہناز اور نزہت بھی کہیں جانے کے ارادے سے نیچے اُتر رہی تھیں۔ دونوں اُس کے ساتھ اس پیاری سی لڑکی کو دیکھا پھر ایک دوسرے کی طرف...... اور مزیب سے بولیں......

''یہ کون ہے......؟ تعارف نہیں کراؤ گے......؟''

''یہ سوہا ہے......''

مزیب نے سپاٹ انداز میں اتنا کہا، پھر سوہا سے بولا ......

''آؤ اندر چلیں...... مما تو تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر حیران ہی رہ جائیں گی۔''

وہ انہیں نظر انداز کر کے سوہا کو اندر لے آیا۔

جویریہ اس وقت کچن میں تھی۔ سوہا کو لاؤنج میں بٹھا کر وہ خود جویریہ کو بلانے چلا گیا۔

زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا...... جویریہ بہت جلدی آ گئی۔

''ارے آج تو میری بیٹی آئی ہے......'' جویریہ یہ کہتے ہوئے آگے بڑھی اور بہت پیار سے اسے گلے لگا لیا۔

پھر مزیب سے بولی...... ''رائحہ کو بھی تو بلاؤ، اس کی تو یہ پہلی ملاقات ہو گی سوہا کے ساتھ۔''

''سوہا، تم آنٹی کو فون کر کے بتا دو کہ آج تمہیں واپسی پر کچھ دیر ہو جائے گی۔'' وہ اُسے کہہ کر رائحہ کو بلانے چلا گیا۔

''ہائے، سوہا باجی آئی ہیں...... آپ نے پہلے بتایا ہوتا، بھیا آج تو میں نے صبح سے بالوں میں برش بھی نہیں کیا۔'' وہ گھبرا کر جلدی جلدی بالوں کی چوٹی کھولنے لگی۔

''تمہیں برش کرنے، نہ کرنے سے کوئی خاص فرق تو پڑتا نہیں۔ بس جیسی ہو، اب آ جاؤ۔'' بڑے دنوں بعد وہ اپنے پرانے انداز میں بولا تھا۔

''میں بس پانچ منٹ میں آئی...... وہ چوٹی کے بل کھولنے میں مصروف رہی۔ جب وہ واپس آیا تو سوہا، آنٹی کو فون کر رہی تھی۔

''رائحہ نہیں آئی......؟'' اسے اکیلے آتا دیکھ کر جویریہ نے پوچھا......

''تیار شیار ہو کر ہی آئے گی اور ابھی تو بالوں میں برش کا آغاز ہوا ہے۔''

جویریہ ہنس پڑی، پھر بولی......

''پتا نہیں کیا ہو گیا ہے اس لڑکی کو، نہ کپڑوں کا ہوش رہا ہے، نہ کھانے پینے کا، یہ پہلے تو ایسی نہیں تھی کبھی......''

''آج پہلی مرتبہ ہمارے ہاں آئی ہو، بولو کیا بناؤں تمہارے لئے......'' سوہا فون کر کے پلٹی تو جویریہ پوچھنے لگی۔

''مما...... یہ بڑی چٹوری ہے، جو بھی بنائیں گی، سب چٹ کر جائیں گی۔'' مزیب نے شرارت بھرے انداز میں سوہا کی جانب دیکھا، خیال تھا، وہ جواب میں کچھ کہے گی ضرور مگر اُس نے صرف مسکرانے



پر اکتفا کیا۔

''تم تو خاموش رہو، میں اپنی بیٹی سے پوچھ رہی ہوں۔''

''خدا کے لئے بیٹی نہ کہیں...... اُدھر رائحہ کو بلانے گیا تو وہ 'ہائے سوہا باجی آئی ہیں' کہہ کر مجھے بھول گئی اور آپ بھی بار بار بیٹی کہہ رہی ہیں۔''

''اتنے وہمی ہو رہے ہو......؟'' جویریہ ہنس پڑی۔ سوہا نے چہرا نیچے کر لیا، پھر جویریہ، مزیب کو سمجھاتے ہوئے شوخ سے انداز میں بولی......

''اچھی ساسیں، بہوؤں کو بھی بیٹیوں کی طرح ہی سمجھتی ہیں اور مجھے یقین ہے، میں بہت اچھی ساس ثابت ہوں گی۔''

''خوش نصیب ہو گی وہ لڑکی جو آپ کی بہو بنے گی۔'' مزیب نے از حد متاثر ہونے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔

''مزیب، یہ تو تمہارے پاپا کی گاڑی کی آواز ہے۔'' ہنستی ہوئی جویریہ ایک دم سے خاموش ہو گئی...... مزیب بھی چونک گیا۔ جلدی سے کھڑکی کا پردہ ہٹا کر جھانکا اور تصدیق کر دی۔

سوہا پہلی بار اُن کے ہاں آئی تھی۔ وہ نہیں چاہتے تھے کبیر حسن اس کے ساتھ کوئی ایسی ویسی بات کریں اور وہ برا دل لے کر یہاں سے جائے۔

کبیر حسن ادھر ہی آئے۔ پہلی نظر مزیب پر پڑی پھر جویریہ پر، دونوں ہی سلام کرنا بھول کر اپنی جگہ پر جمے کھڑے رہے۔ سوہا، جویریہ کی دائیں جانب صوفے پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے کا آدھا حصہ ہی کبیر حسن کو دکھائی دے سکتا تھا۔

سوہا کو احساس ہو گیا تھا کہ مزیب کے والد کی اچانک آمد ان دونوں کو بے حد پریشان کر گئی ہے۔ وہ انہیں کسی مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتی تھی۔ جانے کے ارادے سے اُٹھ کھڑی ہوئی اور جیسے ہی نگاہ مزیب کے والد پر پڑی، وہ ٹھٹھکی۔

''آپ......'' بے ساختہ ہی اُس کے منہ سے نکلا۔

''تم اور یہاں......؟'' وہ بھی حیران تھے۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''بیٹی! تم اچانک کیسے چلی آئیں......؟ مجھے اطلاع تو دی ہوتی...... عام طور پر تو میں شام چھ بجے کے بعد ہی گھر آتا ہوں، یہ تو اتفاق ہے کہ آج جلدی آ گیا ورنہ تمہیں مجھ سے ملے بغیر ہی جانا پڑتا......'' کبیر حسن کی آواز میں اور چہرے پر بھرپور خوشی تھی۔

بہت محبت اور بے تابی سے وہ سوہا کی جانب آئے تھے اور اُس کے سر پر دستِ شفقت رکھا تھا۔

یہ صورت حال سب کے لئے نئی اور پریشان کن بھی ہو سکتی تھی مگر کبیر حسن کے رویے نے اب صرف اور صرف اسے حیران کن بنا دیا تھا۔ وہ تینوں خاموش تھے۔ سوہا نے یہ بتانا مناسب نہیں سمجھا کہ وہ تو مزیب کے ساتھ آئی ہے اور یہ بھی کہ وہ کس ناتے سے اُسے یہاں لے کر آیا ہے۔

اُسے بھی اس اتفاق نے حیران کر دیا تھا...... وہ اجنبی جو ایک رات زخمی حالت میں مدد کی درخواست کے ساتھ اس کے ہاں آیا تھا اور جس نے بڑے پیار کے ساتھ بیٹی کہا تھا، وہی مزیب کا جابر باپ بھی تھا مگر سوہا بڑی کامیابی سے اپنی حیرت چھپا کر بولی......

''کیسے ہیں آپ......؟ میں تو آپ کی منتظر ہی رہی، دوبارہ بیٹی سے ملنے آئے ہی نہیں۔''

''یقین کرو بیٹی، یاد تو تم بہت آتی رہیں، بس مصروفیت ہی ایسی رہی، کچھ گھریلو اُلجھنیں بھی تھیں، خیر چھوڑو، جانے دو اِن سب باتوں کو، تم آؤ بیٹھو۔'' پھر وہ جویریہ کی جانب پلٹے اور بولے......

''بیگم یہ ہے وہ بیٹی جس نے اُس روز میری ہیلپ کی تھی۔ یہ بہت پیاری، بہت باہمت اور بہادر لڑکی ہے۔''

پھر مزیب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سوہا سے مخاطب ہوئے۔

''یہ میرا بیٹا ہے مزیب حسن۔''

سوہا نے مسکرا کر اُس کی جانب دیکھا اور سلام کر دیا، جس کا جواب اُس نے بھی بظاہر بڑی سنجیدگی اور متانت سے دیا پھر بولا......

''آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی مس...... آپ نے میرے پیا کا اتنا خیال رکھا، مجھے تو آپ سے عقیدت ہو رہی ہے۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس دُنیا میں آج بھی اتنے ہمدرد اور نیک لوگ باقی ہیں' سچ ہے یہ دُنیا ہی آپ جیسے لوگوں کی وجہ سے ہے۔''

جویریہ کے اوسان بھی بحال ہو چکے تھے اور مزیب کی باتوں پر وہ منہ نیچا کئے چپکے چپکے مسکرا رہی تھیں۔



رائحہ تیار ہونے کے بعد بہت عجلت میں سوہا سے ملنے اندر داخل ہوئی مگر جونہی نگاہ باپ پر پڑی، ٹھٹک گئی۔ مسکراہٹ کافور ہوئی اور اب وہ ذرا سا منہ کھولے اور آنکھوں میں خوف لئے جہاں کی تہاں کھڑی، ماں اور بھائی کی جانب دیکھ رہی تھی۔

مزیب جلدی سے اس کی جانب بڑھا اور اُس کا بازو پکڑے ہوئے بولا......

''یہ مس سوہا ہیں، وہی جنہوں نے ایکسیڈنٹ کے بعد پاپا کو اپنے ہاں رکھا، اُن کی ڈریسنگ کی تھی، پیپا سے ملنے ہمارے گھر آئی ہیں......''

''آ...... اچھا...... مگر......'' رائحہ گڑبڑائی اور اس سے پہلے کہ کچھ کہہ کر اس قدر موافق سچویشن برباد کرتی۔ مزیب نے آنکھوں ہی آنکھوں میں سرزنش کے ساتھ اس کا بازو بھی زور سے دبا دیا...... وہ کچھ سمجھ گئی تھی مگر بازو دبانے سے اُسے خفگی سے دیکھا پھر جا کر سوہا کے سامنے بیٹھ گئی مگر پیا کی موجودگی میں اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ سوہا سے کیا بات کرے۔

جویریہ اور مزیب بھی خاموش تھے لیکن مزیب نے جگہ ایسی منتخب کی تھی کہ وہ کبیر کی نگاہ میں نہیں تھا۔ اور اس کا فائدہ اُٹھا کر وہ سوہا کو شرارت سے دیکھ رہا تھا اور اشارے کر رہا تھا...... سوہا کی کبیر حسن سے گفتگو کے دوران یہی کوشش تو تھی کہ وہ مزیب کی طرف نہ دیکھے مگر جب بھی نگاہ اُٹھتی، وہ بچ نہ پاتی۔

جویریہ کچھ دیر یہاں بیٹھنے کے بعد کچن میں چلی آئیں تو مزیب بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور ان کی دیکھا دیکھی رائحہ بھی ساتھ ہو لی۔

''یہ تو کمال ہو گیا مما......'' کچن میں آ کر وہ ہنسے جا رہا تھا۔

''کمال کے کچھ لگتے، اتنا خوش ہونے کی ضرورت نہیں...... اپنے پیا کے موڈ پر نگاہ رکھو کہ بدلتے دیر نہیں لگتی اور یہ بھی سوچو دوسری جانب اُن کی بھانجی ہے۔''

''اوہو مما...... ذرا دیر خوش ہو لینے دیتیں تو آپ کا کیا بگڑ جاتا......'' وہ کرسی کھینچ کر گرنے کے انداز میں دھپ سے بیٹھ گیا۔

''میں تو تمہاری تمام عمر کی خوشیوں کے لئے دُعا گو ہوں بیٹا، خدا کرے سوہا کا یہ احسان کبیر صاحب کی سوچ کا دھارا موڑ دے، بیٹی کہا ہے انہوں نے سوہا کو، اب لاج بھی نبھانا چاہیے۔''

''مما...... یہ سوہا باجی ہیں تو بہت ہی پیاری......'' رائحہ نے کھل کر تعریف کی۔

''ظاہر ہے پیاری کیوں نہیں ہو گی، آخر میری پسند ہے۔'' مزیب نے شانے اُچکاتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

ان دونوں کو خوش دیکھ کر جویریہ بھی خوش اور مطمئن دکھائی دینے لگیں۔

''چھوٹے صاحب، آپ کو دادی اماں بلا رہی ہیں۔'' ملازمہ نے آ کر مزیب کو پیغام دیا۔

''مما...... میں دادی کو سوہا کے بارے میں بتا کر ابھی آتا ہوں۔'' وہ اِتنا کہہ کر چلا گیا۔

جویریہ، رائحہ کی جانب دیکھ کر ہنس کر بولیں......

''دادی سے تو ہر بات یوں کرتا ہے جیسے اس کی ہم عمر ہوں۔''

''بھیا بہت اچھے ہیں، ان کی سب سے دوستی ہے۔'' رائحہ بھی مسکرائی۔

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جو کچھ اُس نے اپنے باپ کے ساتھ کر دیا تھا، اس کے بعد دل کی کیفیت اور ہی ہو چلی تھی۔ اب وہ پچھتاوے کی آگ میں جل رہا تھا۔ اب اُن کا ظلم بہت کم اور اپنا جرم بہت گھناؤنا دکھائی دینے لگا تھا۔ اُسے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ رہ رہ کر یہ خیال اُسے ڈستا تھا۔

"اچھا تھا وہ شوٹ کر دیتے مجھے...... ساجے نے خواہ مخواہ ہاتھ پکڑ لیا اُن کا...... زینت بے قصور تھی، پتا نہیں بابا نے کیا حشر کیا ہوگا اُس کا...... اور خود بابا کے دل پر کیسی قیامتیں گزر رہی ہوں گی۔ میرا جرم بہت بڑا ہے۔ میں معاف کئے جانے کے قابل نہیں رہا۔

اُف، یہ چند دن قیامت کی طرح گزرے ہیں...... مجھے کیا سے کیا بنا گئے ہیں...... کبھی محبتوں کی گھنی چھاؤں ہوا کرتی تھی میرے سر پر، ٹھنڈک، سکون، تازگی، خوشبو اور اعتماد......

بابا جان...... بڑی ماں اور...... اور رائحہ، آج میں اکیلا ہوں...... سب ساتھ چھوڑ چکے ہیں۔ ریت کی طرح محبت کے سب رشتے میرے ہاتھوں سے پھسل چکے ہیں، مٹھی خالی ہے۔

آذر آیا تو وہ بیڈ پر اوندھا لیٹا تھا...... دن کے گیارہ بجنے کو تھے اور اسے دیکھ کر لگتا تھا اس نے اُٹھ کر ابھی ہاتھ بھی نہیں لیا۔

"تمہارا دن کب چڑھے گا......؟" آذر نے اس کے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے خوش دلی اور دوستانہ انداز میں اتنی دیر لیٹے رہنے کا احساس دلانے کی کوشش کی۔

"میرا دن کبھی نہیں چڑھے گا، رات ہمیشہ کے لئے ٹھہر گئی ہے۔" وہ اسی طرح لیٹا ہوا تھا اور ایک بار بھی سر اُٹھا کر آذر کی طرف نہیں دیکھا۔

"شرم کرو، اتنے جوان جہان ہو کر اتنی مایوسی کی باتیں کر رہے ہو۔"

"تو کیا موت جوانی میں نہیں آسکتی، بہت سے لوگ عین عالمِ شباب میں بھی تو مر جاتے ہیں۔"

اب وہ سیدھا ہوا اور سر کے نیچے دایاں بازو رکھتے ہوئے پوری سنجیدگی اور تیزی سے کہنے لگا......

"تمہاری اطلاع کے لئے عرض ہے کہ تم زندہ ہو اور مرنے کی ناکام کوشش کر رہے ہو، اب ہار مان لو، اُٹھ بیٹھو اور اپنا حلیہ درست کرو، انسان بن جاؤ۔"

"مت سر کھاؤ میرا......" اردشیر نے برا سا منہ بنایا۔

"میں ناشتا بناتا ہوں تمہارے لئے اور شادے سے کہتا ہوں، ساتھ میں ایک رسی بھی لے آئے، انکار کرو گے تو ہاتھ پاؤں باندھ کر تمہیں کھانا کھلائیں گے۔"

"آذر پلیز...... کیوں ستاتے ہو مجھے......" اب اردشیر کے انداز میں نہ ضد تھی، نہ جھلاہٹ، بس تھکا تھکا ٹوٹا ہوا لہجہ تھا اُس کا......

"اردشیر یاد ہے ایک بار میں نے تم سے کہا تھا کہ تم شادی کر لو اور تم نے اس سلسلے میں رضامندی ظاہر کی تھی۔"

"ہاں ہاں مجھے اچھی طرح یاد ہے......" وہ ہنس پڑا اور آذر کا جی چاہا، اُس کی منت کرے، اسے کہے......

"پیارے دوست، تمہاری یہ رنج والم میں ڈوبی ہنسی خود تمہیں ہی نہیں مجھے بھی اذیت سے دوچار کر رہی ہے۔ کتنے آنسو چھپے ہیں اس ہنسی میں، نہ تو تمہارا چہرہ ساتھ دے رہا ہے اور نہ ہی آنکھیں...... خدارا



رحم کرو مجھ پر بھی، اور خود پر بھی...... ایسے مت ہنسو۔"

تھوڑی دیر تک دونوں نے کوئی بات نہیں کی۔ اردشیر ابھی تک بیڈ پر دراز تھا اور آذر سر جھکائے اُس کے قریب بیٹھا تھا۔ پھر آذر گہری سانس کھینچ کر اُٹھ کھڑا ہوا اور اس سے بولا......

"تم اُٹھو، واش روم جاؤ، میں تمہارے لئے ناشتا تیار کرواتا ہوں۔"

اردشیر نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا اور بولا......

"پتا ہے تمہارے دوست کی موت میں اُن کا بھی ہاتھ ہے جنہیں میں زندگی کا پیام بر کہتا آیا ہوں۔ اُف کند چھری سے زخم لگائے گئے ہیں۔ اس کی تکلیف وہی محسوس کر سکتا ہے جس کے ساتھ بیتی ہو، ہا...... کس کس نے لوٹا ہے اور کس خوبصورتی سے لوٹا ہے اردشیر کو......" وہ پھر ہنسنے لگا۔

"یوں مت ہنسو اردشیر، مجھے بہت تکلیف ہوتی ہے۔ کون ہیں وہ تم کس کی بات کر رہے ہو، کھل کر بتاتے کیوں نہیں۔ اگر وہ تم سے دشمنی کر گئے ہیں تو دوستی تو تم نے بھی نہیں رکھی خود سے، تم بھی اپنی جان کے دشمن ہو رہے ہو۔"

آذر کا ہاتھ اب اردشیر نے تھام رکھا تھا۔ اُس نے بٹھانا چاہا تو آذر کو بیٹھنا پڑا۔ اردشیر خود بھی لیٹے سے اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ سر ہیڈ بورڈ سے ٹکا کر اُس نے تھکی تھکی نگاہوں سے آذر کی جانب دیکھا اور بولا......

"میں مانتا ہوں مجھے اس سے انکار نہیں، میں برا ہوں، میں بہت ہی برا ہوں، مگر خدا کی قسم میں نے اس کے ساتھ کبھی برائی نہیں کی، میں اپنی محبت میں تو بالکل سچا تھا۔ میں نے اپنی رُوح میں اُتارا تھا اُسے...... دل کی تمام تر گہرائیوں سے چاہا تھا مگر یہ میری کم نصیبی ہی ہے کہ وہ مجھے سمجھ ہی نہیں سکی...... یا شاید اُسے میری محبت کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔

جو جذبے میرے دل میں اُس کے لئے تھے، وہ جذبات وہ میرے لئے نہیں رکھتی ہوگی، جبھی تو اتنے آرام سے دامن چھڑا کر چلی گئی۔ ایک بار بھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔"

"اچھا...... چھوڑو اسے، اب بھول جاؤ اور لوٹ آؤ زندگی کی طرف، کب تک بے وفا کا ماتم کرو گے۔" آذر نہیں جانتا تھا۔ وہ کس کی بات کر رہا ہے مگر وہ اسے سمجھا رہا تھا کہ اسے جلد از جلد سنبھلتے ہوئے دیکھنا چاہتا تھا اور دل ہی دل میں وہ حیران بھی تھا۔ آخر کون تھی وہ جو اردشیر جیسے آ کھلے کو محبت آشنا کر گئی تھی۔ اُس کے دل میں محبت کی نہ بجھنے والی آگ لگا گئی تھی۔

"وہ بہت اچھی ہے، بہت پیاری صاف شفاف اور اس کا دل بھی اسی کی طرح خوبصورت ہے وہاں بھلا اردشیر جیسے شخص کے لئے جگہ کیسے ہو سکتی ہے۔" اب اردشیر اپنے آپ سے مخاطب تھا کہ وہ اسے الزام دیتے ہوئے بھی ٹھٹکتا تھا، یہ غلطی وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"کیا نام ہے اس کا، تم کس کا ذکر کر رہے ہو......؟" آذر نے پھر پوچھا۔

تب اُس نے ہولے ہولے کبھی آنسوؤں کو پی کر اور کبھی درد سے بے حال ہو کر اسے رائحہ کے بارے میں سب کچھ بتا دیا...... سن کر آذر کو جھٹکا سا لگا۔

"اُف...... یہ تو پہلے ہی محبتوں کا اعتبار کھو بیٹھا تھا۔ اب جو پتا چلے گا اس لڑکی کو اس سے بدگمان کرنے والا کوئی اور نہیں، اس کا اپنا دوست ہے تو پھر کیا ردِ عمل ہوگا اس کا، یہ مجھ سے بھی بدگماں ہو جائے گا۔"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آذر اتنا پشیمان ہوا اور ایسی اُلجھن طاری ہوئی اس پر کہ وہ فوراً ہی جانے کے ارادے کے ساتھ اُٹھ کھڑا ہوا۔

''آذر، کہاں چلے......؟ بیٹھوناں......''

''اردشیر، بہت بڑی بھول ہوگئی ہے مجھ سے...... میں سخت نادم ہوں، پتا نہیں تم مجھے معاف بھی کرو گے یا نہیں۔'' وہ اپنی غلطی چھپا نہیں سکا، فوراً اعتراف کرلیا۔

اردشیر نے بغور اُس کی باتیں سنیں، وہ اپنی بات مکمل کر چکا تو دیکھا اردشیر کے چہرے پر نہ غصہ تھا اور نہ ہی فکرمندی کے آثار تھے، وہ بالکل ویسے ہی بیٹھا تھا۔ جیسے یہ سب سننے سے پہلے تھا۔

''وہ لڑکی بے وفا نہیں ہے، اسے بھی تم سے محبت ہے، یہ سب کیا دھرا میرا ہے۔ اصل میں سوہا والے واقعے کے بعد جب میں نے رائحہ کو دیکھا اور تمہارے اور اس کے بارے میں پتا چلا تو دل میں یہی خیال آیا، تم اسے بھی برباد کردو گے۔ میں نہیں جانتا تھا تم اسے اس شدت سے چاہتے ہو، اسے تم سے میں نے بدگمان کیا ہے، اب اسے منا کر تمہارے پاس لانا بھی میرا کام ہے اور میں بہت جلد اسے لے کر آؤں گا۔ جب تک اُس کا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہوجاتا۔ میں سکھ کا سانس نہیں لے سکتا۔ سچ اردشیر، میں اتنا شرمندہ ہوں کہ بتا نہیں سکتا، تم جو چاہو، سلوک مجھ سے کرو، میں تیار ہوں ہر سزا کے لئے۔''

اردشیر نے گہری سانس کھینچ کر اس کی طرف دیکھا، پھر اُس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے بولا......

''نہیں آذر، مجھے تو تمہارا قصور کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ مجھے تو تم سے کوئی شکایت نہیں ہے۔''

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو......؟'' آذر اس وقت ان لفظوں کی توقع کیسے رکھ سکتا تھا، اُسے لگا جیسے سننے میں غلطی کررہا ہو۔

''سچ ہی تو...... کہہ رہا ہوں، سنو اگر تم سے کوئی یہ کہتا ہے کہ اردشیر تمہیں قتل کرنا چاہتا ہے تو کیا تم مان لیتے...... بنا تحقیق کے مجھ پر دشمنی پر اُتر آتے۔'' بے اختیار آذر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''تو پھر اُس نے کیسے یقین کرلیا وہ کیونکر تمہاری بات مان گئی، سچ تو یہ ہے کہ غلط فہمی کا بیج پہلے سے اُس کے دل میں تھا، اُس نے میرا اعتبار کیا ہی نہیں تھا اور محبت تو کبھی بے اعتبار نہیں ہوسکتی۔''

''میں ملوں گا اُس سے، میں اُس کی غلط فہمی دُور کردوں گا، مجھے یقین ہے، وہ مان جائے گی، تم سے دُور رہ کر خوش تو وہ بھی نہیں ہوگی۔''

''میں نے کہا تو ہے آذر، اب اس کی ضرورت ہی نہیں، محبت وضاحتوں کی محتاج نہیں ہوا کرتی اور اب تو میں نے محبتوں کے بنا جینے کا فیصلہ کرلیا ہے، میں ان سب کو جی کر دکھاؤں گا۔''

''تو پھر زندگی کی طرف آؤ، تم نے جو حالت بنا رکھی ہے۔ اس سے تو یہی اندازہ ہوتا ہے، تم ان سب کے بغیر نہیں رہ سکتے۔''

''بس میرے یار، دھچکا ہی ایسا لگا ہے، کرچی کرچی ہوگیا ہوں اور ابھی تک اسی شش وپنج میں مبتلا ہوں، یہ خواب ہے یا واقعی میرے ساتھ ایسا ہوچکا ہے، اتنی زندگی میں نے دھوکے میں گزار دی۔ میں کسی کے ہاتھوں کھلونا بنا رہا۔ وہ مجھے ایک مقصد کے لئے پال رہی تھیں، محبت کے پردے میں شدید نفرت کے جذبات تھے۔



مجھے اس لئے زندہ رکھا گیا کہ میری زندگی ہی اُن کے مفاد میں تھی۔ وہ مجھے میرے باپ کے سامنے کھڑا کرنا چاہتی تھیں...... اور پھر جو کچھ میں نے کیا، وہ بھی بہت زیادہ ہے...... اور میں نے بھی ایک بے گناہ کو سزا دی ہے، میں بھی کسی کی زندگی سے کھیل گیا ہوں۔

پچھتاوے کا احساس مجھے کچوکے لگاتا رہتا ہے...... میں تو پہلے سے کہیں زیادہ بے چین ہوں۔''

اُس نے بات کے اختتام پر نچلا لب دانتوں تلے دبا لیا اور اذیت کے احساس سے آنکھیں نم ہونے لگیں۔

''اردشیر! تم کیسی بات کررہے ہو، کیا کردیا ہے تم نے......؟ تمہاری باتیں مجھے بے حد پریشان کر رہی ہیں۔'' اب جو کچھ وہ کہہ رہا تھا، یہ بھی آذر کے لئے حیران کن تھا، وہ فکرمند بھی تھا، آخر کیا گناہ کر بیٹھا ہے اردشیر......

''سننا چاہتے ہو تو سنو، میرے بابا جان نے مجھے ہمیشہ کے لئے گھر سے نکل جانے کا حکم سنا دیا ہے...... اور میرا جو جرم بتایا ہے، وہ اتنا بڑا ہے کہ لبوں پر لاتے ہوئے زبان لڑکھڑا جاتی ہے...... میں بے قصور ہوں، مگر وہ ماننے کو تیار نہیں اور بڑی ماں......'' اُس نے اتنا کہہ کر سر کو جھٹکا دیا پھر آذر کی طرف دیکھ کر بولا......

''وہی جن کی محبت پر مجھے ناز تھا، جن کے لئے کبھی میں سب کچھ تھا اور جن کے بارے میں کبھی مجھے یہ غلط فہمی تھی کہ وہ تو میری خاطر جان بھی دے سکتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں، ماں تو صرف ماں ہوتی ہے، وہی جو جنم دیتی ہے۔ میں کچھ نہیں ہوں تمہاری، میرا تمہارا رشتہ تو بس نفرت کا ہے۔''

اب بتاؤ آذر، میں پاگل نہ ہوجاتا تو کیا کرتا، ایک ساتھ اتنی محبتیں بچھڑ گئی ہیں مجھ سے...... میرے ہاتھ خالی رہ گئے ہیں...... اور میرے دل میں اب کوئی اُمنگ باقی نہیں، بس یادیں ہیں، آوازوں کا ہجوم ہے میرے چاروں طرف اور بڑی ماں کی نفرت کے زہر میں بجھی آنکھیں ہر وقت مجھے گھورتی رہتی ہیں۔''

''اردشیر...... تم ہمیشہ اپنی بڑی ماں کے گن گاتے رہے ہو۔ اُن کی محبت پر نازاں رہے ہو مگر جب میں تمہارے ساتھ گاؤں گیا تھا تو مجھے وہ اس سے بالکل مختلف دکھائی دی تھیں۔ جیسا کہ تم بتاتے رہے تھے، بے شک وہ باوقار ہیں مگر محبت کے وہ چشمے ان کی آنکھوں سے تب بھی نہیں پھوٹتے تھے جن کا ذکر تم اکثر کیا کرتے تھے مگر اردشیر، آخر انہوں نے اچانک تم سے ایسا کیوں کہہ دیا......؟'' بات کرتے کرتے اسے اچانک یہ خیال آگیا۔

''بتا دوں گا مگر ابھی نہیں...... میں اتنا ہی کہہ کر تھک گیا ہوں...... مجھے لگتا ہے میلوں پیدل چلا ہوں، نفرت کی بات کرنا کتنا مشکل ہے اور ابھی تو وہ جرم کہنا باقی ہے جو مجھ پر ڈھایا ہے، سوچتا ہوں کیسے کہوں گا میں یہ سب کچھ، اعتراف قیامت کی گھڑی سے کم نہیں۔''

''اچھا چلو، اب اُٹھو، واش روم کا رُخ کرو، اپنا حلیہ درست کرو اور پھر سے انسان بن جاؤ۔ سچ، تم تو بالکل ہی بھوت بنتے جارہے ہو۔'' آذر اس کی توجہ ہٹانا چاہ رہا تھا۔

• • • •

کبیر شاہ کی چائے کے ساتھ ساتھ فائلوں پر بھی نگاہ دوڑا رہے تھے۔ جویریہ بھی چائے کا کپ تھامے اُن کے سامنے بیٹھی تھیں۔ کبھی کبھی نگاہ اُٹھا کر اُن کی مصروفیت کو دیکھتیں اور پھر چائے کی جانب متوجہ ہوجاتیں۔ انہوں نے آج مزید سے کہا تھا......

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



’’میں تمہارے پپا کو آج بتادوں گی کہ سوہا کون ہے…… میں ان سے صاف صاف بات کرلوں گی۔‘‘ مگر جب وہ اُن کے سامنے آئیں تو ہمیشہ کی طرح زبان لڑکھڑانے لگی۔ اب وہ اُلجھی اُلجھی سی بیٹھی تھیں اور بولنے کے لئے لفظوں کو ترتیب دے رہی تھیں۔

’’کچھ کہنا چاہتی ہو……؟‘‘ کبیر نے اچانک سوال کر کے انہیں حیران کر دیا۔

’’نن…… نہیں تو……‘‘ وہ گڑبڑا گئیں۔

’’صاحب…… آپ کو آپا بیگم بلا رہی ہیں……‘‘ ملازمہ کی اطلاع پر انہوں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کپ میز پر رکھا، فائل بند کی اور جانے کے لئے اُٹھنے لگے۔

’’آپ چائے تو پیتے جایئے۔‘‘ جویریہ کہہ بیٹھیں۔

’’میں پی چکا ہوں……‘‘ وہ اتنا کہہ کر چلے گئے اور جویریہ لفظوں کو ترتیب دیتی ہی رہ گئی تھیں۔

پتا نہیں اب واپسی کب ہوگی ان کی اور واپس آئیں گے تو کس موڈ میں ہوں گے، عام طور پر واجدہ بیگم کے ہاں سے آنے کے بعد جویریہ کے ہر کام پر اعتراض ہوا کرتے تھے۔

کبیر، واجدہ کے ہاں آئے تو انہیں پانا منتظر پایا…… دیکھتے ہی بولیں……

’’چائے کا وقت ہو رہا ہے، میں نزہت سے کہتی ہوں، چائے بنائے تمہارے لئے۔‘‘

’’نہیں آپا، چائے تو میں پی کر آ رہا ہوں، آپ فرمایئے کیسے یاد کیا ہے……؟‘‘

’’بس بھیا، ملنے کو جی چاہ رہا تھا تو بلا لیا اور ایک بات بھی میں کچھ دنوں سے کہنا چاہ رہی تھی۔‘‘ آج واجدہ کا انداز کچھ رُکا رُکا سا تھا۔

’’کوئی اُلجھن ہے آپا……؟‘‘ وہ پوری طرح متوجہ تھے۔

’’نہیں، اُلجھن تو خیر کوئی نہیں…… مگر بات ہے بہت ضروری…… میں چاہتی تو یہ تھی کہ تم خود یہ بات کرو اسی لئے تو اتنے برس خاموش رہی مگر میں دیکھ رہی ہوں تمہاری تو اس طرف توجہ ہی نہیں مصروف بھی تو بہت رہتے ہو، یہ باتیں تو عورتوں کے دھیان میں رہتی ہیں، لیکن ہماری بھابی بیگم اپنی ہی سوچوں میں گم رہتی ہیں۔

مزیب لاکھ سگا بنے، جتنا مرضی احترام دے مگر ہے تو وہ سوتیلی ماں، اسے بیٹے کا خیال بھلا کیوں ہوگا مگر ہمارا تو خون ہے، ہم کیسے غافل رہ سکتے ہیں اس سے۔‘‘

’’آخر بات کیا ہے آپا……؟‘‘ وہ اتنی لمبی تمہید کے باوجود پرسکون تھے۔

’’اب میری بھی بچی جوان ہے اور مجھے اس کے فرض سے سبکدوش ہونا ہے، بڑی سیدھی ہے میری نزہت، بس ذرا امیر اور ماڈرن لڑکیوں سے دوستی ہوگئی ہے اس کی اور اُس نے بھی ان ہی جیسا بننے کی کوشش کی، مگر ہماری بیٹی شرافت کی حد پار نہیں کر سکتی۔ لوگ ہیں کہ کیچڑ اُچھال رہے ہیں، طرح طرح کی باتیں بنا رہے ہیں۔‘‘

’’میرا خیال ہے لوگ ٹھیک ہی کہتے ہیں، بات آگے جا چکی ہے، آپا! آپ نزہت کو بلا کر پوچھئے تو سہی۔‘‘

’’ایک بار نہیں، بار بار پوچھا ہے، وہ تو ایسی بات سن کر ہی رونے لگتی ہے، کہتی ہے خاندان کی عزت و ناموس کا مجھے بھی اسی قدر پاس ہے جتنا کہ آپ لوگوں کو ہے، کوئی غلط قدم اُٹھانے کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتی۔‘‘

کبیر کو ان باتوں پر یقین نہیں آیا…… اگر وہ صرف سہیلیوں سے ملنے جاتی تھی تو ماموں کو دیکھتے ہی



رنگ کیوں فق ہو جاتا تھا۔

واجدہ برابر بیٹی کی تعریفیں کر رہی تھیں۔ اسی دوران دادی بھی چلی آئیں۔ سلام دُعا کے بعد کبیر نے انہیں بیٹھنے کو کہا تو وہ بھی آ بیٹھیں، یہ بات واجدہ کو پسند نہیں آئی مگر مجبور تھیں۔ اب وہ انہیں یہاں سے جانے کو بھی نہیں کہہ سکتی تھیں۔

’’یہ تو سچائی ہے آپا کہ نزہت کچھ غلط ضرور کر رہی ہے۔‘‘ کبیر نے ان کی اتنی باتوں کے جواب میں پھر کہا…… انہوں نے نفی میں سر ہلایا اور بولیں……

’’مہناز سے تو ہر حماقت کی توقع کی جا سکتی ہے مگر نزہت تو اور مزاج کی بچی ہے، وہ سمجھدار ہے اور سادہ مزاج بھی رکھتی ہے۔ میں نے پوچھا تو بولی…… ’’ایسی تو کوئی بات سرے سے ہے ہی نہیں اور ہو بھی بھلا کیسے سکتی ہے۔ میں نے بچپن سے اُس کے ذہن میں یہ بات ڈال دی تھی کہ اُس کی شادی ہوگی تو اپنے ہی خاندان میں…… وہ مزیب کی امانت ہے۔‘‘

یہ بات اتنی حیران کن تھی کہ کچھ دیر کے لئے وہ بول ہی نہیں سکے۔ حیران نگاہوں سے اُن کی جانب دیکھنے لگے۔ آج سے پہلے تو وہ مہناز اور مزیب کی بات کرتی آئی تھیں اور اب نزہت اور مزیب کا نام، یہ جاننے کے باوجود کہ نزہت عمر میں مزیب سے بڑی ہے، وہ دونوں کا نام ایک ساتھ لے رہی تھیں۔ وہ مصلحتاً خاموش رہے اور ان کی باتیں توجہ سے سنتے رہے۔ وہ کہہ رہی تھیں……

’’مہناز کا رشتہ تو میں نے کب سے سوچ رکھا ہے، دلشاد آپا کے ہاں کروں گی، خود مہناز کو بھی اپنی خالہ سے بڑی محبت ہے اور نزہت تو ماموں، ماموں کرتی رہتی ہے۔ مزیب مجھے بڑا پیارا ہے اور وہ بھی مجھے بہت چاہتا ہے۔ ماں کی محبت تو اسے ملی نہیں، یہ کمی میں نے ہی پوری کی ہے، جان چھڑکتا ہے مجھ پر…… نزہت سے میں نے مزیب کے بارے میں رائے لی تو شرما کر سر جھکا لیا۔‘‘

دادی جو یہ ساری گفتگو خاموشی سے سن رہی تھیں، اُٹھیں اور چلی گئیں۔

واجدہ آپا کی یہ گفتگو اُلجھن میں تو کبیر کو بھی ڈال رہی تھی مگر وہ یوں اُٹھ کر جا نہیں سکتے تھے۔

نزہت اِدھر آئی، ادب سے ماموں کو سلام کیا اور چائے کے بارے میں پوچھا۔

واجدہ بیٹی سے بولیں……

’’تمہارے ماموں سخت خفا ہیں تم سے، انہیں تمہارا دیر تک سہیلیوں کے ساتھ گھومنا پھرنا پسند نہیں۔‘‘

نزہت آ کر کبیر کے قریب صوفے پر بیٹھ گئی اور بڑی لجاجت سے بولی……

’’پلیز ماموں جان، مجھے معاف کر دیں…… آپ مجھ سے خفا رہیں گے تو میں اُداس رہوں گی۔ آپ کی ناراضگی میں سہہ نہیں سکتی…… اگر آپ حکم کریں تو میں گھر سے نکلنا ہی چھوڑ دوں۔‘‘

نزہت کا یہ انداز بالکل نیا تھا…… کہاں تو وہ خود سر لڑکی اور کہاں سعادت مندی کے ریکارڈ توڑے جا رہے تھے، اُن لوگوں کی باتیں اور یہ حرکتیں کبیر کو سخت غصہ دلا رہی تھیں۔ مگر وہ کچھ کہنا بھی نہیں چاہتے تھے۔ بس خاموشی سے یہ بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہے تھے۔

’’آخر چاہتی کیا ہیں آپا، پہلے تو ہمیشہ مہناز اور مزیب کی بات کی، اب اچانک فیصلہ کیوں بدل دیا ہے۔ مہناز کی جگہ نزہت کا نام……؟‘‘ وہ پریشان ہوگئے۔

’’مہناز کہاں ہے……؟‘‘ کچھ سوچ کر انہوں نے پوچھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ماں بیٹی نے ایک دوسرے کی طرف دیکا، پھر واجدہ بولیں......

''اُس کے سر میں درد ہے، سو رہی ہے۔''

''اچھا، آپا میں چلتا ہوں۔''

''ارے کبیر، ایسی بھی کیا جلدی ہے، کچھ دیر تو بیٹھو۔''

''جب آپ نے پیغام بھیج کر بلوایا، اس وقت میں کام کر رہا تھا، آپ سے ملنے فوراً چلا آیا، اب چلتا ہوں......'' وہ اُٹھ کھڑے ہوئے...... کاریڈور میں تھے کہ ملازمہ نے دادی کا پیغام دیا وہ ان سے ملنا چاہ رہی تھیں اور اپنے کمرے میں بلایا تھا۔

جب وہ اُن کے کمرے میں آئے تو وہ اُن کی منتظر تھیں، دیکھتے ہی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور بولیں......

''جو باتیں تمہاری بہن نے تم سے کہی ہیں، وہ میں نے بھی سنی ہیں۔ پتا نہیں تمہاری کیا رائے ہے مگر میں اس رشتے کے حق میں ہرگز نہیں ہوں۔ کبیر بیٹا نزہت میری پوتی ہے۔ یہ رشتہ بہت پیار کا ہے اور واجدہ تمہاری بہن ہے، تم اس سے محبت بھی کرتے ہو اور اسے احترام بھی دیتے ہو مگر میں اس وقت بات نزہت کی نہیں کروں گی، میں مزیب کی بات کروں گی، جس کے ساتھ بظاہر تو میرا کوئی رشتہ نہیں۔ مگر پھر بھی وہ مجھے بہت عزیز ہے اور میں نہیں چاہتی کہ بہن کی محبت میں تم اس بچے کی زندگی برباد کر ڈالو۔ کبیر بیٹا! اس گھر کی بنیاد تو ہل چکی ہے۔ تمہاری بہن کی بے جا آزادی نے بہت برا رنگ دکھایا ہے، جبھی تو کل تک مہناز اور مزیب کا نام ایک ساتھ لینے والی آج نزہت کے لئے راہ ہموار کر رہی ہے۔''

''اماں جان، بہت شکریہ آپ کا، میں بھی اُلجھن میں گرفتار ہوں کہ یہ آپا جان آج کیسی خواہش کا اظہار کر رہی ہیں اور نزہت بھی بڑی فرمانبردار بیٹی دکھائی دے رہی ہے۔ مگر اب تو ساری بات واضح ہو چکی ہے۔ پتا نہیں آپا جان نے مجھے اس قدر احمق کیوں سمجھ لیا ہے۔''

''برا مت ماننا کبیر بیٹا، تم نے تو ساری عمر واجدہ کی ہر غلط بات پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا ہے، اُس نے دن کو رات کہا تو تم نے بھی رات کہہ دیا۔ اپنے گھر کو کبھی اہمیت نہیں دی، بیوی کو عزت دی، نہ محبت، اپنی اولاد تک کو توجہ سے محروم رکھا، اُن پر بہن کے بچوں کو فوقیت دیتے رہے۔ آج اگر واجدہ نے ایسا کہا ہے تو تمہیں حیران نہیں ہونا چاہئے۔ اس کے پیچھے تمہاری سالوں کی سعادت مندی ہے بلکہ میں اسے سعادت مندی نہیں، حماقت ہی کہوں گی۔ اب تم سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو اور نزہت، مہناز کی فکر نہ کرو، واجدہ بہت ہوشیار ہے، وہ اُن کے لئے جلد ہی اپنے معیار کا رشتہ تلاش کر لے گی۔''

اماں جان اتنا کہہ کر خاموش ہو گئیں، کبیر کچھ اُلجھے اُلجھے سے واپس چلے آئے۔

انہیں واجدہ اور بھانجیوں پر افسوس تھا۔ بہن نے کیوں اتنی ڈھیل دی ہے اور نزہت نے اس ڈھیل کا اس قدر غلط فائدہ کیوں اُٹھایا۔ پتا نہیں کیا ہوگا۔

وہ واپس چائے کی ٹیبل پر آئے کہ اپنی فائلیں یہیں چھوڑ کر گئے تھے، دیکھا تو جویریہ اب بھی اُسی جگہ اور اسی انداز میں سر جھکائے ہاتھوں کی اُنگلیاں آپس میں اُلجھائے کسی سوچ میں گم بیٹھی تھیں۔ کبیر اچٹتی سی نظر ان پر ڈال کر سامنے رکھی فائلیں اُٹھانے لگے۔

تب جویریہ نے اُن کی جانب دیکھ کر یہ اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ وہ بہن کے ہاں سے کس موڈ کے ساتھ واپس آئے ہیں۔ اُن کے چہرے پر پریشانی اور اُلجھن کے آثار نمایاں تھے مگر غصے کی جھلک



بالکل نہیں تھی۔

''خیریت تو تھی ناں آپا کے ہاں، آپ کچھ فکرمند دکھائی دے رہے ہیں۔''

وہ فائلیں دوبارہ میز پر رکھ کر سامنے کرسی پر بیٹھ گئے اور بولے......

''آپا نے بات ہی بہت عجیب سی کی ہے، میں واقعی اُلجھ کر رہ گیا ہوں۔''

''خدا خیر کرے، اب کیا کہہ دیا انہوں نے......؟'' جویریہ کا دل تیزی سے دھڑکا، وہ سوالیہ انداز میں اُن کی جانب دیکھنے لگیں۔

کبیر نے اُن کی پریشانی بھانپ تو لی مگر خود بڑے آرام سے گویا ہوئے۔

''انہوں نے مزیب اور نزہت کے رشتے کی بات کی ہے۔''

''کک...... کیا......؟'' جویریہ ایک دم سے...... کھڑی ہوئیں اور بناء کسی خوف کے مضبوط لہجے میں بولیں......

''یہ ناممکن ہے ایسا تو میں کبھی نہیں ہونے دوں گی انہوں نے یہ بات سوچی بھی کیونکر......''

''تم کیا کر سکتی ہو......؟'' وہ اب بھی بظاہر پرسکون تھے، بغور اسے دیکھ رہے تھے۔

''آپ کچھ بھی کہیں مگر میں ایسا ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔ آخر آپ سمجھتے کیوں نہیں، مزیب اور نزہت، کیا جوڑ بنتا ہے، یہ بات آپا نے کیا سوچ کر کی ہے۔'' وہ پہلی بار کبیر کے سامنے یوں غصے کا اظہار کر رہی تھیں۔

''اچھا، اگر وہ مہناز اور مزیب کے لئے کہہ دیں، تب تو تمہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا......؟''

''تب بھی میں انکار کروں گی......'' انہوں نے قطعیت بھرے انداز میں کہا۔

وہ مسکرا دیئے اور بولے......

''جانتا ہوں، تمہیں مزیب سے بہت محبت ہے، تم نے اُسے ماں کی کمی محسوس نہیں ہونے دی۔''

''اور آپ جو سگے باپ ہیں، آپ پھر بھی اُس پر ظلم توڑ رہے ہیں۔'' جویریہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

''میں نے یہ کب کہا ہے جویریہ کہ میں آپا جان کے فیصلے سے متفق ہوں، تم نے پوچھا تھا، آپا جان کیا کہہ رہی تھیں، سو میں نے بتا دیا۔''

''تو کیا آپ انکار کر کے آئے ہیں......؟'' جویریہ جلدی سے بولیں۔

''انہوں نے نفی میں سر ہلایا......

''نہیں خیر، انکار تو میں نے نہیں کیا۔''

''فوراً کر دیں، ایک ہی تو بیٹا ہے ہمارا، ہمیں اس کی خوشی کا خیال رکھنا چاہئے۔''

''کیا ہے اُس کی خوشی......؟'' انہوں نے یونہی کہہ دیا۔

''سوہا...... وہی سوہا جسے آپ بیٹی کہتے ہیں۔'' کتنی ہی دیر لفظوں کو ترتیب دیتی رہی تھیں، ہمت نہیں پڑ رہی تھی، اب اچانک ہی کہہ بیٹھیں۔

''بیٹی کہتا ہی نہیں، سمجھتا بھی ہوں مگر وہ مزیب کی پسند کب سے ہے، کمال ہے ایک ملاقات میں ہی فیصلہ کر لیا اور تمہیں بھی سنا دیا۔''

''ایک ملاقات نہیں، وہ دونوں تو ایک دوسرے کو بہت عرصے سے جانتے ہیں، وہ کاشف کی بہن عالیہ کی دوست ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



اُن کا موڈ خوشگوار تھا...... جویریہ کو اس سے مناسب موقع کوئی اور نہیں لگا، سو کہہ دیا۔

''اور مجھے اب بتا رہی ہو......؟'' انہوں نے گلہ کیا۔

''آپ نے کبھی موقع ہی نہیں دیا، میں تو کب سے کہنا چاہ رہی تھی...... مگر ڈر تھا آپ پوری بات سنیں گے ہی نہیں۔''

''مزیب گھر پر ہے......؟''

جویریہ نے اثبات میں جواب دیا تو بولے......

''اُسے بلاؤ، مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں اُس کے ساتھ......''

''پلیز ڈانٹئے گا نہیں......''

''اوہو، تم بلاؤ تو، میں بلاوجہ کیوں ڈانٹنے لگا۔''

جویریہ خود یہ پیغام دینے مزیب کے کمرے میں آئیں، وہ کتاب پر سر جھکائے بیٹھا تھا۔

''مزیب...... زیبو......'' وہ بے تابی سے پکارتی ہوئی آگے بڑھیں اور اس کا سر سینے سے لگا کر چوم لیا۔

''کیا ہوا مما......؟'' وہ اُن کے خوشی سے تمتماتے چہرے کو حیرت سے دیکھنے لگا۔

''مجھے یقین ہے تمہارے پاپا مان جائیں گے۔'' انہوں نے مزیب کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر دبائے۔

''کیا مان جائیں گے......؟''

''اوہو...... تمہاری اور سوہا کی شادی کے بارے میں بات کر رہی ہوں۔ تم سمجھ ہی نہیں رہے۔'' وہ بے حد خوش تھیں۔

''کیا ہوا......؟ کچھ کہہ رہے ہیں پاپا......؟ کیا آپ نے اُن سے بات کر لی ہے......؟'' وہ کتاب بند کر کے جلدی جلدی بول رہا تھا۔

''بلا رہے ہیں تمہیں، سنو گھبرانا نہیں، وہ اس وقت اچھے موڈ میں ہیں اور میں نے سوہا کے بارے میں انہیں بتا دیا ہے۔''

''اوکے...... ذرا پشت تھپتھپائیں...... حوصلہ دیں تا کہ میں بہادری سے اُن کے تند و تیز سوالات کا مقابلہ کر سکوں۔''

''اچھا اب جاؤ بھی، شوخیاں واپسی پر کر لینا...... ایسا نہ ہو دیر ہو جائے اور اتنی دیر میں اُن کا موڈ بھی پرانی روش پر آ جائے۔''

''اوہو...... ڈرائیے مت بس جا ہی رہا ہوں۔''

♦ ♦ ♦

''رابعہ! عمر کہاں ہے......؟'' زیتون کو ہاسپٹل سے گھر آئے تیسرا روز تھا اور آج صبح سے حالت خراب تھی۔

''عمر تو سودا لینے بازار گیا ہے، بس آتا ہی ہوگا...... کیا بات ہے......؟ اماں! گھبرا کیوں رہی ہو......؟ طبیعت تو ٹھیک ہے ناں......؟'' رابعہ ماں کے لئے بہت پریشان تھی۔

''مزیب آیا تھا یا نہیں......؟'' زیتون نے اُس کی بات سنی ان سنی کر کے پوچھا۔



''نہیں......'' وہ جھوٹ بولتے ہوئے ہچکچاہٹ کا شکار تو ہوئی مگر ماں کی حالت کے پیش نظر کہہ گئی۔

''وہ کیوں نہیں آیا رابعہ......؟ کیا ایسے وقت میں وہ بھی عمر کا ساتھ چھوڑ گیا ہے۔ اب تو عمر کو اس کی بہت ضرورت ہے۔ میرا عمر بالکل تنہا ہے اس مصیبت کی گھڑی میں۔''

''آپ نے خود ہی تو عمر کو منع کیا تھا کہ وہ مزیب بھائی سے نہ ملے۔'' رابعہ نے یاد دلایا۔

''ہماری زندگی کی کہانی بھی کتنی عجیب ہے۔'' زیتون نے آہ بھری۔

رابعہ ماں کے پاس آ کر بیٹھ گئی اور بولی......

''کچھ کھاؤ گی ماں......؟ میں نے تمہارے لئے دلیہ بنا کر رکھا ہوا ہے، کہو تو کھچڑی بنا دوں......؟''

زیتون نے رابعہ کا ہاتھ اپنے کمزور لرزتے ہاتھوں میں لے لیا اور بولیں......

''تمہیں اپنی ماں تو یاد آتی ہوگی رابعہ، یہ خیال آتا ہوگا، اگر ماں زندہ ہوتی تو تمہیں بہت پیار دیتی، تمہارا بہت خیال رکھتی، میں تمہاری غریب خالہ ہوں، میں تو تمہیں کچھ نہیں دے سکی۔''

''اماں، میں نے تو کبھی ایسا نہیں سوچا، میں تو آپ ہی کو اپنی ماں سمجھتی ہوں اور جتنا پیار آپ نے مجھے دیا ہے، سگی ماں بھی کیا ہی دیتی...... ایسی باتیں مت کرو اماں......''

''نہیں رابعہ...... ماں تو ماں ہوتی ہے، اتنے برس ہم ساتھ رہے ہیں، کبھی نہ کبھی، کہیں نہ کہیں تو زیادتی ہوئی ہوگی مجھ سے...... تم مجھے معاف کر دینا...... بیٹی یہ غریب عورت تم دونوں کے لئے کرنا تو بہت کچھ چاہتی تھی...... مگر غریبی آڑے آتی رہی...... میں تم دونوں کو کوئی سکھ نہیں دے سکی۔''

''اماں...... اماں پیاری، ایسی باتیں مت کرو۔'' رابعہ نے التجا کی۔

''سنو رابعہ، عمر بہت روئے گا، یہ صدمہ اسے بہت تڑپائے گا۔ تم اسے اکیلا مت چھوڑنا، اسے حوصلہ دینا، اسے رونے مت دینا، سمجھا دینا یہ دنیا ہے اور یہاں وہ کچھ ہوتا رہتا ہے، جس کے بارے میں ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے...... تقدیروں کا مالک خدا ہے...... وہ جو بھی لکھ دے ہمیں صبر کرنا ہے، شکر کرنا ہے، تم اُس کو حوصلہ دیتی رہنا۔''

''اماں، مت کریں ایسی باتیں، میرا دل ڈوب رہا ہے۔'' رابعہ رونے لگی۔

''ابھی سے رو رہی ہو، تو بعد میں حوصلہ کیسے پکڑو گی...... تم عمر کو کس طرح سمجھا سکو گی...... نہ رابعہ نہ، رونا نہیں، حالات کیسے بھی ہوں، تم ہمت نہ ہارنا بیٹی......''

ابھی وہ رابعہ کو سمجھا ہی رہی تھیں کہ عمر آ گیا...... رابعہ کو روتے دیکھا تو گھبرا کر ماں کی جانب لپکا۔

''اماں، کیا بات ہے، آپ ٹھیک تو ہیں ناں......؟ رابعہ آپا، کیوں رو رہی ہو تم......؟''

''عمر، اماں کو سمجھاؤ، یہ بیماری سے گھبرا گئی ہیں، پتا نہیں کیسی باتیں کر رہی ہیں۔'' رابعہ بے حد خوفزدہ تھی۔

''اماں......'' عمر پھر ادھر متوجہ ہوا۔

''عمر...... طلال...... میرے بیٹے، میرے لال، انسان زندہ رہے یا مر جائے، رشتے نہیں بدلتے، خون کے رشتے قائم ہی رہتے ہیں مگر مجھے یہ دُکھ کھائے جا رہا ہے، بچھڑنے والی اس گھڑی میں ہم دونوں ہمیشہ کے لئے بچھڑ جائیں گے۔ ہمارے درمیان کوئی رشتہ باقی نہیں رہے گا۔'' زیتون کی آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے اور تکیہ بھیگ رہا تھا۔

''اماں، آپ ٹھیک ہو جائیں گی۔'' وہ اس بات کو کیسے سمجھ سکتا تھا...... اپنے ہاتھوں سے آنسو پونچھتے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہوئے تسلی دے رہا تھا۔

''عمر......'' زیتون نے پھر کچھ کہنا چاہا۔

''بس آپ خاموشی سے لیٹی رہیں۔''

''بس بیٹا، یہ آخری بات ہے، پھر تو ہمیشہ کے لئے چپ ہو جاؤں گی۔''

رابعہ سسکیاں بھرنے لگی اور عمر کا دل بھی بیٹھ گیا۔

''خدایا رحم کر...... آج ماں ایسی بات کیوں کر رہی ہے۔ مالک! ایک ہی دولت ہے میرے پاس، اسے مجھ سے جدا مت کرنا۔''

• • •

شاہ جی کو فالج کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ اس وقت بے ہوش تھے۔ ہاسپٹل میں اس وقت زینت اور ڈرائیور ہی موجود تھے۔ ڈرائیور نے عقلمندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُن کی حالت بگڑتی دیکھ کر شہر کا رُخ کیا تھا اور انہیں ہاسپٹل پہنچا دیا تھا۔

زینت رو رو کر خدا سے ان کی زندگی کی دُعائیں مانگتی رہی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ ہر طرف اندھیرا تھا۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس مشکل گھڑی میں کوئی ایک بھی نام ایسا نہیں تھا جو اپنا لگتا، جسے وہ اطلاع دیتی...... اردشیر شاہ جی کا اپنا خون، اُن کا اکلوتا بیٹا، اسی شہر میں موجود تھا مگر جو کچھ ہوا تھا اُس کے بعد وہ اُسے بلانے کا سوچ بھی نہیں سکتی تھی، جس طرح کا انتقام اُس نے باپ سے لیا تھا، سوچ کر ہی زینت کی روح تھرا جاتی تھی۔

کوئی اِتنا ظالم، اتنا زہریلا بھی ہو سکتا ہے، اسے کسی رشتے کا پاس نہیں، غصے میں وہ بالکل اندھا ہو جاتا ہے۔ پھر اب شاہ جی کی جو حالت ہے، یہ بھی اُسی کی وجہ سے ہے، اُس کا انتقام انہیں اس حال تک لے آیا ہے۔ اگر اسے اطلاع دے بھی دی جائے تو شاید وہ یہاں آنا پسند نہ کرے۔''

اُس نے بہت سوچنے کے بعد ڈرائیور سے کہا تھا......

''وہ شہر میں شاہ جی کی کوٹھی پر جو ملازم ہیں، ان میں سے دو تین کو یہاں بلا لو، اور سنو، میں تو کچھ بھی نہیں جانتی، تم ہی ڈاکٹروں سے ملو، ان سے پتا کرو، شاہ جی ٹھیک تو ہو جائیں گے ناں، انہیں کب تک ہوش آئے گا۔''

''بیگم صاحبہ، ہمیں سائیں کے رشتہ داروں کو بھی اطلاع کر دینی چاہئے۔ وہ پاس ہوں گے تو آپ کو بھی حوصلہ ہوگا اور ڈاکٹر لوگ بھی پھر زیادہ توجہ سے علاج کریں گے۔ مجھے تو کوئی جواب بھی نہیں دے رہا۔''

''باقی عزیز......'' زینت کا ذہن سخت اُلجھا ہوا تھا۔ وہ یوں ڈرائیور کی جانب دیکھ رہی تھی جیسے اُس کی بات سمجھ ہی نہیں سکی۔

''میرا مطلب ہے کہ چھوٹے شاہ جی، ٹھیک ہے باپ بیٹے میں تھوڑی اَن بَن ہوئی ہے مگر جی وہ خون ہیں شاہ سائیں کا، ان کی بیماری کا سن کر رہ نہیں سکیں گے، فوراً چلے آئیں گے۔''

''نہیں نہیں، تم کبھی بھول کر بھی ایسا نہیں کرنا، اس بات کو اطلاع اردشیر کو نہیں ہونی چاہئے۔'' اُس نے صاف انکار کر دیا۔

ڈرائیور کو یہ بات پسند نہیں آئی مگر مالکن سے بحث نہیں کر سکتا تھا۔ کچھ دیر کے لئے رُک گیا۔ پھر بولا......

''اگر حکم ہو تو میں برادری والوں کو بلا لوں۔''



''نہیں نہیں، اُن سے ہمارے جھگڑے چل رہے ہیں، وہ تو سائیں کو اس حالت میں دیکھ کر خوش ہوں گے، میں کسی کو اپنے سائیں پر ہنسنے نہیں دوں گی۔'' زینت کی آنکھیں بار بار بھیگ رہی تھیں۔

''بیگم صاحبہ، پھر میں بڑی بیگم صاحبہ کو تو اطلاع کر دوں۔''

''ہاں، کبریٰ خاتون......'' زینت کو بھی خیال آیا...... ''انہیں تو فوراً اطلاع کر دینی چاہئے تھی...... وہ اور اُن کی بیٹیاں یہاں ہاسپٹل آ جاتیں تو یہ اچھا ہوتا۔''

اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا...... ڈرائیور اجازت ملتے ہی فون کرنے چل پڑا۔

زینت کاریڈور میں اِدھر سے اُدھر چکر لگاتی رہی۔ نم پلکیں صاف کرتی رہی اور خدا سے شاہ جی کی زندگی کی دُعائیں کرتی رہی۔

اس نے ابھی سے کبریٰ خاتون کی آمد کا انتظار شروع کر دیا۔ اسے یقین تھا، وہ تو سنتے ہی چلی آئیں گی۔ وہ نہیں جانتی تھی کبریٰ خاتون آج کل کس اُلجھن میں گرفتار ہیں...... پچھتاوؤں نے انہیں بیمار کر ڈالا ہے۔ وہ خود سے بار بار ایک ہی سوال کرتی ہیں۔

''اردشیر سے میں نے جو کچھ کہا تھا، کیا وہ سچ ہے......؟ کیا میں واقعی اس سے محبت نہیں کرتی......؟''

اور ہر بار جواب انہیں حیران کر دیتا۔

دل کہتا تھا...... انہیں اس سے محبت ہے، اس کو ناراض کر کے اب انہیں کسی پل چین نہیں، بہت بے قرار ہیں وہ......

کبھی کبھی تو وہ بے اختیار کراہ اُٹھتیں......

''اُف، کتنی بڑی غلطی ہو گئی مجھ سے، میں اپنے دل کی بات بھی نہ سمجھ سکی۔ پتا نہیں وہ کس حال میں ہوگا...... اُسے تو ہمیشہ ناز اُٹھوانے کی عادت ڈالی گئی تھی۔ یہ ہم نے کیا کر دیا لاڈلے کے ساتھ...... کیسے سہہ پائے وہ ہمارے رویے کی بدصورتی کو۔

جب میں نے اپنی نفرت عیاں کی تو اُس کی آنکھوں میں حیرت اور بے یقینی تھی۔ قدموں کی دھمک سے دھرتی ہلا دینے والا نوجوان اُس روز پاؤں پر کھڑا نہیں رہ سکا۔ لٹا پٹا تھکا ہارا، وہ بہت تنہا، بے حد دلگیر نیچے بیٹھ گیا تھا...... مگر میرا پتھر دل نہیں پسیجا۔ اُس کی التجاء کرتی آنکھوں پر میں نے تمسخرانہ نظر ڈالی تھی۔ میں نے نفرتوں کا زہر اس کے وجود پر انڈیل دیا تھا اور ایک شان سے چلی آئی تھی۔

اب اُس دل میں جہاں کبھی میرا احترام تھا، محبت تھی، قدر اور عزت تھی، اب وہاں کیا ہوگا......؟

شاید میرے لئے بے اندازہ نفرت، اُن آنکھوں میں جہاں میرے لئے محبت کی نرم گرم جگمگاہٹ تھی، اب وجود کے آر پار ہونے والی سرد مہری ہوگی۔

وہ تو میری صورت بھی دیکھنے کا روادار نہ ہوگا اور میں مستحق بھی تو اسی سلوک کی ہوں، جو بویا ہے وہی کاٹنے کو ملے گا۔

میں اُس کے پاس ضرور جاؤں گی، میں ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ لوں گی۔ میں آنسوؤں کے ساتھ فریاد کروں گی، میں اسے کہوں گی۔

''اردشیر، لاڈلے، میں نے تو خود اپنے بارے میں ہی غلط اندازہ لگایا تھا...... میں تو اپنے دل کو ہی نہیں پہچانتی تھی...... میرا یقین کر لو، یہ دل تو تمہاری ہی یادوں کا مسکن بننے لگا ہے۔ تمہاری آنکھ میں آنسو کیا

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



آئے، یہاں طوفان اُمڈ آیا۔ میرے ہر طرف تم ہو......اردشیر، تم میرا بھی تو خواب تھے مگر تعبیر کسی اور کو ملی لیکن دل نہیں مان رہا۔ وہ کہتا ہے، تم میرے تھے، میرے رہو گے۔"

اُنہوں نے کام کرنے والی لڑکی کو بلایا اور کہا......

"ڈرائیور سے کہو، گاڑی نکالے...... مجھے فوراً شہر جانا ہے اپنے بیٹے کے پاس......"

"خیر تو ہے ناں جی......؟" اُن کی عجلت اور ستا ہوا چہرا اسے پوچھنے پر مجبور کر گیا۔

"ہاں خیر ہے، بس تم جاؤ۔"

اُنہوں نے کپکپاتے ہاتھوں سے اپنی آف وائٹ چادر جس کے کناروں پر ریشمی کڑھائی کی گئی تھی، اوڑھی اور جونہی گاڑی تیار ہونے کی اطلاع ملی، باہر آ گئیں۔

اُن کے جانے کے تھوڑی دیر بعد ہی شاہ جی کی بیماری کی اطلاع بذریعہ فون موصول ہوئی۔ اُس وقت شیریں اور اُس کا شوہر ساتھ کے گاؤں میں کسی کے ہاں گئے ہوئے تھے۔ ملازم نے فون اٹینڈ کیا اور اُن کا پیغام پہنچانے کو کہہ دیا۔

◆ ◆ ◆

اردشیر نے جو کچھ اُس پر بیتی تھی، وہ سب آذر کو سنا دی مگر اپنا جرم کہہ نہیں سکا، کوشش کی مگر لب کپکپا کر رہ گئے۔ آذر یہ سب سن کر اس کے لئے افسردہ نظر آتا تھا، اُسے تسلی دینے کے لئے بار بار کہتا۔

"تم فکر کیوں کرتے ہو......؟ باپ بیٹے سے زیادہ دیر ناراض نہیں رہ سکتا......وہ ضرور تمہیں منانے آئیں گے، اُن سب کو اپنی غلطی کا احساس ضرور ہو گا۔"

جواب میں اردشیر خاموش تھا اور اس سے نظر چرائے بیٹھا تھا۔

"تم پھر سے زندگی کی طرف آؤ...... میں تمہارے ساتھ ہوں......تم جس طرح بھی چاہو میری محبت کی آزمائش کر سکتے ہو......"

"آذر، اب جب کہ محبتوں کو نفرت کا لبادہ اوڑھتے خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے، تب بھی مجھے تمہاری محبت پر یقین ہے، مجھے تم جیسے دوست پر فخر ہے۔"

اردشیر کی بات پر ڈھیروں سکون آذر کے دل میں اُتر گیا۔ وہ اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر بولا......

"تو پھر سمجھ لو میرے پیارے کہ میری دوستی تمہیں پھر سے زندگی کی طرف لے آئے گی۔ یہ اعتبار تمہیں پھر سے زندہ دل بنا دے گا۔"

آذر کے جانے کے بعد اردشیر بے مقصد اِدھر اُدھر، کبھی لان میں، کبھی کمروں میں پھرتا رہا......

کچھ دیر ٹیرس پر کھڑے رہنے کے بعد وہ تھک کر اپنے کمرے میں آ بیٹھا......

وہ مضمحل سا آنکھیں موندے کرسی پر بیٹھا تھا اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے پیشانی مسل رہا تھا۔

شادا اندر داخل ہوا، ہولے سے پکارا مگر وہ یونہی بیٹھا رہا۔

"صاحب......" اب کے وہ ذرا قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ اردشیر نے آنکھیں کھولیں، اُس کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھنے لگا۔

"صاحب......مہمان آئے ہیں......"

"مجھے کسی سے نہیں ملنا، جو بھی ہے کہہ دو صاحب سو رہے ہیں، طبیعت ٹھیک نہیں ہے اُن کی......"



اتنا کہہ کر اُس نے پھر آنکھیں موندلیں اور انگلیوں سے پیشانی مسلنے لگا۔

"صاحب......وگاؤں سے......"

"گاؤں سے......" اُسے جھٹکا سا لگا۔ "کون آیا ہے وہاں سے، کون آ سکتا ہے......؟" اُس نے
ے کی بات بھی پوری نہیں ہونے دی۔

"صاحب، گاؤں سے بڑی ماں تشریف لائی ہیں۔" شادے نے بات مکمل کی اور اُس کی جانب
ا کہ اب کیا حکم ہے......؟"

اردشیر کرسی سے اُٹھ کھڑا ہوا اور نچلا لب دانتوں تلے دبا کر اُس نے جیسے مدد طلب نظروں سے
ے کی طرف دیکھا۔ بڑی ماں کی آمد کی اطلاع اس کے تمام احساسات منجمد کر گئی تھی۔

"انہیں بلا لوں......؟" شادے نے پوچھا۔

اُس نے گہرا سانس کھینچ کر سر اثبات میں ہلا دیا اور دروازے کی جانب پشت کر کے کھڑا ہو گیا۔

کبریٰ نے کمرے کا دروازہ کھولا اور وہیں رُک کر اندر کا جائزہ لیا......وہ بائیں طرف کھڑا تھا اور
ا جانب پشت تھی، ہاتھ پشت پر بندھے ہوئے تھے اور ہاتھوں میں ہلکی سی جنبش تھی۔

"اردشیر......" اب وہ ذرا آگے بڑھیں اور بڑی ہمت سے کام لے کر کانپتی آواز میں اُسے پکارا۔
ہاتھوں کی جنبش بڑھ گئی۔ اُس نے دائیں ہاتھ میں بائیں کو مضبوطی سے پکڑا مگر اب بھی پلٹ کر
ر نہیں دیکھا۔ اُس کی خاموشی نے کبریٰ کا حوصلہ پست کر دیا۔ وہ ذرا دیر کے لئے خاموش کھڑی رہیں
ا بھیگی ہوئی آواز میں دوبارہ اُس کا نام لیا اور جواب نہ ملنے کے باوجود بولیں......

"یوں منہ نہ موڑ دمجھ سے، ایسا رویہ مت رکھو، میری بات سن لو، تم نہیں جانتے، یہ دن تمہاری بڑی
ا نے کیسے گزارے ہیں......میں تو اپنے دل سے بھی واقف نہیں تھی۔ میں نہیں جانتی تھی، تم سے نفرت
ں، محبت ہے مجھے مگر اب مجھے، میرے دل نے بتا دیا ہے اردشیر، تم میرے ہو، صرف میرے، شاہ جی کا
ر کوئی حق نہیں ہے، تم پر صرف میں حق رکھتی ہوں......اور سنو تم جتنا بھی انجان بن جاؤ مجھ سے منہ
ڑے کھڑے رہو، میں یہ حق جتاتی ہی رہوں گی۔" وہ رونے لگیں اور اُن سے رُخ موڑے کھڑا اردشیر
بط کی شدت سے ہونٹ کاٹ رہا تھا۔

"یاد کرو اردشیر، تم نے ایک بار کہا تھا مجھ سے، "بڑی ماں یہ میرا وعدہ ہے، زندگی کا کوئی بھی موڑ ہو،
ب جو بھی مانگیں گی، میں دوں گا، چاہے وہ میری جان ہی کیوں نہ ہو۔ آپ کا بیٹا، آپ کو کبھی مایوس نہیں
ے گا......" ذرا توقف کے بعد وہ پھر بولیں......

"جانتی ہوں تمہارے دل میں میرے لئے بہت غصہ ہے، تم ناراض ہو مجھ سے مگر میں یہ بھی سوچ
ر آئی ہوں، اگر بیٹے کو منانے کے لئے ماں کو اس کے سامنے ہاتھ بھی جوڑنا پڑے تو اس سے بھی گریز
ں کروں گی۔ آج بڑی ماں تم سے تمہاری وہی محبت مانگنے آئی ہے اردشیر جو تمہیں مجھ سے ہوا کرتی تھی۔
د رکھو، مرد وعدے سے پھرا نہیں کرتے۔"

وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں......

وہ پھر بھی نہیں پلٹا......

◆ ◆ ◆

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ماں تو صرف ایک ہوتی ہے، نہ بڑی ماں، نہ چھوٹی ماں...... آپ کس بڑی ماں کی بات کر رہی ہیں......؟'' اردشیر نے پشت سے ہاتھ ہٹا کر سینے پر لپیٹ لئے، لہجہ جتانے والا اور شکوہ آمیز تھا۔ آواز میں دکھ سے زیادہ انہیں غصہ محسوس ہوا۔

''اردشیر......'' وہ آنسوؤں کی دُھند میں آگے بڑھیں اور اس کے ساتھ لپٹ گئیں۔ اُن کے رونے میں اور شدت آ گئی۔

اردشیر آنکھوں میں کرب لئے مگر ہونٹ بھینچے انہیں...... بغیر چھوئے ساکت کھڑا رہا...... پھر کچھ دیر بعد کندھوں پر ہاتھ رکھ کر خود سے الگ کیا اور آہ بھر کر مضمحل مسکراہٹ کے ساتھ بولا......

''گیا وقت لوٹ کر نہیں آتا...... ہاں یادیں پیچھا چھوڑ جاتا ہے...... آوازیں پیچھا کرتی ہیں...... آپ ہم نہ بھی سننا چاہیں مگر ہمیں سننی پڑتی ہیں مگر حقیقت تو حقیقت ہوتی ہے۔ آنسوؤں سے تحریر مٹ نہیں سکتی...... جو آپ نے کہا تھا، وہ میرے دل پر نقش ہو چکا ہے۔''

''ایسی باتیں مت کرو...... مجھے معاف کر دو...... میرا یقین کرو...... میں وہی بڑی ماں ہوں جن کی محبت پر تمہیں مان تھا......''

''آپ بیٹھیے، پانی پی لیں اور پلیز آنسو پونچھ لیں۔'' اُس کا انداز اور لہجہ وہ نہیں تھا جس کی کبریٰ عادی تھیں۔ بے شک گزری ساعتوں کا دُکھ اُسے بھی تھا مگر ایک ٹھنڈک اور بے گانگی اُس کے ہر انداز میں تھی۔ وہی بے گانگی جو کبریٰ کے وجود کو کاٹ ڈالتی تھی...... ہاتھ جو کبریٰ کو شانوں سے تھامے ہوئے تھے۔ آنکھیں جو ان کے وجود پر تھیں اور لہجہ جو ان ہی کے لئے تھا، بے گانگی...... شدید بے گانگی......

''اردشیر، تم جو بھی کہو مگر میں تمہیں منائے بغیر واپس نہیں جاؤں گی......'' انہوں نے پھر اسے منانے کی کوشش کی......

اُس نے سرد سی نگاہ ان پر ڈالی، شانوں پر سے اپنے ہاتھ ہٹا کر کچھ دُور جا کھڑا ہوا اور بولا......

''مجھے اب آپ سے کچھ نہیں کہنا...... اور پلیز آپ بھی کچھ مت کہیں کہ میرے پاس آپ کے لئے کچھ نہیں رہا اور آپ کے تمام حرف معنی کھو چکے ہیں۔''

''نہیں میرے حرف بامعنی ہیں...... میں جو کہہ رہی ہوں یہی سچ ہے...... اردشیر! تمہارے آنے کے بعد مجھے احساس ہوا، میں تو اُدھوری رہ گئی ہوں...... میرا دل میرے سینے میں نہیں رہا...... یقین مانو راتوں کو سو نہیں سکتی، مجھے دن میں چین نہیں آتا...... تم مجھ سے ناراض ہو، یہ احساس رُوح کو چھلنی کر دیتا



ہے...... خدا کے لئے تم لوٹ آؤ......'' وہ بہت شدت سے رونے لگیں۔

اردشیر نے...... جھکا سر اُٹھا کر اُن کی جانب دیکھا اور گہری سانس کھینچ کر بولا......

''میں پچھتاوے کی شدت سے واقف ہوں، میں اچھی طرح جانتا ہوں، اس آگ کی شدت پتھر کو بھی توڑ کر رکھ دیتی ہے، آج کل میں بھی تو اسی آگ میں جل رہا ہوں۔''

''پچھتاوے کی آگ میں...... مگر کیوں، تمہارا بھلا کیا قصور ہے، تم تو بے قصور ہو میرے لال......''

''آپ کا لال تو کبھی کا مر چکا ہے...... وہ ننھا بچہ جو آپ کو دیکھ دیکھ کر جیتا تھا، جسے تمام دُنیا میں اپنی بڑی ماں جیسی باوقار، باوفا اور محبت کرنے والی ہستی اور کوئی لگتی ہی نہیں تھی، وہ تو مر چکا ہے، حیرت ہے، آپ کو پتا ہی نہیں چلا......''

''وہ نہیں مر سکتا......'' کبریٰ سر اُونچا کر کے پہلی بار یقین اور اٹل انداز میں بولیں......

وہ اُن کے اس انداز پر استہزائیہ انداز میں ہنسا پھر زور دے کر بولا......

''وہ واقعی مر چکا ہے، آپ شاید یہ نہیں جانتیں کہ پیار کرنے والوں کی ذرا سی نفرت بھی وجود جھلسا دینے کو کافی ہوتی ہے، وہ بھی جھلس گیا ہے۔ آپ نے مان توڑا تو وہ بچ نہ سکا، اُس کا وجود ٹوٹ پھوٹ گیا...... وہ ریزہ ریزہ ہو گیا......''

وہ ٹھٹکیں، رُکیں اور پھر آہستگی سے بولیں......

''ہاں، میں واقعی نہیں جانتی تھی مگر آج تمہاری آنکھوں میں جو نفرت ہے میرے لئے، یہ واقعی مجھے جھلسا رہی ہے۔''

''یہ نفرت......'' وہ جیسے حیران ہوا تھا...... ''نہیں نہیں، یہ تو وہ نفرت نہیں ہے، آہ آپ اس شدت کو کیسے محسوس کر سکتی ہیں، کون ہو گا جو آپ کی طرح سفاکی سے قتل کر سکے گا، آپ واقعی دلیر عورت ہیں۔''

اردشیر، اب بس کرو...... میری آنکھوں میں جھانکو بیٹے، دیکھو اس محبت کو جو تمہارے لئے اب بھی میرے دل میں ٹھاٹھیں مار رہی ہے۔''

''آپ کھڑی کیوں ہیں...... بیٹھ جائیے......'' وہ جیسے بات ٹال کر خود صوفے پر بیٹھ گیا اور بولا......

''بڑا مان تھا......'' پھر زور دے کر کہا...... ''اور بڑا مان ہے مجھے اپنی ذات پر میں جانتا ہوں، بھولنے والی نظر انداز کر دینے والی شخصیت نہیں ہوں میں۔ آپ وہ سب کو پلٹ کر تو آنا ہی تھا پشیمان اور لٹے پٹے...... اور میں نے سوچا تھا، سب کو معاف کر دوں گا، سو میں آپ کو معاف کرتا ہوں اور خوش ہو جائیے کہ وہ سب جو مجھے چھوڑ گئے تھے، ان سب میں پہلے پلٹنے والی آپ ہیں۔'' اُس کا انداز شاہانہ تھا، غرور اور بے گانگی سے پُر۔

''اردشیر...... صرف معافی نہیں، مجھے تو وہی محبت چاہئے...... اور تم یہ بھی ذہن میں رکھو، بڑی ضدی ہوں میں جو مانگ رہی ہوں، لے کر بھی جاؤں گی، تمہیں اپنا وعدہ تو نبھانا پڑے گا۔''

اردشیر نے گہری سانس لے کر کہا......

''مجھے تو سب یاد ہے، اپنا وعدہ بھی نہیں بھولا میں...... مگر کہاں سے دوں وہ شے جو اب میرے پاس ہے ہی نہیں...... اُس روز جب میں آخری بار آپ کے پاس آیا تھا ناں تو وہیں کہیں یہ چیز بھی گر گئی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھی...... میں سمجھتا ہوں، مٹی میں مل گئی ہے، اب لاکھ تلاش کریں، بے کار ہی ہوگا۔"

"نہیں تم جھوٹ بولتے ہو، وہ محبت اب بھی تمہارے پاس ہے...... تمہارے دل کے کسی کونے میں سکڑی سمٹی بیٹھی ہے......"

اُس نے نفی میں سر ہلایا اور بولا......

"نہیں نہیں، آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے، ایسا بالکل نہیں ہے۔"

"تم جھوٹ بولتے ہو۔" وہ آگے بڑھیں...... اور اُس کے بازو پر سختی سے اپنا ہاتھ جما دیا۔

"مت جھوٹ بولو...... مت انجان بنو اردشیر، بھلا مجھ سے زیادہ تمہیں کون جانتا ہے، تم میرے وجود کا حصہ نہیں ہو مگر میرا خواب ہو، میرا امان ہو، تم وہی ہو جس کی چاہت بے لوث ہے، تم تو میرے جھوٹ پر بھی آنکھیں بند کر کے اعتبار کر لیا کرتے تھے۔ آج سچ کہہ رہی ہوں تو یقین کیوں نہیں کر رہے۔"

وہ اس کے بازو پر چہرا ٹکا کر بے بسی سے رونے لگیں۔

اردشیر کو افسوس ہو رہا تھا...... بڑی ماں آج کس رُوپ میں سامنے آئی تھیں۔ وہ تو حکم دیا کرتی تھیں...... وہ تو ہر حالت میں اپنی بات منوایا کرتی تھیں...... کتنی باوقار اور مضبوط تھیں بڑی ماں، وہ تو مالکن تھیں...... آج کیسے بلک رہی تھیں، کتنی شکستہ اور رنجور تھیں وہ...... مگر اردشیر بھلا کیا کر سکتا تھا۔ وہ تو خود بڑا بے بس تھا، جو کچھ وہ طلب کر رہی تھیں، اُس کے پاس تھا ہی نہیں۔

اُس نے جھوٹ نہیں بولا تھا، واقعی محبت گم ہو گئی تھی (یا مر گئی تھی) مگر کبریٰ یقین کرنے کو تیار ہی نہیں تھیں۔ بچوں کی طرح ضد کر رہی تھیں۔

"آپ کے جھوٹ پر اعتبار تو اس لئے کر لیا کرتا تھا کہ تب میں بڑا ہو جانے کے باوجود آپ کے سامنے خود کو بچہ تصور کرتا تھا جسے آپ کی محبت پر اندھا اعتماد تھا لیکن آپ مان لیں میری بات، میں وہ بچہ نہیں رہا، میں اب ایک دم بڑا ہو گیا ہوں۔ جوان مرد جو اپنے وجود سے چھاؤں بنتا ہے، کسی اور کی چھاؤں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ اس سائے میں بیٹھنا چاہتی ہیں تو بصد شوق مگر پلیز اسے بچے کو تلاش مت کریں جس کے لئے آپ کا وجود گھنا سایا تھا۔ یہ بے کار ہے۔"

کبریٰ نے اُس کے بازو پر ٹکایا سر اُٹھا کر آنسوؤں سے بھری آنکھوں سے اس کے چہرے کی جانب دیکھا اور اتنے قریب سے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے آخرکار انہیں یہ اندازہ ہو ہی گیا۔ واقعی وہ تو بے کار ضد کر رہی تھیں۔ اردشیر سچا تھا...... اب وہاں ایک بچے کی بے لوث معصوم چاہت نہیں تھی، اُن آنکھوں میں اندھا اعتماد بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ وہ تو جوان بیٹے کی آنکھیں بھی نہیں تھیں کہ احترام اور محبت کے جذبات کی جھلک دکھائی دے جاتی۔

وہ ایک مرد کی آنکھیں تھیں جو اُن کے لئے بے گانہ تھا، نہ سمجھ میں آنے والے نامانوس سے رنگ تھے، یہاں، یوں لگا چہرا اپنے اردشیر کا ہے مگر رُوح کوئی اور ہے...... ہائے جذبے بدل چکے ہیں...... ان بدلتے جذبوں نے صدیوں کے فاصلے حائل کر دیئے ہیں۔

"اُف...... یہ کیا کر بیٹھی ہوں میں......" اب پچھتاوا شدید پچھتاوا تھا...... انہوں نے اس کے بازو پر رکھے ہاتھ بھی ہٹا لئے اور سر جھکا کر خاموش ہو کر بیٹھ گئیں۔

"آپ بہت تھکی ہوئی دکھائی دے رہی ہیں، چائے منگواؤں آپ کے لئے......؟" لب و لہجے



میں کچھ نہ تھا، بس وہ میزبانی نبھانے کو کہہ رہا تھا۔

وہ ہاں یا نہ کچھ نہیں کہہ سکیں...... اردشیر نے کچھ دیر جواب کا انتظار کیا۔ پھر اپنی جگہ سے اُٹھتے ہوئے بولا......

"اگر آپ یہاں ٹھہرنا چاہیں تو ملازم سے کہہ کر اپنا کمرہ سیٹ کروا لیں...... میں جلدی میں ہوں، مجھے آذر کی طرف جانا ہے۔ شاید واپسی دیر میں ہو۔"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہیں تو وہ باہر نکل گیا۔

کبریٰ نے چہرا دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا اور سسکیاں لینے لگیں۔

فون کی بیل مسلسل ہو رہی تھی، انہیں اُٹھنا پڑا۔ خیال تو یہی تھا کہ اردشیر کے لئے فون ہوگا مگر اُدھر شیریں بات کر رہی تھی۔

"آپ یوں اچانک شہر چلی گئیں امی......؟"

"ہاں، اردشیر کے گھر آئی ہوں......" وہ خود پر قابو پا کر آہستگی سے بولیں۔

آپ کو علم ہو چکا ہوگا، بابا سخت بیمار ہیں اور ہسپتال میں ہیں۔"

"کون...... شاہ جی......؟" انہیں جھٹکا لگا۔

تو کیا اردشیر نے نہیں بتایا آپ کو، اُس کو یقیناً خبر ہوگی...... میں نے تو یہاں فون آپ کو یہ بتانے کے لئے کیا تھا کہ ہم لوگ بھی شہر آ رہے ہیں، سیدھے ہسپتال ہی جائیں گے۔"

"اردشیر کو تو شاہ جی کی بیماری کے بارے میں کچھ علم نہیں، وہ تو اپنے دوست آذر کی طرف گیا ہے۔"

"اچھا...... تو پھر ضرور یہ سازش زینت کی ہے، وہ نہیں چاہ رہی ہوگی کہ بابا کی بیماری کے دوران اردشیر یا ہم میں سے کوئی اُن کے قریب ہو...... یقیناً ہم لوگوں کو بھی بابا کے ملازموں نے اپنے طور پر اطلاع دے دی ہوگی۔"

"کون سے ہسپتال میں ہیں وہ......؟" کبریٰ نے فکرمندی کے عالم میں پوچھا...... جواب میں شریں نے ایڈریس لکھوا دیا اور بولی......

"ہم لوگ بھی بس اب نکل ہی رہے ہیں۔"

فون اٹینڈ کرنے کے بعد کبریٰ نے شادے کو بلایا اور کہا......

"اردشیر اس وقت آذر کی طرف گیا ہے، تم اسے فون پر شاہ جی کی بیماری کی اطلاع دے دو اور میں بھی ہسپتال ہی جا رہی ہوں۔"

شادے نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔

یہ نہیں بتا سکا باپ بیٹے میں سخت جھگڑا ہوا ہے، وہ شاید ہسپتال نہ جائیں۔

اردشیر آذر کے آفس آیا تھا۔ وہ اپنی اور بڑی ماں کی ملاقات کا ذکر اس سے کرنا چاہتا تھا کہ دل پر بوجھ سا آ پڑا تھا...... جب سب کچھ ختم ہو چکا ہے، پھر وہ کیوں چلی آئی ہیں......؟ مجھے ڈسٹرب کیوں کرتی ہیں......؟ بڑی مشکل سے سمیٹا ہے میں نے خود کو، اب ایک بار پھر وہ سامنے آ کھڑی ہوئی ہیں۔ اس پر غصہ، جھلاہٹ اور بے بسی کی کیفیت طاری تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ آذر کے آفس آیا تو وہاں سوہا موجود تھی۔ اسکائی بلیو سوٹ میں نکھری نکھری سی وہ لڑکی بڑے اعتماد اور خوبصورت لہجے میں آذر سے بات کر رہی تھی مگر جونہی اردشیر کو آتے دیکھا، چونک گئی اور بات لبوں میں رہ گئی۔ آذر نے سوہا کے انداز محسوس تو کیا مگر اردشیر سے بولا......

''آؤ...... اچھے وقت پر آئے ہو، میں سوچ رہا تھا۔ آفس سے اُٹھ کر تمہاری ہی طرف جاؤں گا۔''

سوہا اُٹھ کھڑی ہوئی اور بولی...... ''میں چلتی ہوں۔''

''ارے بیٹھو سوہا......'' آذر نے روکا تو اس نے شاکی نظروں سے آذر کی جانب دیکھا کہ سب جانتا ہے پھر بھی رُکنے کو کہہ رہا ہے جب کہ اتنی دیر میں اردشیر تھکے تھکے انداز میں دونوں میں سے کسی کی طرف دیکھے بغیر سر جھکائے بیزار سا کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔

''اردشیر کیسے آئے......؟'' آذر نے پوچھا۔

اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا...... ایسے ہی بیٹھا میز کی سطح پر اُنگلی پھیرتا رہا۔ سوہا نے اچٹتی سی نگاہ اُس پر ڈالی تو حیران ہوئی۔

''ارے کیا یہ وہی اردشیر شاہ ہے جس کی آنکھوں میں غرور کی واضح تحریر اور لہجے میں رعونت ہوا کرتی تھی جو اپنے سامنے کسی کو گردانتا ہی نہ تھا جس کا لباس بے شکن اور چہرہ ہلکی سرخی اور بہت چمک لئے ہوتا تھا۔

کیا بیتی ہے اُس پر......؟'' وہ ٹھٹک گئی تھی۔

''چائے پیو گے اردشیر......؟'' آذر اُس کی چپ سے فکر مند دکھائی دیتا تھا۔ اُس کی توجہ سوہا کی جانب سے ہٹ چکی تھی۔ سوہا نے اب مزید یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں سمجھا اور اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ کہہ کر کہ ''میں پھر آ جاؤں گی۔''

''ڈر گئی ہے تم سے......'' آذر نے اُس کے جانے کے بعد جتایا۔

''چلو کوئی تو ہے جو اب بھی ڈرتا ہے مجھ سے......'' وہ پھیکی سی ہنسی ہنس کر اپنا ہی مذاق اُڑا رہا تھا۔ پھر فوراً اُٹھ کھڑا ہوا...... اور بولا......

''تم اسے بلا لو، میں چلتا ہوں۔''

''اوہو اردشیر، رُکو تو......''

آذر نے روکنا چاہا مگر وہ رُکا نہیں...... آذر کو پیچھے آنا پڑا...... کاریڈور میں انہیں شادا تیز قدموں سے اِدھر ہی آتا دکھائی دیا...... جونہی اُس کی نظر اردشیر پر پڑی۔ تقریباً دوڑتا ہوا، اُس تک آیا اور بولا......

''صاحب...... شاہ صاحب کی طبیعت بہت خراب ہے۔ وہ ہسپتال میں ہیں...... بیگم صاحبہ نے کہا تھا، فون پر اطلاع کر دوں۔ میں نے سوچا آپ کی تو اپنی طبیعت ٹھیک نہیں، میں ساتھ چلوں تو بہتر ہے۔''

''بابا کی طبیعت اچھی نہیں......!'' اردشیر کے تو پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ پہلا خیال ذہن میں یہی آیا وہ اُس کی اس حرکت کی وجہ سے بیمار پڑے ہیں اگر انہیں کچھ ہو گیا تو اس کا ذمہ دار وہ ہوگا۔

''اللہ اپنا فضل کرے گا وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' آذر نے تسلی دی۔

''مجھے بابا جان کے پاس لے چلو......'' وہ بہت ڈسٹرب تھا۔

''ہاں میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں......''



آذر نے کہا تو اردشیر نے نفی میں سر ہلا دیا۔

''وہ لڑکی تم سے ملنے آئی تھی، ممکن ہے اسے تم سے کوئی ضروری کام ہو، تم اسے بلا لو، میں شادے کے ساتھ جا رہا ہوں......''

اتنا کہہ کر وہ تیز قدموں سے چلا گیا۔

ہاسپٹل میں وہ کبریٰ سے پہلے پہنچ گیا۔ پرائیویٹ روم میں زینت، شاہ جی کے پاس موجود تھی جب ملازم اسے کمرے کے باہر مل گئے۔

شاہ جی کو آکسیجن لگی ہوئی تھی، زینت بے حد پریشان اور خوفزدہ...... ایک ٹِک انہیں دیکھ رہی تھی۔ ...ئی کمرے میں آیا ہے، اسے پتا ہی نہ چل سکا۔

''کیا ہوا ہے بابا جان کو......؟'' اردشیر کی آواز پر وہ گھبرا کر پلٹی اور جب نظر اس پر پڑی تو چہرے پر ...ف کے سائے رینگ گئے۔

''کب سے یہ حالت ہے اِن کی، ڈاکٹر کیا کہتے ہیں......؟'' وہ فکر مندی کے عالم میں سوال کر رہا ...ا۔

زینت نے اُس کی جانب سے چہرا موڑ کر آہستہ سے بتایا۔

''فالج کا اٹیک ہے۔''

''اوہ......'' اردشیر نے بے بس پڑے باپ کو بے حد رنج کے عالم میں دیکھا...... کچھ دیر کے لئے ...ل نہیں سکا۔ اُن کے بیڈ کے قریب آ کر چپ چاپ انہیں دیکھتا رہا۔ پھر خاموشی کے ساتھ کمرے سے ...ہر چلا گیا۔

ڈرائیور بتانے لگا...... ''اس رات گاؤں جاتے ہوئے راستے میں اُن کی طبیعت خراب ہو گئی تھی...... میں انہیں واپس شہر لے آیا...... یہاں ہاسپٹل آئے تو ڈاکٹروں نے انہیں اِدھر ہی روک لیا۔ کبھی کبھی ہوش میں آتے ہی سخت تکلیف محسوس کرتے ہیں۔''

''ڈاکٹر کیا کہتے ہیں......؟'' اردشیر کو اپنا دم گھٹتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

''پتا نہیں صاحب جی، ہمیں تو کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں...... اب آپ آ گئے ہیں، خود ہی پوچھ لو۔''

وہ سر اثبات میں ہلا کر آنے والے لمحوں سے خوفزدہ ڈاکٹر سے تفصیل پوچھنے چلا گیا۔

فالج سے دائیں ٹانگ اور بازو پر اثر تھا اور بولنے میں بھی شدید دقت تھی مگر ڈاکٹر تفصیل سے آگاہ ...رنے کے ساتھ ساتھ تسلی بھی دے رہا تھا۔

اردشیر کو قرار نہیں تھا......

''میرے بابا جان کب تک ہوش میں آ جائیں گے، پلیز آپ لوگ کچھ کیجئے۔''

باپ سے آخری ملاقات کا منظر اُس کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

وہ ناراض تھے۔

ڈاکٹر کا کہنا تھا، ان کا بی پی بہت ہائی ہو گیا تھا...... ڈاکٹر تو وجہ نہیں جانتے تھے مگر اسے خوب اچھی ...رح علم تھا۔

سارا قصور ہی میرا ہے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



وہ جب واپس شاہ جی کے کمرے میں آیا تو زینت اُن کے بیڈ کے قریب کھڑی آنسو پونچھ رہی تھی۔

اردشیر خاموش کھڑا انہیں دیکھتا رہا۔ زینت کی اِدھر پشت تھی۔ وہ اس کی آمد سے یکسر بے خبر تھی۔ کبریٰ اندر داخل ہوئیں، کچھ بولیں، تب وہ مُڑی اور ایک طرف ہٹ گئی۔

"ہائے میرے شاہ سائیں......" جمشید کو اس حالت میں دیکھ کر خود پر قابو نہ رہا، وہ رونے لگیں۔

اردشیر کی پیشانی پر شکنیں اُبھریں، ان کا یوں رونا اسے سخت برا لگا، جی چاہا کہہ دے......

"اصل قصوروار تو آپ ہیں...... یہ سارا کھیل آپ کا رچایا ہوا ہے۔ آپ کے انتقام نے ہم سب کو آج یہ دن دکھایا ہے، اب کیوں رو رہی ہیں......؟ خوش ہو جائیے آپ کی مراد پوری ہو رہی ہے۔"

اسے ان کے آنسو سب دکھاوا لگ رہے تھے۔ وہ ان دونوں سے ہٹ کر یوں کھڑا تھا جیسے ان سے کوئی تعلق ہی نہ ہو۔ ان کی آمد سے پہلے تک وہ خود سے شرمسار تھا، مجرم تصور کرتا تھا خود کو۔ اب کبریٰ کے آ جانے سے یہ احساسِ جرم کم ہو گیا۔ اسے اب کبریٰ ہی اصل مجرم دکھائی دے رہی تھیں۔

کچھ دیر بعد کبریٰ نے آنسو پونچھتے ہوئے خود کو سنبھالا اور اس کی جانب دیکھ کر بولیں......

"کیا کہہ رہے ہیں ڈاکٹر......؟ کیا ہو گیا ہے شاہ سائیں کو......؟ یہ ٹھیک تو ہو جائیں گے ناں......؟"

"ہوں...... تسلی تو دی ہے، کہہ رہے ہیں جلد ہوش میں آ جائیں گے۔" اردشیر اُن کے بجائے اپنی رسٹ واچ کی طرف دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"جب ہوش میں آتے ہیں تو بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں۔" زینت نے دونوں میں سے کسی کو مخاطب کئے بغیر کہا۔ وہ نہیں جانتی تھی اردشیر اور کبریٰ ایک دوسرے سے بہت فاصلے پر جا چکے ہیں ان دونوں کی موجودگی میں وہ خود کو بہت اکیلا اور کسی حد تک غیر محفوظ محسوس کر رہی تھی۔ اسے نہ تو اب اردشیر سے کسی اچھائی کی توقع تھی اور نہ بڑی بیگم سے، وہ تو اُسے شروع سے ہی بہت مغرور اور تنگ مزاج لگتی تھیں۔ اسے ڈر لگتا تھا ان سے۔ وہ شاہ جی کی زندگی کے لئے دُعا گو تھی۔

تینوں ایک دوسرے سے نظریں چرائے کچھ دیر تک خاموش کھڑے رہے پھر اردشیر باہر آ گیا۔

"انکل کا کیا حال ہے......؟ کیا ہوا ہے انہیں......؟" آذر ابھی ابھی پہنچا تھا اور پریشانی کے عالم میں پوچھ رہا تھا۔

"تم دُعا کرو آذر، خدا انہیں زندگی دے، صحت عطا فرمائے، ابھی تو مجھے بہت ضرورت ہے اُن کی......"

"کیا حالت زیادہ خراب ہے......؟" اس کی بات پر آذر فکرمندی سے گویا ہوا، جواب میں اُس نے اثبات میں سر ہلا دیا پھر ہولے ہولے تفصیل بتانے لگا۔

"وہ ٹھیک ہو جائیں گے، اردشیر تم حوصلہ رکھو۔"

کچھ دیر بعد شاہ جی کے دونوں داماد اور تینوں بیٹیاں بھی چلی آئیں۔ شاہ جی ابھی تک اسی کیفیت میں پڑے تھے اور یہاں موجود ہر چہرا بے حد فکرمندی و پریشانی کے عالم میں ڈوبا ہوا تھا۔ کسی خیال سے دِل کانپ کانپ جاتے تھے۔



"خدا نہ کرے، خدا انہیں صحت دے......" اس خیال سے پیچھا چھڑانے کو وہ دُعا مانگنے لگتے۔

ڈاکٹر نے شور سے منع کیا تھا مگر گاؤں سے یہ لوگ آئے اور شاہ جی کو اس حالت میں دیکھا تو شیریں اور ستارہ رونے لگیں...... گل بھی گم سم اور فکرمند تھی۔ مرد، خواتین کو تسلی دے رہے تھے اور کمرے میں شور سا ہونے لگا تھا...... اردشیر نے ناگواری سے...... ان سب کو دیکھا اور باہر آ کر شاہ جی کے ایک ملازم سے کہا......

"اندر جا کر ان سب کو منع کرو، بتاؤ ان جاہلوں کو یہاں شور نہ کریں، مریض ڈسٹرب ہوتا ہے۔"

"تم بیٹھ جاؤ......" آذر اس کے قریب آ کھڑا ہوا۔

"میں ٹھیک ہوں......" وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑا تھا۔ شیریں شاید اسے دیکھتے ہی کمرے سے باہر آئی تھی۔ نظر اس پر پڑی تو قریب آئی اور اس کے بازو پر ہاتھ رکھ کر بولی......

"تم باہر کیوں آ گئے......؟ اندر آؤ ناں، ہم سب کے پاس......"

"آپ لوگ بھی باہر تشریف لے آئیں تو بہتر ہوگا۔ ڈاکٹر نے شور سے منع کیا ہے۔"

اردشیر نے اُس کی اپنائیت کا جواب بڑے کھردرے انداز میں دیا۔ وہ واپس نہیں گئی، وہیں اُس کے پاس ہی کھڑی ہو گئی۔

♦ ♦ ♦

کبیر حسن نے جویریہ سے کہا تھا...... "وہ سوہا کے گھر جانا چاہتے ہیں۔"

"تو کیا آپ راضی ہیں اس رشتے پر......؟" اُس نے بے یقینی اور خوشی کی ملی جلی کیفیت کے ساتھ سوال کیا۔

"اسے بیٹی کہا ہے میں نے، بڑا احسان بھی ہے اُس کا مجھ پر مگر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اچھی لڑکی ہے، عریب کو بھی پسند ہے تو انکار کا کوئی جواز نہیں بنتا......"

"اوہ...... تو پھر کیوں نہ آج ہی ہم ان کے ہاں چلیں، میں فون پر سوہا کی آنٹی کو اطلاع دے دیتی ہوں۔"

"ٹھیک ہے جیسی تمہاری مرضی...... میں چار بجے کے قریب آفس سے آ جاؤں گا۔ تم چھ بجے کا ٹائم دے دینا۔"

وہ آفس چلے گئے تو جویریہ عریب کے کمرے میں چلی آئی۔ وہ رات دیر سے سویا تھا اور ابھی تک بستر میں تھا۔

"اوہو عریب، اُٹھو بھئی...... یہ کوئی وقت ہے سونے کا......" انہوں نے جاتے ہی کمبل کھینچ لیا۔

"مما پلیز...... سونے دیں۔" اُس نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

"پتا بھی ہے ٹائم کیا ہو رہا ہے......؟"

"مجھے نہیں پتا، بس میں بڑا اچھا خواب دیکھ رہا ہوں اس وقت......" اُس نے تکیہ اُٹھا کر منہ پر رکھ لیا۔

"وہ خواب حقیقت بن گیا ہے میری جان...... میں اور تمہارے پاپا آج شام جا رہے ہیں سوہا کی طرف......"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''ہیں...... سچ......'' اُس نے تکیہ ایک طرف پھینکا اور ایک دم سے اُٹھ بیٹھا۔

''اب کہاں گئی تمہاری نیند......؟''

''اوہو...... تو جگانے کے لئے ایسا کہہ رہی تھیں۔'' وہ پھر لیٹ گیا۔

''ارے نہیں زیبو، یہ سچ ہے، تمہارے پاپا مان گئے ہیں۔''

''اوہ مما...... یہ صبح کتنی سہانی ہے۔''

وہ پھر اُٹھ بیٹھا اور چھلانگ لگا کر بستر سے اُترا۔

''اس کا مطلب ہے، میں سچے خواب دیکھنے لگا ہوں، مجھے پہلے ہی پتا تھا میری نیکیاں مجھے کسی نہ کسی اُونچی منزل تک لے جائیں گی۔''

شام کو جویریہ تیار ہو رہی تھیں، کبیر بھی بیڈ روم میں تھے اور اور مزیب کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ان دونوں کو پکڑ کر ابھی اسی وقت سوہا کے گھر روانہ کر دے۔

ان لوگوں کی تین گھنٹے کے بعد واپسی ہوئی اور اُس نے یہ عرصہ بس اِدھر اُدھر چکر لگاتے ہی گزارا۔

جویریہ اور کبیر معہ مٹھائی کے واپس آئے تھے۔ مزیب گاڑی کی آواز سنتے ہی لاؤنج سے باہر آ گیا اور جویریہ کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر سمجھ گیا، کامیاب لوٹے ہیں وہ۔

جویریہ، کبیر سے پہلے تیز قدموں سے تقریباً دوڑتی ہوئی اُس تک آئیں، چہرا ہاتھوں میں لے کر پیشانی چوم لی اور مبارکباد دے ڈالی۔

''اوہ شکر ہے، مان گئیں آنٹی یاسمین، میرا خیال تھا کہیں پپا کو دیکھ کر وہ انکار نہ کر دیں کہ ایسا مغرور، غصہ ور ابا...... یقیناً بیٹے پر بھی اثر ہوگا۔''

''بکو مت، تمہیں تو اپنے پاپا کا شکر گزار ہونا چاہئے۔'' وہ ہنسی دبا کر ہولے سے بولیں۔

کبیر حسن قریب آئے تو مزیب نے بڑے ادب اور سنجیدگی سے سلام کیا۔ انہوں نے بھی گلے لگا کر مبارکباد دی۔

ملازم مٹھائی کے ڈبے اُٹھائے چلا آیا۔ وجہ نہیں جانتا تھا، مالکوں کو دیکھ کر مسکرائے جا رہا تھا۔

''یہ کچن میں لے جاؤ......'' جویریہ نے اُسے کہا اور تینوں لاؤنج میں آ گئے۔

''کیا ہوا، کب آئے آپ لوگ......؟'' رائحہ نے آ کر پہلا سوال یہی کیا۔

''ابھی ابھی آئے ہیں اور بامراد لوٹے ہیں۔'' جویریہ نے بتایا۔

''بہت مبارک ہو بھائی......'' وہ مزیب کے پاس آ بیٹھی اور سر اُس کے شانے سے ٹکا دیا۔

''تمہیں بھی بہت مبارک ہو، آخر بھابی بھی تو تمہاری آ رہی ہے، ہم بے چاروں کا کیا ہے۔'' کبیر کی وجہ سے وہ آہستہ سے بول رہا تھا۔ رائحہ کوئی جواب نہیں دے سکی۔ باپ کی موجودگی میں وہ خاموش ہی رہا کرتی تھی۔

''ہم لوگ منگنی کی تاریخ بھی دے آئے ہیں، صرف ایک ہفتے بعد تمہاری اور سوہا کی منگنی ہوگی۔'' جویریہ نے خوشی سے کھنکتی آواز میں کہا۔ کبیر حسن نے اثبات میں سر ہلایا اور بولے......

''ہم نے اور سوہا کی آنٹی نے یہی طے کیا ہے کہ رسم سادگی سے ہوگی، تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں۔''



''نہیں پاپا، آپ کا فیصلہ ہی میرا فیصلہ ہے، مجھے بھلا کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔''

''بہت سعادت مند ہیں آپ......'' رائحہ نے سرگوشی کی۔

''چپ کرو، تم نے کیا بڑبڑانا شروع کیا ہوا ہے۔'' وہ یوں بولا جیسے بہن کی بات سمجھ ہی نہ سکا تھا۔

''مزیب، تم عمر کو ضرور بلانا......''

جویریہ کے کہنے پر وہ بولا......

''اُس کی والدہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں رہتی۔ میں کہہ تو دوں گا مگر وہ آ نہ سکے شاید......''

''کیا ہوا اُس کی والدہ کو......؟''

''وہ تو کافی عرصے سے بیمار ہیں، بہت محنت بھی تو کی ہے اُنہوں نے رابعہ اور عمر کی پرورش کے سلسلے میں۔ اب تو لگتا ہے اُن کی ہمت جواب دے گئی ہے۔''

''اللہ انہیں صحت دے، منگنی کی رسم کر دیں پھر میں چلوں گی تمہارے ساتھ عمر کے گھر، اس کی والدہ سے ملنے۔''

''ٹھیک ہے مما، ضرور چلیں گے......'' وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔

♦ ♦ ♦

شاہ جی ابھی تک ہاسپٹل میں ہی تھے۔ ہوش میں ضرور آ چکے تھے مگر ان کی بیماری ایک دو دن یا ماہ میں ٹھیک ہونے والی تو نہ تھی۔ اردشیر کا سارا وقت ہاسپٹل میں ہی گزرتا تھا۔ باقی سب بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ کبریٰ اور زینت تو دن کا بیشتر حصہ اِدھر گزارتیں جب کہ بیٹیاں دن میں ایک چکر لگا لیا کرتی تھیں۔

اردشیر موجود تو یہیں ہوتا تھا مگر جب سے وہ ہوش میں تھے، ایک بار بھی اُن کے سامنے نہیں گیا تھا کمرے میں تب ہی جاتا، جب وہ سو رہے ہوتے تھے، ان کے چہرے کی جانب دیکھتا رہتا، بے آواز ان سے معافی مانگتا رہتا۔ وہ شرمسار تھا۔ باپ کا سامنا کرنے کا حوصلہ خود میں نہیں پاتا تھا۔ یہ خیال کہ کہیں اسے دیکھ کر منہ نہ پھیر لیں، اِسے اُن کے سامنے جانے سے روک دیتا تھا۔

وہ چلنے پھرنے سے معذور ہو چکے تھے۔ بول نہیں سکتے تھے۔ انہیں اردشیر اس طرح بے بس پڑے دیکھتا تو دل کٹ کے رہ جاتا۔ کیا اب یہ باقی زندگی یونہی گزاریں گے اور ساتھ ہی یہ احساس کہ انہیں اس حال تک پہنچانے میں اُس کا بڑا ہاتھ ہے، اسے شدید پچھتاوا ہونے لگتا۔

''کاش میں نے عقل سے کام لیا ہوتا، اتنا نہ آگے گیا ہوتا۔ اصل قصور بڑی ماں کا ہے، سزا بابا کو دی میں نے، کتنا برا ہوں میں، میں تو ان کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگنے کے لئے تیار ہوں مگر بابا شاید مجھے کبھی معاف نہ کریں۔''

زینت یہاں ہاسپٹل میں شاہ جی کے پاس اُسی پرائیویٹ روم میں ہوا کرتی تھی، گم سم، خاموش...... اردشیر سے بھی اس کی کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ چادر سے چہرا چھپائے رکھتی تھی جیسے ان سب لوگوں سے اور خاص طور پر اردشیر سے اس کا پردہ ہو۔

''...... یہ چھوٹی بیگم صاحبہ بھی ہر وقت بابا کے پاس ہاسپٹل میں موجود رہتی ہیں۔'' ستارہ نے کبریٰ کو احساس دلانا چاہا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"ہاں میں دیکھ رہی ہوں، یہ بہت حق جتا رہی ہے، واقعی خود کو بیگم ہی سمجھنے لگی ہے کسی کمین کی اولاد......"

"تو اور کیا، بڑے آدمی سے شادی کا یہ مطلب تھوڑا ہی ہے کہ لوگ اس کے خاندان کو بھول گئے، سب کو پتا ہے یہ ایک مزارع کی بیٹی ہے، قسمت سے شاہ کے نکاح میں آگئی تو خود بھی بیگم بن بیٹھی۔" ستارہ کے لہجے میں حقارت ہی حقارت تھی۔

"میں بھی نظروں میں رکھے ہوئے ہوں، اس کو دیکھ رہی ہوں، اس کے انداز، تھوڑے دنوں کے لئے میں حویلی سے باہر کیا گئی، یہ تو ہر شے پر قبضہ ہی جما بیٹھی مگر جانتی نہیں ہے یہ مجھے دُور دُور سے دیکھا ہے، کبھی قریب آنے کا موقع نہیں ملا۔ اب میں بتا دوں گی اسے مالکن کون ہے اور اس کی کیا اوقات ہے۔"

شاہ جی کی بیماری نے انہیں ایک بار پھر شاہ جی اور گھر کے قریب کر دیا تھا۔ وہ اب کسی دوسری عورت کا وجود وہ بھی اپنے ساتھ برابری کرتے ہوئے برداشت نہیں کر پا رہی تھیں۔

یہاں شہری ملازم نہ تو کبریٰ کو زیادہ اہمیت دے رہے تھے اور نہ ہی اُن کے اس رُتبے سے واقف تھے جو گاؤں میں انہیں حاصل تھا۔ اِن لوگوں کے لئے تو زینت اور کبریٰ برابر تھیں جبکہ کبریٰ کو زینت سے سخت نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ شاید اس لئے کہ فاطمہ اور راحت کے ہوتے ہوئے بھی حکمرانی کبریٰ کے پاس ہوتی تھی جب کہ زینت نے حویلی پر اکیلے ہی راج کیا تھا۔

"اماں، آخر یہ یہاں کیا کر رہی ہے، کیا کام ہے اس کا یہاں پر......؟ اسے گاؤں بھیج دیں۔"

"ہاں، میں بھی یہی سوچ بیٹھی ہوں...... تم ڈرائیور کو بلاؤ، نیک کام میں دیر کیسی......"

زینت کو اطلاع ملی، وہ کبریٰ کے پاس آئی اور اس سے التجا کی۔

"آپا جان، مجھے گاؤں نہ بھجوائیں، میں یہیں رہنا چاہتی ہوں شاہ جی کے پاس، میں انہیں اس حال میں چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔ میرا دل تو اِدھر ہی لگا رہے گا۔ میں بے چین و پریشان رہوں گی۔"

"تمہاری رائے کس نے پوچھی ہے زینت بی بی، میں نے تمہیں گاؤں بھجوانے کا فیصلہ کر لیا ہے اور تمہیں ہر حال میں یہ فیصلہ ماننا ہے۔"

"نہیں بڑی آپا نہیں، میں نہیں جاؤں گی خدا کے لئے مجھے یہیں پڑا رہنے دیں۔" وہ روتے ہوئے التجا کرتی رہی۔

"جو کہہ دیا بس کہہ دیا، نہ سننے کی تو میں عادی نہیں ہوں، نہیں جاؤ گی تو زبردستی ہوگی اور ملازموں کو بھی پتا چل جائے گا کہ تمہاری کیا حیثیت ہے۔ بہتر ہے عزت کے ساتھ ہی چلی جاؤ، سب کے سامنے تماشا نہ بنو......" اور زینت خاموشی سے پلٹ آئی اور اسے اسی روز گاؤں بھیج دیا گیا۔

شاہ جی نے بڑی خاموشی اور صبر کے ساتھ اپنی اس حالت سے سمجھوتہ کر لیا تھا۔ وہ خود کو بہت تنہا محسوس کر رہے تھے...... وہ اپنا دُکھ کس سے کہیں، کون ہے جو اُن کے ساتھ مخلص ہے، اتنے لوگ تھے اُن کے پاس، مگر اُن کی پیاسی نگاہ بیٹے کو ڈھونڈتی تھی...... اور چہروں میں وہی چہرا تو انہیں دکھائی نہیں دیتا تھا۔

وہ تو اتنے مجبور ہو چکے تھے کہ کسی سے پوچھ بھی نہیں سکتے تھے، جب بھی دروازہ کھلتا اس اُمید پر دیکھتے کہ شاید اب اردشیر آیا ہوگا۔ کیا اب بھی ناراض ہے مجھ سے۔



باپ کا دل تھا ناں اس کی اتنی بڑی خطا بھلا کر پھر اسے پکار رہا تھا۔

ابھی کبریٰ اور دونوں بیٹیاں ملاقات کے بعد واپس گئی تھیں۔ ستارہ کا بچہ بیمار تھا۔ وہ ماں سے اس کے بارے میں باتیں کرتی رہی۔ کبریٰ اسے مشوروں سے نوازتی رہیں، کئی ایک نسخے بھی بتائے اور ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ بھی دیا۔

وہ چپ چاپ لیٹے سنتے رہے حالانکہ ان کی آوازیں بے حد ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

وہ تینوں چلی گئیں...... شاہ جی کمرے میں اکیلے رہ گئے۔ اُنہوں نے آنکھیں موند لیں۔ کچھ ہی دیر بعد محسوس ہوا کوئی کمرے میں آیا ہے مگر آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا کہ بہت تھک چکے تھے اور شاید مایوس بھی ہو چکے تھے۔

کوئی ان کے پیروں کے قریب آ کر ٹھہر گیا...... اور اب ہولے ہولے سسک رہا تھا۔

"کون...... کون ہو سکتا ہے......؟" انہوں نے آنکھیں کھول دیں۔

"اردشیر......"

اُن کی آنکھیں ایک دم...... پانیوں سے بھر گئیں...... اور لب مسکرانے لگے تو آخر وہ آ گیا اور آیا بھی تو یوں کہ شرمسار اور معافی کا خواستگار ہے۔ انہیں یہ علم نہیں تھا جب وہ نیند میں ہوتے ہیں تو اردشیر اسی طرح دبے پاؤں ان کے پاس آتا ہے اور اپنے قصور کی معافی مانگتا ہے۔

وہ بول نہیں سکتے تھے۔ ہاتھ اُوپر اُٹھایا اور منہ سے آواز نکالی، اردشیر نے چونک کر سر اُٹھایا، بھیگی آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا۔ بابا کی آنکھوں میں...... محبت اور لبوں پر بھی اس کے لئے نرم مسکراہٹ تھی، وہ اور شدت سے رونے لگا اور ہاتھ جوڑ دیئے۔

"مجھے معاف کر دیں بابا...... مجھے معاف کر دیں، میں بہت برا ہوں، میں بہت شرمندہ ہوں آپ سے......"

انہوں نے اشارے سے قریب بلایا......

اردشیر آگے بڑھا، ان کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور بے تحاشا چومنے لگا۔ ان کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے اور لب کپکپا رہے تھے۔

"بابا میں سخت شرمندہ ہوں، آپ کا سامنا کرنے کی سکت خود میں نہیں پاتا تھا۔ میں یہیں موجود تھا مگر آپ کے کمرے میں تب ہی آتا تھا، جب آپ سو رہے ہوتے تھے۔"

وہ جیسے سالوں کے بعد ملا تھا۔ کسی میلے میں بچھڑ گیا تھا۔ ننھا بچہ تھا اور باپ ملا تو یوں بلک بلک کر رو رہا تھا...... اردشیر کو سامنے پا کر تو وہ جیسے اپنی معذوری کا دُکھ بھول گئے۔ وہ شرمسار ہوا تو سارے گلے (جو معاف تو پہلے ہی کر دیئے تھے) سرے سے بھول ہی گئے۔ انہیں تو یہ بھی یاد نہیں تھا۔ ان حالوں کو پہنچانے والا بھی یہی بیٹا ہے، وہ اس کے ہاتھ لبوں سے لگاتے چومتے اور پھر اس کے آنسو پونچھنے لگتے۔

آذر کمرے میں آیا اور اردشیر کو یوں روتے دیکھا تو شانے پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیا۔

"انکل پریشان ہو جائیں گے، ایسے مت کرو۔"

"آذر میرے بابا نے مجھے معاف کر دیا ہے، میرا اتنا بڑا جرم بھلا دیا ہے انہوں نے......" وہ آذر کے گلے لگ گیا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



"اب اپنے بابا کو کبھی دُکھ نہ دینا...... انہیں اس معذوری کا احساس بھی نہ ہونے دینا۔ جوان بیٹے بوڑھے والدین کا سہارا ہوتے ہیں، فخر ہوتے ہیں ان کا تم ان کے خواب کبھی نہ توڑنا۔"

"بابا کے لئے میری جان حاضر ہے، میں بابا کے ساتھ ساتھ ہوں، یہ جو چاہیں گے، میں ویسا ہی کروں گا۔ اب ہم کسی کی بات پر کان نہیں دھریں گے۔ کسی سازش کا شکار نہیں ہوں گے۔"

"میں نے ڈاکٹر سے بات کی ہے، ان کا کہنا ہے، ہم ایک دو روز تک انکل کو گھر لے جا سکتے ہیں، اور پھر انہیں دیکھ بھال کی، توجہ کی بہت ضرورت ہوگی۔"

"بابا، اگر شہر میں رہنا چاہیں گے تو میں اِن کے ساتھ اِدھر شہر میں رہوں گا، اگر یہ گاؤں جانا چاہیں گے تو میں بھی ان کے ساتھ گاؤں چلا جاؤں گا۔"

"ہاں اردشیر، تمہیں اب انکل کے ساتھ ساتھ رہنا ہے، اس کے ساتھ ہی اب وہ سب کام تمہاری ذمہ داری ہیں جو پہلے انکل دیکھا کرتے تھے، تمہیں بہت ہوشیاری کے ساتھ سب معاملات دیکھنے ہیں۔ گھریلو سیاست بھی زوروں پر رہے گی اور باہر بھی حالات اس سے مختلف نہیں ہوں گے مگر تم خود کو اکیلا مت سمجھنا، تم جہاں بھی ہوگے، میں تمہارے ساتھ ہوں، تم سے ملنے آتا رہوں گا۔"

"تمہاری دوستی پر مجھے فخر ہے آذر......"

کبریٰ ہاسپٹل میں ہی تھیں۔ اردشیر بھی یہیں موجود رہتا تھا مگر ان دونوں کے درمیان زیادہ بات چیت نہیں ہوسکی۔ کبریٰ نے کوشش بھی کی مگر وہ زیادہ تر آذر کے ساتھ ہوتا یا کوئی ملنے والا آجاتا کبھی...... شاہ جی کی بیماری کے موضوع کے علاوہ کسی موضوع پر بات نہیں ہوتی تھی۔

ہاسپٹل سے شاہ جی کو گاؤں لے کر جانا تھا کہ یہ اُن کی خواہش تھی، وہ گاؤں میں رہنا چاہ رہے تھے۔ جب یہ لوگ جانے کی تیاری کر رہے تھے، تب اردشیر کو زینت کا خیال آیا۔ اُس نے شیریں سے زینت کے بارے میں پوچھا۔

"وہ تو بہت پہلے گاؤں چلی گئیں۔"

"اچھا...... مگر کیوں......؟" اسے حیرت ہوئی۔

"پتا نہیں......" شیریں واقعی کچھ نہیں جانتی تھی۔

ان کی آمد سے پہلے اطلاع بھجوادی گئی۔

وہ لوگ دوپہر کے قریب گاؤں پہنچے۔ اس وقت تک زینت آنے والے وقت کے خوف اور کام کی زیادتی کے باعث تھک کر چور ہو چکی تھی۔ اُن کے آتے ہی اُس نے خود کو پچھلی سائیڈ پر بنے کمروں میں سے ایک میں مقید کر لیا۔

برادری کے بہت سے لوگ، گاؤں کے افراد اور شاہ جی کے جاننے والے دوست احباب، دُور و نزدیک کے گاؤں سے یہاں پہنچ چکے تھے۔ اردشیر ان سے مل رہا تھا۔ آذر اس کے ساتھ ساتھ تھا جب کہ دونوں بہنوئی قریب ہونے کی کوشش میں ناکام ہو چکے تھے۔ اردشیر ان سے ملتا تو اچھے طریقے سے تھا مگر ان کے مشوروں کو کوئی خاص اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ سمجھ گئے تھے لڑکا سیدھا سادا اور باتوں میں آنے والا نہیں ہے۔ یہ اپنی ہی مرضی کرے گا۔

شاہ جی کو کمرے میں پہنچایا جا چکا تھا۔ حویلی میں آتے ہی کبریٰ نے تنقیدی نظروں سے ہر چیز کا



جائزہ لیا اور ملازموں کو ڈانٹ ڈپٹ کی۔ اب وہ باورچی خانے میں موجود تھیں۔

"کیا پکایا ہے، کتنے لوگوں کے لئے کافی ہوگا، میٹھے میں کیا بنا ہے......؟" وہ پہلے کی طرح چیک کر رہی تھیں۔ "جتنے بھی مہمان آئے ہیں ان سب کو کھانا کھلایا جائے گا اور شاہ جی کے لئے کھانا میں اپنے ہاتھ سے تیار کروں گی۔ باورچی خانے میں مجھے صفائی دکھائی نہیں دے رہی۔ فوراً ہر چیز صاف کرو۔ چند روز کے لئے حویلی سے باہر کیا گئی، یہاں تو ہر چیز برباد کر کے رکھ دی تم لوگوں نے۔"

اردشیر کو کہیں شام کو ہی ملنے ملانے سے فراغت ہوئی۔ اُس نے منشی کو بلا بھیجا اور آذر سے کہا......

"میں چاہتا ہوں، تم چند روز کے لئے یہیں میرے پاس رُک جاؤ، میں ان تمام معاملات میں بالکل کورا ہوں اور برادری کے کسی شخص کی مدد لینا مجھے گوارا نہیں۔"

"جانتا تو میں بھی کچھ نہیں مگر ایک سے دو بھلے، میں یہیں ہوں تمہارے ساتھ...... واقعی یہ لوگ مجھے مخلص نہیں لگتے...... تم سے ملتے ہیں تو بچھ جاتے ہیں مگر جب اِدھر اُدھر ہوتے ہیں تو گفتگو کا انداز ہی بدل جاتا ہے، تمہیں بہت محتاط ہو کر سوچ سمجھ کر ہر قدم اُٹھانا ہوگا اور پھر تمہارے والد بے شک بہت بیمار ہیں، معذور ہیں مگر وہ تمہارے سر پر موجود ہیں، وہ سمجھ سکتے ہیں، تمہاری بات سن سکتے ہیں، تم اِن سے مشورہ ضرور لو اور ڈاکٹر نے اُمید ظاہر کی ہے۔ ذرا سی کوشش سے وہ بول سکتے ہیں۔"

"ہاں آذر دُعا کرو، بابا ٹھیک ہو جائیں، میں تو اُن کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوں۔"

رات کے آٹھ بجے وہ بیرونی احاطے سے اُٹھ کر اندر آیا۔ یہاں اس وقت بھی گہما گہمی کا عالم تھا۔ موسم سردیوں کا تھا۔ صحن میں کوئی نہیں تھا لیکن برآمدے اور بڑے کمرے میں مہمان اور ملازم لڑکیاں موجود تھیں۔ برآمدے کی سیڑھیوں پر اسے رُکنا پڑا کہ تین لڑکیاں سروں پر بہت سے بستر اُٹھائے آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھیں۔

"یہ بستر بچھا کر خالہ صغریٰ کو بتا دینا۔" کبریٰ بھی شاید نگرانی کے لئے ان لوگوں کے پیچھے پیچھے تھیں حالانکہ یہ کوئی ایسا کام نہیں تھا جس پر نگرانی اشد ضروری ہو۔ جونہی ان کی نگاہ اردشیر پر پڑی، اس کے قریب آئیں اور بولیں......

"کھانا نکلواؤں تمہارے لئے......؟"

"نہیں......" اس نے نفی میں سر ہلایا۔

"کہاں رہے سارا دن......؟ شاہ جی تمہاری عدم موجودگی کو محسوس کر رہے تھے، بے چین تھے تمہارے لئے......"

"بابا جان جاگ رہے ہیں یا سو گئے ہیں......؟"

"وہ ابھی ابھی سوئے ہیں...... میں اُن کے پاس ہی تھی، تم تھکے ہوئے دکھائی دیتے ہو، چائے بنواؤں تمہارے لئے......؟" وہ اپنائیت سے پوچھ رہی تھیں، شاید وہ اس کوشش میں تھیں، ان نئے حالات میں اردشیر پچھلی بات بھول جائے گا۔

"میں سونے جا رہا ہوں......" وہ آگے بڑھ گیا مگر اپنے کمرے میں نہیں گیا، اِدھر اُدھر ٹہلتا رہا۔ ملازمہ کو ٹرے اُٹھائے پچھلے حصے کی طرف جاتے دیکھا تو پوچھ لیا۔

"اُدھر ویرانے میں کون ٹھہرا ہوا ہے......؟"

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



عام طور پر وہاں اناج وغیرہ ہی رکھا جاتا تھا، وہ کمرے اسی مقصد کے لئے بنوائے گئے تھے۔

''چھوٹی بیگم صاحبہ اِدھر ہی ہوتی ہیں۔''

''چھوٹی بیگم صاحبہ، تمہارا مطلب ہے زینت بی بی......؟ کہاں ہیں وہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔'' اس نے ٹرے ملازمہ کے ہاتھ سے لے لی۔

''وہ سب سے کٹ کر اِدھر کیوں رہ رہی ہیں......؟''

''پتا نہیں جی، پہلے تو اُدھر ہی تھیں، جب سے شہر سے سب لوگ آئے ہیں، وہ پیچھے چلی آئی ہیں۔''

''اچھا ٹھیک ہے، تم جاؤ......''

وہ ٹرے اُٹھا کر اس کمرے میں آیا تو بلب کی زردی روشنی میں دیوار سے ٹیک لگا کر بان کی چارپائی پر بیٹھی زینت سخت اُداس اور مضمحل دکھائی دے رہی تھی۔

اس کمرے میں اس چارپائی کے علاوہ دو پرانی کرسیاں اور ایک چھوٹی سی میز موجود تھی، نہ کھڑکیوں پر پردے اور فرش پر قالین چھوڑ فرشی دری تک نہیں تھی۔

اردشیر نے دروازے پر رُک کر جائزہ لیا اور دوسری طرف وہ اسے یہاں موجود دیکھ کر ایک دم ہی خوفزدہ اور پریشان دکھائی دینے لگی، اپنی جگہ سے اُٹھی اور دوپٹہ سر پر ڈال کر کھڑی ہوگئی۔

اردشیر نے ٹرے میز پر رکھ دی اور بولا......

''آپ بہت ناراض ہیں مجھ سے اور آپ حق پر ہیں، میرا قصور واقعی بہت بڑا ہے مگر آپ تو سزا خود کو دے رہی ہیں، سب سے الگ تھلگ یہاں کیوں آگئی ہیں......؟''

''چھوٹے شاہ صاحب، یہ آپ کا گھر ہے، یہ سب لوگ بھی آپ کے ہیں، میں تو ایک بے سہارا غریب عورت ہوں، اگر آپ اپنے گھر کے اس چھوٹے سے کمرے میں رہنے کی اجازت دے دیں تو بڑی عنایت ہوگی، آپ بڑے لوگوں کے نزدیک ہماری حیثیت چیونٹی کے برابر ہی سہی مگر پھر بھی التجاء ہے، مجھے زندگی کے باقی دن عزت سے گزارنے کی خواہش ہے، مجھے اس حویلی سے دُور مت کیجئے گا۔''

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ......؟ جو کچھ ہوا ہے مجھے اس پر معاف کر دیں، میں نے بابا سے بھی معافی مانگی ہے، آپ کے سامنے بھی ہاتھ جوڑتا ہوں، آپ میرے لئے عزت کی جگہ ہیں، میں احترام کرتا ہوں آپ کا......''

اردشیر نے واقعی ہاتھ جوڑ دیئے، وہ حیران رہ گئی اور بولی......

''خدا کے لئے ایسا مت کریں چھوٹے شاہ جی، بھلا میری حیثیت ہی کیا ہے۔''

''آپ میرے والد کی بیوی ہیں، آبرو ہیں ہمارے خاندان کی، اور سچ تو یہ کہ آپ کی ذات بھی اس قابل ہے کہ آپ کی عزت کی جائے۔''

وہ دُکھ سے ہنس پڑی اور بولی......

''آپ کی بڑی ماں اور بہنیں کہتی ہیں، میں نیچ ذات کی جاہل عورت ہوں اور شاہ جی کے نکاح میں آنے کے باوجود عزت کے لائق نہیں۔''

''آپ آیئے میرے ساتھ......''

''کہاں......؟ وہ ایک قدم بھی نہ بڑھا سکی۔



''اعتبار تو میں نے کھو ہی دیا ہے مگر پھر بھی التجاء ہے، اب یقین کر لیں کہ جو ہو چکا، وہ میرے لئے بھی بے حد بھیانک ہے۔''

اتنا کہہ کر آگے بڑھا تو زینت کو بھی قدم بڑھانے پڑے۔

وہ اسے ساتھ لے کر شاہ جی کے کمرے میں آیا۔ پہلی آواز پر ہی اُن کی آنکھ کھل گئی۔

''بابا، آپ دیکھ رہے ہیں، میں اس وقت انہیں لے کر آیا ہوں، بابا بڑا بوجھ تھا مجھ پر، صبح تک انتظار مشکل تھا، اسی لئے نیند سے جگا دیا آپ کو... میں وعدہ کرتا ہوں، آپ کی ہر امانت کی حفاظت کروں گا۔ جب تک آپ صحت یاب نہیں ہو جاتے، میں ہر ذمہ داری اپنی خوشی سے اُٹھاؤں گا۔ یہ آپ کی بیگم ہیں، میرے لئے پہلے بھی قابل احترام تھیں اور اب بھی ہیں۔''

زینت نے شاہ جی کے پاؤں پر ہاتھ رکھ دیئے اور رونے لگی۔

شاہ جی نے اردشیر کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر پیار سے دبایا اور اشارے سے سمجھایا کہ زینت کو رونے سے منع کرے۔

''آنسو پونچھ لیں، بابا آپ سے ناراض نہیں ہیں، آپ کا رونا انہیں تکلیف دے رہا ہے۔''

وہ جلدی سے دوپٹے سے آنسو پونچھنے لگی۔ اردشیر نے اپنے شانے سے گرم شال اُتار کر زینت کے سر پر رکھ دی۔

''آپ میری ماں کی جگہ ہیں، آپ ذمہ داری ہیں میری، اس گھر سے آپ کو کوئی بے دخل نہیں کر سکتا۔ اچھا بابا، اب آپ آرام کریں، میں بھی چائے کا ایک کپ لے لوں پھر سوتا ہوں، سچ سارا دن کرسی پر بیٹھ کر گزرا ہے۔''

• • •

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''میں چائے بنواتی ہوں آپ کے لئے ......''

''ہاں ضرور، اور سنئے صبح شہر سے میرے دوست آئیں گے، باہر کے دو کمرے سیٹ ہونے چاہئیں، اور وہاں کھانا لے کر کوئی بدتمیز، جاہل لڑکی نہ آئے، کسی سمجھدار ملازم کے ہاتھ بھجوایئے گا، یہ تو ہر کسی کو دیکھ کر خواہ مخواہ دانت نکالنے لگتی ہیں۔ باقی کاموں سے فارغ ہو کر ایک نظر میرے کمرے پر بھی ڈال لیا کیجئے کہ مالکن توجہ نہ دے تو ملازم کاموں میں سستی کرنے لگتے ہیں۔''

وہ مسکرادی اور اثبات میں سر ہلا کر چائے بنانے چلی گئی۔ وہ بہت خوش تھی، شاہ جی نے اسے معاف کر دیا تھا اور اردشیر نے اتنی عزت دی تھی کہ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ اسے تو ہر دَم یہی اندیشہ لگا رہتا تھا وہ حویلی سے نکال دے گا مگر آج سارے خوف دَم توڑ گئے تھے۔

صبح ایک بار پھر وہ گھر کے کام کروا رہی تھی۔ کبریٰ تک اطلاع پہنچی تو چہرے پر رعونت اور ناپسندیدگی کے تاثر کے ساتھ پہنچ گئیں۔

''یہ کیا ہو رہا ہے......؟'' آنکھیں اس پر جمائے وہ سختی کے ساتھ گویا ہوئیں۔ ستارہ اُن کے ساتھ تھی، وہ بھی گھور گھور کر زینت کو دیکھ رہی تھی۔

''مردانے میں دو کمروں کی صفائی کروانی ہے، مہمانوں کے لئے تیار کرنے ہیں۔'' زینت نے آہستگی سے بتایا۔

''میں خوب جانتی ہوں کیا کرنا ہے اور کیا نہیں، تمہیں تکلیف کرنے کی بالکل ضرورت نہیں ہے۔''

''ہونہہ! دو کمروں میں عمر گزارنے والی آج حویلی کی مالکن بن بیٹھی ہے، اوقات بھول گئی ہے۔'' ستارہ نے ناک چڑھا کر نخوت سے کہا۔

اردشیر اسی وقت اندر آیا تھا۔ گفتگو تو نہیں سن سکا مگر ستارہ اور بڑی ماں کے انداز، زینت کا یوں سر جھکا کر کھڑے ہونا اسے بہت کچھ سمجھا گیا۔ وہ اِدھر ہی چلا آیا...... اور زینت کو مخاطب کر کے بولا

''باہر کے دو کمرے تو سیٹ کروا دیئے ہیں ناں آپ نے ..؟ اگر یہ کام ہو چکا تو لڑکیوں سے کہہ کر میرا کمرا بھی سیٹ کروا دیں۔ رات فائلیں دیکھتا رہا ہوں اور وہ ایسے ہی بکھری پڑی ہیں بلکہ انہیں سمیٹنے کا کام آپ خود کریں اور سنبھال کر رکھیں، جب ضرورت پڑے گی، میں آپ سے لے لوں گا۔''

کبریٰ نے حیرت اور افسوس کے ساتھ اردشیر کی جانب دیکھا۔ یہ ساری باتیں وہ اُن سے بھی کہہ سکتا تھا، تو کیا اُس کی نظر میں اب مالکن میں نہیں، زینت ہے جبھی تو یہ سب اُس سے کہا ہے۔



وہ کچھ کہنے لگی تھیں کہ اردشیر نے موقع نہیں دیا، زینت سے بولا......

''ذرا چائے بنا کر میرے کمرے میں بھیج دیں۔'' اور آگے بڑھ گیا۔

زینت، کبریٰ کے تیور دیکھ کر اندر ہی اندر ڈر رہی تھی۔ اسے کبریٰ کی طاقت کا بخوبی اندازہ تھا...

ستارہ کا چہرا غصے کی شدت سے سرخ ہو رہا تھا مگر کبریٰ نے اسے کچھ بھی بولنے سے اشارے سے منع کر دیا۔

زینت چائے بنانے باورچی خانے میں چلی گئی۔

''تو یہ ہے آپ کا لاڈلا اردشیر، کتنا پیار کیا اسے آپ نے اور یہ صلہ دیا...... احسان فراموش، بدمزاج لڑکا نہ جانے کیا سمجھتا ہے خود کو......'' ستارہ اس بات سے ناواقف تھی کہ کبریٰ اردشیر کو اپنی اصلی صورت دکھا چکی ہیں۔ یہ بات صرف اردشیر، شاہ جی اور کبریٰ کو ہی معلوم تھی۔

''تم نہ تو اردشیر سے کچھ کہو گی، نہ شیریں کو بتاؤ گی۔'' کبریٰ اتنا کہہ کر تھکے تھکے انداز میں اندر کمرے میں چلی گئیں مگر ستارہ کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی چلا جا رہا تھا۔

◆ ◆ ◆

رابعہ اور عمر کو پاس بٹھا کر زیتون نے اکھڑی سانسوں کے درمیان آج وہ راز افشا کر دیا جسے وہ ایک عرصے سے سینے میں چھپائے ہوئے تھیں۔

''مزیب کی والدہ عمر کی ماں ہے۔ اس عورت نے دوسری شادی کی خاطر اپنا بچہ زیتون کے حوالے کر دیا تھا۔''

''اُف! یہ کیسا دل ہلا دینے والا انکشاف تھا۔'' عمر تو سن ہو کر رہ گیا۔

'تمہارا اصل نام عمر نہیں طلال ہے، میں تمہیں ساتھ لے کر بار بار اس کوٹھی پر جاتی رہی کہ شاید وہ عورت واپس آ جائے مگر وہ نہیں آئی اور اُس کی جس رشتے دار نے تمہیں میرے حوالے کیا تھا، اس نے یہ بھی کہا تھا بچہ تم رکھ لو۔

عمر! میں نے تمہیں بیٹا بنا کر پالا ہے...... مجھے تم اپنے اُس عمر کی طرح لگے تھے جو بہت تھوڑی زندگی لے کر آیا تھا...... پھر بھی اگر کوئی غلطی ہو گئی ہو، اگر کبھی تمہیں مجھ سے کوئی شکایت ہوئی ہو تو معاف کر دینا...... رابعہ تمہاری بہن نہیں ہے مگر ایک بھائی کی طرح اس کا خیال رکھنا۔ اس کی بات آپا رحمت کے بیٹے سے چل رہی ہے، وہ اچھا لڑکا ہے، تم اس کا رشتہ پکا کر دینا۔''

عمر نے آنسوؤں کی طغیانی میں بہتے ہوئے یہ سب سنا، اس انکشاف سے اس کا دل لہولہو ہو رہا تھا۔

وہ چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا کر رو رہا تھا۔

''یہ کیا کہہ دیا اماں، آپ نے، میں آپ کا بیٹا ہی نہیں...... نہیں نہیں اماں میں آپ ہی کا بیٹا ہوں، میرا کسی اور سے کیا تعلق، مجھے آپ نے پالا ہے، میرے لئے مصیبتیں آپ نے اُٹھائی ہیں۔ اماں ہم یہ شہر چھوڑ دیں گے، ہم اُن لوگوں سے کوئی واسطہ نہیں رکھیں گے، کبھی نہیں ملیں گے۔''

''اماں اماں......'' رابعہ چیخیں سن کر اس نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے اور زیتون کے بے جان وجود سے لپٹ کر پکارنے لگا۔

''اماں مت جائیں، سنیں سنیں ناں، میں تو آپ کا ہوں...... اماں پیاری اماں۔''

◆ ◆ ◆

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



مزیب، عمر کے پرانے والے گھر پر گیا تھا، سب اسے پتا چلا، اُس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے اور یہ بھی کہ وہ دونوں بہن بھائی یہ گھر چھوڑ کر جا چکے ہیں۔ کہاں گئے ہیں، اس کا جواب کوئی نہ دے سکا۔ وہ افسردہ تو ہوا ہی تھا، حیران بھی بہت تھا۔

''عمر نے مجھے خالہ جی کی وفات کی اطلاع کیوں نہیں دی... حالانکہ فون نمبر اس کے پاس موجود تھا اور پھر گھر بھی تبدیل کر لیا، اس بارے میں بھی مجھے نہیں بتایا۔''

اُس نے عمر کو تلاش کرنا تو چاہا مگر کہاں جائے، کس سے پوچھے، کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اُس کے کالج بھی گیا مگر وہاں سے یہی پتا چلا کہ وہ کئی روز سے نہیں آ رہا۔

مزیب کو اندازہ تھا۔ جویریہ، عمر کو بہت چاہتی ہیں، اس کی ماں کے انتقال کی خبر انہیں بہت دکھی کر دے گی، بہتر یہی سمجھا نہ تو ان کی وفات کے بارے میں بتایا جائے اور نہ ہی یہ بات کہ وہ گھر چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا ہے...... یہی سوچ کر اپنے طور پر عمر کو تلاش کرتا رہا۔

چند دنوں اس کی منگنی کی رسم ادا کی جانی تھی۔ جویریہ آج کل بہت خوش، مصروف اور مگن تھیں مگر پھر بھی عمر کو نہیں بھولیں۔ کئی بار پوچھا......

''مزیب، تم عمر کی طرف تو گئے تھے...... وہ آئے گا ناں......؟ تم اس کی بہن اور والدہ کو بھی ضرور انوائیٹ کرنا۔''

وہ اثبات میں سر ہلا دیتا اور آج کل پر ٹالتا رہا۔

''مما...... ہم ماموں اور ممانی کو بھی بلائیں گے ناں......؟'' جویریہ، مزیب اور رائحہ لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ جویریہ انہیں آج کی شاپنگ دکھا رہی تھیں، جب رائحہ نے اچانک سوال کر دیا۔

مزیب نے پہلے بہن اور پھر ماں کی جانب دیکھا۔ جویریہ نے بڑی سختی سے نفی میں سر ہلا دیا۔

''مگر کیوں...... ؟ دیکھئے ناں، یہی تو موقع ہوتا ہے رُوٹھے ہوئے رشتے داروں کو منانے کا۔''

''تم بڑوں کی باتوں میں مت بولا کرو ......'' جویریہ نے ٹوک دیا۔

''میں نے تو بس ایک بات کہی تھی، آپ لوگوں کی مرضی نہیں ہے تو نہ سہی۔'' وہ اپنی چیزیں سمیٹ کر کمرے سے چلی گئی۔

''مزیب! عمر کی والدہ کا کیا حال ہے......؟ تم گئے ان لوگوں کی طرف......؟''

''نہیں مما...... ٹائم ہی کہاں ملتا ہے۔''

''ایسے نہ کہو، وہ بچہ اس وقت اکیلا ہے...... ماں بیمار ہے، اسے سہارا چاہئے، کوئی تو ہو جو اس کڑے وقت میں اس کے ساتھ رہے، تم ٹائم نکالو بیٹے۔''

''مما...... یہ عمر بہت اچھا لگتا ہے آپ کو، میرے اور بھی تو بہت سے دوست ہیں مگر جتنا پیار آپ عمر سے کرتی ہیں، کسی اور سے نہیں کرتیں۔''

جویریہ نے سرد آہ بھر کر سر جھکا لیا، پھر کچھ دیر کے بعد آہستگی سے بولیں......

''زیبو...... تم سچ کہتے ہو، عمر واقعی مجھے اپنا اپنا سا لگتا ہے۔ اسے دیکھتے ہی مجھے طلال یاد آ جاتا ہے۔ مجھے یقین ہے میرا طلال جہاں کہیں بھی ہوگا، ہو بہو عمر جیسا ہی ہوگا، اگر تم مجھے عمر کی بڑی بہن کے بارے میں نہ بتاتے تو میں اسے طلال ہی سمجھ لیتی۔''



''کیا طلال بالکل عمر جیسا تھا ......؟'' مزیب نے گہری دلچسپی سے پوچھا۔

''وہ اپنے ابو کی تصویر تھا اور عمر کی شکل ناصر سے بہت ملتی ہے، نہ صرف صورت بلکہ چال ڈھال بھی وہی ہے۔''

''آپ نے پہلے کبھی اس بات کا ذکر نہیں کیا مما......''

''کیا فائدہ جب عمر وہ نہیں...... مگر پھر بھی اپنائیت محسوس کرتی ہوں۔''

''میں ملوں گا اس سے اور کہوں گا میری مما تمہیں بہت یاد کرتی ہیں۔''

''بیگم صاحبہ...... نورین بی بی آئی ہیں۔'' ملازمہ نے آ کر اطلاع دی۔

''اچھا، تم ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ اور رائحہ اپنے کمرے میں ہوگی، اسے بھی بتا دو۔'' پھر مزیب سے بولیں

''میں بھی مل کر آتی ہوں، تم ذرا یہ چیزیں تو سمیٹ لو۔''

''رہنے دیں، ایسے ہی اچھی لگ رہی ہیں، میں کاشف کو فون کر لوں، بدتمیز تین روز سے آیا ہوا ہے اور صرف ایک چکر لگایا ہے ہمارے گھر کا۔''

وہ چلی گئیں تو مزیب سوچنے لگا، کہاں تلاش کروں، میں عمر کو...... اور کیا مما کو بتا دوں کہ اس کی والدہ کا انتقال ہو چکا ہے۔ انہیں سن کر بہت دُکھ ہوگا۔

جویریہ جلد ہی واپس آ گئیں۔ اُسے یوں پیشانی پر ہاتھ رکھے اور سچ میں گم بیٹھے دیکھا تو بولیں......

''سوہا تو تمہیں مل گئی ہے، اب یوں بیٹھے کس مسئلے پر اُلجھے ہو......؟''

''آپ کب واپس آئیں......؟'' وہ پیشانی سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولا۔

''ارے تمہیں پتا ہی نہیں چلا......''

''مما بات یہ ہے کہ میں سوچ رہا تھا، آپ کو بتاؤں یا نہ بتاؤں۔''

''کیا بات ہے، تم کچھ فکر مند دکھائی دے رہے ہو......؟''

''ہاں وہ میں آپ کو کئی روز سے یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ میں عمر کی طرف گیا تھا۔ وہ لوگ اپنی والدہ کی وفات کے بعد نجانے کہاں چلے گئے ہیں۔''

''اوہ......'' جویریہ کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔ ''اُس کی والدہ فوت ہو گئیں، وہ بہت معصوم سا لڑکا ہے، کتنا اُداس، کتنا اکیلا محسوس کر رہا ہوگا خود کو، اسے تمہاری ضرورت ہے۔ پلیز اُس تلاش کرو۔'' انہیں افسردہ دیکھ کر مزیب کو غلطی کا احساس ہوا کہ اسے یہ بات نہیں بتانی چاہئے تھی۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ کس قدر خوش تھیں۔

رائحہ ڈرائنگ روم میں آئی تو نورین اسی کے انتظار میں بیٹھی تھی، اُسے دیکھ کر مسکرائی اور بولی......

''میں تو لڑائی کرنے آئی تھی کہ کالج میں چھٹیاں ہوئیں تو تم بھول ہی گئیں، نہ کبھی گھر آئیں، نہ فون کیا۔ مگر یہاں آ کر پتا چلا ہے۔ تمہارے ہاں تو تقریب ہونے والی ہے۔ بھابی بنا رہی ہو کسی بہت پیاری سی لڑکی کو۔ بھئی میری طرف سے بہت بہت مبارکباد قبول کرو۔''

''شکریہ......'' رائحہ تھکے تھکے انداز میں اُس کے قریب آ کر بیٹھ گئی۔

''کیا بات ہے، تم خوش نہیں ہو کیا......؟''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''پتا نہیں، مجھے کیا ہو گیا ہے..... گھر میں مما، پپا اور بھیا سب بہت خوش اور مطمئن ہیں۔ میں خوش رہنا تو چاہتی ہوں مگر کوئی بے چینی، کچھ اُداسی میرے اندر کہیں بیٹھ گئی ہے۔ بجھی بجھی سی رہتی ہوں۔ کبھی کبھی جی چاہتا ہے دُنیا کے ہنگاموں سے دُور کسی صحرا میں نکل جاؤں اور اُونچی آواز میں خوب چیخوں، چلاؤں، کیوں وہ رہا ہے میرے ساتھ ایسا، آخر کیا قصور کیا ہے میں نے.....؟''

نورین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور گہری سنجیدگی سے بولی......

''جو ہوا سو ہوا، اب اُسے بھول جاؤ، اسی میں تمہاری بہتری ہے۔''

''کیسے بھول جاؤں، یہ آسان تو نہیں ہے۔ میں تو روز جیتی اور روز مرتی ہوں ..... وہ بہت زور آور ہیں، میں تو ہار جاتی ہوں اُن کے خیال کے آگے۔ میں انہیں کھو چکی ہوں۔ یہ خیال میرے دل کو کند چھری سے کاٹتا ہے اور درد، اُف وہ درد بیان سے باہر ہے۔''

رائحہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ وہ بے بسی سے ہونٹ کاٹنے لگی۔

''پلیز رائحہ روؤ نہیں، دیکھو اگر اس وقت تمہاری مما آگئیں تو کیا سوچیں گی، ہم کوئی بات نہیں بنا سکیں گے۔''

''بہت بوجھ ہے میرے دل پر، میں یہ سب کہہ دینا چاہتی ہوں۔''

''میں تمہاری دوست ہوں، راز دار بھی ہوں، تم یہ سب مجھ سے کہہ سکتی ہو، تم مجھ پر پورا اعتماد کر سکتی ہو۔''

مگر کیا کہوں، میرے پاس تو کچھ کہنے کو بچا ہی نہیں۔'' اِک آہ اُس کے لبوں پر دم توڑ گئی۔

''ہائے رائحہ، یوں تو نہ کرو، تمہاری یہ حالت مجھے بہت دُکھ دے رہی ہے۔ میں تو خود کو مجرم سمجھنے لگی ہوں۔''

''نہیں نہیں نورین، بھلا تمہارا کیا قصور، میں ہی نادان تھی، بنا سوچے سمجھے آگے بڑھتی چلی گئی۔

''رائحہ..... تم میرے گھر آؤ کسی روز ہم دونوں وہاں اطمینان سے باتیں کر سکیں گے۔ وہ سب باتیں جو تم میرے سوا کسی سے نہیں کر سکتیں۔''

رائحہ نے اثبات میں سر ہلا دیا اور بولی.....

''ہاں، میں خود بھی آنا چاہ رہی تھی۔''

''ٹھیک ہے پھر کل شام تم میرے ہاں آجانا، میں انتظار کروں گی۔ بس یوں سمجھ لو، کل میں نے تمہیں ڈنر پر بلایا ہے اور دیکھو عین کھانے کے ٹائم پر مت آنا بلکہ شام کو ہی آجانا، کھانا ہم دونوں مل کر تیار کریں گے۔''

''کھانا رہنے دو، میں تو صرف باتیں کرنا چاہتی ہوں۔''

''اوہو باتیں بھی ہوں گی..... بس تم آجانا، میں انتظار کروں گی۔''

● ● ●

جیپ جس عمارت کے سامنے آکر رُکی تھی، اُسے شاہ اماں کا ڈیرہ کہا جاتا تھا۔ اُس عمارت کی چار دیواری کچی تھی جب کہ کمرے پکے تھے۔ بیرونی دروازہ لکڑی کا تھا اور اس کے آس پاس چار دیواری کے اندر بھی اور باہر بھی کیکر اور شیشم کے درخت خاصی تعداد میں تھے۔



چار دیواری سے باہر درختوں کی چھاؤں میں بہت سے بچے گلی ڈنڈا اور کنچے کھیل رہے تھے۔ کچھ انہیں دیکھنے کو جمع تھے۔ اچھا خاصا شور برپا کر رکھا تھا۔ ان بچوں ..... سے کچھ فاصلے پر چند عورتیں میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس نیچے بیٹھی تھیں۔ پہلے تو آپس میں باتوں میں مشغول تھیں مگر جونہی جیپ آکر رُکی۔ آپس کی باتیں بھول کر اِدھر متوجہ ہو گئیں۔

''کیا یہی شاہ اماں کا ڈیرہ ہے.....؟'' اُس نے لکڑی کے دروازے پر بیٹھے دیہاتی سے پوچھا...... جو یقیناً پہرے دار تھا۔

جواب اثبات میں ملا تو بولا......

''جاؤ شاہ اماں سے کہو بیٹا ملنے آیا ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔''

''بیٹا.....!'' دیہاتی نے حیرت سے دہرایا۔

اس گاؤں میں فاطمہ شاہ کا میکا تھا۔ یہاں اُن سے بھانجے بھتیجے تو کبھی کبھار ملنے آجاتے تھے اور دروازے پر بیٹھا پہرے دار انہیں پہچانتا بھی تھا مگر یہ کون تھا جو تھا تو بڑی آن بان والا اور اس کا ہر انداز اسے خاندانی بتا رہا تھا مگر یہ تو بیٹا کہہ..... رہا ہے جب کہ اس سے پہلے اسے کبھی نہیں دیکھا۔

''جاؤ ناں، کہو جا کر بیٹا آیا ہے اردشیر شاہ......'' اس کا انداز نرم اور سادہ تھا۔ تب دیہاتی اثبات میں سر ہلا کر کھلے دروازے سے اندر چلا گیا۔

اس چار دیواری کے اندر دائیں طرف لائن میں کمرے بنے ہوئے تھے اور نسبتاً بڑے کمرے میں فاطمہ شاہ کا پلنگ لگا ہوا تھا۔ چار موڑھے، ایک میز اور فرش پر گہرے سرخ رنگ کی دری تھی جس پر کالے پھول بنے ہوئے تھے۔

یہاں اس کمرے میں فاطمہ شاہ کبھی فرزانگی اور کبھی دیوانگی میں ملتی تھیں۔ اس وقت بھی اپنے آپ میں نہیں تھیں۔ انگلی سے ہواؤں میں دائرے بنا رہی تھیں اور اپنے آپ سے باتیں کئے جا رہی تھیں۔

''شاہ اماں...... باہر ایک جوان آیا ہے، کہتا ہے اماں سے کہہ دو، بیٹا آیا ہے۔''

''کون بیٹا......؟'' فاطمہ تو یونہی دائرے بناتی رہیں، ساتھ کے کمرے سے اِدھر آتی، گل رُخ نے پیشانی پر سلوٹیں ڈال کر اور آنکھوں میں تحیر لئے سوال کیا۔

''میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ وہ اپنا نام اردشیر شاہ بتاتے ہیں۔''

''اوہ تو وہ تشریف لائے ہیں......'' گل کے چہرے اور انداز سے بیزاری ٹپک رہی تھی۔

''بیٹا آیا ہے، اردشیر شاہ آیا ہے۔'' فاطمہ نے جیسے ابھی ابھی دھیان کی وادی میں قدم رکھا تھا اور بے تابی سے پوچھا......

''آپ کا کوئی بیٹا نہیں ہے اماں......'' گل رُخ نے سختی کے ساتھ باور کرانا چاہا۔

''تو پھر میں کون ہوں......'' اردشیر دروازے پر زیادہ انتظار نہیں کر سکا۔ اندر چلا آیا۔ دروازے پر رُک کر گل کی جانب دیکھا پھر قدم فاطمہ کی جانب بڑھائے...... اور اُن کے پلنگ کے قریب نیچے دری پر بیٹھتے ہوئے بولا......

''میں سلام کے لئے حاضر ہوا ہوں اماں......''

فاطمہ شاہ نے ٹانگوں پر ڈالا کمبل کسی قدر عجلت میں پرے ہٹایا۔ پیر پلنگ سے نیچے لٹکا دیئے اور پر

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



شوق انداز میں اسے دیکھے گئیں۔ لب مسکرا رہے تھے مگر آنکھوں میں صرف پیاس تھی ..... صدیوں کی پیاس، جیسے یہ احساس ہوا اس شے کی شدید چاہت تو رکھتی ہیں مگر یہ دسترس سے دُور ہے۔

''اماں دُعا نہیں دیں گی مجھے......؟'' اردشیر نے گل رُخ کی بیزاری کو محسوس کرنے کے باوجود مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ وہ ایک سعادت مند بیٹا دکھائی دے رہا تھا۔

''تم اردشیر ہو ..... ہے ناں .....؟ اتنے سالوں کے بعد دیکھ رہی ہوں مگر پہچان گئی ہوں ..... کتنے بڑے ہو گئے ہو تم، کیسے شاندار جوان ہو ..... شاہ کا فخر، حویلی کا مان ..... واہ ری راحت، جواب نہیں تیرا، کیسا ہیرے جیسا پتر دیا ہے تو نے شاہ جی کو، ہم تو اُمیدوں سے گئے تھے اور راکھ ہو کر لوٹ آئے۔''

''اماں، میں آپ کا بھی بیٹا ہوں ..... آپ بھی تو میری ماں ہیں۔''

''نہیں پتر، ایسا بخت میرا کہاں، میں تو شاہ اماں ہوں، سارے گاؤں کی مگر میرا بیٹا کوئی نہیں۔''

''کیا کرنے آئے ہو یہاں ......؟'' آخر گل نے کہہ ہی دیا۔

''اپنوں سے ملنے آیا ہوں۔'' وہ گل کے لہجے کو نظر انداز کر کے نرمی سے بولا۔ پھر دری سے اُٹھ کر پلنگ پر فاطمہ کے قریب بیٹھ گیا۔

''ہونہہ ..... اتنے سالوں بعد ..... جناب شاہ صاحب، جب دیر ہو جاتی ہے تو راستوں پر گھاس اُگ آتی ہے، راستہ جنگل بن جاتا ہے اور دلوں سے یاد مٹ جاتی ہے۔''

''مگر یہاں تو یاد باقی ہے، تم نے دیکھا نہیں اماں نے مجھے پہچان لیا ہے۔''

''یہ دُکھوں کی ماری عورت، اس کی کیا بات کرتے ہو اور یہ محبت نہیں، اس کی پیاس بول رہی ہے۔ ساری جوانی صحرا کے سفر میں گزری ہے میری ماں کی۔''

''جانتا ہوں ..... مگر قصوروار میں نہیں ہوں۔''

''واہ کیسے نہیں ہو قصوروار، تمہاری چاہ نے کتنی عورتوں کو برباد کیا، کچھ اندازہ ہے تمہیں ......؟'' وہ چبا چبا کر بولتی عین سامنے آ کھڑی ہوئی۔

''میری چاہ میرا نہیں، ہمارے باپ کا جرم ہے مگر آپ سب لوگ اس کی سزا مجھے کیوں دینا چاہ رہے ہیں۔''

''سزا ......'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی، پھر بولی ......

''سزا تو ہم نے جھیلی ہے، تمہیں کیا پتا، سزا کہتے کسے ہیں ......؟''

''میں تو سب کو منانے آیا ہوں، آپ کو اپنے گھر واپس جانا ہے، چلیں گی ناں اماں ......؟''

''نہیں، میری اماں کہیں نہیں جائے گی۔'' گل رُخ نے 'میری' پر زور دے کر کہا۔

اردشیر کی آنکھوں کی جوت بجھ سی گئی اور وہ کچھ دیر سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

''آج میں سب سے زیادہ گھاٹے میں ہوں، تمہارے پاس اماں ہیں، ستارہ اور شیریں کے پاس بڑی ماں ہیں مگر میرے پاس کچھ بھی نہیں، اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی میں اکیلا ہوں۔ گل میں خود چل کر آیا ہوں، معاف کر دو میرے جرم۔''

''...ں تم جیسے چل کر آ جائیں، معافی مانگ لیں، واقعی بات عجیب ہی لگتی ہے مگر میرا فیصلہ اٹل ہے۔ ...ں ماں یہیں ...یں گے، یہ ہماری اپنی ...مین ہے۔ میرے نانا کی جائیداد میں سے میری ماں کو ملی ...او



ہے۔''

''بیٹا ...... میں اِدھر ہی ٹھیک ہوں۔'' فاطمہ بیٹی سے اختلاف نہیں کر سکیں مگر لہجے میں تھکن تھی۔

اردشیر اُٹھ کھڑا ہوا۔ سر اُونچا کر کے گہری سانس کھینچی اور بولا ......

''ٹھیک ہے اماں، اگر آپ کی بھی یہی مرضی ہے تو ...... مگر میں یہاں آتا جاتا رہوں گا اور ہر ماہ آپ دونوں کے حصے کی آمدن آپ کو بھیجتا رہوں گا۔ اب جائیداد کی ذمہ داری مجھ پر ہے، بابا ...رے سر پر سلامت ہیں۔ جائیداد ان ہی کے نام ہے مگر آپ لوگ چونکہ یہاں بالکل الگ تھلگ پڑی رہتی ہیں تو میں حق پہنچاتا رہوں گا، ڈاکا نہیں ماروں گا۔''

''ہمیں تو کچھ بھی نہیں چاہیے پتر، بس تم آتے جاتے رہنا۔ بیٹھ جاؤ، اتنی جلدی واپس تو نہ جاؤ۔'' فاطمہ کا انداز معصوم تھا، التجائیہ تھا۔

وہ مسکرایا، جھکا اور پلنگ پر ہاتھ رکھ کر بولا ......

''میں آؤں گا اماں، میں اب اِدھر گاؤں میں ہی آ گیا ہوں، آپ سے ملنے ضرور آیا کروں گا۔'' وہ ان سے پیار لے کر سیدھا ہوا، گل کے قریب آ کر اس کے سر پر ہاتھ رکھا اور پھر چلا گیا۔

''میں جتنا سب کو سمیٹنے کی کوشش کر رہا ہوں، اُتنا ہی سب دُور ہو رہے ہیں۔''

شیریں اِدھر بہت کم آتی تھی، ستارہ تو اُکھڑی اُکھڑی سی ہی رہتی تھی جب کہ زینت شاہ جی کے پاس اُن کے کاموں میں مصروف اور کبریٰ کی جانب سے خود اردشیر کا دل صاف نہیں تھا۔ اسے تو پوری اُمید تھی وہ فاطمہ کو پھر ایک بار حویلی لے آئے گا مگر گل نے بہت بے رُخی کا مظاہرہ کیا تھا۔

موسم سرما کی اس شام وہ بہت اُلجھا ہوا، اُداس اور خود کو تنہا محسوس کر رہا تھا۔ حویلی کا بڑا پھاٹک کراس کر کے جیپ سے اُترا، چابی یار محمد کو دی اور چھوٹا گیٹ کراس کر کے اندرونی حصے میں آ گیا۔

وہ سیدھا اپنے کمرے میں ہی آیا۔ کرسی پر بیٹھ کر سر دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔ زینت چائے کا پوچھنے آئی، تب وہ ذرا سنبھلا، چادر کندھوں سے اُتار کر صوفے پر پھینکی اور ریسٹ واچ اُتارنے لگا۔

''آپ کا فون بھی آیا تھا آج، نورین نام بتایا تھا اُس لڑکی نے، کہہ رہی تھی شاہ سے کہنا کل شام پانچ بجے میرے ہاں پہنچ جائے، بہت ضروری کام ہے، بار بار آنے کی تاکید کر رہی تھیں وہ..''

''کل بابا کی دواؤں کے سلسلے میں شہر جانا تو ہے، ہی نورین سے بھی مل لوں گا۔''

شہر پہنچتے ہی اُس نے نورین کو فون کیا اور یہ بھی پوچھا کہ آخر اس قدر اصرار سے کیوں بلا رہی ہے ...؟'' مگر اس نے کچھ بھی بتانے سے انکار کر دیا۔ بس بار بار وقت پر آنے کی تاکید کرتی رہی۔

سارے کام نمٹا کر وہ شام کو ٹھیک سوا پانچ بجے نورین کے ہاں موجود تھا، وہ بھی منتظر ملی۔

''ارے شاہ، یہ واقعی تم ہو......؟'' اُس کا سنجیدگی سے سلام کرنا اور خاموشی سے اس کے ساتھ سٹنگ روم تک آ جانا، نہ نظر سے گفتگو نہ لبوں سے، نورین کا حیران ہونا لازمی تھا۔

''سوری میں لیٹ ہو گیا نورین ......''

اُس کی بات کے جواب میں اتنا کہہ کر وہ تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گیا اور دایاں بازو صوفے کی پشت پر پھیلا دیا۔

''اوہ شاہ ..... اِن چند دنوں میں تم کتنا بدل گئے ہو، یوں لگ رہا ہے ہم کئی سال کے وقفے سے مل

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



رہے ہیں ''اُس کی حیرانی ختم نہیں ہو رہی تھی۔

''کیا مطلب.....؟'' وہ مسکرا دیا۔

''مطلب یہ شاہ کہ جو شخص بات بات پر قہقہے لگاتا تھا، فقرے اُچھالتا تھا جس کی آنکھیں گفتگو کرتی تھیں اور جو اپنے سامنے کسی کو گردانتا ہی نہیں تھا، اب کتنا نرم خو، سنجیدہ دکھائی دے رہا ہے۔''

وہ بڑی توجہ سے اس کی بات سن کر مسکرا دیا ......اور بولا.....

''دیکھ لو، انقلاب اسی کو کہتے ہیں۔''

''آخر کیسے آ گیا یہ انقلاب، یہ بھی تو بتاؤ ناں ؟''

''یہ مت پوچھو، بات لمبی تو ہے ہی مگر اس سے زیادہ افسوس ناک ہے، چوٹ پر چوٹ، دھوکے پر دھوکے تمہیں سننا مشکل ہوگا اور میرے لئے سنانا بہت ہی مشکل، کیا کرتا ہے سن کر.....'' اُس نے سوچتے لہجے میں کہا اور افسوس کے عالم میں سر کو جھکا دیا۔

''رائحہ سے کب ملاقات ہوئی تھی.....؟'' نورین جلد اس بات پر آ گئی۔

''پتا نہیں.....'' اردشیر کے لہجے میں بے رُخی اُترنے لگی۔

''رائحہ سے یہ کہنے، پتا ہی نہیں..... ویسے کیا ملنا چاہو گے.....؟'' وہ شوخی سے بولی.....

''نہیں.....'' اردشیر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''کیوں بھئی، اس بیچاری سے کیا خطا سرزد ہوئی.....؟'' نورین کا اس جواب پر حیران ہونا یقینی تھا، وہ تو یہی سمجھ رہی تھی کہ شکایت صرف رائحہ کو ہے۔ اردشیر واقعی اسے چاہتا ہے، اس جواب نے اِسے کافی پریشان کر دیا تھا۔

''نورین، میں اس نام کو بھلا چکا ہوں، اب وہ میری یادداشت میں نہیں ہے۔'' اردشیر نے بڑی سنجیدگی سے جھوٹ بولا۔

''شاہ..... تو کیا تم نے اتنی معصوم لڑکی سے بھی کھیل کھیلا، تم نے جھوٹ کہا اس سے اور مجھے بھی یہ غلط فہمی ہو چلی تھی کہ تم واقعی اس سے محبت کرتے ہو۔ جب تم بیمار تھے اور میں تم سے ملنے کے لئے تمہارے گھر گئی تھی تو تم نے کتنی محبت سے اس کا ذکر کیا تھا۔ اس سے ملنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ میں تو یہی سمجھی کہ وہ پیاری سی لڑکی تمہارے دل تک جانے والا راستہ کھوج چکی ہے، وہ تمہیں پا چکی ہے، شاہ میں سچ کہتی ہوں، ایسی لڑکی تمہیں پھر نہیں مل سکتی۔''

''اوہ نورین، پلیز اب ختم کرو اس قصے کو۔'' اردشیر نے زچ ہو کر کہا۔

''نہیں شاہ، اتنی جلدی یہ قصہ ختم نہیں ہو سکتا، رائحہ بڑی معصوم لڑکی ہے، بڑی کھری ہے، دل کے معاملے میں ایک بار جسے دے دیا سو دے دیا والی لڑکی ہے، ایسی لڑکیاں قدر کے لائق ہوتی ہیں، تم اُسے کھو کر پچھتاؤ گے۔''

''قدر تم کر لو، میرے لئے پچھتاوا ہی رہنے دو۔'' وہ بہت کٹھور ہو رہا تھا۔

نورین نے افسوس سے اُس کی جانب دیکھا۔ پھر بولی.....

''وہ تو بہت محبت کرتی ہے تم سے.....''

''اُف ..... مت لو میرے سامنے محبت کا نام۔'' اردشیر کی آواز بلند اور لہجہ التجائیہ تھا۔



نورین اب ذرا حیران ہو کر اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہی تھی جہاں اُلجھن، تھکن اور شکستگی تھی۔

''میں چائے بنا کر لاتی ہوں تمہارے لئے .....''

یہ سوچ کر شاید ابھی یہ اپنے ساتھ کوئی اُلجھن لے کر آیا ہے، کسی سے جھگڑا ہوا ہے یا کوئی ایسا ہی دوسرا معاملہ ہے، وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ یہ بات چائے کے بعد کے لئے اُٹھا رکھی۔

وہ حیران تھی، اُس روز کتنی چاہ تھی اس کے لہجے میں، رائحہ کے لئے..... آج کیسا انکار ہے اور سچ تو یہ کہ اسے آج کے اس انکار پر یقین ہی نہیں آیا۔ دل کہتا تھا اردشیر نے جو پہلے کہا تھا، وہ سچ ہے، وہ واقعی رائحہ سے محبت کرتا ہے۔

نورین کچن میں چلی گئی تو وہ تھوڑی دیر ہی وہاں بیٹھا، پھر اُٹھ کر ٹیرس پر آ گیا۔ پھر وہی ذکر، اُسی کا نام اور کتنے اچھے لفظوں میں..... ہاں وہ ہے بھی تو بہت اچھی، بس میں ہی اس کے قابل نہیں تھا جبھی تو مجھے چھوڑ گئی اور الزام آ گیا میرے سر، چلو ٹھیک ہے، تمہاری خاطر یہ بھی سہی، میں بھی تمہیں باوفا ہی رہنے دوں گا سب کی نظر میں، کسی سے یہ نہیں کہوں گا، میں نے نہیں تم نے مجھے چھوڑا ہے۔''

نورین نے چائے بنا کر سٹنگ روم میں رکھی اور اسے بلانے اِدھر آ گئی۔

''ابھی میں کچھ دیر یہیں رہنا چاہتا ہوں۔''

''چائے بنا چکی ہوں کہو تو یہیں لے آؤں.....؟''

اس سے پہلے کہ جواب میں وہ کچھ کہتا، گیٹ سے اندر داخل ہوتی رائحہ پر نظر چلی گئی۔

''اوہ.....رائحہ آ گئی۔''

نورین کہہ کر تیزی سے واپس چلی گئی......اور اردشیر نے...... گہری نظر اس لئے اس دُشمنِ جاں پر ڈالی کہ ہمیشہ کے لئے دل میں اُتار لے...... وہ سخت ناراض تھا اس سے، مگر اپنا ہی دل بغاوت بھی کر رہا تھا، وہ خود کو واپس سٹنگ روم میں جانے سے باز نہیں رکھ سکا۔

دل میں لاکھ خوشی سہی مگر ناراضگی تھی تو اظہار بھی ضروری تھا سو اس نے پوری توجہ چائے کی جانب کر لی۔ جان و دل سے کپ میں انڈیلنے کا فریضہ انجام دیا اور ہونٹوں سے لگا لی۔

''آ......آپ......'' رائحہ کو نورین نے اردشیر کی آمد کے بارے میں قصداً نہیں بتایا تھا، وہ اندر آئی نورین باہر ہی رُک گئی...... اور اب وہ دروازے کے قریب کھڑی جیسے خواب اور حقیقت کا فیصلہ کر رہی تھی۔

اردشیر نے بالکل توجہ نہیں دی۔ چائے کا ایک اور سِپ لیا۔

''شاہ یہ آپ......'' اُس نے ایک بار پھر کہا اور جیسے خواب کی کیفیت میں آگے بڑھنے لگی۔

اردشیر نے بے گانگی سے پر نگاہ اُٹھا کر اُس کی جانب ذرا ہی دیکھا پھر توجہ کپ پر مبذول کر لی۔

بے چارگی، دُکھ اور بے بسی ایک ساتھ حملہ آور ہوئے تھے رائحہ پر.....

''ہائے کیسے مناؤں، کیا بات کروں.....؟ اور آخر یہ خفا کس بات پر ہیں......؟ کیا قصور ہوا ہے مجھ سے، جرم تو اِن کا تھا اور ناراض بھی خود ہی ہیں اور میں گلہ کرنے کو تیار بھی کہاں ہوں۔ پتا نہیں کیسے سارے جرم بھول جاتے ہیں، میری مرضی کے خلاف، میرے دل میں کس شان سے براجمان ہیں۔''

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



رائحہ کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔ لب کانپتے ہوئے، کچھ ڈرتے ڈرتے، رُکتے جھجکتے، ہولے ہولے قدم اُٹھاتی وہ آگے اور آگے بڑھی اور لرزتا ہوا موی ہاتھ بڑی ہمت کر کے اُس کے مضبوط شانے پر رکھ دیا۔

اردشیر تب بھی بھرپور بے گانگی کے تاثرات کے ساتھ بیٹھا رہا۔ وہ صوفے کے قریب قالین پر بیٹھ گئی ..... اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپا کر رونے لگی۔

''کیا بگاڑا ہے میں نے آپ کا ..... ؟ کیوں کر رہے ہیں میرے ساتھ ایسا ..... ؟'' آنسوؤں کے درمیان وہ بار بار گلہ کر رہی تھی ..... اور ادھر اردشیر حیران تھا کہ گلہ اس سے کیوں ..... ؟ تنہا تو وہ خود اسے کر گئی تھی .....

اُس نے چائے کا کپ میز پر رکھ دیا اور دونوں شانوں سے پکڑ کر اسے صوفے پر بٹھا لیا۔

''میں تمہیں سمجھ نہیں پا رہا ..... کیا گلہ کر رہی ہو تم مجھ سے .....''

رائحہ نے آنسو بھری آنکھوں سے اس کو دیکھا اور شاکی لہجے میں بولی .....

''میں جان گئی ہوں، آپ تو کبھی بھی دل سے میرے نہیں تھے، بس آپ نے مجھے ہی دھوکے میں رکھا، کھیل کھیلا ہے مجھ سے .....'' وہ پھر رونے لگی۔

''شکایت تو مجھے تم سے ہے، تم نے کبھی مجھ سے محبت نہیں کی، میری بے تابیوں کا لطف اُٹھاتی رہی ہو .....''

''کیا میں ..... ؟'' اس الزام پر رائحہ نے حیرت کے عالم میں کہا۔

''ہاں، تم نے .....'' اُس کا لہجہ اٹل تھا۔

''رائحہ ..... تمہیں پتا ہی نہیں محبت کسے کہتے ہیں، تمہیں تو اندازہ ہی نہیں قیامت کیسے ٹوٹتی ہے۔''

''آپ ..... آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں ..... ؟ کیوں ایسا کہہ رہے ہیں مجھ سے ..... ؟''

''تو کیا غلط کہہ رہا ہوں ..... ؟'' اب کے شدید ناراضگی سے سوال کیا۔

''ہاں غلط، بالکل غلط .....'' رائحہ کے آنسو ایک تواتر سے بہے جا رہے تھے۔

''میرا خیال ہے اب مجھے اندر آ جانا چاہئے۔''

نورین دروازے پر رک گئی تھی اور ذرا سا کھول کر اندر ہونے والی ساری گفتگو سن رہی تھی۔

دونوں چونک گئے۔ رائحہ آنسو پونچھنے لگی۔ اردشیر نے پھر چائے کا کپ ہونٹوں سے لگا لیا۔

''میں تو اس نتیجے پر پہنچی ہوں، تم دونوں ہی کسی شدید قسم کی غلط فہمی کا شکار ہو گئے ہو۔ اپنی اپنی جگہ سچے اور محبت میں کھرے۔''

وہ آ کر سامنے بیٹھ گئی اور پہلے اردشیر کی غلط فہمی دُور کرنے کے لئے اُس روز کی بات سنا دی، جب رائحہ بیماری کے دنوں میں اس کے گھر اُس سے ملنے گئی تھی۔

''سبحان اللہ ..... میں مر رہا تھا اور یہ محترمہ کیسی غلط فہمی پال رہی تھیں۔'' وہ سن کر ہلکا پھلکا ہوا مگر گلہ ضرور کر دیا۔

نورین کھلکھلائی

''میں تو پہلے ہی حیران تھی کہ جب میں تم سے ملنے کے لئے تمہارے ہاں گئی تو تم بہت بیمار تھے



میں تو فکر مند تھی تمہاری طرف سے، اور ایسی حالت میں کوئی اُلٹی سیدھی چیز تم پی لو ..... جب کہ میں تو دکھ چکی تھی تمہیں اس وقت .....''

نورین نے بات کرتے کرتے رائحہ کی جانب دیکھا اور اسے خجل دیکھ کر پھر زور سے ہنسنے لگی۔ رائحہ نے سر نیچے جھکا لیا ..... نورین کو جیسے بے حد ترس آ گیا، بولی

''بس شاہ! اب تم اسے معاف کر دو، یہ تم سے مخلص ہے، بس بیوقوف، بزدل اور سب سے بڑھ کر مشرق کی شرمیلی باحیا بیٹی ہے، دل میں تم ہو مگر کیا کرے، اظہار کی جرأت تو ہے ہی نہیں اس میں۔''

''ہم نے تو اپنا خون بھی انہیں معاف کر رکھا ہے، بات تو ان کی ہے، پوچھ لو یہ بھی مجھ سے بے قصور کو معاف کرنے پر تیار ہیں یا نہیں .....''

اردشیر کے سر سے جیسے منوں بوجھ اُتر گیا تھا۔ کتنے دنوں کے بعد کوئی خوشی ملی تھی۔

رائحہ جھینپی بیٹھی تھی مگر دل میں اطمینان ہلکورے لے رہا تھا اور خود پر غصہ بھی آ رہا تھا۔ آخر وہ اتنی بیوقوف کیوں ہے کہ اس کو اتنا غلط سمجھا، خود بھی پریشان رہی اور اُسے بھی کیا۔

''بس اب کچھ نہ بولنا شاہ، ورنہ اس کا سر ضرور میز سے جا ٹکرائے گا۔''

''اب مجھے زیادہ دیر نہیں کرنی، بہت جلد پابند کرنا چاہتا ہوں اسے، دیکھو ناں، اتنی بیوقوف سی تو ہے، کیا پتا کب پھر کسی شک میں پڑ جائے اور میں رسک لینے کے لئے تیار نہیں۔''

''ٹھیک کہتے ہو تم، میں متفق ہوں ..... اور جہاں تک رائحہ کی بات ہے، اس کی رائے چھوڑو، بس اس کے ہاں جاؤ اور گھر والوں سے مانگ لو اسے۔''

''پھر کب تک آؤں ..... ؟'' اردشیر نے شوخ سی نگاہ رائحہ پر ڈال کر مشورہ نورین سے چاہا۔

''تین چار روز تک تو یہ صاحبہ اپنی بھابی جان کو انگوٹھی پہنانے جا رہی ہیں، اس کے بعد آپ لے آیئے گا اپنے اہل خانہ کو۔'' نورین نے مشورہ دیا اور رائحہ کے قریب آ بیٹھی۔

''اچھا ..... بھائی کی بات پکی ہو رہی ہے، کہاں ..... ؟'' اردشیر کو سوہا یاد آ گئی۔ عجلت میں سوال کیا۔

''سوہا نام ہے اس کی بھابی کا، وہ مشہور گلوکارہ یاسمین بیگم کی بھانجی ہے۔ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

نورین بڑے آرام سے تفصیل بتا رہی تھی مگر یہ سن کر اردشیر کو سخت دھچکا لگا۔

''کیا وہی ایک رہ گئی تھی ساری دُنیا میں بھابی بنانے کو۔'' وہ بڑبڑایا۔

''یہ کیا کہہ رہے ہو ..... سوہا تو بہت پیاری لڑکی ہے، ویسے کیا تم جانتے ہو اُسے ..... ؟''

''میں .....'' وہ چونکا، پھر سنبھل کر بولا .....

''نہیں نہیں، میں بھلا کہاں جانتا ہوں، میں نے تو یونہی مذاق میں کہا تھا۔''

''وہ میرے بھائی کی پسند ہیں، مما اور پپا کی بھی اور مجھے بھی بہت پیاری لگتی ہیں۔ ہم سب بہت خوش ہیں۔''

رائحہ اپنی ذات کو موضوع گفتگو بنے دیکھ کر گھبرائی بیٹھی تھی، اب جو موضوع بدلا تو بولنے لگی۔

''جی ابھی تو اور بھی پیاری لگیں گی۔'' اردشیر نے سر اثبات میں ہلاتے ہوئے دل میں سوچا کہ اب یہ بات یقینی تھی۔ سوہا اس رشتے کی مخالفت ضرور کرے گی۔ وہ مزیب کو اردشیر کے بارے میں سب بتا دے گی۔ کیا تب بھی وہ لوگ رائحہ کا ہاتھ اسے تھمانے پر راضی ہو جائیں گے۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



”مجھے ہرصورت میں سوہا سے ملنا چاہئے، ورنہ پھر بہت دیر ہو جائے گی۔“

• • •

اردشیر کو سوہا سے ملنا تھا۔ یہ سنتے ہی کہ وہ رائحہ کی ہونے والی بھابی ہے، اسے فکرمندی نے آگھیرا تھا۔

”وہ تو کبھی بھی مجھے اور رائحہ کو ایک نہیں ہونے دے گی۔ وہ یقیناً رائحہ کے گھر والوں کو منع کر دے گی۔ اس سے پہلے مجھے اس سے ملنا ہے اور بتانا ہے اب میں وہ پہلے والا اردشیر نہیں ہوں اور یہ یقین بھی دلانا ہے کہ رائحہ سے سچی محبت کرتا ہوں، میں اسے کھونا نہیں چاہتا۔“

یہی سب سوچتا ہوا وہ سوہا کے فلیٹ تک آیا … اور کال بیل پر انگلی رکھی، دروازے جلدی کھل گیا اور کھولنے والی وہی ملازمہ تھی جسے پہلے بھی اردشیر نے اس گھر میں دیکھا تھا۔

”سوہا بی بی تشریف رکھتی ہیں۔“ بڑے دھیمے اور نرم لہجے میں دریافت کیا۔

اردشیر کو خدا نے بڑے دلکش قد بت سے نوازا تھا، لاکھوں میں ممتاز نظر آتا تھا۔ سرداراں کی اس سے ایک ہی ملاقات ہوئی تھی اور وہ بھی بہت مختصر مگر پھر بھی اسے دیکھا تو پہچان گئی اور پہلی ملاقات کی تمام تر جزئیات جو ذہن میں اُبھریں تو اس روشنی میں اسے اردشیر کے چہرے پر جھلکنے والی موجودہ شرافت، دھوکا اور فریب دکھائی دینے لگی۔

• • •



”سوہا بی بی تو اب یہاں نہیں رہتیں، وہ یہاں سے چلی گئی ہیں۔“ وہ دروازے میں کھڑی تھی اور پوری طرح نظروں میں رکھے ہوئے تھی اُسے۔

”کہاں چلی گئیں……؟ دیکھیے میرا اُن سے ملنا بہت ضروری ہے، مجھے کام ہے اُن سے، آپ مجھے اُن کا ایڈریس دے دیں پلیز……“ وہ سخت بے چین دکھائی دینے لگا تھا۔

”میں تو نوکر ہوں، اب میرے کو کیا معلوم کہ وہ کہاں چلی گئی ہیں۔“ سرداراں نے بے نیازی سے کندھے اُچکائے۔

”تو اندر جا کر یاسمین بیگم سے پوچھ آؤ…… وہ تو گھر پر ہی ہوں گی ناں……؟ دیکھو میرے پاس وقت کم ہے، مجھے چند گھنٹوں کے بعد اس شہر سے اپنے گاؤں واپس جانا ہے اور میں جانے سے پہلے سوہا سے ملنا چاہتا ہوں۔“

”وہ نیند کی دوا لے کر سوئی ہیں…… اتنی جلدی تو نہیں جاگیں گی۔“ سرداراں کی بے نیازی ہنوز قائم تھی۔

”ماسی کون آیا ہے……؟“ سوہا کا کمرہ قریب ہی تھا اور سرداراں کی آواز تو اتنی ہوا کرتی تھی کہ برابر کے فلیٹ میں بھی بخوبی سنی جا سکتی تھی۔

”اوہ، وہ گھر پر ہی موجود ہیں۔“ اردشیر نے سکون کی سانس لی…… اور شکایت طلب نظروں سے سرداراں کی جانب دیکھا۔

”آپ اندر نہیں آسکتے……“ سرداراں بے خوف تھی…… اور لہجہ اٹل تھا۔

”ماسی میں نے پوچھا تھا، کون آیا ہے……؟ آخر کس سے باتیں کر رہی ہو تم……“ سوہا کہتی ہوئی خود دروازے پر آگئی۔ جونہی نگاہ اردشیر پر پڑی، ٹھٹکی اور پھر دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔

”السلام علیکم……“ وہ سامنے آئی تو اردشیر کو پہلی بار یاد آیا تھا، وہ کیا تھا اور اب کس بے چارگی کے احساس کے ساتھ اس لڑکی کے پاس درخواست کرنے آیا ہے۔ لہٰذا اسلام خاصا ڈگمگاتا ہوا سا تھا۔ جس کا جواب حیران و پریشان کھڑی سوہا بھی نہیں دے سکی۔ سرداراں نے راستہ چھوڑ دیا…… یہ فیصلہ اردشیر کے سلام نے کروایا تھا۔

وہ دروازہ پار کر کے اندر آیا اور بولا……

”سوہا، میں آپ کے پاس ایک ضروری کام سے آیا ہوں، بس یوں سمجھئے ایک درخواست ہے آپ

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ہے.......''

سوہا نے حیرت بھری نگاہ اُٹھائی...... اور اسے وہ بالکل ویسا اردشیر دکھائی دیا جیسا چند روز پہلے آذر کے آفس میں دیکھا تھا۔ تھوڑا مزید حوصلہ ہوا اور اسے ڈرائنگ روم میں آنے کو کہا۔

''آپ نے جو بھی کہنا ہے پلیز جلدی کہیے۔'' وہ اُلجھن تو بہر حال محسوس کر رہی تھی۔

''یہ کا رشتہ طے ہو چکا ہے ناں، میں اُس لڑکے کو تو نہیں جانتا، اُس کی بہن کو بہت اچھی طرح جانتا ہوں رائحہ نام ہے اُس کا۔''

''آپ اُسے کیسے جانتے ہیں......؟'' سوہا کا ایک دم سے پوچھنا یقینی تھا۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔

کہاں وہ معصوم سی لڑکی اور کہاں یہ اردشیر شاہ......

وہ گہری سانس کھینچ کر مسکرایا اور بولا......

''یقین کریں کبھی کبھی ہم جیسے دلوں سے کھیلنے والے بھی دل ہار جایا کرتے ہیں، کوئی ایسا آ ٹکراتا ہے کہ پھر اس کے بغیر زندگی زندگی نہیں لگتی۔''

''دیکھئے، میں تو ایک گلوکارہ کی بھانجی ہوں، اس لئے آپ میری شرافت کو قبول نہیں کرتے، میری حیثیت آپ کے نزدیک کچھ بھی نہیں۔ مگر وہ باعزت خاندان کی باکردار لڑکی ہے۔ آپ اُس کے متعلق اس انداز میں بات نہ کریں تو اچھا ہوگا۔''

''یہ سچ ہے...... بخدا میں واقعی چاہتا ہوں اُسے، شدید محبت کرتا ہوں اُس سے، میں تو شادی کرنا چاہتا ہوں...... چند روز میں میرے گھر والے جا رہے ہیں اُس کے ہاں۔''

سوہا بولی کچھ نہیں، منہ ایسے بنایا جیسے اردشیر کی بات پر بالکل یقین نہیں ہے۔

''اُس کی محبت مجھے سیدھے راستے پر لے آئی ہے، وہ ساتھ ہوگی تو بھٹکنے سے بچ جاؤں گا۔''

وہ اُس کی کسی بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں تھی۔

''آپ رحم کریں، چھوڑ دیں ہمارا پیچھا......'' سوہا کا انداز اُکتایا ہوا اور اس سے زیادہ ڈرا ہوا تھا۔

''اوہ میں کس طرح یقین دلاؤں آپ کو......'' اردشیر کے انداز میں بے بسی تھی۔

''مجھے کبھی یقین نہیں آئے گا۔''

''کیا آپ اس پر یقین کرلیں گی کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے، وہ بھی میرے گھر آنا چاہتی ہے میری بن کر......''

اب کے سوہا نے حیرت سے پلکیں جھپکائیں۔

''دیکھئے، اب میں پہلے والا اردشیر نہیں رہا، اور مجھے احساس ہے کہ میں بہت غلط تھا، میں آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔''

''یہ کوئی نیا جال تو نہیں ہے......؟'' سوہا کی پریشانی کم ہونے میں نہیں آ رہی تھی۔

''آپ آذر سے پوچھ لیں، وہ بھی جانتا ہے کہ میں رائحہ کو اپنانا چاہتا ہوں، اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب میں زندگی کی حقیقت کو سمجھنے لگا ہوں۔ پلیز آرام سے بیٹھ جائیں، آپ میری پوری بات سن لیں۔''

• • •

ایک گہما گہمی کا عالم تھا، آج شام انہیں سوہا کو انگوٹھی پہنانے جانا تھا۔ کبیر حسن اور جویریہ خود جا کر



واجدہ کو منا لائے تھے۔ نزہت کی بات انہوں نے پکی کر دی تھی اور مہناز ماں اور بہن سے سخت خفا تھی، جن کی وجہ سے اس کا رشتہ مزیب سے ہوتے ہوتے رہ گیا تھا۔ نہ ماں نزہت کا مسئلہ اُٹھاتیں، نہ ہی ماموں بگڑ کر بیٹے کی بات کہیں اور طے کرتے۔

دادی کو مزیب خود لے کر آیا تھا، وہ کہتی ہی رہیں......

''بھلا میں جا کر کیا کروں گی، مجھے تو یہیں رہنے دو۔''

''دادی آپ کے بغیر بھلا کیا خاک رونق لگے گی۔''

''اے چل باتیں نہ بنا۔''

''دادی مجھے تو لگتا ہے آپ کو میری خوشیوں سے کوئی غرض نہیں۔'' اُس نے منہ پھلا لیا۔

''کیسی احمقوں والی بات کی ہے بچے تم نے، گھر میں بیٹھ کر تمہارے لئے بہت دُعا کروں گی میں۔''

''دُعا وہاں جا کر بھی تو ہو سکتی ہے، جاءنماز پر بیٹھنا چاہیں گی تو وہ بھی مل جائے گی، کوئی غیر مسلموں میں منگنی نہیں ہو رہی ہے میری۔''

''اچھا ٹھیک ہے، چلی چلوں گی...... واپسی پر تم ہی ٹانگیں دبانا میری......'' آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔

نیچے لاؤنج میں خوب رونق تھی۔ جویریہ مصروف سی پھر رہی تھیں...... مٹھائی کے ٹوکرے گاڑی میں رکھوا کر اندر آئیں تو مزیب تیار ہو کر اپنے کمرے سے نکلا۔

''دیکھئے تو حاضرین کیسا لگ رہا ہوں میں......؟'' مخاطب سب سے تھا اور دیکھ جویریہ کی طرف رہا تھا، وہ آگے بڑھیں، مسکراتے ہوئے اس کا چہرہ ہاتھوں میں تھاما اور پیشانی چوم کر دُعاؤں سے نوازا۔

''اسمارٹ تو لگ رہا ہوں ناں میں مما......''

''مما سے کیا پوچھتے ہیں، ہم سے بات کریں سچ سچ بتا دیں گے۔'' عالی شرارت سے کہتی قریب آ کھڑی ہوئی۔

''مجھے کچھ ڈر...... لگ رہا ہے، دیکھو ناں وہاں سوہا کی سہیلیاں بھی آئی ہوں گی اور تمہیں تو پتا ہے یہ سہیلیاں بڑی چڑیلیں ہوتی ہیں۔''

''یاد رہے زیبو بھائی، میں بھی سوہا کی سہیلی ہوں، صرف آپ کے از حد اصرار پر اِدھر سے شریک ہو رہی ہوں۔'' عالی نے آنکھیں دکھائیں۔

''میرے اصرار پر، مگر کب کیا تھا میں نے اصرار، مجھے تو کچھ یاد نہیں۔''

''چلو جی، لوگوں کی صدمے کے باعث یادداشت جواب دے جاتی ہے۔ یہاں مارے خوشی کے سب بھلا بیٹھے ہیں، ویسے سوہا بھی یاد ہے یا نہیں۔''

''یاد ہے اچھی طرح یاد ہے ارے وہ بھی کوئی بھولنے والی شے ہے بھلا۔''

''اوہ...... یہاں تو شاید کوئی تقریب ہے......'' وہ لاؤنج میں آیا اور جلتی سی نگاہ وہاں موجود لوگوں پر ڈال کر اُونچی آواز میں کہا۔

عمر یہاں آنا تو نہیں چاہتا تھا مگر ایک جلن تھی...... آگ بھڑک رہی تھی۔ اس کے اندر وہ جویریہ سے

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



...ب چاہتا تھا۔ اس کی آواز پر وہاں موجود سبھی لوگ متوجہ ہوئے۔

''ارے عمر تم......'' جویریہ کی آواز اور انداز میں بے پناہ خوشی تھی۔ وہ تیزی سے اس کی جانب لپکیں اور ہاتھ پکڑ کر بولیں......

''کہاں چلے گئے تھے تم، کتنا یاد کیا میں نے تمہیں۔ مزیب سے بار بار تمہارے بارے میں پوچھتی رہی۔''

''مجھے کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں، آپ کے کہے پر پورا یقین ہے۔'' اُس کے ہونٹوں پر زہریلی مسکراہٹ تھی۔

''تم بہت اچھے وقت پر آئے ہو بیٹا، ہم لوگ سوہا کی طرف جا رہے ہیں انگوٹھی پہنانے۔''

پھر آگے کو جھک کر رازداری اور شرارت سے بولیں......

''یاد ہے ناں، وہی لڑکی ہے جسے زیبو جی جان سے چاہتا ہے۔''

''عمر تم ٹھیک تو ہو ناں......؟'' مزیب نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اس کی اُداس آنکھوں کو بغور دیکھا۔

''مزیب کئی بار تم لوگوں کے گھر گیا کہ شاید کچھ پتا مل جائے مگر تم گھر ہی چھوڑ گئے۔ اس نے مجھے تو تمہاری والدہ کی وفات کے بارے میں بتایا ہی نہیں تھا۔ ابھی دو روز پہلے ہی پتا چلا ہے مجھے، اور بہت افسوس ہوا ہے، بیٹے ہمیں اطلاع دے دیتے، ایسے وقت میں ہم تمہارے پاس ہوتے۔''

''وہ بہت عظیم عورت تھیں، آپ کو تو یہ سن کر بہت ہی حیرت ہوگی کہ انہوں نے اپنی جوانی دوسروں کی اولاد کے لئے برباد کر دی جب کہ یہاں تو لوگ اپنی خوشی کی خاطر اولاد کو کسی بے قیمت شے کی طرح کانٹوں سے بھرے راستوں پر پھینک جاتے ہیں۔''

''پرائی اولاد......؟'' مزیب نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں پرائی اولاد......'' عمر نے طنزیہ مسکراہٹ اور سلگتی نظروں سے جویریہ کو دیکھا اور بولا......

''بہت اچھا گھر ہے آپ کا...... یقیناً ایسا ہی گھر آپ کا خواب رہا ہوگا...... تو اپنا یہ خواب حقیقت بنانے کے لئے کچھ نہ کچھ تو قیمت ضرور ادا کی ہوگی آپ نے......''

''عمر......'' جویریہ کو اس کم گو، سادہ سے لڑکے کی باتیں حیران کر رہی تھیں...... وہ آج کس انداز میں بات کر رہا تھا۔

''میرے لئے سب کچھ وہی تھیں...... بہت محبت دی انہوں نے مجھے...... اتنا پیار، اتنی چاہت کہ اب مجھے کسی اور محبت کی آرزو ہی نہیں رہی...... بس میں تو یہ دیکھنے چلا آیا کہ قیمت کچھ زیادہ تو ادا......''

''تت...... تم طلال ہو...... ہاں تم طلال ہو...... میں کہتی تھی ناں زیبو، یہ میرے طلال جیسا ہے...... یہ ناصر کی تصویر ہے...... میرے دل کی گواہی سچی تھی...... میں نے اسے پہچان لیا تھا......''

وہ طلال کا چہرہ ہاتھوں میں لئے آنسوؤں میں بھیگے لہجے میں جذبات کی شدت سے بھرائی آواز میں بول رہی تھیں۔

مزیب بھی بہت خوش اور بے یقین سا تھا۔

''تم طلال ہو...... اوہ ہم نے کتنا تلاش کیا تمہیں...... ہم یہ جان ہی نہیں سکے، تم تو ہمارے اتنے



قریب ہو۔''

نہ مزیب کو یہاں موجود لوگوں کی پروا تھی، نہ جویریہ کو جو بے تحاشا بیٹے کو پیار کر رہی تھیں۔ کتنی پیاسی تھیں وہ، کتنی گھائل اور کس قدر اُداس۔

''مجھے جانا ہے......'' طلال کا انداز سپاٹ تھا...... اسے یہ سب ذرا بھی متاثر نہیں کر رہا تھا...... وہ سوچ رہا تھا شاید اتنا عرصہ دور رہ کر جرم کا احساس بیدار ہوا ہے، اسے اپنے فیصلے پر پچھتا رہی ہیں۔ سچائی وہی ہے جو اماں نے بتائی تھی...... اُس نے ہاتھ چھڑا کر جانا چاہا۔

''تم نہیں جا سکتے...... اب تم کہیں نہیں جا سکتے......'' جویریہ نے اُس کا بازو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''مجھے جانا ہے...... میری ماں نے بہت محبت دی ہے مجھے، اب میرے اندر کوئی پیاس نہیں ہے۔''

''اتنے کٹھور کیوں بن رہے ہو......؟ طلال، تمہیں مما کے جذبات کا ذرا بھی احساس نہیں، کیا تم نہیں سمجھ سکتے تمہارے بغیر کیسے یہ عرصہ کاٹا ہوگا انہوں نے، میرے بھائی یہ تو ہر پل تمہیں یاد کرتی رہی ہیں۔ بہت تلاش کیا ہم نے تمہیں، پہلے کیوں نہیں بتا دیا، تم خالہ کی حقیقی بیٹے نہیں ہو۔''

''ہونہہ...... کیا مجبوری تھی انہیں، کیوں جدا کیا ننھے بچے کو، یوں پھینک کر چلی گئیں جیسے میں جیتا جاگتا بچہ نہیں بے جان کھلونا تھا۔'' طلال غصے اور رنج کی شدت سے سسکنے لگا۔

''ایسا نہیں ہے، تم غلط سمجھ رہے ہو۔'' مزیب نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے اپنی بات پر زور دے کر کہا۔

''کیا بات ہے، کون ہے یہ......؟'' واجدہ ابھی کچھ دیر پہلے سیڑھیاں اُتر کر اِدھر آئی تھیں اور کبیر حسن کو نزہت بلا لائی یہ کہہ کر کہ......

''ماموں...... جلدی آئیں اِدھر تو نجانے کیا ہنگامہ ہو رہا ہے۔''

وہ اِدھر آئے تو جویریہ، طلال کو چھوڑ کر تیزی سے ان کی جانب لپکیں۔

''کبیر...... میں نے کبھی آپ سے کچھ نہیں مانگا...... اپنے لئے کبھی کچھ نہیں چاہا، مگر آج مجھے اجازت دیں کہ میں اپنے بچے کو اپنے قریب اپنی آنکھوں کے سامنے رکھ سکوں، کبیر! مجھے ہر حال میں آپ کی اجازت چاہئے۔''

''جویریہ، یہ تم کیا کہہ رہی ہو......؟ میں بالکل نہیں سمجھ رہا۔'' وہ بہت حیران تھے۔

''کبیر...... خدا کے لئے آپ مجھے اجازت دے دیں......'' بولتے بولتے وہ کھانسنے لگیں۔ چہرے پر شدید نقاہت کے آثار تھے...... وہ جھکیں اور پھر اپنے قدموں پر کھڑی نہ رہ سکیں۔

رائحہ ماں کی حالت دیکھ کر رونے لگی۔ باقی مہمان بھی حیران و پریشان کھڑے تھے۔ مزیب تیزی سے آگے بڑھا اور جویریہ کو بازوؤں سے اُٹھا کر بیڈروم میں لے گیا۔ انہیں بیڈ پر لٹا کر ڈاکٹر کو فون کرنے لگا۔

طلال ابھی تک لاؤنج میں تھا، اس کے لئے یہ صورت حال حیران کن تھی، وہ کچھ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔ کبیر کو بیڈروم میں جویریہ کے پاس بھیج کر مزیب، طلال کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے گیا کہ وہ جلد از جلد اسے حقیقت سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جویریہ کی حالت کافی دیر بعد سنبھلی، ایک عمر کا سہا آس ونراس میں ڈوبا دل اس اچانک مل جانے والی خوشی کو برداشت نہیں کر پا رہا تھا......وہ زرد چہرے کے ساتھ اور سفید پڑتے لبوں کے باوجود آنکھوں میں اُمنڈ آنے والی چمک سے اس بے پایاں خوشی کا اظہار کر رہی تھیں۔

طلال اُن کے قریب تھا، اب وہ حقیقت جان چکا تھا اور بے پناہ محبت کے ساتھ اُن کے ہاتھ بار بار چوم رہا تھا، آنکھوں سے لگا رہا تھا۔

''مما......آپ نے بھائی کو تو ساری باتیں بتادیں مگر مجھے کبھی نہیں بتایا کہ تمہارے دو بھائی ہیں۔''

رائحہ طلال کی جانب دیکھتے ہوئے ماں سے شکایت کر رہی تھی۔

''ایک کی کون سی قدر کر لی تم نے، جو دوسرے کے بارے میں بتایا جاتا......'' مزیب نے منہ بنایا......وہ جویریہ کی حالت سے پریشان تھا۔ چاہتا تھا جلدی سے سنبھل جائیں۔

''اے مزیب تم لوگ اندر آ کر بیٹھ رہے اور وہ باپ کہاں ہے تمہارا......؟'' کسی خاتون نے دروازے سے جھانک کر بڑے غلط وقت پر پوچھا۔ جویریہ شاید ایک اور امتحان کو فراموش ہی کر بیٹھی تھیں، اب خوفزدہ دکھائی دینے لگیں۔

''پپا ڈاکٹر صاحب کے ساتھ باہر نکلے ہیں......'' اُس نے بات بنائی جب کہ کبیر تو اسٹڈی میں جا بیٹھے تھے۔ جویریہ کی اتنی بری حالت ہوگئی تھی، وہ تب بھی باہر نہیں آئے۔

''مما......آپ ٹھیک ہیں ناں......؟'' بایاں ہاتھ بیڈ پر رکھے مزیب جھکا، جویریہ سے پوچھ رہا تھا۔

جویریہ نے دایاں ہاتھ اُٹھا کر اُس کے گال پر رکھا اور دھیرے سے مسکرا دیں۔ اُس نے اُن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور بولا......

''میں آنٹی یاسمین کے ہاں فون کر دوں کہ ہم لوگ ذرا لیٹ آئیں گے۔''

بیڈروم سے باہر آ کر پہلے اُس نے فون کیا پھر عالیہ سے کبیر کے بارے میں پوچھا اور سٹڈی میں آ گیا۔

''مزیب، یہ کیا مذاق ہے......؟'' جونہی وہ اندر داخل ہوا......انہوں نے بہت کھردرے لہجے میں پوچھا۔

''پپا......یہ مذاق تو تقدیر نے مما کے ساتھ کیا ہے۔''

''ہونہہ......وہ انتہائی مکار عورت ہے......میں اسے کبھی معاف نہیں کر سکتا۔'' کبیر کے لہجے میں غصے سے زیادہ نمایاں رنج کی کیفیت تھی۔ اب آ کے تو وہ یہ محسوس کرنے لگے تھے کہ جویریہ ان کے لئے اہم ہے اور گھر کی ہر خوشی اُسی سے وابستہ ہے۔

''مکار عورت......یہ کس طرح کہہ دیا آپ نے......؟ چھوٹی سی عمر میں بیوہ ہوئیں، بچے کے ساتھ بھائی کے گھر آ گئیں جہاں بھابی نے آپ کو علم میں لائے بغیر کہ وہ ایک بچے کی ماں بھی ہیں، آپ سے شادی کر دی، اور بچہ ایک غریب بیوہ اور بے اولاد عورت کے سپرد کر دیا۔ مما اپنے بچے کے لئے روتی رہیں، تڑپتی رہیں مگر کسی سے کہہ نہیں سکیں......یہی روگ تو دل کا روگ بن گیا۔''

''اُس نے مجھے کیوں نہیں بتایا......؟ اتنی بڑی بات مجھ سے کیوں چھپائی......؟''

''پپا......آپ کے رویوں نے اس کی اجازت ہی کب دی ہے، وہ تو آپ سے اتنا ڈرتی ہیں، آپ



سے کچھ کہنا ہو تو سو بار سوچتی ہیں، یہ بات کہہ دیتیں تو آپ شاید انہیں اس گھر میں برداشت ہی نہ کرتے مگر مجھے انہوں نے بہت پہلے یہ سب بتا دیا تھا۔ پپا اگر مما آپ کے بیٹے کو قبول کر سکتی ہیں۔ اسے اتنا پیار دے سکتی ہیں تو کیا کچھ فرض آپ کا بھی نہیں بنتا......''

''اب اتنے برس کے بعد وہ چلا آیا ہے، میں کیا کہوں گا لوگوں سے......؟ کس کس کے سامنے اپنی کہانی دہراؤں گا۔''

''لوگوں سے مت ڈریں پپا......ہمیں تو مما کی خوشی عزیز ہونی چاہئے۔ کتنے برس انہوں نے اپنے بچے کے لئے ترستے ہوئے گزار دیئے ہیں۔ وہ بیمار ہیں انہیں آپ کی توجہ اور سہارے کی ضرورت ہے پپا، اگر آپ نے طلال کو قبول نہ کیا تو مما نہیں بچ سکیں گی۔ ہم سب کی خاطر آپ مان جائیں۔''

''اُسے قبول کرنا ہے یا رَد کرنا ہے، اس کا فیصلہ بعد میں ہوگا، فی الحال تم لوگ چلنے کی تیاری کرو......یاسمین بہن منتظر ہوں گی۔''

''میں نے فون پر انہیں کہہ دیا ہے کہ مما کی طبیعت ٹھیک نہیں، ہم لوگ کچھ لیٹ ہو جائیں گے۔''

''اوہو......یہ سب کہنے کی کیا ضرورت تھی، جویریہ تو شاید کچھ دیر بعد بھی نہ جا سکے۔ میرا خیال تھا ہم لوگ جا کر رسم کرا آتے......''

مزیب کے کچھ کہنے سے پہلے رائحہ چلی آئی، دروازہ کھول کر دیکھا اور مزیب کو موجود پا کر ذرا حوصلہ ہوا، باپ سے بولی......

''مما رو رہی ہیں......وہ آپ کا پوچھ رہی ہیں......پلیز پپا انہیں ڈانٹئے گا نہیں، ہمیں اپنی مما سے بہت پیار ہے، ہم انہیں خوش دیکھنا چاہتے ہیں......'' اس کی آواز بھر آ گئی اور وہ اُنگلیوں کی پوروں سے پلکوں پر چمکتے آنسو پونچھنے لگی۔

کبیر بہت سنجیدہ اور کسی سوچ میں گم دکھائی دے رہے تھے، لگتا تھا کسی اہم فیصلے پر پہنچنا چاہتے ہیں، مزیب چپکے سے جائزہ لے رہا تھا۔ پھر کسی نتیجے پر پہنچ کر رائحہ کو اشارہ کیا، دونوں باہر آ گئے۔

''ہائے بھیا......پپا بہت خفا ہیں، اب کیا ہوگا......؟''

''تم یہ رونا دھونا بند کرو، پپا مان جائیں گے۔ جیسے بھی سہی، بہرحال ایک لمبا سفر ان دونوں نے ایک ساتھ طے کیا ہے، کنارہ کشی آسان نہیں، اور مجھے یقین ہے وہ مما کے حق میں بہت جلد فیصلہ دینے والے ہیں......'' مزیب نے رائحہ سے کہا۔

♦ ♦ ♦

''بابا جان، میں شادی کرنا چاہ رہا ہوں، وہ اچھی فیملی کی بہت اچھی لڑکی ہے، مجھے اُمید ہے بابا کہ آپ مجھے اجازت دے دیں گے۔''

شاہ جی بول نہیں سکتے تھے لیکن اشاروں میں اپنی بات واضح کر دیا کرتے تھے۔

اردشیر نے جو کچھ رائحہ اور اس کی فیملی کے بارے میں بتایا، اس کے بعد انہوں نے کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا، انہیں خوشی تھی، بیٹا ان راہوں پر آ گیا ہے جن پر وہ اسے دیکھنا چاہتے تھے۔ بس اور کیا چاہئے تھا انہیں۔

''ٹھیک ہے پھر میں بڑی ماں اور چھوٹی امی سے بات کر لیتا ہوں، بڑی ماں کا تو کچھ نہیں کہہ سکتا،

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



ساتھ جانے پر راضی ہوں گی یا نہیں، چھوٹی امی، میرا خیال ہے ضرور چلیں گی۔ بابا دُعا کریں، وہ لوگ بھی مان جائیں۔ وہ لڑکی آپ کے بیٹے کی خواہش ہے بابا جان۔“

”آپ کی دوا کا وقت ہوگیا ہے شاہ جی......“ کبریٰ نے کمرے میں داخل ہوکر کہا۔

انہوں نے حویلی میں آتے ہی جہاں اور باتوں پر توجہ دی اور پھر سے اپنی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی وہاں جمشید شاہ کے تمام کام بھی اپنے ذمے لے لئے مگر اردشیر کے رویے، اس کے انداز...... انہیں لگ رہا تھا سلطنت کی ہلتی بنیادیں بس اب گرا ہی چاہتی ہیں۔

شوہر ان پر تین بیویاں لایا مگر اپنی عقل کے زور پر وہ حاوی رہیں، گھر کی راجدھانی پر انہوں نے اپنا مقام بلند رکھا، دل پر آنسو گرتے رہے، محبت کے پھول ان کے آنچل میں نہیں آئے، مگر وہ باوقار رہیں، جو شوہر نے ان کے ساتھ کیا، اس کا بدلہ انہوں نے سوکنوں سے لیا، انہیں اس گھر میں مہمان ہی بنائے رکھا حالانکہ اس گھر پر اتنا ہی اُن کا بھی حق تھا جتنا کہ کبریٰ کا تھا۔

مگر اب معاملہ کچھ اور ہونے لگا تھا...... اب محبت کے ساتھ ساتھ وقار بھی مٹی ہونے والا تھا اور دل کہتا تھا، بڑی عمر تڑپا ہوں محبت کے لئے...... یہ مصنوعی رعب و دبدبہ، یہ آن بان کچھ نہیں چاہیے۔ پہلے شوہر کی محبت چاہی، نہیں ملی، اب بیٹا بیٹا پکارتی ہوں، وہ بھی دُور ہے، ناراض ہے مجھ سے، معاف نہیں کیا اُس نے مجھے......

وہ دوا پلا کر فارغ ہوئیں تو اردشیر نے یہ بات اُن کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا......

”اگر آپ جانا چاہیں تو ٹھیک ہے، مجبور نہیں کروں گا میں۔“

”تم کہو اور میں نہ مانوں...... آخر کب تک بدگمان رہو گے اردشیر......“ دُکھ سے اُن کی آواز کپکپا گئی۔

”ٹھیک ہے، پھر میں چھوٹی امی سے بھی چلنے کے لئے کہہ دوں، انہیں بھی آپ کے ساتھ جانا ہے۔“

وہ اُٹھ کھڑا ہوا، آگے بڑھا، پھر رُک گیا اور بولا......

”اب بھی بتادیں، وہ ساتھ ہوں گی، اگر کوئی اعتراض ہے تو......“

انہوں نے شکایت طلب نظروں سے اسے دیکھا اور گہری سانس کھینچ کر بولیں......

”میں نے شکست تسلیم کرلی ہے تم سب سے، اور نہ گلہ ہے نصیب سے، نہ زمانے سے شکایت ہے۔“

اُس نے سنا نہیں باہر نکل گیا۔

”شاہ جی! کچھ کھانا چاہیں گے آپ......؟“

انہوں نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”میں جانتی ہوں آپ ناراض ہیں، آپ میرا اپنے کمرے میں آنا بھی پسند نہیں کرتے۔ آپ کو زرینت کا انتظار ہوتا ہے اور شاہ جی، میں نے سوچا ہے، اب آپ کے تمام کام سونپ دوں اُسے۔ جب آپ مجھے دیکھ کر بیزاری محسوس کرتے ہیں تو کیا فائدہ آنے کا۔“

شام کو اردشیر نے نورین کے ہاں فون کیا اور اسے اپنے پروگرام سے آگاہ کردیا۔



”ٹھیک ہے میں کل صبح ہی رائحہ کی مما سے بات کروں گی۔“

”ہم لوگ پرسوں آئیں گے نورین، تم انہیں قائل کرنے کی کوشش ضرور کرنا، ایسا نہ ہو، وہ لوگ انکار کردیں۔“

”ڈونٹ وری شاہ، میرا خیال ہے، تم ابھی تک خود کو جان ہی نہیں سکے، ورنہ انکار کی بات ہی نہ کرتے۔“ وہ ہنس کر شوخی سے کہہ رہی تھی۔

”میرا مطلب ہے، وہ شریف لوگ ہیں، بیٹی کا رشتہ بغیر چھان بین کے نہیں کریں گے اور میرا ماضی تو تم جانتی ہو کہ......“

”نہیں نہیں شاہ...... وہ انکار نہیں کریں گے...... میں رائحہ کی والدہ سے بات کروں گی، اور بعد میں بھی اُن کی طرف جاتی رہوں گی۔ رائے معلوم کروں گی، اگر انہوں نے کوئی ایسی ویسی بات کی تو سنبھالوں گی۔“

”نورین...... سوہا اب رائحہ کی بھابی بن رہی ہے، میں ملا تھا اُس سے، اُسے یقین دلایا ہے کہ میں اب پہلے والا اردشیر نہیں رہا مگر یہ کہہ نہیں سکتا، کہ اُس کی رائے بدلی ہے یا نہیں۔“

”کون سوہا......؟“

وہ سمجھی نہیں، جواب میں اردشیر نے تفصیل سے بتادیا۔

”میں خود ملوں گی اُس سے۔“

”تھینک یو نورین، تم بہت ساتھ دے رہی ہو میرا۔“

”ایسی بات نہیں کرو شاہ، ہم دوست ہیں اور رائحہ تو مجھے بہنوں کی طرح عزیز ہے۔ میں دل سے چاہتی ہوں، تم دونوں ایک دوسرے کے بن جاؤ۔“

”میری والدہ حیات نہیں ہیں، دونوں سوتیلی ہیں...... پتا نہیں کس طرح بات کریں، چھوٹی امی تو یوں بھی کم گو اور سیدھی سادی ہیں، تم وہیں موجود رہنا۔“

”اوہو شاہ......“ نورین ہنس پڑی پھر بولی...... ”فکر نہ کرو بابا، میں سب سمجھتی ہوں۔“

کبریٰ خاتون اور زرینت کے ان کے ہاں آنے سے پہلے نورین وہاں موجود تھی، جویریہ کو ان کے بارے میں بتانے کے بعد رائحہ کے پاس آبیٹھی اور خوب ہی ستایا اُسے۔

”ہائے نورین، تم سچ کہہ رہی ہو، کیا واقعی وہ ساتھ آرہے ہیں......؟“ رائحہ اس کی باتوں پر ایمان لے آئی۔

”تو اور کیا...... اسے بھلا چین ہی کب ہے...... ارادہ ہے کہ ہاں کروا کر ہی واپس جائے گا۔“

”تم ہی سمجھاؤ نا، دیکھو مما پاپا یوں ایک دم سے تھوڑی بات پکی کردیں گے۔“

”کر تو دینا چاہیے...... اور یہ آخر تم کس لئے ہو، منالو نا اپنی مما کو، کہہ دو میں تو نہیں رہ سکتی اُس کے بغیر......“

”ہا...... میں تو کبھی نہیں کہہ سکتی ایسی بات، کیا میں کوئی ایسی ویسی لگتی ہوں تمہیں۔“

”جیسی بھی ہو، اسے بڑی پسند ہو۔“

”نورین، اُن کی بڑی ماں بہت رُوڈ ہیں، مجھے خود انہوں نے ہی بتایا تھا، اور یہ بھی کہ ان لوگوں کی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



مہمانداری میں کوئی کسر نہیں ہونی چاہیے۔ بہت عزت واحترام دینا ہوگا انہیں۔ تم کہہ دو یہ سب مما سے۔"

"جی ہاں، پلکیں بچھائیں ان کی راہوں میں، پھول پتیاں نچھاور کریں اُن پر...... ارے وہ رشتہ لینے آرہے ہیں یار عایا کو ایک جھلک دکھانے۔ لڑکی والوں کے ہاں تو ادب اور ملائمت سے ہی بات بنتی ہے، تم سمجھا دو یہ بات اپنے اردشیر کو، ہمارے انکل اور آنٹی کی بھی تو آخر کوئی عزت ہے۔"

"مجھے بڑا ڈر لگ رہا ہے، پتا نہیں ان کی بڑی ماں کس طرح ملیں گی......؟ کیسے مزاج کی ہوں گی......؟"

"کھا نہیں جائیں گی تمہیں ڈرپوک لڑکی۔"

"تم میرے ساتھ ہی رہنا، جہاں کسی سوال کے جواب میں گڑبڑ کروں، تم سنبھال لینا۔"

"اور مجھے یقین ہے تم بہت زیادہ گڑبڑ کروگی۔"

جونہی ان لوگوں کی آمد کی اطلاع ملی، نورین اسے چھوڑ کر ڈرائنگ روم میں چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد جویریہ خود رائحہ کو بلانے آئیں، وہ خوش دکھائی دے رہی تھیں، یقیناً انہیں اردشیر کے گھر والے اچھے لگے تھے۔

رائحہ دھڑکتے دل کے ساتھ چھوٹے چھوٹے قدم اُٹھاتی ڈرائنگ روم تک آگئی، جہاں پپا اور مزیب موجود تھے جب کہ طلال رابعہ کو لینے گیا تھا، اب تک اسے واپس آجانا چاہیے تھا، دیر ہوگئی تھی اور جویریہ دل میں فکرمند تھیں۔

رائحہ نے آکر دھیرے سے سلام کیا پھر نورین کے برابر میں بیٹھ گئی۔

دونوں خواتین نے سرسری سی نگاہ ڈالی اور زینت بولی......

"بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی، خدا نصیب اچھا کرے۔"

"انکل، میں اردشیر کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں، ہمارے فیملی فرینڈ ہیں...... وہ بہت اچھے اور ذمہ دار انسان ہیں اور میں سمجھتی ہوں ان کے گھر کو بھی رائحہ جیسی لڑکی کی ضرورت ہے۔" نورین کبیر حسن سے مخاطب تھی۔

"بھائی صاحب، آپ چاہیں تو گاؤں آکر بیٹے سے مل لیں اور اگر کہیں تو ہم ایک دو روز تک شہر میں رُک جاتے ہیں۔ آپ یہاں ہمارے گھر آجائیں۔" کبریٰ نے کہا...... اور زینت بھی متفق تھی۔

ملازمہ ٹرالی لے کر آئی تو رائحہ چائے بنانے لگی، اس دوران ان کی گفتگو بھی سنتی رہی۔ کبیر کہہ رہے تھے......

"آپ لوگ شہر آئے ہوئے ہیں، ہم یہیں پر صاحبزادے سے مل لیں گے، اس کے بعد اگر ضروری سمجھا تو گاؤں بھی آجائیں گے۔"

چائے پیتے ہی وہ لوگ جانے کے لئے اُٹھ کھڑی ہوئیں۔

"ہم پھر آئیں گے۔" زینت نے رائحہ کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے کہا...... جب کہ کبریٰ صرف گال تھپتھپا کر آگے بڑھ گئیں۔ ہاں یہ ضرور کہا......

"آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔"

"اوہ...... کتنا ڈرا رکھا تھا مجھے بڑی ماں سے، یہ تو اتنی اچھی ہیں۔" نہ صرف رائحہ بلکہ نورین بھی



حیران تھی، دونوں پھر رائحہ کے کمرے میں آبیٹھیں۔ کبیر کو کہیں جانا تھا، وہ جلد ہی چلے گئے۔ جویریہ اور مزیب لاؤنج میں بیٹھ کر مہمانوں کے بارے میں باتیں بھی کر رہے تھے اور طلال، رابعہ کا انتظار بھی تھا۔

بیس پچیس منٹ بعد وہ دونوں آئے جویریہ نے آگے بڑھ کر رابعہ کو گلے لگایا اور مزیب سے کہا

"رائحہ کو بلا کر لاؤ۔"

جب دونوں لڑکیاں آئیں، تب بھی جویریہ اسے ساتھ لگائے کھڑی تھیں۔

"رابعہ باجی آگئیں۔" رائحہ نے بھی اپنائیت سے کہا۔

"رابعہ...... یہ تمہاری چھوٹی بہن ہے، رائحہ...... اور یہ اس کی دوست نورین ہے۔"

"اور رائحہ، یہ رابعہ بی بی ابھی اس وقت جو کچھ دکھائی دے رہی ہیں، اس پر مت جاؤ، اصل میں تو یہ بے حد باتونی اور تیز لڑکی ہے، خالہ نجانے کس بے چارے کی قسمت پھوڑ گئی ہیں، اس کے ساتھ...... وہ بھی ایسا بونگا کہ جھٹ مان گیا، یہ نہیں دیکھا کہ زبان کتنی لمبی ہے۔" مزیب کی کوشش تھی، وہ ان سب کے درمیان خود کو اجنبی محسوس نہ کرے۔

"زبان تو تمہاری بھی بہت لمبی ہے زیبو، مگر دیکھ لو، سوہا کی آنٹی نے بھی تو دے دی اپنی اتنی پیاری بیٹی......" جویریہ کی بات پر رابعہ کے ساتھ ساتھ سبھی ہنس پڑے۔

"رائحہ، تم بڑوں کی باتیں کیوں سن رہی ہو، کچن میں جاؤ، ابھی جو خاص الخاص قسم کے مہمان آئے تھے، وہ اپنے ساتھ ایک عدد مٹھائی کا ٹوکرا بھی لائے تھے۔ ذرا پلیٹ میں لے کر آؤ۔ میں مٹھائی چیک کروں۔ ویسے بندہ پوچھے، ہم نے کیا کبھی مٹھائی نہیں کھائی جو ٹوکرا سجا کر لے آئے۔"

"کیوں، آپ سوہا کے ہاں لے کر نہیں گئے تھے......؟" نورین نے اردشیر کی حمایت کی۔

"وہ تو چند دن پرانی بات ہے...... اب ان فضول رسموں کا خاتمہ ہو جانا چاہیے۔ مجھے تو ابھی سے اپنی صحت کی فکر پڑ گئی ہے۔ کھا کھا بیمار ہو جاؤں گا۔"

رائحہ مٹھائی لے کر آئی تو نورین نے اپنے قبضے میں کر لی۔ یہ کہہ کر کہ...... "میں آپ کی صحت برباد نہیں ہونے دوں گی۔"

"یہ زیادتی ہے...... طلال، تم دانت نکال رہے ہو، پکڑو اس پلیٹ کو۔"

"تمہیں پتا ہے، اردشیر میری آنٹی کا بھی دوست ہے اور میرا تو بھائی ہے، میں تو برداشت نہیں کر سکتی اس کا مذاق۔"

"مذاق کس نے اُڑایا ہے، ہم تو مٹھائی کی بات کر رہے تھے۔"

"مٹھائی بھی تو اُس نے بھیجی ہے۔"

اُس نے پلیٹ رابعہ کی جانب بڑھائی۔

"دیکھا رائحہ، یہ ہوتی ہیں بہنیں......"

"تو کیا میں آپ سے پیار نہیں کرتی بھائی......؟" وہ چیخی یہ کہنے پر۔

"ایسے پیار کا اچار ڈالوں...... ایک زمانہ ہم پر باتیں بنا رہا ہے، آپ کھڑی معصومیت سے مسکرا رہی ہیں۔"

"کتنی خوشیاں ایک ساتھ ملی ہیں مجھے......" جویریہ احساسِ تشکر سے بھیگی پلکوں کے ساتھ کہہ رہی

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



تھیں۔

مگر آذر اور نورین انہیں قائل کرتے رہے اور ان ہی کے کہنے پر وہ دونوں گاؤں گئے اور وہاں پر جا کر قطعی رائے بدلنا پڑی۔ بیمار باپ کی تیمارداری، لوگوں سے ملنا ملانا اور جائیداد کے معاملات سنبھالتا ہوا وہ بہت ذمہ دار اور سنجیدہ دکھائی دیتا تھا۔ انہیں ہاں کرنا پڑی۔

اردشیر کو شادی کی جلدی تھی اور انہیں کوئی اعتراض بھی نہیں تھا۔ ہاں مزیب شور کر رہا تھا۔

''مما، پہلے منگنی تو میری ہوئی تھی، انصاف کے تقاضے کے تحت شادی بھی میری ہونی چاہئے تھی۔ کیوں رابعہ تمہارا کیا خیال ہے......؟'' وہ اپنا جہیز تیار کرتی رابعہ کو جان کر چھیڑتا۔ اس سے پہلے کہ جواب میں کچھ وہ کہتی، پوچھنے لگتا......

''یہ کیا بنا رہی ہو لڑکی، اتنی محنت مت کیا کرو، نظر کمزور ہو جائے گی، اور وہ تمہاری ہونے والی ساس وہ کہتی ہیں لڑکی گونگی بہری ہو، اعتراض نہیں، مگر اندھی نہ ہو، سنا ہے، 'اندھی' اُن کی چھیڑ ہے۔''

''زیبو، کہاں سے سن آتے ہو ایسی اُلٹی سیدھی باتیں......؟'' جویریہ کو اس کی باتوں پر بہت ہنسی آیا کرتی تھی۔

''مما، اپنی دونوں بہنوں سے مجھے بڑا پیار ہے، ان کے سسرال کی جاسوسی کرتا رہتا ہوں۔''

''رائحہ کے سسرال کے بارے میں کیا رائے ہے......؟'' طلال بھی دلچسپی لیتا تھا ان باتوں میں۔

''بلاؤ رائحہ کو، اُس کے سامنے بتاؤں گا، ہائے ویسے ترس بڑا آتا ہے مجھے اُس پر، تین تین ساسیں مائی گاڈ، کیا بنے گا اس لڑکی کا، ویسے میری ایک ساس ان تین پر بھاری ہیں ہا...... آنٹی یاسمین ظلم کا نشان، ہونہہ...... صاف کہہ دیا جب تک لڑکے کو سروس نہیں ملتی، میں تو لڑکی رخصت نہیں کروں گی...... اور بے چاری سوہا، دل ہی دل میں آنسو بہاتی رہی...... ہارٹ اٹیک ہوتے ہوتے بچا ہے اُسے۔''

''آپ کوئی ترکیب لڑائیں بھائی......''

''ہائے طلال، کیا ترکیبیں لڑاتی ہیں، وہ آنٹی بڑی ہوشیار ہیں، اب ہر کوئی رابعہ کی ساس کی طرح معصوم تھوڑی ہوتا ہے۔''

''مجھے تو بخش دیں، اپنی آنٹی کو ہی یاد کریں تو بہتر ہوگا۔'' رابعہ نے ہنس کر کہا۔

◆ ◆ ◆

رائحہ کی بارات گاؤں سے آرہی تھی اور رخصت کروا کر بھی انہوں نے گاؤں ہی جانا تھا۔ خوف تو صرف بڑی ماں کا تھا اس کے ذہن پر جوان سے ملنے کے بعد دُور ہو چکا تھا اور وہ گاؤں جانے میں کوئی اُلجھن محسوس نہیں کر رہی تھی۔

اردشیر اکیلا تھا، بہت سے کام اُس کی ذمہ داری تھے۔ ایسے میں بھی آذر بہت ساتھ دے رہا تھا۔ وہ فون پر مستقل رابطے میں تھا اور اب گاؤں آگیا تھا۔

جس وقت اردشیر فاطمہ شاہ اور گل رخ کے لئے کارڈ اور جوڑے لے کر شاہ اماں کے ڈیرے پر پہنچا تو آذر بھی اُس کے ساتھ تھا۔

آج بھی اُس نے دروازے پر بیٹھے پہرے دار سے اطلاع بھجوائی اور جلد ہی اندر بلوا لیا گیا۔ وہ آذر کو ساتھ آنے کا اشارا کر کے آگے بڑھ گیا۔



''آؤ پتر......'' آج فاطمہ اس کی آمد کا سن کر کمرے کے دروازے پر کھڑی تھیں۔

''کیسی ہیں آپ......؟'' اُس نے ہاتھ میں پکڑے پیکٹ آذر کو تھما دیئے اور آگے بڑھ کر انہیں بازوؤں میں لے کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے محبت بھرے انداز میں کہا۔

''بڑے دنوں بعد آئے ہو تم......؟''

''آپ کو انتظار تھا میرا......؟'' اُس نے اشتیاق سے پوچھا۔

''تم پھر یہاں آگئے ہو......؟'' فاطمہ کے کمرے میں گل رخ بھی موجود تھی، اب سامنے آکر بیزاری سے کہہ رہی تھی۔

''اماں، میں آپ دونوں کو لینے آیا ہوں۔'' وہ بات فاطمہ سے کر رہا تھا اور دیکھ گل رخ کی طرف رہا تھا۔

''پہلے بھی کہا تھا، کہیں نہیں جائیں گے ہم......''

''آذر آجاؤ یار، رُک کیوں گئے......؟'' اُس نے گل کی بات جیسے سنی ہی نہیں...... اور اندر آتے ہوئے آذر سے پیکٹ لے لئے اور فاطمہ سے بولا......

''اماں، شادی ہے آپ کے بیٹے کی، یہ سوٹ آپ کے اور گل کے لئے ہیں۔''

''ہمیں تم سے کچھ نہیں چاہئے۔'' گل نے رُخ موڑ لیا اور سخت لہجے میں کہا۔

فاطمہ نے بیٹی اور پھر اردشیر کو دیکھا، ان کی آنکھوں میں، چہرے پر بے بسی تھی، وہ کچھ فیصلہ نہیں کر رہی تھیں۔

''یہ کارڈ ہے...... پروگرام تفصیل سے لکھا ہوا ہے...... اماں اگر آپ آج چلنا نہیں چاہ رہیں تو شادی سے تین چار روز پہلے ضرور آجائیے گا۔''

''تم آخر بار بار کیوں آتے ہو......؟'' گل اُس کے چہرے پر سختی سے نگاہ جما کر لفظ چبا چبا کر بولی۔

''گھر آئے مہمانوں سے اس طرح بات کرتے ہیں کیا......؟'' اردشیر کو بے بس دیکھ کر آذر نے اس نازک سی مگر ہر بات اٹل لہجے میں کرنے والی لڑکی کو مخاطب کیا۔

''مہمان......'' اُس نے دانت پیسے پھر تیوری چڑھا کر بولی ''بن بلائے مہمانوں سے یہی سلوک ہوا کرتا ہے۔''

''تم دونوں اندر آجاؤ...... پتر، تم نے بتایا نہیں، یہ کون ہے......؟'' فاطمہ کا رویہ گل سے بالکل مختلف تھا۔

''یہ میرا دوست ہے آذر...... اور دیکھ لیں اماں، اس کے سامنے میری یہ عزت افزائی فرما رہی ہیں۔'' اردشیر اب بھی بدمزا نہیں ہوا تھا۔

گل سر جھٹک کر کرسی پر جا بیٹھی۔

''تم لوگ اندر آجاؤ، یہ تو جھلی ہے۔''

''نہیں اماں ہم چلتے ہیں، مگر آتے جاتے رہیں گے۔'' گل کے رویے نے مایوس بہت کیا تھا مگر اُس نے ظاہر نہیں ہونے دیا۔

''میں انتظار کروں گی۔'' انہوں نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''اماں انتظار تو میں کروں گا، سچ کہتا ہوں اگر آپ دونوں نہیں آئیں تو بہت افسوس ہوگا مجھے۔''

آذر نے گل رُخ کی جانب دیکھا، وہ اِدھر ہی متوجہ تھی، نظر ملی تو چہرے کا رُخ موڑ لیا۔

''محبتوں کی قدر کرنا چاہئے، یہ بار بار نہیں ملا کرتیں۔'' بلاشبہ آذر کی مخاطب وہی تھی پھر دونوں واپس آ گئے تھے۔

• • •

سہرابندی کی رات تھی، ایک گہما گہمی، شور ہنگامہ تھا...... گھر کے مکینوں سے زیادہ مہمان اور ملازم لڑکیاں خوش تھیں جب کہ مکین بظاہر ایک دوسرے کے قریب مگر بہت دُور تھے۔ زینت ہر کام سنبھل سنبھل کر کر رہی تھی۔ ستارہ ناک بھوں چڑھائے ایک جانب بیٹھی تھی، شیریں بظاہر سجی بنی رسموں میں بھرپور حصہ لے رہی تھی مگر بار بار یہی سوچ رہی تھی کہ بھائی اب بیوی لے آئے گا تو وہ لوگ تو بالکل علیحدہ ہو جائیں گی، اب اُن کی امی کا راج ختم ہوا چاہتا ہے۔ یہ کب کسی کو خاطر میں لائے گا۔

اور کبریٰ بظاہر ہر طرف نظر رکھتی نگرانی کرتی مبارکباد وصول کرتی ہوئی، مگر سوچ میں گم خالی جھولی، خالی ہاتھ اور خالی دل کے ساتھ......

اردشیر، آذر اور شہر سے آئے چند دوسرے دوستوں کے ہمراہ گیٹ کے قریب کھڑا تھا جب ایک گاڑی بڑا گیٹ کراس کر کے بیرونی احاطے میں آ رُکی۔ پہلے گل گاڑی سے اُتری پھر فاطمہ شاہ کو سہارا دے کر اُترنے میں مدد دی۔

وہ کچھ کہہ رہا تھا، خاموش ہو گیا اور یوں اِدھر دیکھنے لگا جیسے یقین نہیں آ رہا ہو۔

''تمہاری اماں اور بہن آ گئی ہیں اردشیر......'' آذر بھی خوش تھا، اُس نے اثبات میں سر ہلایا اور استقبال کو آگے بڑھا۔

''اماں...... آپ نے مان رکھ لیا میرا...... تھینک یو گل، بہت خوش ہوں میں تم لوگوں کے آجانے سے۔''

''مان رکھنے والے کا مان نہ رکھتی، اب ایسی بھی کٹھور نہیں۔'' سجی بنی نرم مسکراہٹ ہونٹوں پر سجائے وہ واقعی خوشی کی اس تقریب کا حصہ بننے والی ہی دکھائی دے رہی تھی۔

''تم چلو گل، اماں کو میں لا رہا ہوں۔'' اُس نے فاطمہ کو سہارا دیا۔

گل اثبات میں سر ہلا کر آگے بڑھ گئی۔

''مجھے تو پہلے ہی یقین تھا، آپ اتنی سنگدل ہرگز نہیں ہو سکتیں۔'' آذر کی آنکھوں میں پسندیدگی اور ہونٹوں پر شوخ سی مسکراہٹ تھی۔

گل نے اس سرگوشی پر چونک کر اپنے ساتھ چلنے والے کو دیکھا، کچھ حیرت بھی ہوئی مگر اچھا بھی لگا۔ مسکرا کر اندرونی گیٹ کی جانب تیز قدموں سے بڑھنے لگی۔

''گل بی بی آ گئیں...... شاہ اماں آ گئیں......''

اُن کی آمد پر ہلچل سی مچ گئی، ہر کوئی استقبال کو لپکا، یہاں تک کہ کبریٰ جو رسم کے لئے مٹھائی کا تھال سجا رہی تھیں، سب چھوڑ کر باہر آ گئیں۔ مگر سامنے کا منظر دیکھ کر قدم رُک گئے۔ وہ تو فاطمہ کے گلے لگنا چاہ رہی تھیں، کہنا چاہ رہی تھیں کہ...... جو راج میرا تھا، جس میں برابر کی حصے دار ہونے کے باوجود تمہیں میں



نے کچھ نہیں لینے دیا، آج وہ مجھ سے بھی چھن رہا ہے، میرا بیٹا مجھ سے دُور جا چکا ہے، وہ نفرت کرتا ہے مجھ سے، میں اب ایک قابلِ رحم عورت ہوں، اور اپنا تمام درد تم ہی سے کہہ سکتی ہوں۔

مگر انہیں سہارا دے کر تو وہ ہی لایا تھا۔

''تو گویا اب تمہاری جھولی بھری ہوئی ہے، محبت کے خزانے اب تمہارے لئے ہیں۔''

''اوہ اردشیر...... تم مجھے بار بار کیوں آزماتے ہو، تم میرے نہیں ہو، یہ احساس کیا کم اذیت ناک ہے، مگر تم کسی اور کے اب بھی ہو، یہ خیال تو میرے تن بدن میں آگ لگا دیتا ہے۔''

وہ ستون سے ٹیک لگائے بظاہر یہ منظر بغور دیکھ رہی تھیں۔

گل قریب آئی، گلے لگی اور مبارکباد دی۔

''مبارکباد تو مجھے دینی ہے تمہیں بھی، فاطمہ کو بھی کہ اس کے قریب تو تم ہو۔'' وہ مسکرائیں، گل مجھی ہیں مگر فاطمہ کو اِدھر ہی لاتے اردشیر نے بخوبی سنا مگر بظاہر نہیں سنا۔

رات دیر تلک ڈھولک پر تھاپ پڑتی رہی۔ لڑکیاں بھی گاتی رہیں۔ ہنسی مذاق بھی چلتا رہا۔ کبریٰ سہرابندی کی رسم کے بعد باہر نہیں آئیں، دُلہن کا کمرہ اپنی نگرانی میں تیار کرواتی رہیں۔

رات کے دو بج رہے تھے، اب تو ہنگامے بھی سو چکے تھے مگر وہ نہیں سوئیں ان طویل برآمدوں کے چکر لگاتی سیڑھیوں اور دالانوں میں پھرتی رہیں اور سالوں پہلے لائی جانے والی دُلہن بڑی شدت سے یاد آتی رہی۔

صبح بارات لے کر جانی تھی۔ سب ہی تیاریوں میں لگے ہوئے تھی۔ فاطمہ سے اردشیر شاہ نے کہا تھا۔

''آپ ضرور چلیں گی......''

اور وہ مان گئی تھیں...... زینت نے کہا تھا۔

''سبھی جائیں گے تو میرا شاہ جی کے پاس ٹھہرنا ہی مناسب ہے۔''

''تھوڑی دیر کی بات ہے، اتنے ملازم موجود ہیں، کوئی بھی دیکھ بھال کر لے گا۔ کیوں بابا جان، میں ٹھیک کہہ رہا ہوں ناں......؟''

شاہ جی نے بھی رضامندی دے دی تو وہ مان گئی۔

کبریٰ سے نہ اردشیر نے کہا اور نہ کسی نے ان سے پوچھا، شاید اپنے اپنے طور پر یہی سمجھے بیٹھے تھے، وہ ضرور شامل ہوں گی۔

وہ اپنے کمرے میں بیٹھی رہیں، اس انتظار میں کہ شاید وہ آئے، کہے......

''آپ بھی چلئے......''

اُس محبت کے ساتھ نہ سہی، رسمی طور پر ہی سہی۔

مگر انتظار، انتظار ہی رہا، بارات چلی گئی اور آنکھوں میں تیرتے آنسو بہہ کر چہرے پر آ گئے۔ یہ آنسو بڑی بے رحمی سے پونچھ کر وہ شاہ جی کے کمرے میں آ گئیں۔

''شاہ جی...... میں جانتی ہوں، آپ ناراض ہیں مجھ سے، آپ کے خیال میں، میں مکار فریبی عورت ہوں، جس نے آپ کے بیٹے کو آپ کے خلاف بھڑکایا ہے، جس نے آپ کے بیٹے سے جھوٹا پیار

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



جتایا، جو ہمیشہ دھوکے، فریب سے کام لیتی رہی۔ مجھے دیکھ کر آپ کے چہرے پر بیزاری کی لہر آ جاتی ہے کیوں شاہ جی، کیوں……؟ کیا سارے قصور میرے ہیں……؟ کیا آپ برابر کے مجرم نہیں ہیں……؟ آپ کی محبت نے مجھے یہ دن دکھایا ہے، مجھے مکار فریبی آپ نے بنایا ہے۔''

''بیگم جی، کھانا لے آؤں……؟'' ملازمہ دستک دے کر پوچھ رہی تھی۔

کبریٰ کے گلے شکوے اُدھورے رہ گئے۔ وہ واپس آ گئیں اور دُلہن کے لئے سجائے گئے کمرے میں صوفے پر آ بیٹھیں، وہیں بیٹھے بیٹھے آنکھ لگ گئی۔

جب بارات واپس آئی تو انہیں کسی ملازمہ نے آ کر جگایا۔

''کہاں ہے دُلہن……؟'' وہ ہڑبڑا کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگیں۔

''وہاں، کمرے میں……سب لوگ اُدھر ہی ہیں جی، بڑی ہی پیاری ووہٹی آئی ہے۔'' ملازمہ کی خوشی دیدنی تھی۔

کبریٰ اُٹھ کر ہال میں آ گئیں۔ اردشیر اور دُلہن صوفے پر بیٹھے تھے۔ وہ رشتے داروں سے تعارف کروا رہا تھا۔ پتا نہیں کیا کہہ رہا تھا……دُور سے سن نہیں سکیں۔ بہرحال ہال میں قہقہے گونج اُٹھے تھے۔

وہ دروازے سے ذرا آگے جا کر ہی رُک گئیں۔

''یہ گل ہے……میری چھوٹی بہن، بہت دلیر لڑکی ہے۔''

''ہاں بھابی، یہ تو آپ کے شوہر کو بھی کچھ نہیں سمجھتی۔'' صوفے کے پیچھے کھڑے آذر نے کہا۔

گل نے اُس کے مسکراتے چہرے کو دیکھا تو ہنس کر سر جھکا لیا۔

''یہ ستارہ اور شیریں آپا ہیں اور وہ جو سامنے کرسی پر بیٹھی ہیں، شاہ اماں ہیں……بہت صابر اور نیک عورت ہیں۔''

''یہ تعارف کا سلسلہ کسی اور وقت کے لئے اُٹھا رکھو۔'' آذر نے جھک کر سرگوشی کی۔

''نہیں، گھر کے افراد سے تعارف تو بہت ضروری ہے۔''

''تو گھر کے افراد کہیں بھاگے نہیں جا رہے۔'' یہ نورین تھی جو رائحہ کے برابر میں کھڑی تھی۔

''دُلہن کو بابا جان کے کمرے میں لے چلتے ہیں، اُن سے دُعائیں لینے۔'' گل نے اردشیر سے مشورہ طلب انداز میں کہا۔

''وہ اس وقت سو رہے ہیں، تقریباً ایک گھنٹے بعد جاگیں گے۔'' زینت نے بتایا۔

''اچھا تو شاہ تم تو فی الحال مردانے میں جا کر بیٹھو، جب تمہاری ضرورت ہوگی، بلوا لیں گے۔'' نورین نے رائحہ کو اُٹھاتے ہوئے کہا۔

''یہاں ساتھ بیٹھے ہم دونوں کیا برے لگ رہے ہیں……؟'' اُس نے منہ بنایا۔

''زیادہ مت پھیلو، ایک تو رُونمائی میں کچھ دیا نہیں، اُوپر سے ضد کر رہے ہو۔''

''رُونمائی دینے کی نوبت ہی نہیں آنے دی حضرت نے، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھابی کو دیکھے جا رہے ہیں۔'' آذر بھی مخالفوں میں شامل ہو گیا۔

''آذر تمہیں تو ابھی پوچھتا ہوں……اور نورین تم بھول رہی ہو، میری دوست کی حیثیت سے یہاں موجود ہو۔''



''جی نہیں، میں دُلہن کے ساتھ آئی ہوں۔'' اُس نے شانے اُچکائے۔

''چلیے بھائی، باہر واقعی لوگ آپ کا پوچھ رہے ہیں، اب میں یہ کیسے کہوں کہ بھائی پہلے ہی رن مرید ہو گیا ہے۔'' یہ گل تھی۔ اردشیر نے ناراضگی سے منہ بنایا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

''بڑے ظالم ہیں لوگ……'' آذر کا انداز معنی خیز تھا، اردشیر نے اسے دیکھا اور دونوں ہنس پڑے۔

• • •

وہ گاؤ تکیے سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی اور آہٹیں سن رہی تھی۔ باہر سے بہت دھیمی آوازیں کمرے میں آ رہی تھیں، لڑکیوں کی ہنسی مذاق اور باتوں کی مگر اس کا دھیان اِن آوازوں پر نہیں، قدموں کی اُس آہٹ پر تھا جسے اسی کمرے تک آنا تھا۔

دروازہ کھلا، رائحہ کا دل تیزی سے دھڑکا۔

اُس نے آنے والے کو دیکھنے کی کوشش نہیں کی، مگر یہ وہ تو نہیں ہے، اس کا احساس آنے والی کی چوڑیوں نے کروایا اور پھر اُس نے ذرا کی ذرا پلکیں اُٹھا کر دیکھ بھی لیا۔

آنے والی بڑی ماں تھیں۔

وہ قریب آئیں، گھونگھٹ اُٹھا کر اُس کا چہرہ بغور دیکھا اور گہری سانس کھینچ کر بولیں……

''بہت خوبصورت ہو……مگر یاد رکھو خوبصورتی قسمت کو بنانے اور بگاڑنے میں معاونت نہیں کرتی، قسمت تو مرد بناتا ہے اور بگاڑتا ہے……مرد کو ہمیشہ اُس کے دل میں دیکھنا چاہتی ہو، تو وجود اُس کے پیروں میں رکھنا، اس کی ہر خواہش کو ایمان بنا لینا، ضروری نہیں تم ہر خواہش پوری کر سکو، اگر ایسا نہ ہو تو مر جانا۔

یہ توقع ہی فضول ہے کہ ایک بار جو نظر سے اُتر جائے، وہ پھر سے اس کی نظر میں بس نہیں سکتی۔ بس یہ کھیل اُسی وقت ختم ہو جاتا ہے، اور سنو قصور ہمیشہ تمہارا نکلے گا، جرم اُسی کا ہی کیوں نہ ہو، احتجاج مت کرنا، قبول کر لینا کہ یہی تقدیر ہے، وہ تو بار بار آزمائے گا، تم آزمائش پر پوری اُترتی رہنا اور یہ بھی مت سوچنا کہ اس صبر کے صلے میں، اس کے جرم اپنے سر لینے کی وجہ سے اس کی ہر جائز و ناجائز خواہش مانتے رہنے کی صورت میں تم ایک روز انعام پاؤ گی، نہیں نہیں یہ تو خیال بھی دل سے نکال دو۔

سب ناز میکے کی دہلیز پر دھرے رہ گئے ہیں، اب تم عورت ہو، صرف عورت، دُلہن اور بیوی کا لفظ ایک دھوکا ہے ورنہ اب تم کچھ بھی نہیں، اپنے دل کو خالی کر لو، خواہشیں کیسی بھی ہیں، کتنی بھی ہیں، سب نکال پھینکو، یہاں وہی سب رکھتی رہنا، جو تمہارا شاہ آئندہ سالوں میں تم سے کہتا رہے گا۔ یاد رکھو، ہمیشہ یاد رکھو۔ اب تم پر خار وادی میں ننگے پیر کھڑی عورت ہو، بظاہر جاندار مگر بے جان ہجوم میں بھی تنہا۔

میں دُعا کروں گی کہ تم بیوی ہی رہو، بڑی بیوی اور بڑی ماں نہ بنو۔ اس کمرے کی قیمتی چیزیں کبھی بے قیمت نہ لگنے لگیں، کبھی یہاں برف کی سی ٹھنڈک نہ ہو……اس دروازے پر بھی قدموں کی دھمک ہمیشہ اُبھرتی رہے۔''

وہ رائحہ کو حیران چھوڑ کر باہر آ گئیں، ٹکراؤ اُدھر ہی آتے اردشیر سے ہوا، کبریٰ تھکے تھکے انداز میں جھکائے قریب سے گزر گئیں……اور اردشیر آگے بڑھ گیا۔

وہ شاہ جی کے کمرے کی جانب بڑھیں، دروازے پر رُک گئیں۔ زینت انہیں کھانا کھلا رہی تھی۔

More Books Visit : www.iqbalkalmati.blogspot.com



''یہاں تو میرے لئے جگہ نہیں ہے، پتا نہیں کیوں میں یہ بات بھول جاتی ہوں''

وہ دروازے سے ہی پلٹیں اور فاطمہ کے کمرے کی جانب آئیں۔ وہاں گل، نورین اور آذر موجود تھے اور شاہ اماں سے باتیں ہو رہی تھیں۔ وہ چپکے سے واپس ہو گئیں۔ ہر کمرے میں لوگ ہنستے مسکراتے باتیں کر رہے تھے...... کوئی بھی تو اکیلا نہیں تھا۔

تھک کر وہ پچھلے صحن میں آ گئیں۔

رات کی کالی چادر پر اکیلا چاند اپنی تمام تر خوبصورتی کے باوجود تنہا اور متلاشی ہے۔

وہ سیڑھیوں میں بیٹھ گئیں اور دیکھتی رہیں۔ خاموشی کی زبان میں اپنی زیادتیوں کا اعتراف کیا اور اس سزا کو قبول بھی کیا۔

مگر کس دل کے ساتھ......

آنسو تواتر سے بہہ رہے تھے...... اور ان آنسوؤں میں ڈوبتے دل کے ساتھ چاند بھی ڈوبتا اُبھرتا تھا۔

''محبت! تو بڑی نامراد شے ہے۔

کاش تیرا کوئی تمنائی نہ ہو...... رول دیتی ہے، مار دیتی ہے...... بڑا تڑپاتی ہے، ترساتی ہے، گرلاتی ہے، سر چڑھ کر بولتی ہے...... کیا سے کیا بنا دیتی ہے...... رُوپ ہی بدل دیتی ہے، قبضہ کر لیتی ہے، دل و دماغ پر اور مار ہی ڈالتی ہے۔

محبت! مجھے تجھ سے نفرت ہے...... جا اب جا، چلی جا، اچھا چھوڑ دے...... مجھے آزاد کر دے...... میں ہر سزا کے لئے تیار ہوں...... میں نے شاہ جی کی آنکھوں میں نفرت دیکھی ہے اپنے لئے...... اور اردشیر تو مکمل بیگانہ بن گیا ہے میرے لئے، مگر میرا دل پھر بھی تجھ سے آباد ہے۔

اور میں آزمائش میں ہوں......

اے محبت! بڑی ظالم ہے تو اور مجھے تجھ سے نفرت ہے۔''

جا...... اب چلی جا......

''اختتام''